(ناول)

مصنّف

رائیڈر ہیگرڈ

مترجم

مظہر الحق علوی

ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۶

# ISHAA
(Novel)

*by*
RIDER HAGGARD
***Translated by***
MAZHAR-UL-HAQ ALVI

Year of Edition 2010
ISBN 978-81-8223-670-7
Price Rs. 300/-

| | | |
|---|---|---|
| نام کتاب | : | ایشہ (ناول) |
| مصنف | : | رائیڈر ہیگرڈ |
| مترجم | : | مظہر الحق علوی |
| سنِ اشاعت | : | ۲۰۱۰ء |
| قیمت | : | ۳۰۰ روپے |
| مطبع | : | عفیف آفسیٹ پرنٹرس، دہلی۔۶ |

*Published by*
EDUCATIONAL PUBLISHING HOUSE
3108, Vakil Street, Kucha Pandit, Lal Kuan, Delhi-6(INDIA)
Ph : 23216162, 23214465, Fax : 0091-11-23211540
E-mail: info@ephbooks.com, ephdelhi@yahoo.com
website: www.ephbooks.com



# اپنے قارئین سے

شاید مجھے نکال کر پچھتا رہے ہوں آپ
محفل میں اس خیال سے پھر آگیا ہوں میں

جی ہاں ایہ میں ہوں، آپ کا اپنا مظہر الحق علوی۔ بہ فضلِ خدا بقیدِ حیات ہوں (حالانکہ اب عناصر میں وہ اعتدال نہیں) کوئی پچیس سال پہلے میں 'ادبی دنیا' سے انتقال کر گیا تھا بلکہ میرے اکثر قارئین نے تو سمجھ لیا تھا کہ میں اس دنیائے آب وگل سے بھی انتقال کر گیا ہوں، لیکن یہ چند سطور اس بات کا ثبوت ہیں کہ ایسا نہیں ہوا۔

نسیم انہونوی صاحب کے انتقال اور نسیم بکڈپو میں آگ لگنے کے بعد نسیم بکڈپو سنبھل نہ سکا۔ سرے سے ختم ہو گیا۔ چنانچہ مایوس ہو کر میں نے بھی قلم رکھ دیا کہ بھائی اب تم بھی لکھنا لکھانا ختم کرو اور بیٹھے رہو تصورِ جاناں کیے ہوئے۔

ان بیس پچیس برسوں میں دوست احباب، خصوصاً عفت موہانی (جن کو مرحومہ لکھتے ہوئے دل خون ہوتا ہے) تقاضہ کرتے رہے کہ میں پھر قلم اٹھاؤں، کم سے کم وہ ناول مکمل کر دوں جو نسیم بکڈپو کے بند ہو جانے کے باعث نامکمل رہ گئے ہیں۔ لیکن افسوس کہ کوشش کے باوجود طبیعت ادھر نہیں آئی۔ اس عرصے میں وہ بھی رخصت ہوئے جو میرے بہت قریب اور ہمدرد تھے اور میرے ناولوں کے رسیا۔ ہارون رشید (ایڈیٹر اردو بلٹز) مجروح سلطانپوری، ساحر لدھیانوی، جاں نثار اختر، ظ۔ انصاری اور کرشن چندر وغیرہ تو بہت پہلے ہی جا چکے تھے سردار جعفری، کیفی اعظمی اور عفت موہانی آخر میں گویا حال ہی میں گئے چنانچہ یہ اونٹ کی پیٹھ پر آخری تنکا تھا جس نے مجھے بالکل ہی بٹھا دیا کہ اب نہ اٹھ سکوں گا۔

لیکن وہ کہتے ہیں نا کہ مایوسی کفر ہے۔ چنانچہ میرا کفر بھی ٹوٹا خدا خدا کر کے۔ میرے دو بے حد پیارے دوستوں نے نہ صرف تقاضہ کیا بلکہ باقاعدہ تحریک ہی چلا دی۔ ساجد رشید (ایڈیٹر نیا ورق) اور

شکیل رشید (منیجر ایڈیٹر اردو ٹائمز) ان حضرات نے نہ صرف مجھے اپنے ناول کے نئے ایڈیشن چھپوانے پر بلکہ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی کے مالک جناب محمد مجتبیٰ خان کو ناول چھاپنے پر رضامند کرلیا۔ گجرات کے دورے کے درمیان خان صاحب میرے دوست ذاکر حسین کے ساتھ بذات خود غریب خانے پر تشریف لائے اور دس بارہ ناول چھاپنے کے لئے اپنے ساتھ لے گئے (آپ کے تمام ناول چھاپ دوں گا۔ انہوں نے کہا)

چنانچہ اب ہوا یوں کہ "شراب کہنہ در جام نو" آپ کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے اور جام نو تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں کہ بہت خوبصورت ہے چنانچہ اس میں یہ شراب دو آتشہ ہو گئی ہے اور یوں میرے ان تین دوستوں اور کرم فرماؤں کی وجہ سے ادبی دنیا میں میرا دوسرا جنم ہوا ہے۔

رہا نئے ناول پیش کرنے کا سوال تو بشرط زندگی وہ بھی پیش کرتا رہوں گا۔ اب تو حوصلہ پھر بلند ہے چنانچہ سینہ ٹھونک کر کہہ سکتا ہوں کہ

لگا رہا ہوں مضامینِ نو کے پھر انبار
خبر کرو میرے گلشن کے خوشہ چینوں کو

ساجد رشید اور شکیل رشید کے علاوہ ایک اور رشید بھی ہیں جو نئے تراجم کے لئے میرے حلق پر ناخن دیئے ہوئے ہیں۔ وہ ہیں رشید ابہام (ابہام کیوں ہیں یہ الگ داستان ہے، ہفتے میں ایک دفعہ میرے غریب خانے پر آجاتے ہیں اور جب تک میں زندہ ہوں یقیناً آتے رہیں گے۔ گھر میں قدم رکھتے ہی پہلا سوال ہوتا ہے ناولوں کا کام کس منزل میں ہے) خدا ان تینوں رشیدوں (ساجد رشید، شکیل رشید اور رشید ابہام) کو عمر دراز عطا کرے۔ آمین

میں ساجد رشید، شکیل رشید اور محمد مجتبیٰ خان صاحب کا ممنون اور احسان مند ہوں کہ ان کی وجہ سے مجھے ایک نئی زندگی ملی ہے۔ امید بلکہ یقین ہے کہ میرے اس نئے جنم میں بھی قارئین میرے ناول ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔

مظہر الحق علوی

(احمد آباد)

۱۸ مئی ۲۰۰۸ء

☆☆



# ایک بات

اس ناول کے متعلق مجھے صرف ایک بات کہنی ہے۔ یعنی یہ کہ ناول کئی برس پہلے "عذرا" کے نام سے چھپا تھا۔ اگر آپ نے وہ ناول پڑھا ہے تب بھی آپ سے میری درخواست ہے کہ آپ اس ناول کا مطالعہ فرمائیے کیونکہ آپ "عذرا" اور "ایشہ" میں زمین آسمان کا فرق پائیں گے بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ دونوں ناول ایک دوسرے سے قطعاً مختلف ہیں۔ سبب اس کا یہ ہے کہ میں نے باقاعدہ ترجمہ کیا ہے اور "عذرا" کے مترجم نے اس ناول کو اپنا بنا کر اور اپنا ہی ظاہر کر کے پیش کیا تھا چنانچہ انھوں نے بہت سے واقعات حذف کر دیئے تھے اور صفحے کے صفحے فارسی زبان میں یوں لکھتے چلے گئے تھے کہ پڑھنے والے گھبرا گئے تھے اور کہانی ان کی سمجھ میں نہ آئی تھی یا اگر آئی تھی تو بہت کم۔ یہ صفائی پیش کرنے کی ضرورت تو نہ تھی لیکن اپنے دیرینہ کرم فرما قبلہ نسیم انہونوی کے مشورے سے مجبور ہوں۔ وہ نہیں چاہتے کہ قارئین نئے نام اور یہی اصلی نام بھی ہے دھوکا کھائیں اور ناول کے مطالعہ کے دوران کسی قسم کی بے چینی محسوس کر کے سوچنے لگ جائیں کہ اس ناول کے چند واقعات سے وہ آشنا ہیں۔ اس سلسلے کا پہلا ناول "ایشہ اور الین" آپ نے یقیناً پڑھ لیا ہوگا۔ اگر نہیں تو اب سہی اور اس سلسلے کا تیسرا ناول "ایشہ کی واپسی" بہت جلد آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے گا۔

میں اپنے قارئین کا مشکور ہوں کہ وہ میرے ہر ناول کو شوق اور دلچسپی سے پڑھتے ہیں۔ چنانچہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ آج میں جو کچھ بھی ہوں خدا کے فضل اور اپنے قارئین ہی کی وجہ سے ہوں۔

خانپور سید واڑہ
احمد آباد

مظہر الحق علوی
۲۰ر نومبر ۱۹۷۳ء

☆☆

# تمہید

یہ ایک عجیب و غریب اور حیرت انگیز کہانی ہے جس کو میں دنیا کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ میرے خیال میں کبھی کسی فانی انسان کو ایسے تجربات نہ ہوئے ہوں گے، کبھی کسی کا ساتھ ایسی پراسرار ہستی بلکہ ہستیوں سے نہ پڑا ہوگا، کبھی کسی کے ساتھ ایسے سنسنی خیز واقعات نہ ہوئے ہوں گے اور کبھی خود آپ نے بھی ایسی حیرت انگیز اور رونگٹے کھڑے کر دینے والی داستان کا مطالعہ نہ کیا ہوگا۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں یہاں یہ بتا دوں کہ اس داستان کے ساتھ خود میرا کیا تعلق ہے۔ چنانچہ جان لیجئے کہ میں اس غیر معمولی داستان کا راوی نہیں بلکہ صرف مولف ہوں۔ یہ ظاہر کرنے کے بعد اب میں یہ بتا دینا مناسب بلکہ ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ داستان میرے ہاتھوں میں کیسے اور کہاں سے آئی۔

یہ کئی سال پہلے کی بات ہے کہ اس کہانی کا مؤلف یعنی راقم الحروف اپنے ایک دوست سے ملاقات کرنے گیا اور اس کے ساتھ ایک یونیورسٹی میں قیام کیا۔ قارئین کی سہولت کی خاطر ہم اس یونیورسٹی کو "کیمبرج" کہہ لیتے ہیں۔ چنانچہ یہ ان دنوں کا ذکر ہے جب میں اپنے ایک دوست کے ساتھ کیمبرج یونیورسٹی میں مقیم تھا ایک دن میری نظر دو آدمیوں پر پڑی جو ہاتھ میں ہاتھ دیئے سڑک پر جا رہے تھے ان دونوں کو دیکھ کر میرے دل پر عجیب اثر ہوا ان میں سے ایک میرے خیال میں حسین ترین نوجوان تھا۔ مردانہ حسن کا اعلیٰ ترین اور مکمل ترین نمونہ۔ بلند قامت، چوڑا اور مضبوط سینہ، پرقوت، خوددار اور پارہ سکھے کی سی منجھی ہوئی اور دلکش، سبک چال جو اس کی فطرت معلوم ہوتی تھی۔ چہرے کے نقوش بے عیب اور دل موہ لینے والے تھے۔ بے حد عمدہ اور حسین چہرہ۔ عین اسی وقت ایک خاتون اس کے قریب سے گزری تو اس نے اخلاقاً اپنا ہیٹ اتارا تو میں نے دیکھا کہ بال گھنے، گھنگھریالے اور سنہرے تھے جو چھوٹے چھوٹے ترشے ہوئے تھے۔

"دیکھا اس آدمی کو؟" میں نے اپنے دوست سے کہا جس کے ساتھ میں تفریح کر رہا تھا۔ ایسا



معلوم ہوتا ہے جیسے اپولو[1] کے مجسمے میں جان پڑ گئی ہو۔ کیا شاندار نوجوان ہے یہ۔"

"سچ کہتے ہو۔" میرے دوست نے کہا۔ "یونیورسٹی میں یہ سب سے زیادہ قبول صورت اور شریف نوجوان ہے۔ یونیورسٹی میں یہ "یونانی دیوتا" کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن اس دوسرے شخص کو دیکھا؟ یہ وینسی (یہ اس نوجوان کا نام تھا) کا اتالیق ہے۔ مختلف علوم سے واقف ہے یہ شخص، بلکہ مخزن ہے ان کا۔"

میں نے ایک بار پھر اس نوجوان کی طرف دیکھا اور پھر اپنے دوست کی بات سننے لگا۔

اس دوسرے کو ہم لوگ "کارون[2]" کہتے ہیں۔ غالباً اس کی صورت شکل کی وجہ سے یا پھر اس لیے کہ اس نے اس نوجوان کو امتحانات کے گہرے اور تیز و تند دریاؤں کے پار اتارا ہے۔

اب میں نے اس دوسرے اور معمر شخص کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اپنے طور پر دلچسپ تھا اور اس کا وجود بھی اپنے طور پر انسانیت کا ایک نمونہ لیکن مختلف نمونہ تھا۔ اس کی عمر میرے اندازے کے مطابق چالیس سال کی رہی ہوگی اور میرے خیال میں وہ اتنا ہی بدصورت تھا جتنا کہ اس کا نوجوان ساتھی خوبصورت تھا۔

وہ پست قامت تھا، اس کی ٹانگیں مڑی ہوئی تھیں جیسے کمان ہوں، سینہ دھنسا ہوا تھا اور اس کے بازو غیر معمولی طور پر لمبے تھے، اس کے بال کالے تھے اور آنکھیں چھوٹی چھوٹی تھیں، ماتھا بہت زیادہ تنگ تھا۔ چنانچہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ بال اس کے ماتھے پر بھی اگے ہوئے تھے اور اس کے گل چھے اس کے گالوں تک اگے ہوئے تھے۔ چنانچہ اس کے چہرے کے خطوط بہت کم نمایاں تھے۔ مختصر یہ کہ اسے دیکھتے ہی گوریلا یاد آ جاتا تھا۔ اس کے باوجود اس شخص میں کوئی خاص بات تھی، کوئی خوشگوار چیز جس کی وجہ سے بجائے اس کے کہ اس سے گھن آئے یا دل میں نفرت پیدا ہو جائے دل اس کی طرف کھنچ جاتا تھا۔ چنانچہ مجھے یاد ہے کہ میں نے اپنے دوست سے کہا کہ میں اس شخص سے ملنا چاہتا ہوں۔

"بہت اچھا۔" میرے دوست نے جواب دیا۔ "دنیا میں اس سے زیادہ آسان کام کوئی دوسرا ہے ہی نہیں۔ میں وینسی کو جانتا ہوں چنانچہ تمہارا تعارف کرائے دیتا ہوں۔"

---

[1] یونانی دیومالا میں روشنی، موسیقی اور شاعری کا دیوتا۔ روم کے واٹیکان میں اس دیوتا کا نہایت اعلیٰ اور قدیم مجسمہ ہے جو فن بت تراشی کا حیرت انگیز اور اعلیٰ ترین نمونہ ہے یہ مجسمہ سنگ مرمر کا ہے۔ [2] یونانی دیومالا میں پاتال کا ایک کردار جس کے لئے مشہور تھا کہ جب کوئی شخص مرجاتا ہے تو کارون اسے اپنی کشتی میں ڈال کر دوسری دنیا میں دیوتاؤں کے پاس پہنچاتا ہے۔ اس دریا کا نام جسے کارون عبور کرتا اور جو یونانیوں کے اعتقاد کے مطابق زیر زمین بہتا تھا سٹیکس تھا۔ (مترجم)

اس نے سب سے تعارف کروادیا اور ہم لوگ وہیں کھڑے کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ یاد پڑتا ہے کہ ہم زولو قبیلے کے متعلق باتیں کر رہے تھے کیونکہ میں حال ہی میں افریقہ سے لوٹا تھا۔

عین اسی وقت ایک موٹی عورت جس کا نام میں بھول رہا ہوں، آ گئی۔ اس کے ساتھ سنہرے بالوں والی ایک حسین لڑکی تھی۔ مسٹر ونسی ان دونوں سے واقف تھا چنانچہ وہ فوراً ان کی طرف متوجہ ہوا۔ ان میں صاحب سلامت رہی، اور پھر مسٹر ونسی ہم سے رخصت ہو کر ان دونوں کے ساتھ چلا گیا۔

مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ جب ونسی کے بدصورت اتالیق نے، جس کا نام ہالی تھا ان دونوں عورتوں کو آتے دیکھا تو اس کا چہرہ ایک دم سے متغیر ہو گیا تھا۔ یہ تغیر دیکھ کر میرے دل میں عجیب طرح کی "کھد بد" ہونے لگی۔ ہالی باتیں کرتے کرتے ایک دم سے خاموش ہو گیا۔ اپنے ساتھی کی طرف ملامت کن نظر سے دیکھ کر سر ہلایا اور پلٹ کر اکیلا ہی سڑک پر چل دیا۔ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ ہالی عورتوں سے اتنا ہی ڈرتا تھا جتنا کہ لوگ باؤلے کتے سے ڈرتے ہیں۔ چنانچہ اس وقت اس کے فرار کا یہی سبب تھا البتہ نوجوان ونسی کے بشرے سے کسی ایسے جذبہ کا اظہار نہ ہوا جس سے پتہ چلتا کہ اسے بھی جنس مخالف سے نفرت ہو۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے ہنس کر اپنے دوست سے کہا تھا کہ ونسی ایک ایسا نوجوان ہے کہ کوئی بھی شخص اس کا تعارف اپنی منگیتر سے کروانا پسند نہ کرے گا محض اس خوف سے کہ کہیں اس کی منگیتر اسے چھوڑ کر ونسی کی طرف مائل نہ ہو جائے۔ وہ حیرت انگیز حد تک قبول صورت تھا اور سب سے بڑی بات تو یہ کہ اس میں وہ خود نمائی اور تکبر نہ تھا جو عموماً اس قسم کے نوجوانوں میں پایا جاتا ہے اور جس کی وجہ سے انھیں ان کے دوست اور ملنے جلنے والے بھی پسند نہیں کرتے۔

اسی شام میں کیمبرج سے رخصت ہو گیا اور پھر میری ملاقات "کارون" اور "یونانی دیوتا" سے نہ ہوئی۔ یعنی اس دن سے لے کر آج تک میں نے انھیں پھر کبھی نہ دیکھا اور میں سمجھتا ہوں کہ آئندہ بھی میری ان دونوں سے ملاقات ہوگی بھی نہیں۔

لیکن کوئی ایک سال پہلے مجھے ایک خط اور دو پیکٹ ملے۔ ایک پیکٹ میں مسودہ تھا۔ میں نے خط کھولا۔ نیچے دستخط پر نظر کی تو لکھا تھا۔

"ہوریس ہالی"

اس وقت یہ نام میرے لئے نامانوس تھا۔ خط کی عبارت یوں تھی۔



مکرمی۔ تسلیم

ہماری بے حد مختصر اور سرسری ملاقات کے پیش نظر آپ کو میری طرف سے یہ خط پا کر تعجب تو ضرور ہوگا۔ میں سمجھتا ہوں بلکہ مجھے یقین ہے کہ آپ کو یاد بھی نہ ہوگا کہ کبھی ہم ایک دوسرے سے متعارف ہوئے تھے۔ چنانچہ یہاں میں آپ کو یاد دلا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ایک دن کیمبرج کی ایک سڑک پر آپ سے میرا اور لیو ونسی کا جس کا میں اتالیق تھا، تعارف کروایا گیا تھا۔ مزید تفصیل میں جائے بغیر میں یہ بتا دوں کہ حال ہی میں میں نے آپ کی ایک کتاب کا مطالعہ کیا ہے جو افریقہ، وسط افریقہ کی ایک مہم کے متعلق ہے۔ میرا خیال ہے، اور یقیناً غلط نہیں ہے کہ آپ کی یہ کتاب نصف حقیقت اور نصف تخیل پر مبنی ہے۔ بہرحال یہ کتاب پڑھنے کے بعد ہی مجھے آپ کو یہ خط لکھنے اور آپ کی خدمت میں یہ دونوں پیکٹ ارسال کرنے کا خیال آیا۔ میں ایک مسودہ "دیوتا سورج کا شاہی اور صحیح بیٹا مطلب "فارع" یا فرعون کا "استارب[1] اور اصل کنجی "یا" سفال" ہاتھوں ہاتھ بھجوا رہا ہوں۔ اس مسودے کے مطالعہ کے بعد آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ میں اور میرا منہ بولا بیٹا لیو ونسی حال ہی میں ایک عجیب و غریب وسط افریقی کارنامہ انجام دے چکے ہیں۔ یعنی ہماری یہ مہم اور اس کے واقعات تخیلی نہیں ہیں۔ ہمارے ساتھ جیسے واقعات ہوئے ہیں وہ ایسے ہیں کہ میں یہ مسودہ ارسال خدمت کرتے ہوئے اس خیال سے پانی پانی ہو جاتا ہوں کہ آپ اس پر یقین نہ کرتے ہوئے مجھے جھوٹا گپ باز یا پاگل سمجھیں گے۔ اس مسودے کے مطالعہ کے دوران آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ہم اپنی اس عجیب و غریب داستان کو اپنی زندگی میں تو مشتہر نہ کریں گے، اس کا ہم ارادہ کر چکے تھے اور اگر حال ہی میں ایک نیا واقعہ یا نئی بات نہ ہو گئی ہوتی تو ہم اپنے اس ارادے پر قائم رہتے اور کوئی بھی ہماری اس افریقی مہم سے واقف نہ ہوتا۔ چند در چند وجوہات کی بنا پر جو آپ کو اس مسودے سے مطالعہ کے دوران معلوم ہو جائیں گی۔ میں اور لیو ونسی ایک بار پھر ایک دوسری مہم پر روانہ ہو رہے ہیں لیکن اس دفعہ وسط ایشیا کی طرف جہاں ہمارا قیام طویل ہوگا بشرطیکہ اس دنیا میں اگر کہیں حقیقت میں دانائی اور علم دستیاب ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم کبھی واپس نہ آئیں۔ چنانچہ اب صورت حال چونکہ بدل چکی ہے اس لیے لامحالہ یہ سوال پیدا ہوا کہ اپنی مہم کے عجیب و غریب، سنسنی خیز اور ہمارے خیال میں عجوبہ روزگار واقعات و حالات کو دنیا سے پوشیدہ رکھنا کہاں تک

---

[1] قدیم مصری جواہر جو بھونرے کی شکل پر تراشے جاتے تھے، اس پر کچھ نشانات یا علامتیں بنی ہوئی تھیں۔ فراعنہ اسے اپنے لباس یا تاج میں لگاتے اور اپنی مہر کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ مترجم

مناسب ہوگا؟ کیا اس داستان کو ہم اپنے تک محض اس لیے رکھیں کہ اس سے ہماری نجی زندگی کا تعلق ہے یا اس خوف سے کہ لوگ ہمیں جھوٹا اور پاگل سمجھیں گے؟ میرے خیالات کچھ تھے اور لیو کے کچھ اور چنانچہ کافی بحث و جھگڑے کے بعد ہم دونوں میں اس بات پر اتفاق ہوگیا کہ ہم یہ داستان تحریر کر کے آپ کی خدمت میں ارسال کردیں اور آپ اگر مناسب سمجھیں تو بے شک اس کو چھاپ دیں۔ البتہ شرط صرف یہ ہے کہ اس کی اشاعت کے وقت آپ ہمارے اصلی نام ظاہر نہ کریں گے اور حسب ضرورت اپنی مرضی کے مطابق انھیں اس طرح بدل دیں گے کہ اس کا اثر اصل داستان پر نہ پڑے گا۔

اب مزید مجھے کیا کہنا ہے؟ سچ تو یہ ہے کہ یہ میں نہیں جانتا سوائے اس کے کہ ایک بار پھر کہہ دوں کہ مسودے میں سارے واقعات بعینہ اسی طرح یہاں بیان کئے گئے ہیں جس طرح کہ وہ وقوع پذیر ہوئے تھے۔ رہی خود "عائشہ" تو اس کے متعلق میں نہ تو کچھ کہنا چاہتا ہوں اور نہ ہی اپنی طرف سے کسی قسم کے اضافے کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ اب ہمیں افسوس ہوتا ہے، اور دن بہ دن یہ تاسف بڑھتا ہی رہتا ہے، کہ جب موقع میسّر تھا تو ہم نے اپنی بے پروائی سے "عائشہ" کے متعلق مزید معلومات کیوں نہ حاصل کرلیں۔ کون تھی وہ؟ کور کے غاروں میں وہ کہاں سے آگئی تھی؟ اور یہ کہ اس کا اصلی مذہب کیا تھا؟ ہم نے کبھی دریافت نہ کیا اور اب؟ — افسوس ہم کبھی معلوم نہ کرسکیں گے۔ کم سے کم فی الحال نہیں۔ یہ اور ایسے دوسرے بہت سے سوالات میرے دل میں پیدا ہوتے ہیں لیکن اب ان سے کیا حاصل؟

تو آپ ہماری درخواست پر یہ کام کردیں گے؟ ہم آپ کو اجازت دیتے ہیں کہ اسے چھاپنے یا نہ چھاپنے کا فیصلہ آپ کیجئے۔ رہا اس کا صلہ تو اس کا صلہ یہ ہوگا کہ دنیا کے سامنے ایک حیرت انگیز داستان پیش کرنے کا سہرا بلا شرکت غیرے آپ کے سر ہوگا۔ ایسی داستان کا مطالعہ کسی نے نہ تو کبھی کیا ہوگا اور نہ آئندہ کبھی کرے گا۔ مسودے کا مطالعہ کیجئے اور پھر اپنی رائے سے آگاہ کیجئے۔ آپ کی سہولت کی خاطر یہ مسودہ میں نے کمر پر کنکر رکھ کر خوشخط لکھا ہے۔

مخلص

ایل۔ ہوریس ہالی[1]

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہ خط پا کر اور اسے پڑھ کر مجھے کس قدر تعجب ہوا، لیکن جب میں

[1] قارئین سمجھ گئے ہوں گے کہ مسودہ بھیجنے اور یہ خط لکھنے والے کا یہ اصلی نام نہیں۔ اس کی درخواست پر میں نے یہ نام بھی بہ صرف یہاں بلکہ پوری داستان میں بدل دیا ہے۔ مؤلف



نے مسودہ دیکھا بلکہ یوں کہیئے کہ مجھے اس کے دیکھنے کا وقت ملا تو میری حیرت کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ میں فوراً ہی مسودے کی طرف متوجہ ہوگیا تھا۔ جی نہیں ان دنوں میں اس قدر مصروف تھا کہ پورے پندرہ دنوں تک مسودہ نہ دیکھ سکا، لیکن جب میں نے مطالعہ کیا تو اسے اتنا ہی حیرت انگیز پایا جتنا کہ غالباً قارئین پائیں گے۔ چنانچہ میں نے اس معاملے کو آگے بڑھانے اور انجام تک پہنچانے کا فیصلہ کیا اور میں نے مسٹر ہالی کو اس سلسلے میں خط لکھا، لیکن ایک ہفتے بعد مجھے اپنا ہی خط واپس مل گیا۔ اس کے ساتھ مسٹر ہالی کے وکلا کا بھی خط ملا کہ ان کے مؤکل یعنی مسٹر ہالی اور لیو ونسی تبت کی طرف روانہ ہو گئے ہیں اور وہ یعنی وکلا ان کے پتے سے واقف نہیں۔

اس سلسلے میں مجھے اس سے زیادہ کچھ نہیں کہنا ہے۔ رہی یہ داستان تو اس کا فیصلہ میں قارئین پر ہی چھوڑتا ہوں کہ وہ جو چاہیں سمجھیں۔ میں یہ داستان بعینہ قارئین کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ میں نے اس میں کوئی رد و بدل نہیں کیا ہے سوائے اس کے کہ اصلی دو کرداروں کے نام بدل دیئے ہیں۔ میں خود اس داستان پر اپنی طرف سے کوئی تبصرہ کرنا نہیں چاہتا۔ یہ ایک ایسی عورت کی داستان ہے جو اپنی طویل عمر بے شمار برسوں کی زندگی کی عظمت و جلال کے لبادے میں لپٹی ہوئی جس پر لافانیت رات کے اندھیرے سائے کی طرح مسلط تھی۔ ابتدا میں میں نے سوچا تھا کہ یہ لافانی عورت دراصل ایک کنایہ ہے کسی دوسری عظیم قوت کا، لیکن پھر میں نے سوچا کہ کسی ایسی ہستی کو کسی عظیم قوت کا مظہر سمجھنا حماقت ہے جو دھرتی سے اپنی قوتیں حاصل کرتی رہی، جس کے سینے میں بھی انسان کا دل دھڑکتا ہے اور اس دل میں بھی جذبات کے ایسے طوفان اٹھتے ہیں، اس کے ساحل دل سے بھی رشک و رقابت کی موجیں بالکل اسی طرح ٹکراتی ہیں جس طرح کہ ہماری دنیا کے سمندروں کی موجیں ساحلی چٹانوں سے، لیکن جیسے جیسے میں مسودے کا مطالعہ کرتا گیا میں نے اپنا خیال بھی بدل دیا۔ جہاں تک میرا خیال ہے میں کہوں گا کہ یہ کہانی حقیقت پر مبنی ہے لیکن ناقابل یقین حد تک حیرت انگیز ہے اس لیے اس کی صداقت اور عدم صداقت کا فیصلہ میں قارئین پر ہی چھوڑتا ہوں۔ چنانچہ اس مختصر تمہید کے بعد میں لافانی "عائشہ" اور کور کے غاروں کو دنیا سے متعارف کراتا ہوں۔

مسودے کے مطالعے کے بعد مجھے ایک خیال آیا چنانچہ مناسب معلوم ہوا کہ لگے ہاتھوں اس کا اظہار بھی کردوں۔ قارئین دیکھیں گے کہ لیو ونسی کے کردار میں کوئی خاص بات نہیں ہے جو عائشہ جیسی ہوشیار مدبّر اور دانا عورت کا دل موہ لیتی یا اسے اپنی طرف کھینچ لیتی۔ میرے خیال میں تو اس کی شخصیت

بھی دلچسپ نہ تھی۔ واقعات وحالات کے پیش نظر ہم تو یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ مسٹر ہالی ایشہ کی توجہ کا زیادہ مستحق تھا۔ اپنی تمام تر بدصورتی کے باوجود وہ اپنی ہوشیاری عقل مندی سے ایشہ کو اپنی طرف متوجہ کر سکتا تھا، تو پھر کیا بات تھی کہ ایشہ جیسی عقل مند، تجربہ کار اور دنیا کے نشیب و فراز سے واقف لیوونسی کی طرف مائل ہوئی؟ کیا قالی قریط کچھ نہ تھا سوائے ایک معمولی نوجوان کے جو محض اپنے مردانہ حسن کی وجہ سے ہردلعزیز تھا؟ کیا اسی کی وجہ سے ایشہ نے لیوونسی کو پسند کیا یا پھر واقعی حقیقت یہی تھی کہ ایشہ ہزاروں سال سے قالی قریط کا انتظار کر رہی تھی اور اسے یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن وہ ضرور آئے گا۔ جب اسے لیوونسی میں قالی قریط نظر آیا تو وہ ایک دم سے اس کی طرف جھک گئی؟

یہاں میں پھر ان سوالات کے جوابات دینے سے قاصر ہوں۔ چنانچہ میں مسٹر ہالی کے مسودے کو لفظ بہ لفظ چھاپ کر اور دنیا کے سامنے پیش کر کے اس کا فیصلہ بھی قارئین پر چھوڑتا ہوں۔

مؤلف

☆☆



## پہلا باب

# ملاقاتی

چند واقعات ہمارے ساتھ ایسے ہوتے ہیں جن کے حالات اور فعل کا ماحول ایسا ہوتا ہے کہ ان کی تفصیلات ہمارے دماغ پر یوں نقش ہو جاتی ہیں جنھیں ہم بھلائے نہیں بھول سکتے۔ تو یہی حال اس منظر کا ہے جسے میں بیان کرنے جا رہا ہوں۔ اس کی تفصیلات میری نظر کے سامنے یوں وضاحت سے اور یوں صاف طور سے ابھر رہی ہیں جیسے یہ واقعہ ابھی گزشتہ کل کا ہی ہو۔

یہ بیس سال پہلے کا واقعہ ہے لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ مہینہ وہی تھا جو یہ مہینہ ہے جس میں میں یہ سطور لکھ رہا ہوں۔ خیر تو یہ ایک رات کا ذکر ہے میں، لڈوگ ہورلیس ہالی کیمبرج کے اپنے کمرے میں بیٹھا ریاضی کے ایک مسئلے پر سر کھپا رہا تھا۔ اب یہ تو مجھے یاد نہیں کہ وہ مسئلہ کون سا اور کیسا تھا البتہ یہ یاد ہے کہ ٹھیک ایک ہفتہ بعد میرا امتحان تھا، غالباً فیلوشپ کا، اور میرے کالج اور میرے اساتذہ کو یقین تھا کہ میں نمایاں کامیابی حاصل کروں گا۔ ریاضی کا مسئلہ حل کرتے کرتے میرا دماغ آخر کار تھک گیا، میں اٹھا، آتشدان کے قریب پہنچا اور اس میں جلتی ہوئی ایک پتلی لکڑی اٹھا کر اپنا پائپ جلا لیا۔

آتشدان کی چھت پر ایک موٹی اور لمبی موم بتی جل رہی تھی اور اس کے پیچھے دیوار میں ایک آئینہ جڑا ہوا تھا۔ پائپ سلگاتے وقت اتفاقاً میری نظریں اٹھ گئیں اور اس آئینے میں اپنا عکس دیکھا اور ٹھٹک سا گیا۔ لیکن لکڑی سلگتی رہی یہاں تک کہ اس نے میری انگلیوں کو ڈس لیا اور میں نے ہلکی سی "سسکی" کے ساتھ لکڑی چھوڑ دی۔ اس کے بعد بھی میں جہاں تھا وہیں کھڑا آئینے میں اپنی صورت دیکھتا اور سوچتا رہا۔

"خیر بھائی۔" میں نے آخر کار اونچی آواز میں کہا۔ "اپنی صورت شکل تو ایسی ہے کہ اس سے کوئی امید رکھنا فضول ہے البتہ دماغ تیز ہے چنانچہ میں اس کے ذریعہ دنیا میں کوئی مقام حاصل کر سکتا ہوں۔"

پڑھنے والوں کو میری یہ بات یقیناً مبہم معلوم ہوئی ہوگی اور وہ الجھن میں پڑ گئے ہوں گے۔

لیکن حقیقت میں میرا اشارہ اپنی ظاہری بدہیئتی کی طرف تھا۔ لڑکوں کی صورت شکل کیسی ہی کیوں نہ ہوں بیس سال کی عمر میں انھیں جوانی کی کشش کا کچھ نہ کچھ حصہ عورت کی طرف سے مل ہی جاتا ہے لیکن میں تو اس سے بھی محروم تھا۔ پست قامت، پھیلا ہوا جسم، دھنسا ہوا سینہ، لمبے اور پتلے بازو کمان کی سی ٹانگیں، چہرے کے نقوش غیر متوازن، دھنسی ہوئی بھوری آنکھیں، تنگ ماتھا بھنوؤں کے تقریباً عین اوپر سے شروع ہوتے ہوئے بال، گھنے، کالے، موٹے اور گنجان بال جیسے بیہڑ میں اگی ہوئی کوئی جھاڑی — تو کوئی پچیس سال پہلے ایسی تھی میری شکل و صورت اور آج بھی، عمر کے تغیر کے باوجود، ایسی ہی ہے۔ قابیل کی طرح میں "داغا ہوا" تھا۔ قدرت نے مجھ پر غیر معمولی بدصورتی کا ٹھپہ لگا دیا تھا، بدصورتی اور بدہیئتی کے دہکتے ہوئے لوہے سے مجھے داغ دیا گیا تھا لیکن ستم ظریف قدرت نے مجھے جسمانی قوت، ذہنی قوت اور غیر معمولی ذہانت بھی عطا کی تھی۔ یوں سمجھیے کہ یہ میری بدصورتی کا بدل تھا۔

میں اتنا بدصورت تھا کہ میرے کالج کے چھیلے نوجوان میرے ساتھ کہیں آنے جانے میں شرم محسوس کرتے۔ وہ چنانچہ مجھ سے کتراتے تھے حالانکہ وہ میری جسمانی طاقت اور میری غیر معمولی ذہانت کے نہ صرف قائل اور معترف تھے بلکہ اس پر فخر بھی کرتے تھے کہ ایسا ذہین اور تیز طالب علم ان کا ہم جماعت اور ہم عصر ہے۔ چنانچہ اگر میں مردم بیزار اور تنہائی پسند تھا تو آپ ہی کہیے اس میں حیرت کی بات تھی؟ اگر میں آپ اپنے خول میں بند تھا، اگر میں تنہا ہی مطالعہ میں مصروف رہتا تھا، اکیلا ہی اپنے مسائل حل کرتا تھا، دنیا سے بیزار تھا اور اگر میرا کوئی دوست نہ تھا — سوائے ایک کے — تو اس میں حیرت کی کون سی بات تھی؟ خود قدرت نے مجھے دنیا سے الگ کر دیا تھا، خود قدرت نے دنیا سے میرا رشتہ منقطع کر دیا تھا۔

چنانچہ میری تنہا قدرت میری ساتھی تھی اور میں اسی کی آغوش میں سکون حاصل کرتا تھا۔ عورتیں میری صورت سے نفرت کرتی تھیں۔ ابھی کوئی ایک ہفتے پہلے میں نے ایک عورت کو اپنے متعلق "عفریت" کا لفظ استعمال کرتے سنا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ میں حد ساعت سے باہر تھا۔ اس نے مزید کہا تھا کہ قدرت نے مجھے بندر بناتے بناتے اپنا ارادہ بدل کر انسان بنا دیا۔ ایک دفعہ ایسا بھی ہوا کہ ایک عورت مجھ پر مہربان ہو گئی اور مجھ سے لگاؤ کی باتیں کرنے لگی۔ میں نہال ہو گیا اور اپنے تمام جذبات کا مرکز اسے بنا لیا اور اس کے لیے وہ سب کچھ کیا جو میں کر سکتا تھا لیکن پھر یوں ہوا کہ وہ ساری دولت جو مجھے ملنے والی تھی کسی اور کو ورثے میں مل گئی اور اس عورت نے مجھے چھوڑ دیا۔ میں اس کے سامنے گڑگڑایا، رویا اور اس کے پیروں پڑا کہ وہ مجھے نہ چھوڑے۔ میں نے اپنے آپ کو اتنا ذلیل نہ پہلے کبھی محسوس کیا تھا اور نہ آج تک کیا



ہے۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ اس عورت کی حسین صورت نے میرا دل موہ لیا تھا اور میں اس سے محبت کر رہا تھا۔ میرے اس سارے رونے دھونے کے جواب میں اس نے مجھے اٹھایا، میرا بازو پکڑا اور مجھے گھسیٹ کر قد آدم آئینے میں سامنے لے گئی، خود میرے پہلو میں کھڑی ہو گئی اور بولی۔

اب دیکھو آئینے کے اندر اس نے کہا "اور کہو کہ اگر میں حسین ہوں تو تم کیا ہو؟" یہ اس وقت کا واقعہ ہے جب میری عمر بیس سال کی تھی۔

خیر تو آمدم برسر مطلب، میں آتشدان کے سامنے کھڑا دیوار میں لگے ہوئے آئینے میں اپنی شکل دیکھتا رہا اور اپنی تنہائی کے احساس سے ایک عجیب طرح کا اداس سکون محسوس کرتا رہا کیونکہ نہ تو میرا باپ تھا اور نہ ماں، نہ بھائی تھا اور نہ بہن، میں اس بھری دنیا میں اکیلا تھا۔

میں آئینے میں دیکھ ہی رہا تھا کہ دروازے پر کسی نے دستک دی۔

میں نے فوراً ہی دروازہ نہ کھولا بلکہ کان لگا کر سنتا رہا کیونکہ اس وقت رات کے بارہ بج رہے تھے اور میں کسی اجنبی کو اس وقت کمرے میں آنے کی اجازت نہ دے سکتا تھا۔ کالج میں بلکہ پوری دنیا میں میرا صرف ایک دوست تھا چنانچہ میں سوچ رہا تھا کہ اتنی رات گئے میرے دروازے پر دستک دینے والا کہیں میرا وہی دوست تو نہ تھا؟

ابھی میں کوئی فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ دروازے کے باہر کھڑا ہوا شخص آہستہ سے کھانسا اور میں دروازے کھولنے کو دوڑ پڑا کیونکہ میں اس کھانسی سے واقف تھا۔ دروازہ کھولتے ہی تیس سال کی عمر کا ایک طویل القامت شخص اندر آ گیا۔ وہ حسین رہا ہوگا لیکن اب تو اس کے چہرے پر اس کے مردانہ حسن کے آثار ہی رہ گئے تھے۔ وہ ایک کافی بڑا آہنی صندوق سا پکڑے ہوئے تھا اور کمرے میں داخل ہوتے وقت اس کے بوجھ سے لڑکھڑا رہا تھا۔ اس نے صندوق میز پر رکھ دیا اور پھر اس پر کھانسی کا ایسا شدید دورہ پڑا کہ وہ کمر سے دہرا ہو گیا۔ وہ کھانستا رہا، کھانستا رہا یہاں تک کہ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا آخر کار وہ ایک کرسی پر ڈھے گیا اور خون تھوکنے لگا۔ میں نے ٹمبلر میں تھوڑی وہسکی انڈیل کر اسے دی۔ وہسکی پینے کے بعد اس کی حالت قدرے سنبھل گئی لیکن حقیقت میں اس کا یہ سنبھالا بہت برا تھا۔

"تم نے باہر سردی میں اتنی دیر تک کھڑا کیوں رکھا؟" اس نے خفگی سے کہا۔ "تم تو جانتے ہی ہو کہ سرد ہوائیں میرے لیے موت ہیں۔"

"میں جانتا نہ تھا کہ اس وقت کون آیا ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "تم آدھی رات کے

ملاقاتی ہو۔اس وقت تو کوئی کسی کے پاس نہیں جاتا۔

"ہاں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ میری آخری ملاقات ہے۔" اس نے کہا اور مسکرانے کی کوشش کی لیکن اس کی یہ مسکراہٹ بڑی بھیانک تھی۔"میرا آخری وقت آ گیا ہے ہالی۔اس دنیا میں میری زندگی کے دن ختم ہوئے۔میں سمجھتا ہوں ہالی، بلکہ مجھے یقین ہے کہ میں کل کا سورج نہ دیکھ سکوں گا۔"

"چہ ——— یہ کیا بچوں کی سی باتیں کرتے ہو۔" میں نے کہا۔"تم یہیں آرام کرو، میں ڈاکٹر کو لے کر آتا ہوں۔"

اس نے بیتابی سے ہاتھ ہلا کر مجھے جانے سے روک دیا۔

"شکریہ ہالی—لیکن مجھے کسی ڈاکٹر کی ضرورت نہیں۔خود میں نے ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کی ہے چنانچہ میں سب کچھ جانتا ہوں۔دنیا کا کوئی ڈاکٹر اب کچھ نہیں کر سکتا۔میرا آخری وقت آ گیا ہے۔پچھلے ایک سال سے اب تک میں زندہ رہا ہوں تو یہ بات ایک معجزہ ہے۔اچھا اب میری بات غور سے سنو—اتنے غور سے کہ اس طرح تم نے پہلے کبھی کسی کی بات نہ سنی ہو۔کیونکہ تم نے اگر نہ سنا اور نہ سمجھا تو مجھے اپنی بات دہرانے کا وقت نہ ملے گا۔ہالی! ہماری دوستی دو سال پرانی ہے۔اب یہ بتاؤ کہ اس عرصے میں تم نے میرے متعلق کتنا کچھ جانا ہے یا کیا جانتے ہو؟"

"میں یہ جانتا ہوں کہ تم امیر ہو اور تم کو کالج میں داخلہ کی دھن سمائی اور اس عمر میں داخلہ لیا جس عمر میں زیادہ تر طلبہ اپنی تعلیم مکمل کر کے کالج چھوڑ جاتے ہیں۔میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم نے شادی کر لی تھی اور یہ کہ تمہاری بیوی کا انتقال ہو چکا ہے اور یہ کہ تم میرے بہترین اور تنہا دوست ہو۔تمہارے علاوہ اس دنیا میں میرا کوئی دوست نہیں ہے۔"

"یہ جانتے ہو کہ میرا ایک بیٹا ہے؟"

"نہیں۔"

"ایک بیٹا ہے میرا۔اس کی عمر پانچ سال کی ہے۔اس نے میری بیوی کی جان لی——یعنی اس کی پیدائش میری بیوی کے انتقال کا باعث بنی۔نتیجہ یہ ہوا کہ میں نے اپنے بیٹے کی صورت کبھی نہ دیکھی۔دیکھ ہی نہ سکتا تھا۔یہ بات نہیں کہ مجھے اس سے نفرت ہو، لیکن اپنی بیوی کی موت کا باعث میں اسے ہی سمجھتا ہوں۔خیر ہالی اب اگر تم یہ امانت قبول کرو تو میں اپنے بیٹے کا متولی تمہیں بنا دوں گا۔"

میں ہڑبڑا کر کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔



"مجھے۔!!" میں نے کہا۔

ہاں تمہیں۔میں نے پورے دو سال تک تمہارے کردار کا مطالعہ بیکار ہی نہیں کیا ہے۔ایک عرصے سے مجھے احساس شدت سے تھا کہ میں زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہوں گا۔چنانچہ تب سے مجھے ایک ایسے شخص کی تلاش تھی جس پر میں اعتبار کر سکوں اور اس کے سپرد اپنا بیٹا اسے (اس نے آہنی صندوق کو تھپتھپایا) کر سکوں۔اور تم وہ شخص ہو ہالی جس پر مجھے اعتبار ہے۔تم بظاہر بدہیئت ہو، بدصورت ہو لیکن بہ باطن مخلص، وعدے کے پکے اور مستقل مزاج ہو اس درخت کی طرح جو بظاہر ٹیڑھا میڑھا لیکن اندر سے مضبوط ہوتا ہے۔

"سنو ہالی! میرا یہ بیٹا، جس کے تم متولی ہو گے دنیا کے قدیم ترین خاندان کا نمائندہ اور یادگار ہو گا۔میرا مطلب ہے جہاں تک شجرہ نسب کا کھوج لگایا جا سکتا ہے۔اس وقت تم مجھے پاگل سمجھو گے لیکن ایک دن تم پر ثابت ہو جائے گا کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں غلط نہیں۔سنو۔میرے پینسٹھویں یا چھیاسٹھویں جد امجد مصری اور دیوی ایزیس کے کاہن تھے۔حالانکہ وہ یونانی النسل تھے اور ان کا نام قالی قریطا[1] تھا۔اس کا باپ ان یونانی سپاہیوں میں سے ایک تھا جو اجرت لے کر لڑتے تھے۔اس قسم کے سپاہیوں کی ایک فوج ہک ہور نے بنائی تھی۔یہ ہک ہور فراعنہ کے انتیسویں سلسلے کا بادشاہ تھا، اور اس کا یعنی قالی قریطا کا دادا یا شاید سکڑ دادا وہی قالی قریطا تھا جس کا ذکر یونانی سیاح اور مورخ ہیروڈوٹس نے کیا ہے۔تین سو انچاس قبل مسیح میں یا اس کے آس پاس یعنی مصر کے آخری فرعون کے زوال سے کچھ پہلے، اس آخری قالی قریطا نے (جو دیوی ایزیس کا کاہن تھا) عمر بھر کنوارا رہنے کی قسم، جو اس نے دیوی کے سامنے کھائی تھی، توڑ دی اور شاہی خاندان کی شہزادی کے ساتھ، جو اس کی محبت میں گرفتار تھی، مصر سے فرار ہو گیا۔اس کا جہاز افریقہ کے ساحل پر، میرے خیال میں ڈیلوگا بے کے قریب کہیں ٹکرا کر ٹوٹ گیا—میرے اندازے کے مطابق یہ حادثہ اس مقام کے شمال میں پیش آیا تھا جہاں آج ڈیلوگا بے واقع ہے۔خیر تو یہ کہ قالی قریطا اور اس کی بیوی زندہ بچ گئے یا شاید بچا لیے گئے اور دوسرے جو بچ گئے تھے ایک یا دوسرے حادثات کا شکار ہو گئے۔مطلب یہ کہ ان دو کے علاوہ کوئی زندہ نہ بچا۔افریقہ میں یہ دونوں سخت مصائب اور مشکلات سے دوچار ہوئے۔آخر کار کسی وحشی قبیلے کی ایک زبردست ملکہ نے انہیں پناہ دی۔یہ ملکہ حیرت انگیز طور پر حسین اور سفید فام تھی اس ملکہ نے میرے جد امجد قالی قریطا کو آخر کار قتل

1. قالی قریطا یعنی حسین۔یا لغوی معنی لئے جائیں تو قوتوں میں حسین۔

کر دیا۔ اس کی وجہ میں نہیں جانتا لیکن اگر تم زندہ رہے اور اس آہنی صندوق کے اثاثے کا مطالعہ کیا تو شاید تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ حبشیوں کی اس سفید فام ملکہ نے قالی قریطا کو کیوں قتل کیا تھا۔ بہر حال قالی قریطا کی بیوی کسی طرح سے اپنی اور اپنے شیر خوار بچے کی جان بچا کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی اور افریقہ سے نکل کر خدا جانے کس طرح ایتھنس پہنچی۔ اس نے بچے کا نام، جو لڑکا تھا، ٹیسی تھینس یعنی عظیم انتقام جو رکھا۔

''اس واقعہ کے کوئی پانچ یا چھ سال بعد یہ خاندان ایتھنس سے روم چلا آیا۔ اس کے اس نقل وطن کا نہ تو کوئی سراغ ملتا ہے اور نہ ہی اس کی وجہ معلوم ہوئی ہے۔ یہاں اس خاندان نے ٹیسی تھینس کی یاد تازہ رکھنے کے لیے اپنا عرف یا خاندانی نام ''وِنڈکس'' رکھ لیا۔ اس کے بھی وہی معنی ہیں جو ٹیسی تھینس کے ہیں یعنی انتقام جُو یا انتقام لینے والا۔ یہاں بھی اس خاندان کا قیام پانچ چھ صدیوں تک رہا یہاں تک کہ سن عیسوی ۷۷۰ میں شارلیمن نے لمبارڈی پر، جہاں اس وقت یہ خاندان مقیم تھا، حملہ کر کے اس کو فتح کر لیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس خاندان نے کسی طرح شارلی من کے دربار میں رسائی حاصل کر کے اثر و رسوخ پیدا کر لیا اور اس عظیم فاتح کے ساتھ کوہ آلپس کے اس طرف آ گیا اور پھر یہ خاندان آخر کار برطانیہ میں آباد ہو گیا۔ آٹھ نسلوں بعد ونڈیس خاندان کا صلبی نمائندہ انگلستان چلا آیا۔ یہ شاہ ایڈورڈ کا دورِ حکومت تھا جو ''معترف'' کے لقب سے مشہور تھا اور شاہ ولیم فاتح کے اس خاندان نے حیرت انگیز عروج حاصل کیا۔ اس زمانے سے لے کر آج تک میں اپنا سلسلۂ نسب بغیر کسی رخنے کے جوڑ سکتا ہوں۔ انگلستان میں آباد ہو جانے کے بعد ہمارا خاندانی نام تیسری اور آخری دفعہ بدلا اور ہم ''ونسی'' کہلائے۔ ونسی خاندان ہر چند کہ نمایاں اور مشہور تھا لیکن اس کے افراد کسی میدان میں آگے نہ آئے۔ کبھی وہ سپاہی رہے اور کبھی تاجر تاہم انھوں نے اپنی عزت اور اپنی قابلیت کا معیار قائم رکھا۔ چارلس دوم کے دورِ حکومت سے لے کر موجودہ صدی کے اوائل تک ونسی خاندان تاجر رہا۔ سن عیسوی ۱۷۹۰ میں میرے دادا نے شراب کی بھٹی ڈال کر خاصی دولت بنالی اور پھر گوشہ نشیں ہو گئے۔ سن عیسوی ۱۹۲۱ میں ان کا انتقال ہوا اور ان کا ورثہ میرے والد کو ملا جنھوں نے زیادہ تر دولت اڑا دی۔ دس سال پہلے ان کا انتقال ہو گیا اور وہ میرے نام سالانہ دو ہزار نقد آمدنی چھوڑ گئے اور تب میں نے اس سلسلہ میں، اور اس نے آہنی صندوق کی طرف اشارہ کیا، مہم پر روانہ ہوا جو کامیاب نہ ہوئی اور مجھے خاصا نقصان برداشت کرنا پڑا۔ واپسی کا سفر میں نے براہ جنوبی یورپ کیا اور آخر کار ایتھنس پہنچ گیا۔ وہاں میری ملاقات میری



پیاری بیوی سے ہوئی .... وہ بے حد حسین تھی، اتنی حسین کہ اسے بھی میرے یونانی جدِ امجد کا لقب یعنی ''حسین'' دیا جا سکتا تھا۔ وہیں میں نے اس سے شادی کر لی اور وہیں ایک سال بعد میرے بچے کو جنم دے کر وہ مجھے داغِ مفارقت دے گئی۔

''شادی کر لینے کے بعد میں اپنے منصوبے پر عمل نہ کر سکا۔ اس کی تفصیلات میں بیان نہ کروں گا کیونکہ میرے پاس وقت نہیں ہے ہالی۔ بالکل وقت نہیں ہے۔ اگر تم نے میری درخواست منظور کر لی اور میرے بیٹے کے متولی بن گئے تو ایک دن تمہیں سب معلوم ہو جائے گا۔ خیر تو میں اپنی بیوی کے انتقال کے بعد ایک بار پھر اپنے منصوبے کی طرف متوجہ ہوا۔ لیکن سب سے پہلے یہ ضروری تھا۔ کم سے کم میرے خیال میں یہ ناگزیر تھا کہ میں مشرقی زبانوں کا عموماً اور عربی زبان کا خصوصاً علم حاصل کر لوں۔ چنانچہ اس غرض سے میں یہاں آیا لیکن بہت جلد ہی میرے اس موذی مرض نے زور پکڑا اور اب میرا خاتمہ قریب ہے۔ اور جیسے اپنی اس بات کے ثبوت کے طور پر وہ ایک بار پھر بری طرح سے کھانسنے لگا۔

میں نے اسے تھوڑی وہسکی دی اور جب اس کا دم ذرا درست ہوا تو اس نے کہا۔

''ہالی! میں نے اپنے بچے کو اس وقت دیکھا تھا جب وہ شیر خوار تھا۔ تب سے لے کر اب تک میں نے پھر اسے کبھی نہ دیکھا۔ اسے دیکھنے کی مجھ میں جرأت ہی نہ تھی، لیکن کہتے ہیں کہ وہ بہت ذہین اور خوبصورت ہے۔ اس لفافے میں'' اس نے جیب سے ایک سربمہر لفافہ نکالا۔ ''میں نے تحریر کر دیا ہے کہ میں اپنے بچے کو کیسی تعلیم دلانا چاہتا ہوں۔ یہ ایک خاص قسم کی تعلیم ہے۔ بہرحال میں یہ کسی انجانے شخص کو نہیں دے سکتا چنانچہ ایک بار پھر پوچھتا ہوں ہالی! کیا تم میری درخواست قبول کرتے ہو؟''

پہلے تو مجھے یہ معلوم کرنا ہے کہ مجھے کیا کرنا ہوگا اور یہ کہ کون سی ذمہ داریاں مجھ پر عائد کی جا رہی ہیں؟ میں نے کہا۔

تمہیں میرے لڑکے لیو کو اپنے ساتھ اس وقت تک رکھنا ہے جب تک کہ اس کی عمر پچیس سال کی نہیں ہو جاتی ــــ اور یاد رکھو اسے کسی اسکول میں نہیں بھیجنا ہے۔ جب وہ پچیس سال کا ہو جائے گا تو تمہاری سرپرستی ختم ہو جائے گی۔ اس کی پچیسویں سالگرہ کے دن تم ان کنجیوں سے جو میں تمہیں دے رہا ہوں۔'' اور اس نے کنجیاں میز پر رکھ دیں، یہ آہنی صندوق کھولو گے اور لیو کو ان چیزوں کو جو اس صندوق میں ہیں، دیکھنے اور ان کا مطالعہ کرنے دو گے اور اس سے پوچھو گے کہ وہ اس مہم پر جانے کے لیے تیار ہے یا نہیں۔ فیصلہ سراسر اس کی مرضی پر ہوگا۔ میں تمہیں مجبور نہیں کرتا کہ تم اسے اس مہم کا بیڑا

اٹھانے پر مجبور کرو۔ رہا لیمن رین کا معاملہ تو اس کے لیے یہ ہے کہ میری حالیہ سالانہ آمدنی دو ہزار دو سو پونڈ ہے۔ اس کی نصف آمدنی میں نے وصیت نامے کی رو سے عمر بھر کے لئے تمہارے نام لکھ دی ہے بشرطیکہ تم لیو کی سرپرستی قبول کرو۔۔۔ یعنی سالانہ ایک ہزار پونڈ بطور اجرت تمہیں ملتے رہیں گے۔ بقیہ رقم اس وقت تک جمع ہوتی رہے گی جب تک کہ لیو کی عمر پچیس سال کی نہیں ہو جاتی تا کہ لیو اگر اس مہم پر، جس کا ذکر میں نے کیا ہے، روانہ ہونا چاہے تو روپے پیسے کی طرف سے اسے دقتوں اور پریشانیوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

لیکن فرض کرو اس عرصے میں میں خود ہی مر گیا تو؟ میں نے پوچھا۔

تو لیو امیر جامعہ یا یونیورسٹی کی سرپرستی میں آجائے گا اور پھر جو اس کی قسمت میں ہوگا وہ ہوگا لیکن اگر خدانخواستہ ایسا ہو تو تم اپنے وصیت نامے کی رو سے یہ آہنی صندوق اس کے نام چھوڑ جاؤ گے۔ ہالی! خدا کے لیے انکار نہ کرو۔ اس میں تمہارا ہی فائدہ ہے۔ تم اس دنیا کے لیے بنے ہی نہیں ہو، تم اس دنیا میں ٹل جل کر رہ ہی نہیں سکتے سو دنیا تمہاری زندگی تلخ کر دے گی۔ چند ہفتوں بعد ہی تم اپنے کالج کے رفیق بن جاؤ گے اور تمہیں وظیفہ ملنے لگے گا چنانچہ اس وظیفے اور میرے ایک ہزار پونڈ سالانہ کی رقم سے تمہاری علمی زندگی مزے اور فراغت سے گزر جائے گی اور پھر تمہارے لیے اس تفریح اور مصروفیت کا سامان بھی پیدا ہو جائے گا جو تمہارے مزاج کے عین مطابق ہے۔"

وہ خاموش ہو گیا اور بے چینی سے میری طرف دیکھنے لگا، لیکن میں اب بھی شش و پنج میں پڑا ہوا تھا۔ یہ بڑی ذمہ داری تھی اور اتنی ہی عجیب بھی تھی۔

"میری خاطر ہالی!" اس نے کہا۔ "ہم دونوں بہترین دوست رہے ہیں، اور دوسرے انتظامات کا میرے پاس وقت نہیں ہے۔

"بہت اچھا۔" میں نے کہا۔ "مجھے منظور ہے۔ بشرطیکہ اس خط میں ایسی کوئی بات نہ ہو جو مجھے اپنا ارادہ بدلنے پر مجبور کر دے۔"

میں نے اس لفافے کی طرف اشارہ کیا جو اس نے کنجیوں کے قریب میز پر رکھ دیا تھا۔

"شکریہ ہالی! بہت شکریہ۔ اس خط میں کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ ہالی خدا کی قسم کھاؤ کہ تم لیو کو اپنے بیٹے کی طرح رکھو گے اور میرے اس خط کی ہدایتوں پر عمل کرو گے۔"

"میں قسم کھاتا ہوں۔" میں نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔



"شکریہ۔ لیکن یہ یاد رکھو ہالی کہ شاید ایک دن میں تم سے اپنی اس قسم کا حساب طلب کروں گا حالانکہ میں مر چکا ہوں گا اور دنیا مجھے بھلا چکی ہوگی' اس کے باوجود میں زندہ ہوں گا۔ موت جیسی کوئی چیز نہیں ہے ہالی، بلکہ یہ ایک تبدیلی ہے، اور اس تبدیلی کو بھی اس دنیا میں چند خاص حالات میں غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کیا جا سکتا ہے جیسا کہ میرے خیال میں ایک دن تم خود شاید معلوم کر لو گے۔"

ایک بار پھر اس پر کھانسی کا خوفناک دورہ پڑا۔

"اچھا" اس نے کہا۔ اب میں چلتا ہوں۔ صندوق اب تمہاری حفاظت میں ہے اور میرا وصیت نامہ میرے کاغذات میں مل جائے گا جس کی رو سے لیو کو تمہارے سپرد کر دیا جائے گا۔ تمہیں اجرت باقاعدہ ملتی رہے گی اور یہ اجرت کم نہیں ہے۔ تم مخلص اور ایمان دار ہو ہالی، لیکن اگر تمہاری نیت میں فتور آ گیا اور تم نے میری امانت میں خیانت کی، میرے بچے کو دھوکا دیا تو خدا کی قسم میں آسیب بن کر تمہیں ستاؤں گا اور زندگی عذاب کر دوں گا۔"

میں خاموش رہا۔ دراصل میں اتنا وحشت زدہ تھا کہ کچھ بول ہی نہ سکتا تھا۔

اس نے موم بتی جلائی اور آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اس میں خود اپنے چہرے کی طرف دیکھا۔ کبھی یہ خوبصورت چہرہ تھا لیکن مرض نے اسے بگاڑ دیا تھا۔

"قبر کے کیڑوں کی غذا۔" وہ بولا۔ "کس قدر عجیب بات ہے کہ چند گھنٹوں بعد میرا یہ جسم سرد ہو کر اکڑ چکا ہوگا۔۔۔ زندگی کا سفر ختم ہوا، آخری منزل سامنے ہے۔ کھیل ختم ہوا۔ ہائے! یہ میں ہوں ہالی۔۔۔ زندگی کسی قابل نہیں ہے۔۔۔ محض بیکار ہے۔۔۔ ہاں اگر تم کسی سے، اور کوئی تم سے محبت کرے تو پھر زندگی، زندگی ہوتی ہے۔۔۔ کم سے کم میری زندگی خالی اور بیکار رہی ہے، لیکن اگر میرے بیٹے لیو میں محبت ہوئی اور بھروسہ رکھا تو اس کی زندگی ایسی نہ گزرے گی جیسی میری گزری۔ الوداع میرے دوست۔"

اس نے ایک دم سے میری گردن میں بانہیں ڈال کر میرا ماتھا چوم لیا اور پھر جانے کے لئے چلتا۔

"سنو ونسی۔" میں نے کہا" اگر تم اتنے ہی بیمار ہو جتنا کہ تم سمجھ رہے ہو تو پھر میں ڈاکٹر کو بلا کر لاتا ہوں۔

"نہیں نہیں۔" اس نے ضدی بچے کی طرح کہا۔ "وعدہ کرو کہ تم ڈاکٹر کو نہ بلاؤ گے۔ میں مرنے والا ہوں۔ سنکھیا کھائے ہوئے چوہے کی طرح اور میں اکیلے میں مرنا چاہتا ہوں۔"

"نہیں تم ایسا کوئی کام نہ کرو گے۔" میں نے کہا۔

وہ مسکرایا۔

"بھولنا نہیں۔" اس نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

میں کرسی پر بیٹھ کر آنکھیں ملنے لگا اور سوچنے لگا کہ کہیں میں نے ایسا کوئی خواب تو نہیں دیکھا؟ چونکہ وہ خواب نہیں حقیقت تھی اس لیے میں نے سوچا کہ ونسی نے شاید بہت زیادہ شراب پی لی تھی اور اپنے ہوش میں نہ تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ ایک عرصے سے بیمار چلا رہا ہے اور اب بھی سخت بیمار تھا۔ لیکن یہ ناممکن تھا کہ اس کی حالت ایسی ہو گئی ہو کہ خود اسے یقین ہو جائے کہ وہ صبح تک زندہ رہے گا۔ اگر اس کی حالت حقیقت میں اتنی ہی مایوس کن ہوتی تو نہ تو وہ چل کر یہاں تک آ سکتا تھا اور نہ ہی یہ وزنی آہنی صندوق اٹھا کر لا سکتا تھا۔ چنانچہ غور کرنے پر مجھے اس کہانی اور پورا واقعہ ہی ناقابل یقین معلوم ہوا کیونکہ اس وقت نہ تو میری عمر اتنی تھی اور نہ ہی میں اتنا تجربہ کار تھا کہ سمجھ سکتا کہ اس دنیا میں بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ایک عام آدمی کے لیے اس قدر بعید از قیاس ہوتی ہیں کہ وہ انھیں ناممکن سمجھ لیتا ہے۔ یہ وہ حقیقت ہے جس سے میں حال ہی میں واقف ہوا ہوں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک شخص کا بیٹا ہو، اس کی عمر پانچ سال کی ہو اور اس نے اپنے بیٹے کو صرف اس وقت دیکھا ہو جب وہ ذرا سا حقیر کیڑے کا سا تھا۔ نہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اپنی موت کا صحیح وقت بتا سکے اور اسکے متعلق اتنے یقین سے کہہ سکے؟ نہیں— کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنا سلسلہ نسب تین سو سال تک قبل از مسیح ملا سکے؟ نہیں۔ یا کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنے اکلوتے بیٹے کو پوری طرح اپنے کالج کے دوست کے سرپرستی میں دے دے اور اپنی نصف دولت اس دوست کے نام کر جائے؟ قطعی نہیں۔ چنانچہ صاف بات تھی کہ ونسی یا تو نشے میں تھا یا پھر پاگل ہو گیا تھا۔ اگر ایسا ہی تھا تو پھر کیا مطلب تھا اس کی باتوں کا؟ اور کیا تھا اس مہر لگے آہنی صندوق میں؟

ان خیالات نے مجھے ایسا الجھا دیا اور اتنا پریشان کر دیا کہ میں برداشت نہ کر سکا اور سوچا کہ اس وقت تو سو جاؤں، صبح دیکھا جائے گا۔ چنانچہ میں نے کنجیاں اور وہ لفافہ، جو ونسی میرے نام چھوڑ گیا تھا اپنے ٹرنک میں رکھا اور آہنی صندوق ایک بڑی الماری میں چھپا کر بستر پر لیٹ گیا اور جلد ہی گہری نیند سو گیا۔

خدا جانے میں کب تک سوتا رہا، لیکن مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں چند منٹ بعد ہی سویا ہوں گا کہ میری آنکھ کھل گئی۔ کوئی مجھے پکار رہا تھا۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور آنکھیں مل کر دیکھا تو دن چڑھ آیا



تھا۔ آٹھ بجے تھے اس وقت۔

"کیوں؟ کیا بات ہے جون؟" میں نے اس لڑکے سے پوچھا جو میری اور ونسی کی خدمت پر مامور تھا۔ تمہارا رنگ تو یوں فق ہے جیسے تم نے بھوت دیکھ لیا ہو۔"

"ہاں جناب، بھوت ہی دیکھا ہے" جون نے کہا۔ بلکہ ایک مردہ دیکھا ہے جو آپ جانئے بھوت سے زیادہ لرزہ خیز ہوتا ہے۔ میں حسب معمول مسٹر ونسی کے کمرے میں صفائی کرنے گیا اور صاحب— صاحب— میرے خدا— وہ اپنے بستر میں برہنہ اور مردہ پڑے ہوئے تھے۔

☆☆

# دوسرا باب

## وقت گزرتا ہے

جیسی کہ توقع کی جاسکتی ہے ونسی کی موت سے پورے کالج میں حیرت و سنسنی کی ایک زبردست لہر دوڑ گئی۔ چونکہ سب کو ہی پتہ تھا کہ وہ سخت بیمار تھا اور پھر اس کی موت کی وجہ سے متعلق ڈاکٹری رپورٹ بھی اطمینان بخش تھی اس لیے اس سلسلے میں نہ تو تحقیقات کی گئیں اور نہ ہی قانونی چارہ جوئی ہوئی۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ آج کی طرح اس زمانے میں مرگِ ناگہانی کی تحقیقات نہ کی جاتی تھیں۔ اس قسم کی تحقیقات کو سرے سے ناپسند کیا جاتا تھا کیونکہ یہاں خاندانی عزت کا سوال آپڑتا تھا۔ چونکہ اس سلسلے میں جرح نہ کی گئی اس لیے میں نے یہ بات اپنے تک ہی رکھی کہ مرنے سے پہلے ونسی نے مجھ سے کیا کہا تھا اور ہمارے درمیان کیا گفتگو ہوئی تھی البتہ یہ ضرور بتادیا کہ وہ اس رات میرے پاس آیا ضرور تھا۔ چونکہ وہ اکثر میرے پاس آیا کرتا تھا اس لیے کسی کو یہ بات نہ تو غیر معمولی معلوم ہوئی اور نہ ہی کسی نے کسی قسم کا شک کیا۔

جلوس جنازہ کے دن ایک وکیل لندن سے آکر اس میں شریک ہوا اور جب میرے دوست کی تجہیز و تکفین ہو چکی تو یہ وکیل ونسی کے کاغذات اور وصیت نامے لے آیا، لیکن آہنی صندوق میرے ہی پاس چھوڑ کر واپس لندن چلا گیا۔ اس کے بعد پورے ایک ہفتے تک میری توجہ اس معاملے کی طرف سے ہٹی رہی کیونکہ میں اپنے امتحانات کی تیاریوں میں اس قدر مصروف رہا کہ اپنے دوست کے جلوس میں بھی شریک نہ ہوسکا تھا۔ آخرکار امتحانات ختم ہوئے اور میں اپنے کمرے میں تھکا ہارا آیا اور نڈھال سا کرسی میں ڈھے گیا۔ میں خوش تھا کہ میرے پرچے اچھے گئے تھے اور مجھے نمایاں کامیابی کی امید بلکہ یقین تھا۔

امتحانات کا بوجھ ختم ہو چکا تھا اور میں خود کو ہلکا پھلکا محسوس کررہا تھا۔ میری ایک بڑی فکر دور ہو چکی تھی۔ چنانچہ جلد ہی میرے خیالات نے رخ موڑا اور میں اس رات کے واقعات کے متعلق سوچنے لگا جس رات میرا دوست ونسی میرے پاس آیا تھا اور جس رات وہ اس دنیا سے رخصت ہوا تھا۔ ایک بار



پھر میں نے اپنے آپ سے پوچھا کہ کیا مطلب تھا اس کی باتوں کا اور سوچنے لگا کہ کیا یہ معاملہ ختم ہو گیا تھا تو پھر میں اس آہنی صندوق کا کیا کروں گا جو ونسی میرے پاس چھوڑ کر اس دنیا سے سدھارا تھا؟ میں کرسی پر بیٹھا سوچتا رہا، بس سوچتا رہا۔ یہاں تک کہ ان واقعات کی یادوں نے حقیقت میں مجھے وحشت زدہ کردیا۔ کیا تھا وہ سب کچھ؟ آدھی رات کے وقت ونسی کی پراسرار آمد۔ اپنی موت کے متعلق پیشین گوئی جو کچھ دیر بعد ہی پوری ہوگئی، وہ قسم جو میں نے اس کے سامنے کھائی تھی اور جس کے متعلق ونسی نے کہا تھا کہ میں اپنی قسم کے متعلق دوسری دنیا میں جواب دہ ہوں گا۔ کیا ونسی نے خودکشی کی تھی؟ معلوم تو ایسا ہی ہوتا تھا؟ اور وہ مہم اور تلاش کون سی تھی جس کا ذکر اس نے کیا تھا؟ یہ سب کچھ اتنا پراسرار تھا کہ میں سہم گیا حالانکہ میں نہ تو فطرتاً بزدل اور توہم پرست تھا اور نہ ہی میں نے کسی بات سے ڈرنا سیکھا تھا، لیکن یہاں میں خوفزدہ ہوگیا اور سوچا کہ کاش ان واقعات سے میرا کوئی تعلق نہ ہوتا۔ اور آج بیس سال بعد بھی میں یہی سوچ رہا ہوں کہ کاش ایسا نہ ہوا ہوتا۔

میں ابھی بیٹھا ان خیالات میں غلطاں و پیچاں ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ ملازم کمرے میں آیا اور اس نے ہلکے سبز رنگ کا ایک بڑا سا لفافہ میرے ہاتھ میں تھمادیا۔ میں نے فوراً سمجھ لیا کہ یہ وکیل کا خط تھا اور میری چھٹی حس نے مجھے بتایا کہ اس کا تعلق میرے ''ٹرسٹ'' یا وظیفے کے متعلق تھا۔

یہ خط اب بھی میرے پاس محفوظ ہے۔

اس کی عبارت یوں تھی

محترم

ہمارے مرحوم موکل مسٹر ایم۔ ایل۔ ونسی جن کا انتقال کیمبرج کے کالج میں اسی سال نو تاریخ کو ہو گیا ہے، ایک وصیت نامہ چھوڑ گئے ہیں۔ جس کے ہم وصی ہیں اور جس کی نقل اس خط کے ساتھ آپ کے ملاحظہ کے لیے منسلک ہے۔ اس وصیت نامے کی رو سے مرحوم ونسی کی جائیداد کی، جو کونسلس میں واقع ہے نصف آمدنی آپ کو تاعمر ملتی رہے گی بشرطیکہ آپ مرحوم کے اکلوتے بیٹے مسٹر لیو ونسی کی، جن کی عمر اس وقت پانچ سال ہے، سرپرستی قبول فرمائیں۔ اگر یہ وصیت نامہ خود مرحوم کی مرضی سے ہم نے تیار نہ کیا ہوتا اور یہ وصیت نامہ تحریر کرواتے وقت مرحوم اپنے ہوش و حواس میں نہ ہوتے تو یقین کیجئے کہ یہ اس قدر عجیب و غریب ہے کہ ہم یہ معاملہ چانسلری کی عدالت کے سپرد کردیتے کہ وہ مرحوم کے بچے کے مستقبل کی حفاظت کی خاطر جو چاہے فیصلہ کرے اور جس طرح چاہے جائیداد کی آمدنی کو استعمال

کرے، لیکن ہم جانتے ہیں کہ مسٹر ونسی شریف، خاندانی، اعلیٰ نسب اور ذہین تھے، اور یہ کہ اس دنیا میں ان کا کوئی عزیز نہیں ہے چنانچہ انھوں نے یہ فیصلہ یقیناً بے حد سوچ وچار کر کیا ہوگا اس لیے ہم چانسلری سے رجوع کرنے سے باز رہے اور ان کی وصیت کے مطابق آپ سے رجوع کیا۔

چنانچہ اب ہم بچے کو آپ تک پہنچانے اور جائیداد کا ڈیویڈنڈ آپ کو دینے کے لیے آپ کی ہدایت کے منتظر ہیں۔

مخلصین

جوفری اینڈ جورڈن

میں نے خط رکھ دیا اور وصیت نامہ پر سرسری سی نظر ڈالی۔ یہ وصیت نامہ جس طرح کی سمجھ میں نہ آنے والی عدالتی زبان میں لکھا گیا تھا اس سے پتہ چلتا تھا کہ یہ سو فیصدی قانونی ضوابط سے تیار کیا گیا تھا۔ جہاں تک میں سمجھ سکا وہاں تک میں کہہ سکتا ہوں کہ اس میں وہی باتیں درج تھیں جو میرے دوست ونسی نے اپنی موت کی رات مجھ سے کہی تھیں۔ تو پھر یہ سب کچھ حقیقت تھی۔ مجھے اس کے بیٹے کا سرپرست بہرحال بننا تھا۔

دفعتاً مجھے وہ خط یاد آیا جو ونسی آہنی صندوق کے ساتھ مجھے دے گیا تھا۔ میں الماری میں سے وہ خط نکال لایا۔ اس میں وہی ہدایتیں درج تھیں جو ونسی نے اس رات مجھے زبانی دی تھیں۔ یعنی یہ کہ لیو کی پچیسویں سال گرہ کے دن ہی وہ آہنی بکس کھولنا تھا۔ اس سے پہلے کسی صورت میں نہیں۔ پھر لیو کی تعلیم کے متعلق ہدایتیں درج تھیں کہ اسے یونانی، ریاضی اور عربی زبان کی تعلیم خصوصاً دلوانی تھیں۔ خط کے آخر میں یہ عبارت مزید تھی کہ اگر پچیس سال کی عمر تک پہنچنے سے پہلے ہی لڑکے کا انتقال ہو جائے اور ونسی کو یقین تھا کہ ایسا نہ ہوگا تو مجھے اس آہنی صندوق کو کھولنا تھا اور اس کا اثاثہ دیکھنے کے بعد اگر مناسب سمجھوں تو اس پر عمل کرنا تھا۔ اگر میں اس پر عمل کرنا مناسب سمجھوں تو پھر مجھے صندوق کی ساری چیزیں تلف کر دینی تھیں۔ کسی صورت میں مجھے یہ چیزیں کسی اور کو نہ دینا تھیں۔

لب چونکہ اس خط میں کوئی ایسی بات نہ تھی جو میری معلومات میں اضافہ کرتی اور نہ ہی کوئی ایسی بات تھی جو میرے دل میں شکوک وشبہات پیدا کر کے مجھے اپنا وہ وعدہ وفا کرنے سے باز رکھے جو میں نے اپنے دوست سے کیا تھا۔ چنانچہ اب میرے لیے ایک ہی راستہ باقی رہ گیا تھا کہ میں میسرس جوفری اینڈ جورڈن کو خط لکھ کر اپنی ذمہ داری قبول کر لوں اور انھیں مطلع کر دوں کہ آج سے ٹھیک دسویں



دن میں لیو کو اپنی سرپرستی میں لے لوں گا۔

اس طرف سے فرصت پا کر میں اپنے کالج کے منتظمین کے پاس پہنچا اور اس کے سامنے داستان کا کچھ حصہ جسے بیان کرنا ضروری تھا اور جو کچھ زیادہ نہ تھا بیان کر کے انھیں صورت حال سے آگاہ کیا اور درخواست کی کہ اپنی فیلوشپ حاصل کرنے کے بعد جو یقیناً مجھے مل جانے والی تھی مجھے لڑکے کو اپنے پاس رکھنے کی اجازت دی جائے۔ کافی بحث ومباحثے کے بعد اور بڑی مشکلوں سے میں نے انھیں اس پر رضامند تو کر لیا لیکن ساتھ ہی انہوں نے یہ شرط لگا دی کہ اس صورت میں مجھے کالج کے ہاسٹل کا کمرہ خالی کر کے قیام کا انتظام کسی اور جگہ کرنا ہوگا۔ میں نے یہ شرط منظور کر لی اور تھوڑی سی تلاش کے بعد کالج کے قریب ہی ایک عمدہ سا رہائشی مکان کرائے پر حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب مجھے لڑکے کی دیکھ بھال کے لیے آیا کی تلاش تھی۔ لیکن اس سلسلے میں میں نے ایک فوری فیصلہ کر لیا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ لڑکے کی دیکھ بھال کے لیے کسی عورت کو لاؤں کہ خواہ مخواہ مجھ پر حکمرانی کرے اور لڑکے کا دل بھی میری طرف سے اس طرح پھیر دے کہ اس کے دل میں میری انسیت جاگزیں ہو ہی نہ سکے۔ لڑکے کی عمر پانچ سال تھی چنانچہ وہ کسی عورت کی مدد کے بغیر بھی رہ سکتا تھا۔ اس لیے میں کسی مناسب خدمت گار کی تلاش میں لگ گیا۔ کافی بھاگ دوڑ کے بعد مجھے ایک بے حد شریف اور مخلص خدمت گار مل گیا۔ گول چہرے والا یہ نوجوان گھوڑوں کے ایک اصطبل میں ملازم تھا۔ لیکن اس نے یہ بتایا کہ چونکہ وہ ایک ''بھرے پرے'' خاندان کا فرد تھا جو پانچ چھ نہیں بلکہ پورے سترہ نفوس پر مشتمل تھا اس لیے وہ بچوں کی عادتوں اور ''نفسیات'' سے واقف تھا۔ چنانچہ اس نے بڑے یقین سے کہا کہ ''مسٹر لیو'' کے یہاں پہنچتے ہی وہ انھیں اپنے ''سایۂ عاطفت'' میں لے گا۔ اس طرف سے فرصت پا کر میں آہنی صندوق لے کر شہر پہنچا اور یہ صندوق خود اپنے ہاتھوں سے اپنے بینک میں رکھ دیا۔ اس کے بعد میں بچوں کی نفسیات اور ان کی پرورش وپرداخت کے متعلق چند کتابیں خرید لایا اور پہلے انھیں میں نے اکیلے میں پڑھا اور پھر انھیں بلند آواز میں جوب کو جیسا اس نوجوان خدمت گار کا نام تھا ــــ سنائیں ــــ اور پھر ہم انتظار کرنے لگے۔

آخر کار ایک معمر نرس بچے کو لے کر آئی اور میرے سپرد کر دیا۔ معمر نرس اس کی جدائی کے وقت بلک بلک کر روئی ــــ وہ بے حد خوبصورت لڑکا تھا۔ اگر میں یوں کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ ایسا مکمل ترین نہ تو میں نے پہلے کبھی دیکھا اور نہ آج تک دیکھا ہے۔ اس کی آنکھیں بھوری تھیں، ماتھا بلند تھا، چہرے کے نقوش ــــ اس عمر میں بھی ــــ کسی ماہر بت تراش کے شاہکار مجسمے کی طرح متناسب دل لبھا لینے والے

تھے۔اس کا چہرہ نہ ستا ہوا تھا اور نہ پھولا ہوا تھا جیسا کہ عموماً بچوں کا ہوتا ہے لیکن شاید سب سے زیادہ دلکش چیز اس کے بال تھے جن کی رنگت خالص سونے کی سی تھی اور وہ گھنگھریالے تھے۔جب نرس آخر کار رخصت ہوئی تو لیو قدرے رو دیا اور نرس نے لڑکے کو ہمارے حوالے کیا۔میں اس منظر کو کبھی نہ بھلا سکوں گا۔ لیو ہمارے سامنے اس طرح کھڑا تھا کہ کھڑکی سے آتی دھوپ اس کے سنہرے بالوں پر کھیل رہی تھی، ایک آنکھ پر وہ اپنی مٹھی رکھے ہوئے تھا اور دوسرے آنکھ سے ہماری طرف دیکھ رہا تھا۔میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور میں نے اپنا ایک ہاتھ اسے بلانے کے لیے اس کی طرف بڑھا رکھا تھا۔جوب کونے میں کھڑا تھا۔ وہیں سے اس نے ایک عجیب سی آواز نکالی جو بطخ یا مرغی کی کڑکڑاہٹ سے مشابہ تھی اور جو خود اس تجربے کے مطابق بچے کے دل میں ایک خاص قسم کا اثر کر کے اس کا اعتبار حاصل کروا سکتی تھی۔پھر وہ ایک چوبی گھوڑے کو، جو اتنا بدصورت تھا کہ کسی اناڑی کا بنایا ہوا تھا۔پکڑ کر آگے پیچھے دوڑانے لگا۔کچھ دیر تک یہ تماشہ جاری رہا اور پھر دفعتاً بچے نے اپنے ننھے ننھے بازو پھیلائے اور دوڑ کر میری آغوش میں آ گیا۔

"تم مجھے پسند ہو" اس نے کہا۔تمہاری صورت خراب ہے لیکن تم اچھے ہو۔"

دس منٹ بعد ہی لیو میز پر بیٹھا ڈبل روٹی کے مکھن لگے بڑے بڑے ٹکڑے کھا رہا تھا اور اس کے خوبصورت چہرے سے اطمینان ظاہر تھا۔جوب ڈبل روٹی پر جام لگانا چاہتا تھا لیکن میں نے اسے سختی سے روک کر ان بے حد عمدہ کتابوں کی بے حد عمدہ ہدایات یاد دلائیں جو ہم نے پڑھی تھیں۔

جیسی کہ توقع تھی میں امتحانات میں کامیاب ہو گیا اور کالج کا "رفیق" بن گیا اور بہت تھوڑے عرصے میں لیو پورے کالج میں ہر دلعزیز ہو چکا۔سب اسے پسند کرتے تھے اور سب اس سے پیار کرتے تھے۔اس کے لیے یونیورسٹی کے سارے قوانین وضوابط طاق پر دھرے رہ گئے ہمارے اصول اٹھا دیئے گئے۔وہ ایک آزاد پرندے کی طرح کالج میں بے روک ٹوک آنے جانے لگا۔اس کی بارگاہ میں جو نذرانے پیش کیے جاتے تھے وہ بے شمار تھے۔اس سلسلے میں کالج کے ایک پرانے رفیق سے میرا سخت اختلاف ہو گیا۔ان صاحب کا عرصہ ہوا انتقال ہو چکا ہے۔اس شخص کی بدمزاجی اور رکھائی ضرب المثل تھی اور سب ہی جانتے تھے کہ اسے بچوں سے سخت نفرت تھی اس کے باوجود یہ بے اصول شخص لیو کو اپنے کمرے میں برانڈی کی گولیاں کھلاتا ہوا پکڑا گیا۔ہوا یوں کہ ان دنوں میں بیمار تھا۔چنانچہ جوب لیو کے پیچھے سائے کی طرح لگا رہتا تھا اور اسی نے بڑے میاں کی یہ بے اصولی دیکھ لی اور انھیں مطلع کیا کہ انھیں شرم سے ڈوب مرنا چاہیے، اور وہ بھی تم اس عمر میں یہ حرکت کر رہے ہو جب کہ تم نے صحیح قدم اٹھایا ہوتا تو



آج تم اپنے پوتوں کے باپ ہوتے۔جوب کا اس "صحیح قدم" سے مطلب شادی تھا۔بہرحال اس پر خوب جھگڑا ہوا۔

بڑے خوشگوار دن تھے وہ جن کی خوشگوار یادیں مجھے اب بھی محظوظ کرتی ہیں، لیکن ان دنوں کے واقعات اور تفصیلات بیان کرنے کا نہ یہ وقت ہے اور نہ موقع اور نہ ہی میں اسے ضروری سمجھتا ہوں۔ دن مہینوں اور مہینے برسوں میں تبدیل ہوتے گئے اور گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ لیو کی محبت میرے دل میں اور میری محبت لیو کے دل میں بڑھتی چلی گئی۔کبھی کسی باپ نے اپنی اولاد سے اتنا پیار نہ کیا ہوگا جتنا پیار میں لیو سے کرتا تھا اور کبھی کسی کی اولاد کو اپنے باپ سے اتنی محبت اور انسیت نہ رہی ہوگی جتنی لیو کو مجھ سے تھی۔

وقت گزرتا رہا۔ننھا لیو، کم عمر لڑکے میں اور پھر بڑھ کر نوجوانی میں تبدیل ہو گیا۔اس کی عمر کے ساتھ ساتھ اس کا حسن اور ذہانت بھی بڑھتی گئی۔جب اس کی عمر پندرہ سال کی ہوئی تو کالج والوں نے اسے 'حسین' کا لقب دیا اور مجھے لنگور کا۔چنانچہ جب ہم دونوں باہر نکلتے تو کہا جاتا کہ ایک حسین اور ایک لنگور جا رہا ہے۔غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہم دونوں روزانہ تفریح کو جاتے تھے اور ویسے بھی ہر وقت ساتھ ہی دیکھے جاتے تھے۔ایک دفعہ لیو نے قصاب کے ایک تگڑے لڑکے کو جو عمر اور قد میں بھی اس سے زیادہ بلکہ دگنا تھا، پیٹ دیا۔وہ کم بخت ہمارے پیچھے پیچھے آ رہا تھا اور "ایک حسین اور ایک لنگور" کا گیت لہک لہک کر گا رہا تھا۔لیو ایک دم سے پلٹ کر اس پر ٹوٹ پڑا اور گھونسوں سے اس کی تواضع کرنے لگا۔ میں انجان بنا آگے بڑھ گیا، لیکن جب جھگڑا انتہا کو پہنچ گیا تو میں نے پلٹ کر لیو کو آواز دے کر اسے فتح کی مبارک باد دی۔لیو جب ذرا اور بڑا ہوا تو کالج کے گریجویٹ طلباء نے ہمیں نئے القاب دیئے۔مجھے کارون کہا گیا اور لیو کو یونانی دیوتا۔میں اپنے لقب کے متعلق سوائے اس کے کچھ اور نہ کہوں گا کہ میں کبھی قبول صورت رہا ہی نہیں۔عمر کے ساتھ میری بدصورتی میں کچھ اضافہ ہی ہوا تھا۔رہا لیو تو اکیس سال کی عمر میں وہ اس قدر حسین تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ یونان کے قبل از مسیح کے بت تراش نے جیسے لیو کو ہی "ماڈل" بنا کر دیوتا اپولو کا مجسمہ بنایا ہو۔میں نے آج تک کوئی ایسا نوجوان نہ دیکھا جو لیو کی طرح حسین ہو، اور نہ ہی کوئی ایسا نظر آیا جو اپنی اس خصوصیت سے لیو کی طرح بے خبر اور بے پرواہ ہو۔رہا اس کا دماغ تو وہ بھی تیز اور ذہین تھا، لیکن اسکالر کا نہ تھا۔اسکالر کے لیے جس قسم کی خشک مزاجی کی ضرورت ہوتی ہے لیو اس سے محروم تھا۔اس کی تعلیم کے سلسلے میں ہم نے اس کے مرحوم باپ کی ہدایتوں پر عمل کیا اور نتیجہ خاطر خواہ

صندوق اٹھا کر میز پر رکھ دیا اور پھر وہ جانے لگا۔

ایک منٹ جوب میں نے اسے روکتے ہوئے کہا۔ اگر مسٹر لیو کو کوئی اعتراض نہ ہو تو میں چاہتا ہوں کہ اس صندوق کے کھولے جانے کے وقت ایک گواہ ایسا گواہ جس کا تعلق اس معاملے سے نہ ہو، یہاں موجود رہے۔ ایسا گواہ جس پر ہم اعتبار کرسکیں اور جو اپنی زبان بند رکھے، کم سے کم اس وقت تک جب تک کہ ہم اسے بولنے کی اجازت دیں۔

''ہاں۔ ہاں۔ مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے چچا ہوریس۔'' لیو نے جواب دیا۔

میں نے لیو سے کہا تھا بلکہ اسے ڈانٹ کر ہدایت کی تھی کہ وہ مجھے چچا کہے۔ ابتدا میں اس نے اس پر اعتراض کیا تھا — کیونکہ لیو مجھے 'بڑے میاں' یا 'میرے عزیز' کہتا تھا — لیکن آخرکار، میرے خیال میں بادل ناخواستہ مجھے چچا کہنے کے لیے تیار ہوگیا۔

جوب نے اس پر اپنا ماتھا چھوا کیونکہ اس وقت اس کے سر پر ہیٹ نہ تھی۔

''جوب!'' میں نے کہا۔ ''کمرہ اندر سے بند کردو اور میرا سفری بکس لے آؤ۔'' اس نے اس حکم کی تعمیل کی اور میں نے اپنے بکس میں سے وہ کنجیاں نکالیں جو میرے دوست اور لیو کے باپ ونسی نے اپنی موت کی رات مجھے دی تھیں۔ یہ تین کنجیاں تھیں۔ ایک جدید تھی، اور دوسری بے حد جدید تھی۔ اور تیسری کنجی ایسی تھی کہ ہم میں سے کسی نے ایسی کوئی چیز کبھی نہ دیکھی تھی۔ یہ کنجی ٹھوس چاندی کی سلاخ سے بنائی گئی تھی۔ جس میں ایک دوسری سلاخ اڑی لگی ہوئی تھی۔ یہ کنجی کا دستہ تھا اور اس میں کھانچے سے بنے ہوئے تھے۔ مجھے تو یہ لیو کی ان گھڑ کنجی سی معلوم ہوئی۔

''اچھا تو اب تیار ہو تم دونوں؟'' میں نے پوچھا۔ ''اس شخص کی طرح جو کان میں سرنگ لگاتا ہے۔''

لیو اور جوب نے کوئی جواب نہ دیا۔ چنانچہ میں نے بڑی کنجی اٹھائی، تالے میں تیل ٹپکایا اور دو چار لغزشوں کے بعد کیونکہ میرے ہاتھ کانپ رہے تھے، آخرکار کنجی کو قفل کے سوراخ میں پھنسانے میں کامیاب ہوگیا۔ لیو نے جھک کر صندوق کا وزنی ڈھکن دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا اور کافی زور لگا کر کیونکہ اس کے قلابے زنگ آلود ہوگئے تھے اسے کھولنے میں کامیاب ہوگیا۔ اندر ایک صندوق تھا جس پر دھول کی تہ جمی ہوئی تھی۔ یہ صندوق ہم نے بڑے صندوق میں سے نکال لیا اور ایک کپڑے کے ٹکڑے سے اس پر کی وہ دھول صاف کرلی جو پتہ نہیں کتنے برس کی تھی۔



یہ چھوٹا صندوق آبنوس یا اسی قسم کی کسی مضبوط لکڑی سے بنا ہوا تھا اور اس کے چاروں طرف آہنی پتیاں لگی ہوئی تھیں۔ اس صندوق کی قدامت مسلم تھی۔ یقیناً یہ صندوق بہت زیادہ پرانا تھا اس قدر پرانا کہ سڑ گل کر ٹوٹنے کے قریب ہو رہا تھا۔

''اب اس کنجی کی باری ہے۔'' میں نے دوسری کنجی اس صندوق کے قفل میں ڈالتے ہوئے کہا۔

جوب اور لیو اشتیاق سے آگے کی طرف جھک گئے۔ میں نے سنا کہ ان کی سانسیں تیز تیز چل رہی تھیں۔ میں نے اس صندوق کا ڈھکن کھولا اور میرے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی کیونکہ اس میں چاندی کا ایک بے حد خوبصورت صندوقچہ رکھا ہوا تھا جو بارہ انچ لمبا، بارہ انچ چوڑا اور آٹھ انچ بلند تھا۔ یہ صندوقچہ یقیناً کسی مصری کاریگر نے بنایا تھا اور مصری کاریگری کا بے حد عمدہ نمونہ تھا۔ اس کے چاروں پائے ابوالہول کی شکل کے تھے اور اس کے گنبد نما ڈھکن پر بھی ایک ابوالہول بیٹھا ہوا تھا۔ قدامت کی وجہ سے صندوقچے پر بہت سے داغ دھبے پڑ گئے تھے ورنہ وہ ویسے کافی مضبوط تھا۔

میں نے یہ صندوقچہ نکال کر میز پر رکھ دیا اور پھر حیرت انگیز طور پر مکمل ترین خاموشی میں جو اس وقت چھا گئی تھی کیونکہ سب نے سانس تک روک لی تھی میں نے وہ عجیب و غریب چاندی کی کنجی صندوقچے کے قفل میں ڈال دی اور آہستہ آہستہ اسے دباتا چلا گیا یہاں تک کہ قفل کھل گیا اور اب چاندی کا صندوقچہ ہمارے سامنے کھلا پڑا تھا۔ صندوقچہ کسی قسم کی بھیر بھیر اور بھورے رنگ کی چیز سے لبالب بھرا ہوا تھا۔ یہ کاغذ کے بجائے کسی قسم کے نباتات کے ریشے معلوم ہوتے تھے۔ آج تک میں معلوم نہ کرسکا کہ وہ کیا چیز تھی۔ بڑی احتیاط سے میں نے یہ ریشے الگ کیے جو چند انچ گہرے تھے اور اب میرے سامنے ایک خط تھا جو جدید قسم کے معمولی لفافے میں ملفوف تھا۔ لفافے پر میرے مرحوم دوست ونسی کے خط میں تحریر تھا۔

اپنے بیٹے لیو کے لیے اگر وہ اس صندوقچے کو کھولنے کے لیے زندہ رہے۔

میں نے لفافہ لیو کی طرف بڑھا دیا، اس نے اس پر ایک نظر ڈال کر میز پر رکھ دیا اور مجھے صندوقچے کی دوسری چیزیں نکالنے کا اشارہ کیا۔

دوسری چیز جو میرے ہاتھ میں آئی وہ جھلی پر لکھا ہوا ایک مسودہ تھا جو بڑے احتیاط سے لپیٹا گیا تھا۔ اسے کھولا تو اس پر بھی ونسی کی تحریر تھی اور اس کی تحریر یوں تھی۔

"سفال پر کی یونانی تحریر کا ترجمہ۔"

اس پلندے کو میں نے خط کے قریب رکھ دیا۔ اس کے بعد ایک دوسری لپٹی ہوئی جھلی پر لکھا ہوا مسودہ تھا جو بے حد قدیم تھا اور قدامت کی وجہ سے سکڑ گیا اور تڑمڑ گیا تھا۔ اسے کھولا گیا۔ اس پر بھی اصل یونانی تحریر کا ترجمہ تھا لیکن بڑے حروف اور لاطینی خط میں حروف کے موڑ وغیرہ سے پتہ چلتا ہے کہ تحریر سولہویں صدی کے اوائل کی تھی۔

اس دوسرے پلندے کے نیچے کوئی سخت، ٹھوس اور بوجھل چیز تھی زرد کپڑے میں لپٹی ہوئی اور اس قسم کے ریشوں پر، جو میں نے صندوقچے سے سب سے پہلے نکالے تھے، احتیاط سے رکھی ہوئی تھی۔ بڑی احتیاط سے ہم نے یہ کپڑا کھولا۔ اس میں سے ایک کافی بڑا بے حد گندہ لیکن بے شک وشبہ بے حد قدیم ایک سفال نکل آیا۔ اس کا رنگ گندہ زرد تھا۔ یہ سفال کسی زمانے میں میرے اندازے کے مطابق کسی درمیانے حجم کے اور دودستہ ظرف یا برتن کا حصہ رہا ہوگا۔ رہیں دوسری باتیں تو اس کی لمبائی ساڑھے دس اور چوڑائی سات انچ تھی۔ پاؤ انچ وہ موٹا تھا۔ اس کے ابھرے ہوئے مناسب پہلو پر، جو صندوقچے کے پیندے پر ٹکا ہوا تھا، یونانی تحریر تھی۔ پورا پہلو تحریر سے بھرا ہوا تھا، یہ تحریر یہاں وہاں سے ماند پڑ گئی تھی لیکن زیادہ تحریر آسانی سے پڑھی جا سکتی تھی۔ یہ تحریر بڑی مہارت سے کندہ کی گئی تھی اور سرخ رنگ سے نمایاں کیا گیا یہ رنگ وہی تھا جو زمانہ قدیم میں عموماً استعمال کیا جاتا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں بھول جاؤں یہاں میں یہ بتا دینا ضرور سمجھتا ہوں کہ حیرت انگیز اور بے حد قدیم سفال کسی بھولے بسرے زمانے میں بیچ میں سے ٹوٹ کر دو ہو گیا تھا اور پھر اسے سیمنٹ اور آٹھ عدد دو نکیلی لمبی کیلوں سے جوڑا گیا تھا۔ اندرونی پہلو پر بھی تحریر تھی۔ لیکن یہ تحریر مختلف زمانوں میں مختلف ہاتھوں سے لکھی گئی تھی اور کچھ الجھی ہوئی سی تھی۔ سفال پر کی تحریروں اور چرمی کاغذ پر کی تحریروں کی تفصیلات میں اپنے وقت پر بیان کروں گا۔

"اور بھی کچھ ہے؟" لیو نے شدت شوق سے کانپتی ہوئی سرگوشی میں پوچھا۔

میں نے صندوقچے کے پیندے پر کے ریشوں کو ٹٹولا تو کپڑے کی ایک چھوٹی سی تھیلی میں رکھی ہوئی کوئی سخت سی چیز ہاتھ آ گئی۔ تھیلی میں سے سب سے پہلے جو چیز میں نے نکالی وہ ہاتھی دانت کا ایک ٹکڑا تھا جس پر بے حد خوبصورت نقش جڑا ہوا تھا۔ اس کے بعد تھیلی میں سے جو چیز برآمد ہوئی وہ ایک استارب تھا جس پر یہ نقش بنا تھا۔



اس علامت کے معنی اور مطلب اب ہم نے سمجھ لیا ہے۔ یہ مصری زبان کی تحریر تھی جو یوں ہے "سوتین سی را" اور اس کا ترجمہ ہے "راکا[1] شاہی بیٹا۔" ہاتھی دانت پر جو نقش تھا وہ دراصل لیو کی مرحومہ ماں کی تصویر تھی۔ کالی آنکھوں والی خوبصورت عورت۔ اس لاکٹ کی پشت پر مرحوم ونسی نے خط میں تحریر تھا

"بس یہی کچھ ہے اس صندوقچے میں۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔" لیو نے کہا اور وہ لاکٹ رکھ دیا جس کی طرف وہ بڑے پیار سے دیکھ رہا تھا۔

"اچھا۔ اب خط پڑھا جائے۔"

اور اس نے مزید کچھ کہے بغیر لفافہ چاک کر کے خط نکالا اور بلند آواز میں پڑھنے لگا۔

لکھا تھا:

"میرے بیٹے لیو!

جب تم یہ لفافہ کھولو گے، بشرطیکہ اس وقت تک تم زندہ رہے، تو اس وقت تم سن بلوغ کو پہنچ چکے ہو گے اور مجھے منوں مٹی تلے لیٹے اتنا عرصہ گزر چکا ہوگا کہ اپنے پرائے مجھے بھول چکے ہوں گے۔ تاہم یہ خط پڑھتے وقت یہ یاد رکھنا کہ میرا وجود تھا اور شاید اس وقت بھی میں تمہارے قریب ہوں گا یا ہوں۔ بہر حال میں قلم اور کاغذ کے توسط سے ہی موت کی خلیج کے اس پار سے تمہاری طرف اپنا ہاتھ بڑھا رہا ہوں اور میری آواز قبر کی اندھیری خاموشی میں سے تمہیں مخاطب کر رہی ہے۔ ہر چند کہ میں مر چکا ہوں اور تمہارے دل میں میری کوئی یاد نہیں ہے تاہم اس وقت جب کہ تم یہ تحریر پڑھ رہے ہو، میں تمہارے ساتھ اور تمہارے قریب ہوں۔ تمہاری پیدائش سے لے کر وقت تحریر تک میں نے تمہاری صورت شاید ہی کبھی دیکھی ہو۔ اپنی اس بے رخی کی میں معافی چاہتا ہوں۔ تمہاری زندگی نے اس کی زندگی لے لی جسے میں نے اس قدر چاہا تھا کہ کبھی کسی عورت کو اتنی شدت سے نہ چاہا گیا ہوگا۔ اس کی یاد میری زندگی کو تلخ بنائے ہوئے ہے۔ اس جسمانی اور دماغی اذیت کو میں برداشت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ تمہارے مستقبل کا اطمینان بخش انتظام کرنے کے بعد جو میں کرنا چاہتا ہوں وہ اپنی ان اذیتوں کا خاتمہ ہے۔ خدا میرا یہ گناہ معاف کرے۔ اگر میں بہت جیا تو زیادہ سے زیادہ ایک سال اور جی لوں گا۔"

"تو میرا خیال غلط نہ تھا۔" میں نے سر ہلا کر کہا۔ "ونسی نے خودکشی کر لی۔" لیو کوئی جواب

[1] را (رع) قدیم مصریوں کا بڑا دیوتا تھا۔ یعنی سورج۔ چنانچہ اسی پر سے مصری بادشاہوں کا لقب فارع (فرعون) یعنی سورج کا بیٹا۔ مترجم

ئے بغیر آگے بڑھا

اب مجھے اپنے متعلق کچھ نہیں کہنا کیونکہ بہت کہہ چکا۔ مجھے جو کہنا ہے اس کا تعلق تم سے ہے
کیونکہ تم حیات ہو کہ مجھ سے کہ میں مر چکا اور دنیا مجھے یوں بھول گئی جیسے میں کبھی اس دنیا میں تھا ہی
نہیں۔ میرے دوست ہالی نے (جس کے سپرد میں تمہیں کرنا چاہتا ہوں بشرطیکہ وہ یہ ذمہ داری قبول
کرے) یقیناً تمہیں اپنے خاندان کی حیرت انگیز قدامت سے آگاہ کر دیا ہوگا۔ اس صندوقچے میں سے
تمہیں دو چیزیں مل جائیں گی جو تمہارے خاندان کی قدامت کا ٹھوس ثبوت پیش کرنے کے لیے کافی
ہوں گی۔ وہ عجیب و غریب روایت جو تم سفال پر لکھی دیکھو گے یہ تمہارے صدیوں پہلے کے جد امجد نے
لکھی ہے اور یہ سفال، جو بادی النظر میں ایک ٹھیکرا معلوم ہوتا ہے، میرے والد نے مرتے وقت مجھے دیا
اور اس کے متعلق مجھے بتایا تھا اور یہ بات میرے دماغ پر اس طرح نقش ہو گئی تھی کہ میں اسے کسی طرح
جھٹک نہ سکا۔ میری عمر انیس سال کی تھی جب میں نے اس سلسلے میں تحقیقات کرنے کا فیصلہ کیا جیسا کہ
ملکہ الزبتھ کے زمانے میں ہمارے ایک جد امجد نے فیصلہ کیا تھا اور بدقسمتی سے دوچار ہوا تھا۔ جو کچھ مجھ
پر بیت گئی اس کی تفصیلات میں اس وقت بیان نہ کروں گا لیکن یہ تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ
ساحلی افریقہ پر اس علاقے میں جو اب تک پراسرار ہے اور جس کی کھوج اب تک مہذب دنیا نے
نہیں لگائی ہے دریائے زمباسی ڈیلٹا کے شمال میں اور اس سے کچھ دور ایک راس ہے جس کے انتہائی
سرے پر ایک بلند چٹان ہے اور اس کی چوٹی حبشی کے سر کی شکل کی ہے۔ ہو بہو ایسی جیسی کہ سفال پر تحریر
میں بیان کی گئی ہے، میں نے اپنا پڑاؤ وہیں ڈالا تھا۔ یہاں میری ملاقات ایک آوارہ گرد سے ہو گئی تھی
جسے اس کے قبیلے نے کسی جرم کی بنا پر، جو اس کافر سے سرزد ہو گیا تھا قبیلے سے نکال دیا تھا، گویا ”شہر بدر“
کر دیا تھا۔ اس آوارہ گرد کافر سے مجھے معلوم ہوا کہ اس عجیب چٹان کے پیچھے، بہت دور اور اندرونی
علاقے میں عظیم پہاڑ ہیں جو زبردست پیالوں کی شکل کے ہیں اور بہت سے غار ہیں جن کے
چاروں طرف دلدلیں پھیلی ہوئی ہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہاں جو لوگ آباد ہیں وہ کسی قسم کی عربی
زبان بولتے ہیں۔ اور ان کی ملکہ ”ایک بے حد حسین سفید فام عورت“ ہے جسے ان لوگوں نے یعنی ملکہ کی
رعایا نے بہت کم دیکھا ہے لیکن کہتے ہیں وہ زبردست قوتوں کی مالک ہے اور زندوں اور مردوں پر
حکومت کرتی ہے۔ مجھے باتیں بتانے کے دو دن بعد وہ شخص مر گیا کیونکہ دلدلیں عبور کرتے وقت وہ کسی
قسم کے جان لیوا بخار میں مبتلا ہو گیا تھا۔ چونکہ میرے پاس بھی اشیائے خورد و نوش کا ذخیرہ ختم ہو چکا تھا اس



لیے مجبوراً مجھے اسی جگہ سے لوٹ جانا پڑا۔ میں اس چھوٹی سی بادبانی کشتی پر سوار ہو کر لوٹا جسے لے کر میں آیا
تھا جس کے ذریعہ میں اس عجیب و غریب چٹان تک پہنچا تھا۔
”واپسی کے اس سفر پر مجھے کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور کیا واقعات پیش آئے ان کا ذکر
میں نہ کروں گا۔ مڈغاسکر کے ساحل کے قریب میری کشتی ایک حادثے کا شکار ہو گئی۔ چند مہینوں بعد ایک
برطانوی جہاز نے مجھے بچایا اور میں اس میں عدن پہنچا۔ وہاں سے میں انگلستان کی طرف روانہ ہوا
اور اس ارادے سے کہ ضروری انتظامات کے بعد میں ایک بار پھر اس تلاش پر روانہ ہو جاؤں گا انگلستان
جاتے ہوئے میں نے یونان میں قیام کیا اور وہاں میری ملاقات تمہاری ماں سے ہوئی۔ میں نے اس
سے شادی کر لی۔ وہیں تمہاری پیدائش ہوئی اور تمہاری ماں کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد ہی میرے اس
آخری موذی مرض نے مجھے اپنی گرفت میں لے لیا اور میں مرنے کے لیے یہاں آ گیا، لیکن ناامیدی
میں بھی میں نے امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور عربی زبان سیکھنے لگا۔ آلو کبھی میری طبیعت سدھر گئی تو
میں افریقہ جا کر وہ راز معلوم کروں گا جو صدیوں سے ہمارے خاندان میں نسلاً بعد نسلاً چلا آ رہا ہے، لیکن
میری طبیعت نہ سنبھلی اور جہاں تک میرا تعلق ہے یہ قصہ ختم ہوا۔
”لیکن تمہارے لیے، میرے بیٹے، یہ قصہ ختم نہیں ہوا۔ چنانچہ خاندانی سرمایہ مع اس کے
ثبوت کے، میں تمہارے سپرد کیے جاتا ہوں لیکن اس ہدایت کے ساتھ کہ یہ چیزیں اس وقت تک تمہیں نہ
دی جائیں جب تک کہ تم اس عمر کو نہیں پہنچ جاتے جب کہ آدمی بھلے برے میں تمیز کرنے اور اپنا فیصلہ آپ
کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اب یہ فیصلہ تمہیں کرنا ہے کہ اس معاملہ میں جو اگر حقیقت ہے تو دنیا کا
سب سے بڑا اسرار ہے، تحقیقات کرنا کہاں تک مناسب ہوگا یا پھر اسے ایک کہانی سمجھ کر اس پر ہنس کر
خاموش رہنا مناسب ہوگا جو دراصل ایک ایسی عورت نے بیان کی ہے جس کا دماغ شاید چل گیا تھا۔
تمہیں اختیار ہے کہ اس کے متعلق تم جو بھی چاہے سمجھو اور جو جی چاہے فیصلہ کرو۔
لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ محض ایک کہانی نہیں ہے بلکہ اگر ہمت کر کے کھوج لگائی جائے تو
ایک مقام یقیناً ایسا ہے جہاں دنیا کی زبردست قوتیں حقیقت میں اور نمایاں طور پر موجود ہیں۔ زندگی تو
بہرحال ہے۔ اس کا وجود ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ اسے لامتناہی بنانے کا سامان بھی موجود نہ ہو۔ کیا ایسا
نہیں ہو سکتا؟ لیکن میں نہ تو اپنی طرف سے کچھ کہنا چاہتا ہوں اور نہ ہی تمہارے دماغ کو مرکز سے ہٹانے
کا خواہش مند ہوں۔ تم خود پڑھ کر فیصلہ کر لو۔ اگر کبھی تم اس مہم پر روانہ ہونے کا فیصلہ کر لو تو اس مہم کے

خرچ اور ضروریات وغیرہ کے لیے میں اپنا ورثہ چھوڑے جا رہا ہوں لیکن اگر تم اسے محض ایک احمقانہ مگر دلچسپ داستان سمجھو تو پھر میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ اس تحریر اور اس کے ساتھ سفال اور تمام چیزوں کو تلف کر دینا تاکہ ہمارے خاندان کی پریشانی کا یہ باعث ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مٹ جائے اور شاید عقل مندی اسی میں ہے۔ انجانے اسرار بڑے خوفناک ہوتے ہیں۔ اس لیے نہیں کہ یہ مثال انسانی توہمات کی گھڑی ہوتی ہے بلکہ اس لیے کہ کبھی کبھی قدرت کے راز معلوم کرنے کی کوشش کرنے والا ایک یا دوسری قسم کی مصیبت میں پھنس جاتا ہے کہ زندگی اس کے لیے ایک مسلسل عذاب بن جاتی ہے۔ وہ بہادر یا احمق جو اس دنیا کے عظیم الشان اور خفیہ قوتوں کا، جو اس دنیا کو چلاتی ہیں، راز معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے تو آخر انہی قوتوں کا شکار بن جاتا ہے۔ لیکن اگر تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے۔ اگر تم نے ان پراسرار قوتوں پر سے نقاب اٹھا دی اس آزمائش میں پورے اتر کر تم نے لافانی حسن اور لافانی جوانی حاصل کر لی، وقت کو اپنے قبضہ میں کر لیا اور اپنے آپ کو موت سے بلند کر کے اپنے گوشت پوست کو سڑنے گلنے سے روکنے کی قوتیں پیدا کر لیں اور ہمیشہ حسین اور جوان بنے رہے تب بھی کون کہہ سکتا ہے کہ تمہیں سکون ملے گا؟ چنانچہ اے میرے بیٹے! اب فیصلہ تمہیں کرنا ہے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ وہ قوت جو اس دنیا پر حکمرانی کرتی ہے اور جو کہتی ہے کہ "اپنی زندگی میں تم بس یہیں تک پہنچ پاؤ گے اور اتنا کچھ ہی علم حاصل کرو گے۔" وہ قوت میری دعا ہے کہ صحیح فیصلہ کرنے کی تمہیں توفیق عطا فرمائے۔

الوداع

یوں یہ خط یکبارگی ختم ہو گیا۔ اس کے نیچے نہ تو دستخط تھے اور نہ ہی تاریخ درج تھی۔

"تو کیا خیال ہے تمہارا اس کے متعلق چچا ہالی؟" لیو نے خط میز پر رکھتے اور طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔ "ہمیں کسی بھید کی تلاش تھی اور ایک بھید تو یقیناً ہمیں مل گیا ہے۔"

"تم پوچھتے ہو کیا خیال ہے میرا؟ سیدھی سی بات ہے کہ تمہارے والد کا دماغ چل گیا تھا۔" میں نے تلخی سے کہا۔

"سچ پوچھو تو یہ شک مجھے بیس سال پہلے اسی رات ہوا تھا جب وہ میرے پاس میرے کمرے میں آئے تھے ورنہ کوئی وجہ تھی کہ وہ خودکشی کر لیتے چنانچہ بکواس ہے سب کچھ۔"

"بالکل یہی بات ہے جناب۔" جوب نے کہا۔ وہ اس طبقے سے تعلق رکھتا تھا جو تخیل سے کورا ہوتا تھا اور جوب اس کی بہترین مثال تھا۔



"بہرحال اب یہ بھی دیکھ لیا جائے کہ اس قدیم سفال کی تحریر کیا کہتی ہے" لیو نے کہا۔ اس نے وہ کاغذ اٹھا لیا جس پر سفال پر کی تحریر کا انگریزی ترجمہ اس کے مرحوم باپ کے خط میں درج تھا۔ وہ بلند آواز میں پڑھنے لگا۔

"میں آمن ارتاس ہوں، مصر کے شاہی خاندان اور فراعنہ کے خاندان کی فرد اور قالی قریط (قوتوں میں عظیم) کی بیوی ہوں جو دیوی ایزیس[1] کا کاہن تھا اور جسے دیوتا خوش رکھتے اور جس سے شیاطین ڈرتے تھے۔ میرا وقت اب آگیا ہے میں اب مرنے والی ہوں چنانچہ یہ سطور میں اپنے بیٹے تسی تھینس (عظیم انتقام جو) کے لیے تحریر کر رہی ہوں۔ میں فرعون تخت بعث[2] کے زمانے میں تیرے والد کے ساتھ فرار ہوئی اور میں نے اسے اپنی محبت کا واسطہ دے کر عمر بھر کنوارا رہنے کی وہ قسم تڑوائی جو اس نے دیوی ایزیس کے سامنے کھائی تھی۔ ہم لوگ مصر سے نکل کر جنوب کی طرف فرار ہوئے اور پانی کی زبردست چادر (سمندر) عبور کر گئے۔ اور بارہ سے دگنے چاندوں تک (مطلب دو سال تک) الیبا کے ساحل پر (مطلب افریقہ) بھٹکتے رہے جس کا رخ اگتے سورج (مطلب مشرق) کی طرف ہے اور جہاں ایک زبردست کے کنارے ایک عظیم الشان چٹان ہے جس کی چوٹی ایتھوپیا کے حبشی کے سر کی شکل کی ہے۔ اس عظیم الشان دریا کے دہانے کے قریب جہاں ہمیں پھینکا گیا تھا، ہم چار دنوں تک بھٹکتے رہے۔ ہم لوگ جہاز کے ٹوٹ جانے کے بعد یہاں آ پڑے تھے۔ ان چار دنوں میں ہمارے سارے ساتھی مر گئے، کچھ ڈوب گئے اور کچھ یہاں کے بخار میں مبتلا ہو کر سدھار گئے لیکن مجھے اور تمہارے والد کو اس طرف کی دلدلوں میں بسنے والے وحشیوں نے بچا لیا اور ہمیں اپنے ساتھ اس جگہ لے گئے جہاں آبی پرندے اتنے بہت سے تھے کہ جب وہ اڑتے تھے تو آسمان نظر نہ آتا تھا۔ اس دلدلی علاقے اور ویرانوں میں ہم ان وحشیوں کے ساتھ دس دنوں تک سفر کرتے رہے یہاں تک کہ ہم ایک ایسے پہاڑ تک پہنچ گئے جسے بہت سے غاروں نے کھوکھلا کر رکھا تھا اور جہاں کبھی زبردست شہر آباد ہوگا جس کا زوال ہو چکا تھا اور جہاں بے شمار ایسے غار تھے کہ ان کا کوئی سرا نہ تھا۔ یہ وحشی لوگ ہمیں اپنی ملکہ کے پاس لے گئے جو اجنبیوں کے سروں پر دہکتے ہوئے برتن کو رکھ دیتی تھی اور جو ساحرہ تھی اسے جو کچھ ہو گیا تھا اس کا علم

[1] مصر قدیم کی سب سے بڑی دیوی اسے "کئی روپ والی دیوی" اور "مادر مقدس" بھی کہتے تھے۔ یہ دیوی، دیوتا ازیرس کی بیوی تھی اور بہن بھی۔
[2] تخت بعث ینکتا نیبو، وہ آخری فرعون تھا جو خالص مصری تھا۔ اس کے بعد بیرونی طاقتور نے مصر پر حملہ کیا اور اب جو فرعون ہوئے وہ مصری نہ تھے بلکہ بیرونی تھے۔

تھا اور جو کچھ ہونے والا تھا اس کا بھی علم تھا۔ بڑی قوتوں کی مالک تھی یہ ملکہ، جو صدیوں سے ایسی ہی حسین اور ایسی ہی جوان چلی آ رہی تھی اور اس کے لیے موت نہ تھی۔ اس ساحرہ نے تمہارے باپ پر محبت کی نظر ڈالی اور چاہا کہ مجھے قتل کر کے تمہارے باپ کو اپنا شوہر بنا لے، لیکن وہ مجھ سے محبت کرتے تھے اور بہت زیادہ کرتے تھے اور اس ساحرہ سے ڈرتے تھے۔ انھوں نے اس کا شوہر بننا قبول نہ کیا۔ تب وہ ہمیں بڑے خوفناک اور اندھیرے راستوں سے اور اپنے جادو کے زور سے اس جگہ لے گئی جہاں ایک بہت بڑا گنبد تھا اور جس کے دہانے پر ایک بے حد قدیم فلسفی کی لاش پڑی ہے اور یہاں اس ساحرہ نے ہمیں گھومتا اور بل کھاتا ہوا "ستون حیات" دکھایا جس میں بادل کی گرج کی سی آواز نکل رہی تھی۔ یہ ستون حیات آگ کا تھا اور وہ ساحرہ اس آگ میں کھڑی ہوگئی اور پھر وہ اس میں سے نکل آئی تو ہم نے دیکھا کہ اس آگ نے اسے جلایا نہ تھا بلکہ اسے اپنے سے بھی زیادہ حسین اور جوان بنا دیا تھا اور پھر اس ساحرہ نے وہیں قسم کھا کر کہا کہ وہ تمہارے والد قالی قریط کو بھی اپنی ہی طرح لافانی بنا دے گی۔ بشرطیکہ وہ یعنی تمہارے والد، مجھ سے یعنی اپنی بیوی آمن ارتاس کو قتل کر دیں اور اس ساحرہ کے شوہر بن جائیں۔ وہ خود مجھے قتل نہ کر سکتی تھی کیونکہ میں اپنے لوگوں کے جادو سے واقف تھی اور اسی کے زور سے میں نے اس وقت تک اس ساحرہ کو ہمیں گزند پہنچانے سے روک رکھا تھا، لیکن تمہارے والد نے اس ساحرہ کے حسن سے بچنے کے لیے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا اور اس کی بات نہ مانی چنانچہ اپنے غصے اور رقابت کی آگ کے اندھے پن میں تمہارے والد قالی قریط پر اپنے جادو کے زور سے وار کیا اور وہ مر گئے، لیکن اس کے بعد وہ تمہارے والد کی لاش پر بہت روئی اور لاش اپنے ساتھ لے گئی۔ چونکہ اس واقعہ کے بعد وہ مجھ سے اور بھی ڈرنے لگی تھی اس لیے اس نے مجھے عظیم دریا کے دہانے تک پہنچا دیا جہاں بڑے جہاز آتے تھے چنانچہ میں ان جہازوں میں بحری سفر کر کے دور چلی آئی جہاں میں نے تمہیں جنم دیا اور پھر بڑی آوارہ گردیوں کے بعد میں آخر کار یہاں اتھنس پہنچی۔

اب اے میرے بیٹے ٹسی تھینس، میں تم سے کہتی ہوں کہ اس ساحرہ کو تلاش کر لو، ستون حیات کا راز معلوم کر لو اور پھر اگر تمہیں اختیار حاصل ہو جائے تو اپنے باپ قالی قریط کے خون کا بدلہ اس ساحرہ سے لو اور اسے قتل کر دو۔ اگر تم اپنے مقصد میں ناکام رہے تو میں یہی ہدایت تمہاری آنے والی نسلوں کو کرتی ہوں اس یقین کے ساتھ کہ کسی نہ کسی دور میں کبھی نہ کبھی تمہاری نسل میں وہ بہادر پیدا ہوگا جو قالی قریط کا انتقام اس ساحرہ سے لے گا اور ستون حیات کی آگ میں نہا کر لافانی بنے گا اور پھر مصر کے



تخت پہ بیٹھ کر فرعون کہلائے گا۔ میں نے جن باتوں کا ذکر کیا ہے وہ یقیناً آگے چل کر محض ایک افسانہ معلوم ہوں گی لیکن یقین کرو میں نے جھوٹ نہیں کہا ہے اور میں مجنونی نہیں ہوں۔"

---

"چنانچہ خدا اس کی روح پہ رحم کرے کہ اس نے سچ کہا ہے۔" جوب نے سر ہلا کر کہا جو اب تک حیرت سے اپنا منہ کھولے یہ عجیب کہانی سن رہا تھا۔

رہا میں تو میرا تو یہ ہے کہ میں خاموش رہا۔ سب سے پہلا خیال مجھے یہ آیا کہ میرے مرحوم دوست نے اپنے خبط یا پاگل پن میں یہ کہانی بنائی ہے جسے وہ "اصل کا ترجمہ" کہتا ہے حالانکہ یقین نہیں آتا کہ کوئی بھی خواہ مخواہ خبط الحواس یا صحیح الحواس، ایسی عجیب کہانی گڑھ سکتا ہے۔ یہ کہانی تو حیرت انگیز حد تک صحیح اور حقیقی معلوم ہوتی تھی نہ کہ تخیلی۔ اپنے ان شکوک کو رفع کرنے کے لیے میں نے سفال اٹھایا اور اس پر کی یونانی تحریر پڑھنے لگا۔ اس دور کے لحاظ سے یہ بہت عمدہ یونانی تھی خصوصاً اس لیے کہ یہ ایک ایسی عورت نے لکھی تھی جو نسلاً مصری تھی۔

چنانچہ اس اصل یونانی تحریر اور راونسی کی انگریزی تحریر کا باریک بینی سے موازنہ کیا تو معلوم ہوا کہ ترجمہ نہایت صحیح اور شستہ تھا۔

اس یونانی تحریر کے علاوہ، جو سفال کے ابھرے ہوئے حصہ پر درج تھی ایک چھوٹا سا ٹھیکرا بھی تھا جو کسی زمانے میں اسی سفال کا منہ رہا ہوگا۔ یہ ٹکڑا بیضوی تھا اور اس پر وہی نقش تھا جس کا ذکر میں پیچھے کہیں کر چکا ہوں اور جس کی تصویر آپ کے مطالعے کے لیے بنا چکا ہوں۔ آپ کو یاد ہوگا کہ یہ نقش اس استارب پر تھا جو ہمیں اس صندوقچے میں سے ملا تھا۔ یہ ٹھیکرا سرخ تھا یعنی اس پر سرخ رنگ کا نقش تھا یا ہیلوگرافی تحریر تھی۔ وہ ایسی تھی جیسے موم یا لاکھ پر استارب کی مہر لگائی گئی ہو۔ اب میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ مہر اصلی یا پہلے قالی قریط کی تھی یا کسی ایسے شہزادے یا فرعون کی ہے قالی قریط آمن ارتاس کا، باپ یا دادا تھا۔ اور نہ ہی یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ علامت سفال پر کی تحریر کے ساتھ ہی ساتھ اس ٹھیکرے پر نقش کی گئی تھی یا بہت بعد میں اس خاندان کے کسی فرد نے اپنے دور میں نقش کی تھی یا کسی سے بنوائی تھی۔ بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی تھی۔ یونانی تحریر کے آخر میں اسی قسم کے سرخ رنگ میں، جس میں استارب کا نقش ٹھیکرے پر بنایا گیا تھا، ابوالہول کے سر اور شانوں کے خطوط بنائے گئے تھے۔ یہ ڈرائنگ ایسی تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی نوآموز یا ایسے شخص نے بنائی ہے جو ڈرائنگ نہ جانتا ہو۔ اس ابوالہول کے سر پر دو پر بھی بنائے گئے

تھے جو مصر قدیم میں عظمت و جلال کی علامت تھے۔ یہ علامت میں گائیوں اور دوسرے مصری دیوتاؤں کے سر پر تو دیکھ چکا تھا، میرا مطلب ہے ان کی تصویروں میں، لیکن ابوالہول کے سر پر آج پہلی دفعہ دیکھ رہا تھا۔

اس کے علاوہ سفال کے بائیں پہلو پر اور اس خالی جگہ میں، جہاں یونانی تحریر نہ تھی، سرخ رنگ میں ایک تحریر تھی جس کے نیچے نیلے رنگ سے دستخط کئے گئے تھے۔ تحریر اور دستخط یوں تھے

"آسمانوں اور زمینوں اور سمندروں میں

عجیب چیزیں ہوں گی۔

ڈاروتھی ونسی"

اس عجیب تحریر سے پوری طرح وحشت زدہ ہو کر میں نے سفال کو الٹ کر اس کے دوسرے پہلو پر نظر کی۔ سفال کا یہ پہلو اوپر سے نیچے تک یونانی، لاطینی اور انگریزی مختصر یادداشتوں اور دستخطوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس میں پہلا اندراج یادداشت اور دستخط آمن ارتاس اور مرحوم قالی قریط کے بیٹے نسی تھینس کے تھے جس کے نام یہ خط یعنی سفال پر کی تحریر تھی۔ اس نے لکھا تھا۔

"میں نہ جا سکا۔ میرے، نسی تھینس کے بیٹے

قالی قریط کے نام"

اس قالی قریط دوم نے، جو نسی تھینس کا بیٹا تھا اور جس کا نام یونانی رسم کے مطابق اس کے دادا کے نام پر رکھا گیا تھا، یقیناً اس ساحرہ کی تلاش میں جانے کی ناکام کوشش کی تھی کیونکہ اس نے بے حد دھندلی تحریر میں یہ اندراج کیا تھا:

"کوشش کے باوجود میں نہ جا سکا۔ دیوتاؤں کی مرضی نہ تھی۔

قالی قریط کی طرف سے اپنے بیٹے کے نام"

ان دو بے حد قدیم تحریروں کے درمیان جو اس قدر دھندلی تھیں کہ اگر ونسی نے انھیں رنگ بھر کر اجاگر نہ کر دیا ہوتا تو میں کبھی پڑھ نہ سکتا، ایک تقریباً جدید طرز کے دستخط تھے۔

"لیونل ونسی

۱؎ یہ مہر بجز طلبگی بنی ہو، قالی قریط کی نہیں ہو سکتی کیونکہ قالی قریط دیوی ایزلیس کے مندر کی مہنت اور کاہن تھی اور مہر فراعنہ کے علاوہ اور کوئی نہیں رکھ سکتا تھا۔ مؤلف



آئی تت سوا ۱۷۰ا"

یہ یقیناً لیو کے دادا کے دستخط تھے۔ اس کے دائیں طرف "بے۔ بی۔ ڈی" درج تھا اور اس کے نیچے یونانی دستخطوں کا اور اندراجوں کا سلسلہ تھا۔ اندراج ہر دستخط کے اوپر ایک سا تھا یعنی

"اپنے بیٹے کے نام"

جس کا مطلب تھا کہ یہ قدیم تبرک صدیوں سے نسلاً بعد نسلٍ اس خاندان میں چلا آ رہا تھا۔

ان یونانی دستخطوں کے بعد جو تحریر پڑھی جاتی تھی وہ تھی "رومائی اے۔ یو۔ سی" جس سے پتہ چلتا تھا کہ اب یہ خاندان روم میں منتقل ہو گیا تھا۔ بدقسمتی سے خاندان کی یہ ہجرت کا سال معلوم نہ ہو سکا کیونکہ جہاں اس ہجرت کی تاریخ اور سال درج تھا سفال کا وہ حصہ ٹوٹ چکا تھا۔

اس کے بعد لاطینی دستخطوں کا سلسلہ تھا اور جہاں بھی جگہ تھی کئے گئے تھے۔ یہ دستخط سوائے تین کے، ایک لفظ "ونڈیکس" یا "انتقام جو" پر ختم ہوتے تھے کہ رومی میں بس جانے کے بعد اس خاندان نے اپنا خاندانی نام "ونڈیکس" رکھ لیا تھا اور اس کے وہی معنی تھے جو یونانی میں "نسی تھینس" کے ہیں یعنی انتقام جو۔ اب یہ سمجھنا مشکل نہ تھا کہ یہی "ونڈیکس" بگڑ کر "ڈی ونسی" بن گیا اور پھر صرف "ونسی" رہ گیا تھا۔ یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ ایک مصری بستی کے، جو حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے صدیوں پہلے تھی، انتقام کا جذبہ کس طرح نسلاً بہ نسلٍ منتقل ہوتا رہا اور آخر کار ایک انگریزی خاندان کا خاندانی نام بن گیا۔ یعنی "ونسی"۔

ان لاطینی دستخطوں اور رومی ناموں کے بعد کئی صدیوں کا خلا یا وقفہ ہے اور کچھ پتہ نہیں چلتا کہ ان صدیوں میں اس سفال کی تاریخ کیا رہی اور کس طرح خاندان میں محفوظ رہا۔ میرے مرحوم دوست ونسی نے بہرحال مجھے بتایا تھا کہ اس کے اجداد روم سے منتقل ہو کر آخر کار لمبارڈی میں بس گئے تھے اور جب شارلی من نے لمبارڈی فتح کیا تو وہ اس کے ساتھ کوہ آلپس کے اس پار آ گئے۔ پھر برطانیہ میں آ گئے اور پھر ایڈورڈ کے دور میں انگلستان میں بس گئے۔ میں نہیں جانتا کہ مرحوم ونسی کو یہ باتیں کہاں سے معلوم ہوئیں کیونکہ ان کا کوئی اشارہ سفال پر کے دستخطوں میں نہ ملتا تھا۔

خیر تو آمدم بر سر مطلب ان تمام تحریروں وغیرہ کا باریک بینی سے مطالعہ کرنے اور اپنا اطمینان کرنے کے بعد میں نے کہا۔

"تو یہ ہے سارا معاملہ لیو۔ اب اپنے والد کے خط اور سفال پر کی تحریر اور اس کے ترجمہ کی

روشنی میں تم اپنی رائے قائم کر سکتے ہو۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں بہر حال اپنی رائے قائم کر چکا۔"

"اور کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ کیا رائے قائم کی ہے تم نے؟" لیو نے حسب عادت فوراً پوچھا۔

"بے شک و شبہ یہ سفال تو حقیقی ہے اور چاہے کوئی یقین کرے یا نہ کرے لیکن یہ سفال تمہارے خاندان میں چار سو سال قبل از مسیح سے تبرکا اور وراثتاً چلا آ رہا ہے۔ اس کا ثبوت اس کے اندراجات اور دستخطوں سے ملتا ہے۔ یہ بڑی حیرت انگیز اور ناقابل یقین سی بات ہے تاہم حقیقت ہے اور حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور لیو۔ بس یہیں آ کر حقیقت ختم ہو جاتی ہے۔"

"کیا مطلب؟"

مطلب یہ کہ تمہاری لکڑ دادی کی لکڑ دادی کی بھی لکڑ دادی نے، جو ایک مصری شہزادی تھیں سفال پر یہ تحریر یا تو خود لکھی ہے یا کسی کاتب سے لکھوائی ہے اور اسے سچ نہیں سمجھا جا سکتا۔

"کیوں؟"

میرے خیال میں بلکہ یقیناً اپنے شوہر کی موت کے غم اور مصائب کی بہتات نے اس کا دماغ الٹ دیا تھا اور انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اپنے پاگل پن میں لکھا ہے چنانچہ اس پر یقین کرنا بھی پاگل پن ہے۔

لیکن میرے ابا بھی تو اس مہم پر گئے تھے اور انھوں نے جو کچھ دیکھا اور سنا اس کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟ انھوں نے اپنی آنکھوں سے وہ چٹان دیکھی تھی جس کی چوٹی حبشی کے سر کی شکل کی ہے۔ اور جس کا ذکر مصری شہزادی آمن ارتاس نے کیا ہے اور پھر ابا کی ملاقات ایک ایسے کافر سے بھی ہوئی تھی جس نے عجیب لوگوں کے متعلق انھیں بتایا تھا اور......"

"اتفاق لیو۔ اتفاق۔ افریقہ ایک پراسرار براعظم ہے چنانچہ اس کے علاقے میں ایک نہیں بہت سی ایسی چٹانیں ہو سکتی ہیں، اور ہیں جن کی چوٹیاں سر کے شکل کی ہوں یا ہیں اور بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جو بگڑی ہوئی عربی بول لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ میرے خیال میں بہت سی دلدلیں بھی ہیں۔ دوسری یہ لیو—اور یہ بات میں بڑے افسوس کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ جب تمہارے والد نے یہ خط لکھا تھا تو اس وقت ان کا دماغ ٹھکانے نہ تھا۔ بڑا صدمہ پہنچا تھا انھیں پھر ایک موذی مرض میں مبتلا تھے چنانچہ ان کے مریض دماغ نے یہ کہانی گڑھ لی اور اس پر غور کرتے رہے یہاں تک کہ انھوں نے خود ہی اسے سچ سمجھ لیا۔ ویسے بھی اُن کا تخیل بڑا زوردار تھا۔ مختصر یہ کہ یہ روایت یا کہانی جو ہم تک پہنچی ہے میرے خیال میں نری بکواس ہے۔ یہ میں جانتا ہوں کہ قدرت بڑی پراسرار ہے۔ اس کے بہت سے راز ہماری



نظر سے پوشیدہ ہیں اور جب وہ ہمیں نظر آتے ہیں تو ہم انھیں سمجھ نہیں سکتے لیکن جہاں تک میں یہ خود اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں—اور میرے خیال میں یہ ممکن نہیں۔ تب تک یقین نہ کروں گا کہ دنیا میں کسی جگہ موت سے بچنے کا کوئی ذریعہ موجود ہے اور نہ ہی یہ تسلیم کروں گا کہ افریقہ کے کسی دور افتادہ خطے میں اور دلدلوں کے اس پار کوئی سفید فام ساحرہ رہتی ہے یہ سب بکواس ہے۔ لیو، محض بکواس ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے جوب؟"

"میرے خیال میں واقعی بکواس ہی ہے جناب!" جوب نے جواب دیا۔

"مجھے اس سے اختلاف نہیں تاہم میں اس معاملے کو یکسر ختم کر دینا چاہتا ہوں تاکہ ہمارے خاندان پر سے یہ پراسرار اور بے چین کر دینے والا بوجھ ہٹ جائے۔ اب اگر تم دونوں میرے ساتھ نہ چلو گے تو میں تن تنہا جاؤں گا اور اس سفید فام ساحرہ اور ستون حیات کا راز معلوم کر کے رہوں گا۔"

میں نے چونک کر لیو کی طرف دیکھا۔ اس کے بشرے سے پتھر کو پگھلا دینے والا عزم ظاہر تھا۔ چنانچہ میں نے سمجھ لیا کہ وہ جو کچھ کہتا ہے کر کے دم لے گا۔ جب لیو کسی کام کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس کے ہونٹوں کے کونے عجیب طرح سے پھڑکنے لگتے تھے، یہ اس کے بچپن کی عادت تھی۔

اب سچ یہ ہے کہ میں لیو کو کہیں بھی اکیلے جانے دینا نہ چاہتا تھا۔ اس کی بھلائی کے لیے نہیں تو اپنی خاطر سہی کیونکہ مجھے اس سے حد درجہ انسیت ہو گئی تھی۔ میں شروع سے ہی بے یار و مددگار رہا ہوں۔ اس معاملے میں حالات میرے خلاف رہے ہیں اور عورتیں اور مرد مجھ سے نہ صرف دور رہے ہیں بلکہ مجھ سے کتراتے رہے ہیں۔ کم سے کم میرا تو یہی خیال ہے اور اس کا سبب شاید میری بدصورتی ہے چنانچہ میں شروع سے ہی سوسائٹی سے دور رہا ہوں یا رکھا گیا ہوں، مجھے لوگوں سے میل ملاپ بڑھانے کے مواقع ملے ہی نہیں۔ میں بھری پری دنیا میں تنہا تھا۔ چنانچہ جب لیو میری زندگی میں آیا تو وہی میری کل کائنات بن گیا—وہی میرا سب کچھ تھا—میرا بھائی، میرا بچہ، میرا دوست۔ چنانچہ وہ جہاں بھی جائے اور جب بھی جائے میں اس کے ساتھ جانا چاہتا تھا۔ جب تک وہ مجھ سے بیزار ہو کر مجھے دھتکار نہیں دیتا میں سائے کی طرح اس کے ساتھ لگا رہنا چاہتا تھا، لیکن اپنے اس لگاؤ کو اس پر ظاہر کرنا بھی مناسب نہ تھا۔ یہ ظاہر کرنا مناسب نہ تھا کہ میں کس قدر اس کے اثر میں ہوں۔ چنانچہ میں کوئی ایسا بہانہ تلاش کرنے لگا جس کے لئے میں ہتھیار تو ڈال دوں لیکن میری عزت اور میرا احترام اس کے بعد بھی بنا رہے۔

"ہاں چچا۔ میں جاؤں گا۔" لیو نے کہا۔ "اور اگر مجھے وہ بل کھاتا ہوا ستون حیات نہ ملا تو کم

سے کم اتنا تو ہوگا کہ شکار سے دل بہلا کر واپس آ جاؤں گا۔"

آخر وہ بہانہ مل گیا جس کی مجھے تلاش تھی۔

"شکار؟" میں نے اچھل کر کہا۔ "واقعی یہ تو میں نے سوچا ہی نہ تھا۔ جہاں ہم جا رہے ہیں وہاں یقیناً بڑا زبردست جنگل ہوگا چنانچہ شکار سے پُر ہوگا۔ سچ تو یہ ہے کہ لیو کہ جنگلی بھینسے کا شکار میری زندگی کی سب سے بڑی آرزو رہی ہے اور اس دفعہ میں یہ سوچ سوچ کر ہلا ملا کرتا ہوں کہ ہائے میں جنگلی بھینسے کا شکار کئے بغیر ہی مر جاؤں گا۔ تم جانو لیو اس سفید فام ساحرہ اور ستونِ حیات وغیرہ میں تو یقین نہیں ہے۔ یہ تو بکواس ہے بالکل، لیکن بڑے جانوروں کا شکار بکواس نہیں ہے۔ چنانچہ اب اگر تم افریقہ جانے کا ارادہ کر ہی چکے ہو تو میں بھی چھٹی لے کر تمہارے ساتھ چلا چلوں گا۔ تم جانو ایسے موقعے بار بار نہیں آتے۔"

"میں جانتا تھا کہ تم ایسا نادر موقع ہاتھ سے جانے نہ دو گے۔" لیو نے کہا۔ "لیکن روپے کا کیا؟ ظاہر ہے کہ ہمیں بہت سے روپے کی ضرورت ہوگی۔"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔" میں نے جواب دیا۔ "روپیہ ہے اور بہت سا ہے۔ تمہارے ساری آمدنی بینک میں برسوں سے جمع ہوتی رہی ہے اور میں نے بھی اس روپے میں سے، جو تمہارے والد میرے نام کر گئے ہیں، دو تہائی تو بچا لیا ہے۔"

لیو بولا۔ "اب مناسب ہوگا کہ ہم صندوق اور دوسری چیزیں وغیرہ رکھ دیں اور بندوقیں وغیرہ خریدنے کے لیے اسی وقت شہر چلے چلیں ——— ارے ہاں جوب تمہارا کیا ارادہ ہے۔ چل رہے ہو ہمارے ساتھ؟ تم جانو دنیا دیکھنے کا اس سے بہتر موقع پھر کبھی نہ آئے گا۔"

"بات یہ ہے جناب!" جوب نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "دراصل ——— مجھے دنیا کے دوسرے ملکوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ لیکن اگر آپ دونوں جا رہے ہیں تو آپ کو کسی ایسے آدمی کی ضرورت ہوگی جو آپ کا خیال رکھے اور آپ کی دیکھ بھال کرے اور میں نہ تو بے مروت ہوں اور نہ نمک حرام۔ بیس سال سے آپ کی خدمت کر رہا ہوں چنانچہ اب بھی آپ کے ساتھ ہی رہوں گا۔"

"خوب کہا جوب"۔ میں نے کہا۔ "اس سفر سے ہمیں کوئی فائدہ نہ ہوگا تو نقصان بھی نہ ہوگا۔ بلکہ ہم شکار کریں گے اور یہ بڑی بات ہوگی۔ اچھا اب تم دونوں میری بات سن لو۔ میں نہیں چاہتا کہ تم کسی سے بھی اس بکواس کا ذکر کرو۔" میں نے سفال کی طرف اشارہ کیا۔ "اگر لوگوں نے اس کے



متعلق جان لیا اور اس سفر میں یا اس کے بعد مجھے کچھ ہو گیا تو میرے عزیز میرے وصیت نامے کو اس بنا پر غلط قرار دیں گے کہ میں پاگل تھا اس کے علاوہ میں پورے کیمبرج کے لیے نقلِ محفل بن جاؤں گا۔ چنانچہ کبھی بھولے سے بھی اس سفال اور اس پر کی تحریر کا ذکر کسی کے سامنے نہ کرنا۔ سمجھ گئے؟"

اس کے ٹھیک تین مہینوں کے بعد ایک بحری جہاز ہمیں ——— یعنی لیو، جوب اور مجھے ——— زنجی بار کی طرف لئے جا رہا تھا۔

☆☆

# چوتھا باب

# طوفان

اب جس منظر کو میں بیان کرنے والا ہوں وہ اس منظر سے کس قدر مختلف ہے جس کا بیان میں پچھلے ابواب میں کر چکا ہوں۔ اب نہ تو کالج کے وہ کمرے ہیں، نہ کتابوں سے بھری ہوئی الماریاں، نہ کالج کے ہنگامے، نہ شہر کی گہما گہمی، نہ وہ ہواؤں میں جھومتے ہوئے باغ کے درخت اور پھولدار پودے اور نہ ہی پرندوں کے چہچہے —— ان سب کے بجائے اب ایک زبردست چادرِ آب ہے —— پرسکون سمندر ہے، جس کا پانی افریقہ کے پورے چاند کی روشنی میں جھلمل جھلمل کر رہا ہے۔ ہوا کے سبک جھونکے ہمارے عربی جہاز کے بادبانوں میں بھر کر اسے آگے کھینچے لیے جا رہے ہیں اور پانی جہاز کے پہلو کو ہلکے ہلکے تھپیڑے دے رہا ہے۔ زیادہ تر لوگ اگلے عرشے پر گہری نیند سو رہے تھے کیونکہ یہ آدھی رات کا وقت ہے۔ لیکن ایک مضبوط جسم والا تگڑا عرب عبداللہ سکان سنبھالے کھڑا ہے اور ستاروں سے سمت کا اندازہ لگا کر حسب ضرورت اسے دائیں بائیں گھما رہا تھا۔ دائیں سمت تین ساڑھے تین میل دور ایک دھندلی سی لکیر نظر آ رہی تھی۔ یہ وسط افریقہ کا مشرقی ساحل تھا۔ ہمارا جہاز شمالی مشرقی ہواؤں کے سہارے جنوب کی طرف اور ترائی اور برِ اعظم کے درمیان جنوب کی طرف جا رہا تھا۔ بحر کا یہ خطہ اس پر خطر ساحل سے کوئی سو میل دور تک چلا گیا تھا۔ رات بے حد خاموش تھی۔ اس قدر خاموشی کہ سرگوشی کی آواز بھی جہاز کے اگلے حصے سے پچھلے حصے تک سنی جا سکتی تھی حتیٰ کہ اس خاموشی میں ان موجوں کی آواز بھی صاف سنائی دے رہی تھی جو دور کے سنگستانی ساحل سے ٹکرا رہی تھیں۔

سکان سنبھالے ہوئے عرب نے اپنا ایک ہاتھ بلند کر کے صرف ایک لفظ کہا۔ ''سمبا (شیر)''
ہم سب اٹھ کر بیٹھ گئے اور کان لگا کر سننے لگے۔ وہ آواز پھر آئی، گرج کی ہلکی سی آواز جس نے ہمارے جسموں پر کپکپی طاری کر دی۔ ''اگر کپتان کا اندازہ غلط نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔ تو کل صبح دس بجے تک ہم اس پراسرار چٹان تک جس کی چوٹی انسانی سر کی شکل کی ہے پہنچ جائیں گے اور شکار شروع کر دیں گے۔

''یا پھر اس ویران شہر اور ستونِ حیات کی تلاش شروع کر دیں گے۔'' لیو نے اپنے منہ میں



سے پائپ نکالا اور ہنس کر کہا۔

''یہ حماقت ہے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''آج سہ پہر کے وقت تم اس سکان گیر سے عربی میں بات کر کے اپنی عربی آزما رہے تھے، کیا کہا اس نے؟ اس شخص کی آدھی عمر اس طرف تجارت کرتے، غالباً غلاموں کی تجارت کرتے گزری ہے اور ایک دفعہ وہ اس انسانی سر والی چٹان پر اترا تھا۔ کبھی اس نے کچھ سنا ہے اس کھنڈر شہر اور غاروں کے متعلق۔''

''نہیں۔'' لیو نے جواب دیا۔ ''وہ کہتا ہے کہ چٹان کے عقب میں سارا علاقہ دلدلی ہے اور سانپوں سے خصوصاً اژدہوں اور درندوں وغیرہ سے بھرا ہوا ہے اور یہ کہ وہاں کوئی آبادی نہیں ہے، لیکن مشرقی افریقہ کے ساحل کے پورے کنارے پر دلدلیں چلی گئی ہیں۔ چنانچہ یہ کوئی بات نہ ہوئی۔''

''بات کیوں نہ ہوئی؟'' میں نے کہا۔

''کیا بات ہوئی؟''

''ملیریا۔ لیو۔ ملیریا۔ دلدلی علاقے میں کچھ ہو یا نہ ہو ملیریا ضرور ہوتا ہے، اور پھر یہ تو تم بھی جانتے ہو کہ اس ملک کے متعلق ان دوغلی نسل کے عربوں اور کافروں کے خیالات کیا ہیں، ان میں سے ایک بھی ہمارے ساتھ نہ آئے گا۔ یہ لوگ ہمیں پاگل سمجھیں گے، اور تم جانو لیو ہم پاگل ہی ہیں۔ چنانچہ اب اگر اپنی زندگی میں ہم کبھی انگلستان کی دھرتی پر قدم رکھ سکے تو یہ بات معجزے سے کم نہ ہوگی۔ تاہم مجھے اپنی فکر نہیں ہے کیونکہ میری تو عمر ہو چکی ہے اور میں دنیا اور دنیا والوں سے، جنھوں نے مجھے کچھ نہیں دیا، بیزار ہو چکا ہوں۔ البتہ مجھے تمہاری اور جوب کی فکر ہے۔ میرے بیٹے! جس مہم پر ہم چلے ہیں وہ سراسر احمقانہ ہے۔

''یوں ہی سہی چچا ہورلیس، لیکن جہاں تک میرا تعلق ہے میں اس معاملے کو انجام تک پہنچانے کا تہیہ کر چکا ہوں۔ وہ دیکھو۔ وہ بادل کیسا ہے۔؟''

اس نے جہاز کے پیچھے اشارہ کیا۔ تاروں بھرے آسمان پر ایک سیاہ دھبہ نظر آ رہا تھا۔

''جا کر سکان گیر سے پوچھو۔'' میں نے مشورہ دیا۔

وہ اٹھا، ایک انگڑائی لی اور سکان گیر کی طرف چلا گیا۔ کچھ ہی دیر بعد وہ واپس آ گیا۔

''کیا کہا؟'' میں نے پوچھا۔

''کہتا ہے کہ طوفان ہے لیکن وہ ہم سے دور سے گزر جائے گا۔'' لیو نے جواب دیا۔

عین اس وقت جوب آ گیا۔ بھورے رنگ کے فلالین کے شکاری سوٹ میں وہ بے حد
مرعوب کن اور بے حد انگریز معلوم ہو رہا تھا۔ اس کے چہرے سے ایک طرح کی الجھن کے جذبات
عیاں تھے۔ جب سے ہم اس اجنبی سمندر میں داخل ہوئے تھے تقریباً اسی وقت سے ان جذبات نے
اس کے گول مخلص چہرے پر اپنے پنجے گاڑ دیے تھے۔

"جناب!" اس نے اپنی بڑی پچھوں کی ہیٹ کو چھو کر کہا جو اس نے کچھ مضحکہ خیز انداز میں
گدی کی طرف جھکا رکھی تھی۔ "چونکہ ہماری تمام بندوقیں اور بارود وغیرہ جہاز کے عقب والی بڑی
کشتی، یعنی وہ وہیل بوٹ میں رکھی ہوئی ہیں — اشیائے خورد و نوش کا کوئی ذکر نہیں جو لاکر میں ہیں —
اس لیے مناسب ہوگا کہ میں وہاں نیچے جا کر اس وہیل بوٹ میں ہی سوار ہوں۔" پھر اس نے آواز دبا کر
اضافہ کیا۔ "ان سیاہ فام باشندوں پر مجھے کوئی اعتبار نہیں۔ یہ سب کے سب مجھے تو حیرت انگیز حد تک
دبکے معلوم ہوتے ہیں۔ اب اگر فرض کیجئے جناب کہ ان اچکوں میں سے کوئی ایک رات کے اندھیرے
میں رسہ کاٹ کر کشتی میں کود پڑتا ہے اور پھر اسے لے کر یہ جادو جا ہو جاتا ہے تو پھر ظاہر ہے کہ ہم ہاتھ
ملتے رہ جائیں گے۔ اور پتہ نہیں پھر کیا ہوگا۔"

یہاں میں یہ بتا دوں کہ یہ وہیل بوٹ ہم نے اسکاٹ لینڈ کی ساحلی بستی ڈانڈوں میں خاص
اپنے لیے بنوائی تھی۔ چونکہ ہم جانتے تھے کہ اس طرف کے افریقی ساحل میں کھاڑیوں کا جال پھیلا ہوا
ہے اور ہو سکتا ہے کہ ان کھاڑیوں میں سفر کرنے کے لیے ہمیں اس کشتی کی ضرورت پڑ جائے۔ چنانچہ ہم
یہ کشتی، یعنی وہیل بوٹ اپنے ساتھ لے آئے تھے۔ بہت عمدہ کشتی تھی۔ یہ تیس فٹ لمبی تھی اس میں
بادبان کے لیے بلی لگی ہوئی تھی اور پیندے پر تانبے کا پتر چڑھا ہوا تھا کہ کیڑے لکڑی کھا نہ لیں اور اس
میں "واٹر ٹائٹ" کمپارٹمنٹ تھے۔ جہاز کے کپتان نے ہمیں بتایا تھا کہ جب ہم اس چٹان تک، جو بالکل
ایسی ہی تھی جس کا ذکر آمن ارتاس نے سفال پر کی تحریر میں اور پھر لیو کے باپ نے کیا تھا اور جس سے
کپتان واقف تھا پہنچ جائیں گے تو وہ، یعنی کپتان جہاز کو وہاں سے آگے نہ لے جا سکے گا کیونکہ وہاں اول
تو جگہ جگہ پانی اتھلا ہے اور پھر زیر آب چٹانیں ہیں جہاں سے پانی بے حد تیز رفتاری سے بہتا ہے۔ قصہ
مختصر اسی صبح جب سمندر پوری طرح سے پرسکون تھا، ہم نے اپنا زیادہ تر سامان وہیل بوٹ میں منتقل
کر دیا تھا اور اس میں پورے تین گھنٹے لگ گئے تھے۔ بندوقیں اور بارود وغیرہ کے علاوہ ہم نے اشیائے
خورد و نوش بھی کشتی میں پہنچا دی تھیں جن کے لیے واٹر ٹائٹ لاکر خصوصیت سے بنوائے گئے تھے۔ چنانچہ



ہمیں سوائے اس کے اور کچھ نہ کرنا تھا کہ بس وہیل بوٹ میں سوار
اب جب وہ پراسرار چٹان نظر آئے تو ہمیں سوائے اس کے اور کچھ نہ کرنا تھا کہ بس وہیل بوٹ میں سوار
ہو کر کنارے کی طرف چل دیں۔ اس احتیاطی قدم اٹھانے کی دوسری وجہ یہ تھی کہ ہو سکتا تھا کہ غرب
کپتان، چاہے بے پروائی سے یا سمتوں کا غلط اندازہ لگانے کی وجہ سے، اس مقام سے آگے بڑھ جائے
جہاں ہمیں پہنچنا تھا یا ہو سکتا ہے کہ طوفان یا کسی اور وجہ سے جہاز راستہ اور منزل سے دور ہٹ جائے۔ اس
صورت میں ہماری کشتی مشکل آسان کر سکتی تھی۔

"ٹھیک کہتے ہو جوب۔" میں نے کہا۔ "مناسب ہوگا کہ تم کشتی میں ہی سو رہو، کشتی میں
بہت سے کمبل ہیں ہی چنانچہ تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ البتہ اتنی احتیاط ضرور برتنا کہ چاند کی چاندنی
میں براہ راست نہ رہنا۔ کہتے ہیں کہ سمندری سفر میں چاندنی آدمی کو پاگل کر دیتی ہے۔ یعنی دماغ چل
جاتا ہے اس کا۔"

"دماغ تو جناب میرا پہلے ہی سے چل گیا ہے اب اور کیا چلے گا۔"
ان سیاہ فام باشندوں کو دیکھ دیکھ کر اور ان کے پگلے پن کے خیال نے میرا دماغ الٹ ہی دیا
ہے۔ یہ لوگ تو جیسے کیچڑ میں لوٹ کر آئے ہیں۔ کیا بدبو آتی ہے ان کے جسموں سے — عرب ایسے ہی
ہوتے ہیں؟

"نہیں جوب۔ عرب تو بہت صاف ستھرے، ایمان دار اور مخلص ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اصل
عرب ہیں۔"

یہاں میں یہ بتا دوں کہ جوب کو کالی چمڑی والوں کے طور طریقے اور رسم و رواج پسند نہ تھے۔
خیر تو ہم جہاز کے عقب میں پہنچے۔ ہماری وہیل بوٹ رسے سے بندھی پیچھے پیچھے چلی آ رہی
تھی۔ ہم نے یہ رسہ کھینچا یہاں تک کہ کشتی دنبالۂ جہاز کے عین نیچے آ گئی اور جوب اس میں یوں
کود پڑا جیسے آلوؤں سے بھرا ہوا تھیلا پھینکا گیا ہو۔ اس طرف سے اطمینان کر کے ہم واپس درمیانی
عرشے پر آ گئے اور وہاں بیٹھ کر پائپ پھونکنے اور دنیا جہان کی باتیں کرنے لگے۔ رات اتنی حسین تھی
اور ہمارے دماغ کچھ ایسے پرجوش اور مختلف قسم کے خیالات سے پر تھے کہ سونے کو جی نہ چاہ رہا تھا۔ کوئی
ایک گھنٹے تک ہم دونوں بیٹھے باتیں کرتے رہے اور پھر شاید ہم دونوں ہی اونگھ گئے۔ کم سے کم مجھے
اتنا تو یاد ہے کہ لیو نے خوابناک آواز میں کہا تھا کہ جنگلی بھینسے کا سر گولی مارنے کے لیے بری جگہ نہیں ہے
بشرطیکہ تمہاری گولی اس کے دونوں سینگوں کے عین بیچ میں لگے، یا پھر گولی اس کے حلق میں

اتار دو۔ بہرحال وہ کچھ اس قسم کی بکواس کر رہا تھا۔ جب وہ اونگھ گیا اور شاید میں بھی اونگھ گیا۔

اس کے بعد مجھے یاد نہیں۔ یہاں تک کہ ہوا کی خوفناک گرج، ملاحوں کی خوفزدہ چیخوں اور پانی کی اپنے چہرے پر کوڑے کی سی مار سے ہماری آنکھ کھل گئی۔ کچھ لوگ رسّہ کھول کر بادبان اتارنے کے لیے دوڑ پڑے، لیکن رسّے کی گرہ اس بری طرح سے پھنس گئی تھی کہ بھیگ کر کے کھل نہ سکی۔ میں بھی اٹھ کر دوڑا اور رسّا دھکیلنے لگا، عقب میں آسمان پر گہرے غار کی طرح اندھیرا ہو رہا تھا لیکن سامنے چاند اب بھی روشن تھا اور اندھیرے کو اجالا کر رہا تھا۔ اس روشنی میں ایک کوہ پیکر موج جس کی بلندی بیس فٹ سے زیادہ تھی اور جس کی چوٹی پر جھاگ برف کی طرح لود ے رہا تھا، ہماری طرف دھنسی آ رہی تھی۔ کالے آسمان تلے یہ موج بھاگی آ رہی تھی۔ اس کے پیچھے خوفناک طوفان تھا جو اسے آگے دھکیل رہا تھا۔ دفعتاً — چشم زدن میں میں نے دھیل بوٹ کے سیاہ ڈھانچے کو ایک دم اوپر اٹھتے دیکھا۔ اس کوہ پیکر موج نے ہماری کشتی کو اپنی چوٹی پر اٹھا لیا۔ اور پھر — پانی کا زبردست تھپیڑا، ابلتے ہوئے جھاگ کا ایک آبشار اور میں اپنی زندگی بچانے کے لیے بادبان کے مستول سے لپٹ گیا اور بادبان — اس کا پتہ نہیں کیا ہوا۔

جہاز نے اپنی دُم اوپر اٹھا دی۔

موج گزر گئی — مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میں کئی منٹ تک زیر آب رہا تھا حالانکہ زیر آب صرف چند سیکنڈ تک ہی رہا تھا۔ میں نے نظر اٹھا کے سامنے دیکھا۔ طوفانی جھکڑ نے بڑا بادبان گھسیٹ لیا تھا اور اب وہ ایک جناتی اور زخمی پرندے کی طرح دور دور اڑا جا رہا تھا۔ اور اب کچھ دیر کے لیے خاموشی طاری ہو گئی اور اس خاموشی میں میں نے جوب کی آواز سنی۔

"یہاں آ جاؤ صاحب — کشتی میں۔"

میں بے حد پریشان اور خوفزدہ تھا اس کے باوجود میرے حواس بجا تھے۔ چنانچہ میں دنبالۂ جہاز کی طرف بھاگا۔ اپنے جہاز کو میں غرق ہوتے محسوس کر رہا تھا، جہاز میں پانی بھر گیا تھا۔ جہاز کے عین نیچے کشتی بری طرح سے جھکولے کھا رہی تھی۔ اور میں نے دیکھا کہ عبداللہ نے، جو سکان گیری کر رہا تھا، اوپر سے کشتی میں چھلانگ لگا دی میں رسّہ پکڑ کر جس کے ذریعہ کشتی جہاز سے بندھی تھی، ایک ہی جھٹکے میں کشتی کو جہاز کے قریب لے آیا اور پھر ایک وحشت کے عالم میں کود پڑا۔ جوب نے اپنا ایک بازو بڑھا کر مجھے تھام لیا اور میں لڑھک کر کشتی کے پیندے میں جا پڑا۔



عین اسی وقت جہاز سر کے بل غرق ہو گیا۔ جب وہ غرق ہو رہا تھا تو عبداللہ نے جلدی سے اپنا خنجر نکال کر وہ رسّا کاٹ دیا جس کے ذریعہ کشتی جہاز سے بندھی ہوئی تھی اور دوسرے ہی لمحے طوفان ہماری کشتی کو دھکیل کر عین اس جگہ لے آیا تھا۔

"میرے خدا!" میں ایک دم سے چیخ اٹھا۔ "لیو کہاں ہے؟ لیو! لیو!"

"وہ تو گئے جناب۔ خدا انھیں اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔" جوب نے میرے کان کے قریب منہ لا کر اور چیخ کر کہا لیکن طوفان کی شدت اور گرج ایسی تھی کہ اس کی آواز ایسی سنائی دی جیسے وہ سرگوشی کر رہا ہو۔

میں ہاتھ ملنے لگا۔ افسوس لیو غرق ہو گیا تھا اور اس کا ماتم کرنے کے لیے میں زندہ رہ گیا تھا۔

"ہوشیار۔" جوب چیخا۔ "دوسری آ رہی ہے۔"

میں نے گھوم کر پیچھے دیکھا۔ دوسری زبردست موج قریب پہنچ چکی تھی۔ میں نے دعا کی یہ موج مجھے غرق کر دے تاکہ میں بھی وہاں پہنچ جاؤں جہاں میرا لیو گیا تھا۔

میں بت بنا اس موج کو آگے بڑھتے اور اپنی طرف آتے دیکھتا رہا۔ چاند اب تقریباً چھپ گیا تھا لیکن طوفان کی دھجیوں میں سے اب بھی روشنی کی ایک لکیر نیچے اتر آئی تھی اور روشنی کی یہ لکیر موج کی چوٹی پر پڑی اور وہاں چوٹی پر کالی کالی سی چیز تھی۔ شاید غرق ہونے والے جہاز کا کوئی تختہ تھا۔

پھر موج ہمارے سروں پر تھی اور ہماری کشتی پانی سے قریب قریب بھر گئی تھی، لیکن یہ کشتی ایر ٹائٹ کمپارٹمنٹ پر بنائی گئی — خدا اس شخص کو خوش رکھے جس نے یہ ایجاد کی تھی — کشتی ایک زبردست ہنس کی طرح اوپر موج پر اٹھ گئی اب اپنی طرف آتے دیکھا۔ میں نے اس چیز کو اپنے سے دور ہٹانے کے اپنا دایاں ہاتھ اس کی طرف بڑھایا اور دوسرے ہاتھ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور میری انگلیاں اس کی کلائی پر بیٹھ گئیں۔ میں بڑا مضبوط آدمی ہوں اور پھر وہاں سہارے کے لیے چیزیں بھی موجود تھیں۔ اس کے باوجود اس جسم نے جس کی کلائی میری گرفت میں تھی، میرا شانہ اکھڑنے کے قریب ہو گیا۔ اگر موج کا زور چند منٹ تک مزید رہا ہوتا تو میں نے تو وہ کلائی چھوڑ دی ہوتی یا پھر میں خود اس کے ساتھ سمندر میں جا پڑا ہوتا لیکن موج گزر گئی اور ہمیں گھٹنوں گہرے پانی میں کھڑا چھوڑ گئی۔

"پانی! انچو! پانی انچو!" جوب نے چیخ کر کہا اور پانی انچنے لگا۔

میں جوب کا ہاتھ نہ بٹا سکا۔ کیونکہ عین اس وقت چاند پوری طرح سے چھپ گیا تھا اور

چاروں طرف اندھیرا چھا گیا، لیکن چاند کی رخصت ہوتی ہوئی آخری کرن اس شخص پر پڑی جو کشتی کے چپوے میں کچھ تیر رہا تھا اور کچھ لپٹا ہوا تھا۔

یہ لیو تھا۔ اسے موج واپس لے آئی تھی۔ زندہ یا مردہ، موج اسے موت کے جبڑوں سے گھسیٹ کر لے آئی تھی۔

"اٹھو! اٹھو!" جوب چیخا۔ "ورنہ ہم غرق ہو جائیں گے۔"

میں نے ٹین کا وہ بڑا سا پیالہ گھسیٹ لیا جس میں دستہ لگا ہوا تھا اور جو ایک نشست کے نیچے کیل سے لٹک رہا تھا۔ اب ہم تینوں دیوانہ وار پانی الیچنے لگے۔ خوفناک اور تباہ کن طوفان ہمارے سروں پر اور ہمارے چاروں طرف گرجتا رہا اور کشتی اچھالتا، ادھر ادھر پھینکتا رہا اور اسی حالت میں ہم دیوانوں کی طرح کشتی میں سے پانی الیچتے رہے کیونکہ یہ ہماری زندگی اور موت کا معاملہ تھا۔

ایک منٹ — دو منٹ — تین منٹ — چھ منٹ — اور کشتی ہلکی ہونے لگی اور کوئی موج ہم پر حملہ آور نہ ہوئی۔ پانچ منٹ اور۔ اور کشتی میں سے تقریباً سارا پانی نکالا جا چکا تھا۔ اور پھر دفعتہً طوفان کی لرزہ خیز چیخوں سے مسلسل گرج کی آواز سنائی دی۔ یہ آواز گہری اور خوفناک تھی۔

میرے خدا! یہ چٹانوں سے ٹکراتی ہوئی موجوں کی آواز تھی۔

عین اسی وقت ایک بار پھر چاند نکل آیا اور اس دفعہ طوفان کے پیچھے چاندنی پھیل گئی۔ دور بہت دور اور سمندر کے پھٹے ہوئے سینے پر چاند کی کرنوں کے تیر ٹوٹنے لگے اور ہمارے آگے کوئی نصف میل کے فاصلے پر جھاگ کی سفید لکیر تھی۔ اس کے بعد اندھیرے کا چھوٹا سا خلا تھا اور اس اندھیرے آبی میدان کی دوسری طرف جھاگ کی دوسری لکیر تھی اور یہ دراصل زیرِ آب چٹانوں پر بھاگتی اور سطح آب سے اُبھری ہوئی چٹانوں سے ٹکراتی ہوئی موجیں تھیں، یعنی بریکرس جن کی گرج ہمیں صاف سنائی دے رہی تھی اور جیسے جیسے ہماری کشتی ان کی طرف بڑھ رہی تھی گرج کی یہ آواز زیادہ سے زیادہ صاف اور مہیب بنتی جا رہی تھی۔

"عبداللہ! سکان سنبھالو۔" میں نے چیخ کر عربی میں کہا۔ "ہمیں کوشش کر کے ان بریکرس میں سے نکل جانا ہے۔"

اس کے ساتھ ہی میں نے چپو اٹھا لیا اور جوب کو بھی اشارہ کیا کہ وہ بھی چپو اٹھا لے۔ عبداللہ اٹھا اور کشتی کے پچھلے حصے میں جا کر اس نے سکان سنبھال لیا، لیکن کشتی کو سنبھالنے



میں اسے دقتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ جوب چپو چلانے لگا۔ وہ اپنے وطن کے تالاب کے پرسکون پانی میں کشتی کھیلنے کا عادی تھا چنانچہ یہاں اسے بھی مشکل پیش آئی تاہم وہ چپو چلا رہا تھا۔ دوسرے ہی لمحہ کشتی کا رخ قریب سے قریب تر ہوتے ہوئے بریکرس کی طرف تھا۔ ہماری کشتی دھارے میں آ گئی۔ اور طوفانی ہوا کی لہریں پھنسی ہوئی ابابیل کی سی تیزی سے کف در دہن موجوں کی طرف چلیں جو زیرِ آب چٹانوں پر ٹوٹ رہی تھیں۔ ہمارے عین سامنے موجوں کا زور کچھ کم نظر آ رہا تھا، لیکن دائیں بائیں موجیں دیوانہ وار اچھل رہی تھیں۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ یہ گہرا پانی تھا۔ گویا چٹانوں کے درمیان گہرے پانی کا گلیارہ سا تھا۔ میں نے اس آبی گلیارے کی طرف اشارہ کیا۔

"عبداللہ! اس طرف...... اس طرف۔" میں نے چیخ کر کہا۔

عبداللہ ہوشیار اور ماہر سکان گیر تھا اور اس طرف کے خطرناک ساحل کے خطرات سے پوری طرح واقف تھا۔ میں نے اسے سکان مضبوطی سے پکڑتے اور پھر زور لگا کر ادھر ادھر گھماتے دیکھا۔ سکان گھمانے میں اسے اتنا زور لگانا رہا تھا کہ اس کی آنکھیں پھیلتی چلی گئیں یہاں تک کہ میں سوچنے لگا کہ کہیں وہ حلقوں سے نکل ہی نہ پڑیں۔

صورتِ حال بے حد خطرناک اور خوفناک تھی۔ بے شمار بھاگتے ہوئے بھنور کشتی کا رخ پھیر رہے تھے اور مجھے احساس ہوا کہ ہماری کشتی گلیارے سے بائیں یا دائیں، پچاس گز ادھر یا پچاس گز ادھر پہنچ گئی تو ہم غرق ہو جائیں گے کیونکہ دونوں طرف ہی بل کھاتے اچھلتے ہوئے اور جھاگ اڑاتے آبی میدان تھے۔ عبداللہ نے اپنے دونوں پیر سامنے والی نشست کے کنارے پر ٹکا دیئے اور یوں سہارا دے کر اور جسم کی پوری قوت اپنے بازوؤں میں سمیٹ کر سکان گھمانے لگا۔ کشتی ذرا سی گھوم گئی لیکن اب بھی اس کا رخ اچھلتی موجوں کی طرف تھا۔ میں نے چیخ کر جوب سے چپو الٹے چلانے کو کہا اور خود بھی جٹ گیا اور اب کشتی گھومنے لگی۔

پھر ہم بریکرس میں تھے اور بعد کے چند منٹ جیسے خوفناک اور مایوس کن گزرے اس کا بیان میں نہیں کر سکتا۔ مجھے تو صرف اتنا یاد ہے کہ ہمارے چاروں طرف کف آلود موجیں چیخ رہی تھیں اور یوں اٹھ اٹھ کر گر رہی تھیں کہ معلوم ہوتا تھا جیسے خبیث روحیں انتقام لینے کے لیے اپنی آبی قبروں سے نکل آئی ہیں۔ ایک دفعہ ہماری کشتی پورا چکر کھا گئی اور پھر یا تو موجوں کے تھپیڑوں سے یا پھر عبداللہ کی ماہرانہ سکان گیری سے راہ پر آ گئی۔ ہم پر مسلسل پھواری پڑ رہی تھی اور پھر ایک پوری موج اٹھ کر ہمارے سروں

پڑھ گئی۔ میں نہیں جانتا کہ ہم اس موج میں سے اور اس کے آر پار گزرے یا اس کے اوپر سے بہر حال میں نے عبداللہ کی خوشی کی چیخ سنی اور ہم ان جان لیوا موجوں سے باہر اور نسبتاً پرسکون پانی میں تھے۔

ایک بار پھر کشتی میں پانی بھر گیا تھا اور سامنے صرف نصف میل زیر آب چٹانوں کا دوسرا سلسلہ تھا۔ ایک بار پھر ہم پانی الیچنے میں لگ گئے۔ خوش قسمتی سے طوفان گزر چکا تھا اور چاند نکل آیا تھا۔ اس کی روشنی میں ایک چٹانی راس نظر آرہی تھی جو سمندر میں کوئی نصف میل اندر تک در آئی تھی اور موجیں قدموں میں مچل رہی تھیں۔ غالباً وہی چٹان، جو سنگستانی ساحل بنا رہی تھی، سمندر میں دھنس آئی تھی اور وہی یہاں ترائی بنا رہی تھی۔ یہی چٹان آگے جا کر اور بلند ہو کر ایک عجیب و غریب شکل کی چوٹی ہوگئی تھی۔ یہ چوٹی ہم سے کوئی ایک میل دور تھی۔

ہم دوسری دفعہ کشتی کو پانی سے خالی کر چکے تھے کہ لیو نے آنکھیں کھول دیں اور میرے منہ سے خوشی کی چیخ نکل گئی۔ لیو کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ میں نے سنا کہ وہ کہہ رہا تھا کہ اس کے کپڑے پلنگ پر سے فرش پر گر پڑے ہیں اور یہ کہ گرجا میں جانے کا وقت آگیا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ آنکھیں بند کرلے اور خاموش پڑا رہے۔ صورت حال سے باخبر ہوئے بغیر اس نے میری اس ہدایت پر فوراً عمل کیا۔ ہاں تو لیو کے منہ سے گرجا کا ذکر سن کر مجھے اپنا کیمبرج کا گرم اور سکون کا کمرہ یاد آگیا۔ میں نے یہ کیا حماقت کی کہ اپنا آرام دہ کمرہ چھوڑ کر یہاں آگیا؟ یہ وہ خیال تھا جو اس رات کے بعد مجھے بار بار پریشان کرتا اور ہر دفعہ شدت اختیار کرتا رہا۔

ایک بار پھر ہماری کشتی بریکرس کی طرف جا رہی تھی، لیکن نسبتاً کم رفتار سے کیونکہ ہوا بند ہو چکی تھی اور سمندری دھارا یا جوار (بعد میں معلوم ہوا کہ یہ جوار تھا) کشتی کو لیے جا رہا تھا۔

ایک منٹ ـــــ صرف ایک منٹ ـــــ اور عبداللہ نے پکار کر کہا "اللہ" میں نے کہا "ہو۔ ہا" اور جوب پتہ نہیں کیا بڑبڑایا۔ ایک بار پھر ہم بریکرس میں تھے اور ایک بار پھر ہمیں انہی حالات سے گزرنا پڑا، جن سے ہم نصف میل پیچھے گزر چکے تھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ یہاں موجوں کا غصہ کم کم تھا عبداللہ کی ماہرانہ استادانہ سکان گیری نے ہماری جان بچالی۔ پانچ منٹ بعد ہی ہم ان غصیلی موجوں کی دسترس سے باہر تھے اور کشتی اپنے آپ بہے جا رہی تھی کیونکہ ہم تھکن سے ایسے نڈھال تھے کہ کچھ کر نہ سکتے تھے سوائے اس کے کہ کشتی سیدھی رکھیں اور کشتی تھی کہ دل دھڑکا دینے والی تیزی سے اس راس کی طرف جا رہی تھی جس کا ذکر میں کہیں پیچھے کر چکا ہوں۔



سمندر کا جوار ہمیں دھکیلے دیتا رہا یہاں تک کہ ہم راس کی آڑ میں پہنچ گئے۔ کشتی کی رفتار ایک دم سے کم ہوگئی اور ہم پرسکون پانی میں تھے۔ طوفان گزر چکا تھا۔ آسمان نیلا اور شفاف تھا اور اب ہمیں پتہ چلا کہ ہماری کشتی ایک دریا کے دہانے میں داخل ہو کر اتنی دور تک آگئی تھی کہ مد کا زور یہاں تک پہنچ نہیں رہا تھا۔ ہم خطرے سے باہر تھے اور جب چاند غروب ہوا تو اس وقت ہم کشتی کا تمام پانی الیچ کر اسے کسی قابل بنا چکے تھے۔ لیو گہری نیند سو رہا تھا۔ اور مجھے یہی مناسب معلوم ہوا کہ فی الحال لیو کو جگایا نہ جائے۔ بے شک اس کے کپڑے تر بتر تھے لیکن رات اس قدر گرم تھی کہ میرے خیال میں اور جوب کے خیال میں بھی گیلے کپڑے کسی قسم کا کوئی نقصان نہ پہنچا سکتے تھے۔ اس کے علاوہ ہمارے پاس خشک لباس تھا بھی نہیں۔

چاند غروب ہوگیا اور کشتی بہتی رہی لیکن اب پانی پرسکون تھا صرف ذرا سا اونچا نیچا ہو رہا تھا بچہ جنتی ہوئی عورت کے سینے کی طرح۔ اب ہم جن خطرات سے گزر چکے تھے اس پر غور کر رہے تھے اور خدا کا شکر ادا کر رہے تھے کہ جان بچ گئی تھی۔ جوب کشتی کے اگلے حصے میں بیٹھ گیا۔ عبداللہ بدستور سکان سنبھالے ہوئے تھا اور میں کشتی کے درمیان، یعنی اس کے پیٹے میں بیٹھا ہوا تھا۔ میرے قریب ہی لیو سو رہا تھا۔

افریقہ کا چاند اپنا سارا حسن لے کر غروب ہو چکا تھا اور کالی نقاب کے سے سائے افق سے ابھر کر آسمان پر پھیل گئے۔ تارے آنکھیں جھپکانے لگے اور صبح کے نقیب اس کی آمد آمد کی اطلاع دینے لگے۔ سمندر زیادہ سے زیادہ پرسکون ہوتا چلا گیا اور کہر، گاڑھا کہر بل کھانے لگا ـــ مشرق سے مغرب تک صبح کے نقیب دوڑ گئے اور بیکراں سمندر پر اس سرے سے اس سرے تک اور چٹانوں کی چوٹیوں پر روشنی دبے پاؤں اترنے لگی۔ سنگستانی ساحل پر، پہاڑوں پر، دریا پر اور اس سے پرے ویران دلدلوں پر صبح پھیل گئی۔ اندھیرا دن چرانے اور پھر سمٹنے لگا۔

بے حد خوبصورت منظر تھا یہ اور اتنا ہی اداس بھی۔ یہ اداسی منظر کے خاموش اور ویران حسن کی وجہ سے تھی۔ میں نے سوچا کہ آج جو سورج ہم پر طلوع ہو رہا تھا وہی گزشتہ کل ہمارے اٹھارہ ساتھیوں پر جو ہمارے ساتھ جہاز پر تھے، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غروب ہوا تھا۔ انھیں ساتھ لے کر ہمارا جہاز غرق ہوگیا تھا۔ اٹھارہ لاشیں بیکراں سمندر کی تہہ میں کہیں رلتی پھر رہی تھیں ـــــ وہ سب مر چکے تھے اور ہم صرف چار آدمی زندہ بچے تھے۔ میں، لیو، جوب اور عبداللہ۔

☆☆

# پانچواں باب

## حبشی کا سر

شاہ آفتاب کے پیش روؤں اور نقیبوں نے آخرکار اپنا فرض ادا کر دیا اور تلاش کر کے اندھیرے سایوں کو بھگا دیا۔ اب شاہ آفتاب اپنے بستر بحر سے پورے جلال و جمال کے ساتھ اٹھا اور بحر و بر کو روشنی اور گرمی سے بھر دیا۔ میں کشتی میں بیٹھا پانی کے تھپیڑوں کی ہلکی ہلکی آواز سنتا اور سورج کو ابھرتے دیکھتا رہا۔ کشتی ذرا سی گھوم کر اس بلند راس کے اس طرف آ گئی جس کا ذکر میں کر چکا ہوں۔ یوں وہ عجیب شکل والی چٹان یا چوٹی میری نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ اب راس میری نظر اور اس چٹان کے درمیان حائل تھی تاہم میں بیٹھا اسی کی طرف دیکھتا رہا۔

پھر ابھرتے ہوئے سورج کی روشنی اس عجیب چٹان کی چوٹی پر پڑی اور میں سچ مچ اچھل پڑا۔ اس میں حیرت کی کوئی بات نہ تھی کیونکہ میں نے دیکھا کہ چٹان کی چوٹی، جو کوئی اسی فٹ بلند اور نیچے سے ڈیڑھ سو فٹ موٹی تھی۔ حبشی کے سر اور چہرے کی طرح تھی۔ جس پر بے حد شیطانی اور لرزہ خیز قسم کے پتھریلے جذبات منجمد تھے۔ غور سے دیکھنے یا نظر کو اور اس کے ذریعہ اپنے آپ کو دھوکہ دینے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ چٹان پر بے شک و شبہ اور ہو بہو حبشی کا سر ہی تھا۔ ویسے ہی موٹے ہونٹ، بھرے بھرے رخسار اور چپٹی ناک سرخ افق کے پس منظر میں چونکا دینے والی حد تک نمایاں تھی۔ کھوپڑی گول تھی جسے صدیوں کے موسموں اور ہواؤں نے گھس گھس کر مدور اور چہرے کے حجم کے متناسب بنا دیا تھا۔ اسی پر بس نہ کرتے ہوئے قدرت نے اس کھوپڑی پر آبی پودے اگا دیئے تھے جو ہو بہو حبشی کے گھنگھریالے بال تھے۔ یہ واقعی بے حد عجیب، حیرت انگیز اور ناقابل یقین سی بات تھی۔ چنانچہ اب میں سوچتا ہوں کہ یہ سر قدرت نے نہ تراشا تھا بلکہ انسانوں نے چٹان سے، یعنی چٹان کو چھیل کر تراشا تھا جس طرح مصر کا مشہور ابوالہول مصریوں نے چٹان سے تراشا تھا۔ یقیناً کسی زمانے میں غالباً تاریخ کے بھولے بسرے دور میں یا قبل از تاریخ کے کسی دور میں چٹان کے عقب میں آبادی تھی اور اس بستی والوں نے اپنی سرحد کی حفاظت کے لیے اور حملہ آوروں کو خوفزدہ کرنے کے لیے یہ سر تراشا تھا۔ بدقسمتی



ے ہم یہ معلوم نہ کر سکے کہ میرا خیال کہاں تک صحیح ہے کیونکہ اس کی چوٹی پر سمندر کی طرف سے اور خشکی کی طرف سے بھی چڑھنا ممکن نہ تھا۔ اس کے علاوہ اس وقت ہمارے پیش نظر دوسرے اہم مسائل تھے لیکن بعد میں ہم نے جو کچھ دیکھا اس کو مدنظر رکھتے ہوئے آج میں اس بات پر غور کرتا ہوں تو کہہ سکتا ہوں کہ میرے خیال میں وہ زبردست سنگین سر انسانوں نے تراشا تھا۔

بہرحال وہ قدرتی ہو یا انسانوں کا تراشا ہوا وہ سر ہمارے سامنے تھا اور بلندیوں پر سے ہماری طرف دیکھ رہا تھا اسی طرح اور اسی بلندی پر سے وہ صدیوں سے کروٹیں بدلتے اور دھاڑتے اور ہی طرح دیکھ رہا ہے۔ دو ہزار سال پہلے جب لیو کے جد امجد قالی قریط کے ساتھ اس کی بیوی شہزادی آمن ارتاس یہاں پہنچی تھی تو اس وقت بھی یہ سر اسی طرح سمندر پر ٹکٹکی لگائے ہوئے ہوگا۔

جوب! کیا خیال ہے تمہارا اس کے متعلق؟ میں نے حبشی کے سر کی طرف اشارہ کر کے پوچھا جو کشتی کے اگلے سرے پر بیٹھا دھوپ کھا رہا تھا اور بے حد مغموم معلوم ہوتا تھا۔

اب جوب نے پہلی دفعہ اس عظیم الشان اور مہیب سر کی طرف دیکھا تو اچھل پڑا۔

"باپ رے۔" وہ بولا "میرے خیال میں تو یہ زبردست دیوتا ہے جو اس چٹان پر اپنی تصویر کھچوانے بیٹھا ہے۔"

اس پر میں نے ایک قہقہہ لگایا جس سے لیو کی آنکھ کھل گئی۔

"ہائیں۔" اس نے کہا۔ "یہ کیا ہوا ہے مجھے کہ سارا جسم اکڑ گیا ہے؟ جہاز کہاں ہے؟ لاؤ تھوڑی سی برانڈی دو مجھے۔"

"شکر کرو بیٹے کہ یہ موت کی اکڑ نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"جہاز غرق ہو گیا اور اس کے ساتھ ہمارے تمام ساتھی بھی غرق ہو گئے صرف ہم چار بچ رہے ہیں اور خود تم ایک معجزے سے بچ گئے ورنہ تم بھی گئے تھے لیو۔"

جب جوب لاکروں میں لیو کے لیے برانڈی تلاش کر رہا تھا تو میں لیو کو جو کچھ ہوا تھا اس کی تفصیلات سنا رہا تھا۔

"میرے خدا!" جب میں خاموش ہوا تو لیو نے مردہ آواز میں کہا۔ "اور ذرا سوچو تو سہی کہ خدا نے صرف ہمیں بچا لیا۔"

اسی عرصے میں جوب برانڈی لے آیا اور ہم نے بڑے بڑے گھونٹ لیے تو بدن میں ذرا گرمی آئی۔ اس کے علاوہ سورج کی کرنوں میں بھی شدت آ چلی تھی اور ہمارے جسموں کو گرما رہی تھیں اس کی ہمیں سخت ضرورت تھی کیونکہ پانچ گھنٹوں یا اس سے زیادہ وقت تک ہم برابر پانی میں اور تر بتر رہے تھے۔

"ارے!" لیو نے برانڈی کی بوتل رکھتے ہوئے چونک کر کہا۔ "یہ تو وہی چٹان ہے جس کا ذکر سنفال پر کی تحریر میں کیا گیا ہے، یعنی وہ چٹان جس کی چوٹی حبشی کے سر کی طرح ہے۔"

"ہاں۔" میں نے سر ہلایا۔ "وہی ہے"

"تو پھر" لیو نے کہا۔ "جو کچھ ہم نے پڑھا ہے وہ محض افسانہ نہیں بلکہ حقیقت ہے۔"

اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ سب سچ ہے میرے خیال میں حماقت ہے۔" میں نے کہا۔ "یہ تو بہرحال جانتے تھے کہ یہ چٹانی سر یہاں ہے اور ضرور ہے کیونکہ تمہارے والد نے اسے دیکھا تھا تاہم ہو سکتا ہے کہ یہ وہی سر نہ ہو جس کا ذکر سنفال پر کی تحریر میں موجود ہے بلکہ شاید دوسرا ہو اور اگر وہی ہے تب اس سے کچھ ثابت نہیں ہوتا۔"

لیو نے بڑے بزرگانہ انداز میں میری طرف دیکھا۔

"چچا ہورلیس!" وہ بولا "تم اس یہودی کی طرح ہو جو ہر بات سے انکار کر دیتا ہے بہرحال جو زندہ رہے گا اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔"

"بالکل۔" میں نے کہا۔ "بہرحال فی الحال تو ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہماری کشتی دھارے کے سہارے دریا کے دہانے پر آ گئی ہے اور اپنے طور بہہ رہی ہے چنانچہ جوب! چپو اٹھاؤ تا کہ ہم کشتی کو آگے بڑھائیں اور دیکھیں کہ خشکی پر کہاں اترا جا سکتا ہے۔"

دریا کے جس دہانے پر ہم داخل ہوئے تھے یا ہو رہے تھے وہ کچھ زیادہ وسیع معلوم نہ ہوتا تھا حالانکہ وہاں کہر کے بادل چھائے ہوئے تھے جواب تک اتنے چھٹے نہ تھے کہ ہم ٹھیک سے دیکھ سکتے تاہم یہ میرا اندازہ تھا کہ مشرقی افریقہ کے تقریباً تمام دریاؤں کے دہانوں میں اتھلا پن ہوتا ہے اور اس حد تک کہ چھوٹی سی کشتی بھی وہاں نہیں تیر سکتی۔

خوش قسمتی سے اس دریا کا دہانہ اتنا زیادہ اتھلا نہ تھا۔ چنانچہ بیس منٹ بعد ہی ہم اسے عبور کر چکے تھے۔ اس عرصے میں سورج کی تپش کے سامنے کہر بھی شکست کھا کر بکھر گیا تھا اور سورج کی گرمی بے چین کر دینے والی حد تک بڑھ گئی تھی۔ تب ہم نے دیکھا کہ دریا کا دہانہ یہاں کوئی نصف میل



چوڑا تھا اور یہ کہ اس کے کنارے دلدلی تھے جہاں بڑے بڑے مگرمچھ لکڑی کے بے شمار کندوں کی طرح پڑے ہوئے تھے۔ ہمارے سامنے کوئی ایک میل آگے ایک دھجی کی نظر آ رہی تھی جو سخت زمین معلوم ہوتی تھی اور ہم اپنی کشتی کو اسی دھجی کی طرف لیے جا رہے تھے۔

پندرہ منٹ بعد ہی ہم وہاں پہنچ چکے تھے اور کشتی کا رسا ایک بے حد خوبصورت درخت کے تنے سے باندھ رہے تھے جس کے پتے بڑے بڑے تھے اور جس میں سُرخ رنگ کے جھومروں جیسے پھول لگے ہوئے تھے۔ کشتی باندھنے کے بعد ہم خشکی پر اترے، کپڑے اتارے، نہائے اور کپڑے خشک ہونے کے لیے رکھ دیئے سورج اتنا گرم ہو چکا تھا کہ یہ ساری چیزیں دیکھتے ہی دیکھتے خشک ہو گئیں۔ اس کے بعد دھوپ سے بچنے کے لیے ہم درختوں کے سائے میں جا بیٹھے اور شکم سیر ہو کر ناشتہ کیا اور دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ طوفان آنے سے پہلے ہم نے اپنی ضروری چیزیں جہاز سے کشتی میں منتقل کر دی تھیں۔ ناشتے سے فارغ ہونے تک ہمارے کپڑے پوری طرح خشک ہو چکے تھے۔ چنانچہ ہم نے کپڑے پہن لیے اور اب ہم تازہ دم تھے۔ بے شک ہم بڑی مصیبت سے گزرے تھے لیکن زندہ تھے۔ ہمارے ساتھی مر چکے تھے لیکن ہمارے جسموں پر دو چار خراشیں ہی آئی تھیں جو ظاہر ہے کہ کوئی خطرناک اور پریشان کن بات نہ تھی۔

ناشتے سے فارغ ہو کر ہم نے اس مقام کا معائنہ شروع کیا جہاں ہم اترے تھے۔ ہم خشکی کے ایک دھجی پر تھے جو دو سو گز چوڑی اور تقریباً پانچ سو فٹ لمبی تھی۔ اس کے ایک طرف دریا تھا اور تین طرف ویران دلدلیں تھیں جو حد نظر تک پھیلتی چلی گئی تھیں۔ یہ دھجی دلدلوں اور دریا کی سطح سے پچیس فٹ بلند تھی اور صاف ظاہر تھا کہ قدرتی نہ تھی بلکہ یہ پلیٹ فارم انسانوں نے بنایا تھا۔

"یہ جگہ کبھی گھاٹ رہی ہوگی" لیو نے سر ہلا کر کہا۔

"کیا بکتے ہو۔" میں نے جواب دیا۔ "کون ایسا احمق ہوگا جس نے ان خوفناک دلدلوں اور اس علاقے میں، جہاں نرے وحشی لوگ بستے ہیں، گھاٹ بنایا ہو بشرطیکہ یہاں بستی ہو۔"

"شاید یہاں شروع سے دلدلیں نہ تھیں اور شاید یہاں کے لوگ وحشی نہ تھے۔" لیو نے عمودی کنارے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کیونکہ ہم دریا کے کنارے پر کھڑے ہوئے تھے۔ "دیکھو۔"

اور اس نے ایک اکھڑے ہوئے درخت کی طرف اشارہ کیا۔ گزشتہ رات کے طوفان نے اس درخت کو جڑ سے اکھاڑ دیا تھا اور وہ کنارے کی ڈھلان پر اس طرح پڑا ہوا تھا کہ اس کی جڑیں اوپر

اٹھی ہوئی تھیں جن پر مٹی کا یہ لونداگا ہوا تھا۔

"تم ہی کہو چچا ہوریس" لیو نے کہا" کیا یہ پتھر کا کام نہیں ہے؟ اگر نہیں ہے تو اس سے مشابہ ضرور ہے۔"

"تمہارا خیال ہے۔" میں نے کہا۔

پھر ہم ڈھلان اتر کر نیچے پہنچے اور درخت کی اوپر رکھی ہوئی جڑوں اور کنارے کے درمیان جا کھڑے ہوئے۔

"اب کیا کہتے ہو چچا ہوریس؟" لیو نے کہا۔

لیکن اس دفعہ میں نے کوئی جواب نہ دیا بلکہ صرف سیٹی بجائی کیونکہ درخت کے اکھڑ جانے سے جو کھڈ پیدا ہو گیا تھا وہاں پتھر کی تہہ نظر آ رہی تھی۔ بے شک یہ گھاٹ تھا اور بنیاد پتھروں کی تھی۔ پتھر کے بڑے بڑے چوکور ٹکڑوں کو کسی قسم کی سیمنٹ سے جوڑا گیا تھا۔ یہ سیمنٹ اتنا سخت اور مضبوط تھا کہ میں نے اسے اپنے شکاری چاقو کی نوک سے کھرچا تو اکھڑنا ایک طرف رہا اس پر خراش تک پیدا نہ ہوئی۔ بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی کیونکہ کھڈ کی تہہ میں مجھے کوئی چیز ابھری ہوئی نظر آئی۔ اس پر جمی ہوئی مٹی اپنی ہاتھوں سے ہٹائی تو پتہ چلا کہ یہ پتھر کا بہت بڑا حلقہ تھا جس کا محیط ایک فٹ سے زیادہ اور موٹائی تین انچ تھی۔ اس دریافت نے میرے منہ پر قفل لگا دیا۔

"گھاٹ ہی معلوم ہوتا ہے اور گھاٹ بھی وہ جہاں بڑے بڑے جہاز لنگر انداز ہوتے ہوں گے۔ ہے کہ نہیں چچا ہوریس؟" لیو نے مسکرا کر کہا۔

میں نے ایک بار پھر" بکواس" کہنے کی کوشش کی لیکن یہ لفظ میرے حلق میں پھنس کر رہ گیا۔ پتھر کا یہ حلقہ زبان حال سے اپنی داستان سنا رہا ہے۔ کسی گزرے ہوئے اور فراموش کردہ دور میں جہاز بے شک یہاں لنگر ڈالا کرتے تھے اور پتھر کی یہ دیوار یقیناً پرانے زمانے کے گھاٹ کا بقیہ یا نشانی تھی۔ رہا وہ شہر جس کا یہ گھاٹ تھا تو وہ شاید ان دلدلوں میں کسی جگہ دفن تھا۔

"چچا ہوریس! اب تو معلوم ایسا ہوتا ہے کہ آمن ارتاس کی کہانی میں صداقت کا بہت زیادہ عنصر موجود ہے۔" لیو نے کہا۔ وہ مجھے دکھانے پر تلا ہوا تھا۔

اور چٹانی سر اور اس کے بعد گھاٹ کے آثار دیکھنے کے بعد میں نے براہ راست جواب نہ دیا۔

"افریقہ بہت بڑا ملک ہے اور تاریک براعظم کہلاتا ہے۔" میں نے کہا۔" چنانچہ اس میں



گزری ہوئی تہذیب کے آثار یقیناً موجود ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ مصری تہذیب کتنی قدیم ہے چنانچہ بہت ممکن ہے کہ اس تہذیب کے اثرات دور دور تک خصوصاً افریقہ کے خطوں تک پہنچے ہوں۔ پھر بابلی تھے فنیقی تھے، فارسی تھے اور ایسی بہت سی قومیں تھیں جو بہت حد تک یا مکمل طور سے مہذب تھیں۔ چنانچہ ہو سکتا ہے کہ ان مہذب قوموں نے یا ان میں سے کسی ایک قوم نے یہاں نوآبادیاں یا تجارتی منڈیاں قائم کی ہوں۔"

"بہت ممکن ہے ایسا ہی ہو۔" لیو نے کہا۔" لیکن پہلے تو تم نے کچھ اور ہی کہا تھا۔

"خیر تو اب کیا کرنا چاہیے؟" میں نے موضوع بدلنے کی غرض سے کہا۔

چونکہ مجھے اپنے اس سوال کا جواب نہ ملا اس لیے ہم وہاں سے ہٹ کر دلدل کے کنارے پر جا کھڑے ہوئے۔ بے شک یہ دلدل بے کنار تھی اور اس پر کبھی کبھی آبی پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ یوں اڑا کرتے تھے کہ آسمان نظر نہ آتا تھا۔ اس کے علاوہ دلدل پر کے زہریلے ابخرات کا بادل اٹھ کر پھیلنے لگا تھا۔

"دو باتیں تو بہر حال صاف ہیں۔" میں نے اپنے تین ساتھیوں سے کہا جو انتہائی مایوسی کے عالم میں دلدل کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اول تو یہ کہ ہم اسے عبور نہیں کر سکتے۔" اور میں نے دلدل کی طرف اشارہ کیا۔ اور دوسرے یہ کہ ہم نے یہاں قیام کیا تو ہم سب کے سب بخار میں مبتلا ہو کر مر جائیں گے۔

"سچ کہا ہے صاحب۔" جوب نے سر ہلایا۔

"چنانچہ اب دو راستے رہ گئے ہیں ہمارے سامنے، ایک تو یہ کہ ہم اپنی کشتی کو گھما کر واپس سمندر میں لے آئیں اور کسی قریبی بندرگاہ تک پہنچنے کی کوشش کریں۔ اور یہ کام خطرناک ہے اور دوسرا یہ کہ ہم اپنی کشتی کو بادبان کے سہارے یا چپو چلا کر آگے یعنی بہاؤ کے خلاف سے چلیں اور دیکھیں کہ ہم کہاں پہنچتے ہیں۔"

"میں نہیں جانتا کہ تم لوگوں کا کیا ارادہ ہے۔" لیو نے فیصلہ کن انداز میں کہا البتہ میں بہاؤ کے خلاف جا رہا ہوں۔

اس پر جوب نے اپنی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھا کر کچھ مبہم الفاظ کہے اور ہولے سے کراہ کر خاموش ہو گیا۔ اور عبداللہ نے بھی کراہ کر کہا۔" یا اللہ"۔ رہا میں تو میں نے کہا کہ چونکہ پیچھے گہرا سمندر اور آگے انجان علاقہ ہے اور خطرات دونوں طرف ہی ہیں اس لیے جس طرف بھی چلا جائے میرے لیے

کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن حقیقت میں میں بھی آگے بڑھنے کے لیے بے تاب تھا جتنا کہ شاید لیو، اس عظیم الشان حبشی کے سر اور گھاٹ کے آثار نے میرا شوقِ تجسس اس حد تک بیدار کر دیا تھا کہ میں اپنے اندر اپنے آپ سے شرمندہ تھا اور اس کھوج کو بہر حال انجام تک پہنچانا چاہتا تھا۔

چنانچہ کشتی میں بادبان لگا کر اور اپنی بندوقیں لے کر ہم اس میں سوار ہو گئے۔ خوش قسمتی سے ہوا سمندر کی طرف بہہ رہی تھی چنانچہ بادبان فوراً ہی پھول گیا۔ بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ صبح کے وقت ہوا سمندر کی طرف سے اور شام کے وقت خشکی کی طرف چلا کرتی تھی۔ پتہ نہیں اس کا جغرافیائی اصول یا وجہ کیا تھی۔

بہر حال یہ ہوا معاون ثابت ہوئی اور ہماری کشتی اسی کے سہارے اور بہاؤ کے خلاف تین چار گھنٹے بہتی رہی۔ ایک دفعہ ہماری کشتی دریائی گھوڑوں کے ریوڑ کے درمیان سے گزری۔ یہ گھناؤنے اور مہیب جانور غوطے لگا رہے، ابھر رہے اور پانی اچھال رہے تھے اور یہ سب کچھ ہماری کشتی کے چاروں طرف اور صرف دس گز کے فاصلے پر ہو رہا تھا۔ چنانچہ ان کا یہ خوف جوب کو خوفزدہ کیے ہوئے تھا اور سچ تو یہ ہے کہ میں بھی خوفزدہ تھا۔ ہم نے پہلی دفعہ دریائی گھوڑے دیکھے تھے۔ اس سے پتہ چلتا تھا کہ ہم سے پہلے انھوں نے بھی کسی سفید فام کو نہ دیکھا تھا۔ چنانچہ مجھے یہ دھڑکا لگا ہوا تھا کہ شوقِ تجسس میں کہیں ایک دو ہماری کشتی میں نہ چڑھ آئیں۔ لیو ان کا شکار کرنا چاہتا تھا لیکن میں نے اسے اس سے باز رکھا کہ پتہ نہیں اس کا نتیجہ کیا ہو۔ ان کے علاوہ ہم نے سیکڑوں مگرمچھ بھی دیکھے جو ساحل کی دلدل میں پڑے دھوپ کھا رہے تھے۔ رہے آبی پرندے ہم نے شکار کر لیے ان میں ایک جنگلی ہنس بھی تھا جس کے دونوں بازوؤں پر تیز ہلالی مہمیز لگے ہوئے تھے اور سر پر کلغی تھی۔ چونکہ ہمیں اس قسم کا دوسرا پرندہ نہ ملا اس لیے میں نہیں کہہ سکتا کہ اس علاقے میں ایسے پرندے موجود تھے یا یہ ایک ہی اپنی نسل کی آخری نشانی تھا۔ جوب نے اسے "کلغی والا ہنس" کے خطاب سے نواز دیا۔

دوپہر ہوتے ہوتے گرمی ناقابلِ برداشت ہو گئی اور پھر دلدلوں سے اٹھتے ہوئے ابخرات میں سڑاند ایسی شدید تھی کہ ہمیں بار بار کونین کی کافی مقدار کھانی پڑ رہی تھی۔ اس کے علاوہ اب ہوا بھی پوری طرح سے گرم ہو گئی تھی اور اس شدید گرمی اور سڑاند میں چونکہ کشتی کھینا ممکن نہ تھا اس لیے ہم اس کنارے پر لے آئے، اس میں سے باہر آئے اور بید کی قسم کے درختوں کے جھنڈ میں، جو کنارے پر ہی تھا، جا کر لیٹ گئے۔ اُمس اور گرمی کی وجہ سے دم گھٹا جا رہا تھا، لیکن ہم کیا کر سکتے تھے۔ بس دن بھر پڑے



گہرے گہرے سانس لیتے رہے۔ یہاں تک کہ غروب آفتاب کا وقت قریب آیا اور ہماری ان تکلیفوں کا خاتمہ ہوا۔

ہمارے عین سامنے پانی کی ایک کھلی چادر سی نظر آ رہی تھی۔ چنانچہ ہم نے فیصلہ کیا کہ رات کے پڑاؤ کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے پانی کی اس کھلی چادر پر کشتی کو لے جائیں۔ ابھی ہم کشتی کھول ہی رہے تھے کہ ایک بے حد خوبصورت، اینٹلوپ، جس کے سینگ آگے کی طرف مڑے ہوئے تھے اور جس کی رانوں پر سفید دھاریاں تھیں پانی پینے دریا پر آیا۔ ہم اس سے صرف پانچ گز دور تھے لیکن چونکہ بید کی قسم کے درختوں کے جھنڈ میں تھے اس لیے اینٹلوپ نے ہمیں نہ دیکھا۔ اس پر سب سے پہلے لیو کی نظر پڑی۔ اور چونکہ وہ شکاری تھا اور بڑا شکار مارنے کی آرزو پچھلے کئی مہینوں سے اس کے دل میں کروٹیں لے رہی تھی۔ اس لیے وہ ایک دم سے تن گیا اور اینٹلوپ کی طرف اشارہ کیا۔ یہ دیکھ کر معاملہ کیا تھا میں نے اس کی ایکسپریس رائفل اس کے ہاتھ میں تھما دی۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے سرگوشی میں کہا۔ "لیکن خیال رہے — نشانہ چوک نہ جائے۔"

"میں کوشش کروں تب بھی نہیں چوک سکتا۔" اس نے سرگوشی میں جواب دیا۔

اس نے رائفل اٹھائی اور عین اس وقت اینٹلوپ نے پانی پینے کے بعد سر اٹھایا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ وہ غروب ہوتے ہوئے سورج کے پس منظر میں اور ایک ابھری ہوئی راس پر کھڑا ہوا تھا۔ یہ خشک راس یا پگڈنڈی دلدل میں چلی گئی تھی چنانچہ معلوم ہوا کہ وہ راستہ تھا جس کے ذریعہ جنگل کے جانور دریا پر پانی پینے آتے تھے۔ یقین کیجیے کہ اگر میں سو سال زندہ رہا تب بھی اس ویران لیکن بے حد خوبصورت منظر کو نہ بھلا سکوں گا۔ وہ پورا کا پورا منظر اپنی تمام تر جزئیات سمیت میرے دماغ پر نقش ہے۔

دائیں اور بائیں ویران اور مہیب دلدلیں تھیں جو بخار کی شکل میں موت کو جنم دیتی تھیں۔ موت کی یہ دلدلیں سیاہ اور گھناؤنی چادر کی طرح حدِ نظر تک پھیلی ہوئی تھیں جن میں کہیں کہیں گدلے گدلے پیوند سے لگے ہوئے تھے۔ یہ پانی کے گڑھے تھے جن پر غروب ہوتے ہوئے سورج کی نارنجی کرنیں پڑ رہی تھیں اور منظر کی ویرانی میں اور بھی اضافہ کر رہی تھیں۔ ہمارے سامنے اور پیچھے بہتا دریا تھا جو اپنی مخصوص سست رفتاری سے بہہ رہا تھا جس میں سامنے کی طرف نرسلوں کے جھنڈ تھے جن کی چوٹیوں پر شام کی دھوپ کھیل رہی تھی اور جو ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکوں سے جھوم رہی تھیں۔ مغربی افق پر سورج کا گھومتا ہوا سرخ گولا تھا جو اب ابخراتی افق پر غائب ہو رہا تھا اور اس کی سرخ روشنی افق تا افق پھیل گئی

تھی۔ بگلوں اور آبی پرندوں کی چیختی ہوئی قطاریں اپنی اپنی رین بسیروں کی طرف جا رہی تھیں اور ہم تھے — اس ویران اور قدیم منظر میں جدید طرز کے انگریز جدید قسم کی کشتی کے ساتھ جو اس منظر سے کسی طرح میل نہ کھا رہے تھے اور پھر وہ اینٹلوپ تھا جو سرخ افق کے پس منظر میں سر اٹھائے بڑی شان اور بے پروائی سے کھڑا ہوا تھا۔

"دھائیں۔"

اور ایک زبردست چھلانگ مار کر اینٹلوپ بھاگا۔ لیو کا نشانہ خطا کر گیا تھا۔ "دھائیں۔" اس کا دوسرا نشانہ بھی خطا کر گیا۔

اور اب میری باری تھی۔ مجھے اب ایک گولی چلانی تھی حالانکہ اینٹلوپ تیر کی طرح بھاگا جا رہا تھا مجھ سے سوگز اور اس سے بھی زیادہ دور تھا لیکن — خدا کی قسم میں نے اسے مار گرایا۔ وہ لڑھک گیا اور لوٹنے لگا۔

"لو جناب لیو!" میں نے کہا۔ "میرا خیال ہے یہاں تو میں تم سے برتر ہی ثابت ہوا۔"

"لعنت ہے تاہم سچ ہے۔" لیو غرایا لیکن پھر مسکرا کر بولا۔ "چنانچہ بڑے میاں میں معافی چاہنے کے بعد مبارک باد دیتا ہوں۔ بے حد عمدہ نشانہ تھا اور میرے نشانے واہیات تھے۔"

چنانچہ ہم کشتی سے کود کر اینٹلوپ کی طرف دوڑے۔ وہ مردہ پڑا تھا۔ گولی اس کی ریڑھ کی ہڈی میں لگی تھی۔ اسے صاف کرنے اور عمدہ گوشت، جتنا ہم اٹھا سکتے تھے، کاٹ کر اپنے ساتھ لانے میں چندرہ بیس منٹ لگ گئے۔ اس عرصے میں روشنی اتنی کم رہ گئی تھی کہ بمشکل پانی کے اس خطے تک پہنچ سکتے تھے جو ایک تالاب کی طرح تھا۔ یہاں دلدلوں میں خلا تھا چنانچہ دریا پھیل گیا تھا۔ اور اس نے ایک چھوٹے سے تالاب کی صورت اختیار کر لی تھی۔ اندھیرا اترا تو ہم نے اس تالاب سے تیس قدم ادھر لنگر ڈال دیا۔ ہم کنارے پر اترنے اور وہاں رات گزارنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔ اول تو اس لیے کہ ہم نہ جانتے تھے کہ ہمیں قیام کے لیے خشک جگہ ملے گی بھی یا نہیں اور دوم اس لیے کہ ہم دلدلوں کے زہریلے ابخرات سے ڈرتے تھے اور ہمارا خیال تھا کہ یہاں دریا میں ہم ان سے محفوظ رہیں گے۔ چنانچہ ہم نے لالٹین جلائی، خشک نان کا جو ہم اپنے ساتھ لائے تھے، ناشتہ کیا اور پھر سونے کی تیاری کرنے لگے لیکن جلد ہی پتہ چل گیا کہ سونا ممکن نہ تھا۔ اب یا تو لالٹین کی روشنی انھیں کھینچ لائی یا پھر سفید فام انسانوں کو بو جس کا مزہ انھوں نے ہزاروں سال سے نہ چکھا تھا یا شاید جس کا انتظار وہ صدیوں سے کر رہے تھے۔ بہرحال وجہ



کچھ بھی ہو یہ حقیقت ہے کہ بلبلے، خون کے پیاسے اور بے حد بڑے بڑے مچھروں نے لاکھوں کی تعداد میں ہم پر حملہ کر دیا۔ ایسے بڑے مچھر نہ تو پہلے کبھی میں نے دیکھے تھے اور نہ ہی ایسے مچھروں کے متعلق کسی کتاب میں پڑھا تھا۔ ان کے دل بادل آئے اور وہ بھنبھنانے اور اس بری طرح سے کاٹنے لگے کہ ہم تقریباً پاگل ہو گئے۔ ہم نے پائپ جلائے کہ شاید تمباکو کی بو اور دھواں انھیں پسپا کر دے لیکن یہ عجیب اور نرالے مچھر تھے کہ تمباکو کی بو اور دھوئیں سے تو انھوں نے مست کر اور بھی شدت سے حملہ کر دیا۔ آخرکار ہم نے اپنے آپ کو سر سے پیر تک کمبلوں میں اس طرح لپیٹا کہ ایک مضحکہ خیزی کہ ہمارے سر کا ایک بال تک باہر نکلا ہوا نہ تھا۔ اور اب اس طرح ہم کمبلوں میں لپٹے بیٹھے تھے، گرمی سے پریشان تھے، جھلا رہے تھے اور منہ ہی منہ میں گالیاں بک رہے تھے۔ دفعتاً اندھیرے میں سے گرج کی ایک آواز لڑھکتی ہوئی آئی۔ یہ شیر تھا جو ہم سے صرف ساٹھ گز دور نرسلوں میں تھا۔ پھر دوسری گرج سنائی دی۔ یہ دوسرا شیر تھا۔

لیو نے کچھوے کی طرح کمبل سے سر نکال کر کہا۔

"اچھا ہی ہوا کہ ہم نے کنارے پر قیام نہ کیا۔ ہے نا آؤن کیونرا۔[1]" لیو مجھے کبھی کبھی یوں گستاخی سے مخاطب کیا کرتا تھا۔ "لعنت ہے۔" ایک مچھر نے میری ناک پر کاٹ لیا۔

اور وہ غڑاپ سے ایک بار پھر کمبل میں تھا۔

کچھ دیر بعد چاند نکل آیا۔ کنارے کی طرف سے گرج اور دہاڑ کی مسلسل آوازیں آ رہی تھیں۔ شیر برابر پانی پینے چلے آ رہے تھے اس کے باوجود ہم اپنے آپ کو ان سے محفوظ یقین کر کے اونگھنے لگے۔

میں ٹھیک سے نہیں جانتا کہ کیا بات تھی کہ میری اونگھ کھل گئی اور میں کمبل کے "محفوظے" میں سے اپنا سر باہر نکالنے پر مجبور ہو گیا۔ غالباً وجہ یہ تھی کہ مجھے احساس ہوا تھا کہ مچھر کمبخت کمبل کے آر پار بھی کاٹ رہے تھے۔ بہرحال وجہ کچھ بھی ہو یہ حقیقت ہے کہ میں نے کمبل سے سر نکالتے ہی جوب کی خوفزدہ سرگوشی سنی۔

"باپ رے! وہ دیکھو۔"

فوراً ہی ہم سب نے اس طرف دیکھا جس طرف جوب اشارہ کر رہا تھا اور جو کچھ ہم نے

[1] کیلر لاطینی زبان میں اس شخص کو کہتے ہیں جو بیلا جیسا ہو یا بہت دور کے رشتے کا چچا ہو البتہ طنزاً گرہ رکھنے والا مطلب ہوتا ہے۔ (مترجم)

دیکھا دو یہ تھا۔

کنارے کے قریب دو متحد المرکز دائرے تھے جن سے سطح آب پر ہلکی ہلکی لہروں کے ملنے سے پیدا ہو رہے اور برابر پھیلتے جا رہے تھے اور ان کے عین قلب میں دو کالے لیکن متحرک سائے نظر آ رہے تھے۔

"کیا بلا ہے وہ؟" میں نے پوچھا۔

"وہ حرامی شیر ہیں۔" جوب نے جواب دیا۔ اس کا لہجہ عجیب سا تھا جس میں خوف، احترام اور کپکپی کی جھلک تھی۔ "اور وہ تیرتے ہوئے اس طرف آ رہے تھے ہمیں خانے کے لیے"

وہ اپنے خوف اور گھبراہٹ میں "کھانے کو" "خانے" کہہ گیا۔

میں نے پھر اس طرف دیکھا۔ جوب نے غلط نہ کہا تھا۔ بے شک وہ شیر ہی تھے اور میں ان کی سلگتی ہوئی آنکھیں صاف طور سے دیکھ رہا تھا۔ یا تو ہمارے شکار کیے ہوئے ہپوپوٹیمس کی بو نے انہیں نہ صرف اس طرف کھینچ لائی تھی بلکہ انہیں بیقرار کیے ہوئے تھی کیونکہ وہ دونوں غالباً بھوکے تھے۔

لیو اپنی رائفل اٹھا چلا تھا لیکن میں نے اس سے کہا کہ وہ اس وقت گولی نہ چلائے جب تک کہ شیر قریب نہیں آ جائے۔ اور پھر میں نے اپنی بندوق تلاش کر کے اٹھالی۔

ہم سے کوئی پندرہ فٹ دور پانی اتھلا ہو کر صرف پندرہ انچ گہرا رہ گیا تھا۔ ان دو درندوں میں سے ایک — اور یہ شیرنی تھی اس اتھلے پانی میں جا کھڑی ہوئی۔ اس نے ایک زبردست جھرجھری لے کر پانی اپنی کھال پر سے جھاڑا اور پھر لرزہ خیز آواز میں دہاڑی۔

عین اسی وقت لیو نے گولی چلادی۔ گولی اس کے کھلے ہوئے منہ میں داخل ہو کر گردن میں سے باہر نکل گئی اور شیرنی ایک زبردست چھپاکے کے ساتھ گری دوسرا شیر، جو ایال والا اور پوری عمر کا تھا۔ شیرنی کے پیچھے اور اس سے دو قدم دور تھا۔ اس نے اپنی اگلی دونوں ٹانگیں کنارے پر رکھی ہی تھیں کہ پانی میں ایک زبردست ہلچل سی مچ گئی۔ شیر اس زور سے گرجا کہ ہمارے دلوں کے ساتھ ساتھ اندھیرے اور خاموش ویرانے بھی لرز اٹھے۔ پھر وہ چھلانگ لگا کر کنارے پر آ گیا اور ساتھ کسی کالی چیز کو بھی گھسیٹ لایا۔

"یا اللہ" عبداللہ چیخا۔ "مگرمچھ نے اس کی ٹانگ پکڑ لی ہے۔"

یہ عبداللہ نے غلط نہ کہا تھا۔ وہ کالی لمبی چیز کچھ اور نہیں بلکہ مگرمچھ ہی تھا جسے شیر کنارے پر



گھسیٹ لایا تھا۔ ہم اس کی تھوتھنی اور اس میں نکیلے دانتوں کی قطار دیکھ رہے تھے اور اس کے پیچھے اس کا لمبا، کالا اور کھردرا بدن تھا۔

پھر ہم نے ایک عجیب اور انوکھا منظر دیکھا۔

شیر کسی نہ کسی طرح کنارے پر چڑھنے میں کامیاب ہو گیا اور مگرمچھ، جو کچھ تیر رہا تھا اور کچھ چل رہا تھا اب بھی اس کی ٹانگ پکڑے ہوئے تھا۔ شیر گرجا یہاں تک کہ فضا اس آواز سے تھرا گئی۔ پھر وہ ایک خوفناک غراہٹ کے ساتھ پلٹا اور مگرمچھ کی تھوتھنی پر اپنا پنجہ چلا دیا۔ مگرمچھ نے اپنی گرفت ڈھیلی کر دی کیونکہ جیسا کہ ہمیں بعد میں پتہ چلا، شیر نے اس کی ایک آنکھ ادھیڑ دی تھی۔ مگرمچھ ذرا سا آگے بڑھا اور شیر نے اسے گلے سے پکڑ لیا اور پکڑے رہا اور اب وہ دونوں کنارے پر لڑھک رہے تھے۔ بڑی گھناؤنی اور خوفناک لڑائی تھی یہ جیسی کہ کبھی کسی نے حقیقت میں یا خواب میں بھی صدیوں میں نہ دیکھی ہوگی۔ کیا ہو رہا تھا اور کون غالب آ رہا تھا یہ دیکھنا مشکل تھا کیونکہ وہ بڑی تیزی سے ادھر ادھر لڑھک رہے تھے۔ جب دوسری دفعہ منظر صاف ہوا تو بازی پلٹ چکی تھی کیونکہ مگرمچھ نے، جس کی کھوپڑی گھناؤنے آخور کی طرح بے شکل ہو گئی تھی شیر کے کونوں میں اپنے دانت گڑو رکھے تھے اور اپنے سر کے زبردست جھٹکوں کے ساتھ اسے جھنجھوڑ رہا تھا۔ شیر انتہائی تکلیف کے عالم میں بری طرح دہاڑ رہا تھا اور پاگل ہو کر اپنے دشمن کے کھردری سر پر کاٹ رہا تھا اور پنجے مار رہا تھا۔ پھر اس نے اپنے پچھلے پنجے مگرمچھ کے حلق کی نرم کھال میں پیوست کر دیے اور ایک ہی جھٹکے میں اسے ادھیڑ دیا۔

پھر یکایک اس خوف ناک جدوجہد کا خاتم ہو گیا۔ شیر کا سر جھک کر مگرمچھ کی پیٹھ پر ٹک گیا اور ایک بھیانک کراہ کے ساتھ اس نے دم توڑ دیا۔ مگرمچھ ایک لمحے تک بے حس و حرکت کھڑا رہا اور پھر ایک دم سے اپنے پہلو پر لڑھک گیا۔ اس کے دانت اب بھی شیر کے کولھوں میں پیوست تھے۔ بعد میں معائنہ کرنے پر معلوم ہوا کہ اس نے بیچ بیچ شیر کے کولھے ادھیڑ کر دو کر دیے تھے۔

موت کی اس جنگ کا منظر بے حد حیرت انگیز اور خوفناک تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ کبھی کسی شخص نے ایسی لڑائی نہ دیکھی ہوگی چنانچہ یوں یہ لڑائی ختم ہوئی۔

جب یہ لڑائی ختم ہوئی تو ہم نے عبداللہ کے سپرد جاگتے رہنے اور ہوشیار رہنے کی ہدایت کی اور بقیہ رات مچھروں کے حملوں کے درمیان اونگھتے جاگتے گزار دی۔

☆☆

# چھٹا باب

# قدیم رسم

دوسرے دن علی الصبح بیدار ہو کر ہم نہائے دھوئے۔ میرا مطلب ہے جہاں تک حالات کے
پیش نظر ممکن تھا اور پھر روانگی کی تیاریاں کرنے لگے۔ جب صبح کی روشنی اس قدر پھیل گئی کہ ہم ایک
دوسرے کی صورت دیکھ سکتے تھے تو میں ایک دم سے ہنسنے لگا اور ہنستا چلا گیا۔ کیونکہ جوب کا موٹا اور
پرسکون چہرہ مچھروں کی زیادتیوں کی وجہ سے سوج گیا اور اپنے اصلی سائز سے دوگنا ہو گیا تھا اور لیو کی
حالت بھی کچھ زیادہ بہتر نہ تھی۔ میری حالت اپنے تین ساتھیوں کی بہ نسبت بہتر تھی۔ غالباً اس لیے کہ
میری کھال موٹی ہے اور پھر اس لیے بھی کہ بال میرے لیے ڈھال بن گئے تھے کیونکہ جب ہم انگلستان
سے روانہ ہوئے تھے تبھی سے میں نے اپنی گنجان داڑھی کو اپنے طور پر بڑھنے دیا تھا۔ لیکن لیو اور جوب
داڑھی مونچھ منڈے تھے چنانچہ دشمن کو اپنے حملے کے لیے کھلا اور آسان میدان مل گیا تھا۔ رہا عبداللہ تو
میں سمجھتا ہوں کہ مچھروں نے اسے پہچان لیا تھا کہ سچے مذہب اور سچے نبی کا پیرو ہے چنانچہ وہ ان کے
مظالم سے محفوظ رہا تھا۔ آپ یقین کیجیے کہ آئندہ ہفتے میں ہر ہر منزل پر ہم نے سوچا کہ کاش ہم بھی
عبداللہ کی طرح ہی ہوتے۔

جب ہم اپنے سوجے ہوئے ہونٹوں کے باوجود جی بھر کر ہنس چکے تو اس وقت دن کی روشنی
پھیل چکی تھی اور سمندر کی طرف سے بہتی ہوئی صبح کی ہوا گاڑھے اور گھٹا ٹوپ کہر میں نالیاں سی بنا رہی تھی
اور اسے بڑی بڑی گیندوں اور مرغولوں کی شکل میں ادھر ادھر لڑھکا رہی تھی۔
ہم نے بادبان کھول دیا اور دونوں مردہ شیروں اور مگرمچھ کی لاشوں کا معائنہ کرنے کے بعد
کشتی میں سوار ہو گئے۔ ہمارے پاس مناسب اوزار نہ تھے کہ ہم تینوں جانوروں کی کھال اتار کر اپنے
ساتھ لے جاتے۔
صبح کی ہوا کے جھونکوں کے سہارے ہماری کشتی تالاب یا تالاب عبور کر گئی اور اب ہم ایک
بار پھر بہاؤ کے خلاف جا رہے تھے۔ دوپہر کے وقت حسب دستور ہوا بند ہو گئی۔ خوش قسمتی سے ہمیں



کنارے پر پڑاؤ ڈالنے کے لیے مناسب اور خشک جگہ مل گئی۔ یہاں ہم اتر پڑے۔ آگ جلائی اور دو
مرغابیوں اور اینٹلوپ کا تھوڑا سا گوشت بھون لیا۔ بھوننے کا طریقہ بیشک اشتہا انگیز نہ تھا تاہم غنیمت
تھا۔ اینٹلوپ کے بقیہ گوشت کی لمبی لمبی دھجیوں کی شکل میں کاٹ کر ان دھجیوں یا لمبیروں کو خشک ہونے
کے لیے دھوپ میں پھیلا دیا۔ اس قسم کا خشک گوشت خراب نہیں ہوتا۔
خشکی کے اس ٹکڑے پر، جو ہمارے لیے گویا جنت تھا، ہم نے دوسرے دن صبح تک قیام کیا۔
سوائے اس کے کوئی خاص واقعہ نہ ہوا کہ رات پھر مچھروں کی فوج سے گھمسان کا رن رہا۔ بعد کے دو دن
بھی ایسے ہی گزرے۔ کوئی قابل ذکر واقعہ نہ ہوا سوائے اس کے کہ ہم نے ایک خاص قسم کے اینٹلوپ کا
جس کے سینگ نہ تھے، شکار کیا اور اس سفر میں ہمیں کنول کے پھولوں کی مختلف اور عجیب و غریب قسمیں
دیکھنے کو ملیں۔ اپنے اس سفر کے پانچویں دن، جب ہم ساحل سے مغرب میں اور ایک سو تیس یا چالیس
میل دور پہنچ چکے تھے حقیقت میں ایک قابل بیان واقعہ ہوا۔
اس دن بھی کوئی گیارہ بجے سمندر کی طرف سے آتی ہوئی ہوا حسب معمول بند ہو گئی۔ چنانچہ
ہم نے چپو اٹھائے اور جب ہم اس جگہ پہنچے، جہاں ہمارے دریا اور دوسرے دریا کا اتصال تھا۔ یہ
دوسرا دریا کوئی پچاس گز چوڑا تھا، تو ہم پوری طرح تھک چکے تھے۔ چند درخت قریب ہی اُگے ہوئے
تھے۔ یہاں میں یہ بتا دوں کہ اس منحوس دلدلی علاقے میں لب آب ہی درخت تھے۔ خیر تو ان درختوں کی
چھاؤں میں ہم آرام کرنے لگے۔ اس کے بعد ہم نے دریا کے کنارے ذرا چہل قدمی کی کیونکہ یہاں
کنارہ خشک تھا۔ چہل قدمی کرتے اور علاقے کا معائنہ کرتے ہوئے ہم ذرا آگے بڑھ گئے اور چند
مرغابیوں کا شکار کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ہم کوئی پچاس گز آگے بڑھے تھے کہ ایک مایوس کن
انکشاف ہوا۔ جہاں ہم اترے تھے وہاں سے ہم کوئی سو گز تک تو ہم اپنی کشتی میں سفر کر سکتے تھے لیکن دو سو
گز بعد ہمارے اس بحری یا کشتی کے سفر کی آخری منزل تھی کیونکہ سامنے اتھلے پانی کے کھنڈوں اور دلدلی
کناروں کا لامتناہی سلسلہ چلا گیا تھا جہاں ہماری وھیل بوٹ تیر ہی نہ سکتی تھی کیونکہ یہاں پانی صرف چھ
انچ گہرا تھا اور پھر دلدل کی تہہ۔ پتہ نہیں کتنی گہری تھی۔
اس طرف سے پلٹ کر ہم دوسرے دریا کے کنارے کنارے چل پڑے اور بہت جلد یہ
حیرت انگیز انکشاف ہوا کہ جسے ہم دریا سمجھ رہے ہیں وہ دراصل ایک بڑی نہر تھی بالکل ایسی ہی جیسی کہ
زنجی بار کے ساحل پر دریائے تانا کو دریائے اوزی سے ملاتی ہے اور اس طرح کہ جہاز تانا میں داخل ہو کر

اس نہر کے ذریعہ اوزی میں اور پھر اسے عبور کر کے سمندر میں پہنچ جاتے ہیں۔ یہ نہر جس کے کنارے ہم چل رہے تھے، یقیناً انسانوں کی بنائی ہوئی تھی۔ تاریخ کے کسی بھولے بسرے دور میں یہ نہر کھودی گئی تھی اور اس کا ثبوت نہر کے بلند کنارے تھے جو نہر کی کھدائی کے وقت اس سے نکالی ہوئی مٹی کے انباروں سے بن گئے تھے۔ اس سخت اور چکنی مٹی کے کناروں کو یہاں وہاں سے پانی نے کھوکھلا کر دیا تھا یا وہ کہیں کہیں گر پڑے تھے ورنہ ان کی بلندی ہر جگہ یکساں تھی اور دونوں کناروں میں فاصلہ بھی یکساں تھا اور نہر کی گہرائی بھی ہر جگہ یکساں ہی معلوم ہوتی تھی۔ اس نہر میں یا تو بہاؤ تھا ہی نہیں یا اگر تھا تو نہ ہونے کے برابر تھا۔ نتیجہ اس کا یہ ہوا تھا کہ نہر کی سطح کائی اور آبی بیلوں سے ڈھکی ہوئی تھی اور اس نیلی اور گنجی چادر میں یہاں وہاں بے شمار آبی نالیاں سی تھیں۔ یقیناً یہ راستے آبی پرندوں اور آبی کیڑوں کی آمد و رفت سے پیدا ہو گئے تھے۔ اب یہ تو صاف بات ہے کہ ہم جس دریا سے آئے تھے اس کی رو اب آگے نہ بڑھ سکتے تھے، چنانچہ اب یہ بات بھی صاف تھی کہ یا تو ہمیں اس نہر میں آگے بڑھنا اور کسی انجانی اور شاید خوفناک منزل تک جانا تھا یا پھر یہیں سے لوٹ جانا تھا۔ ظاہر ہے کہ ہم جہاں تھے وہیں نہ ٹھہر سکتے تھے کہ تیز دھوپ اور مچھر ہمارا خاتمہ کر دیں یا پھر ان دلدلوں کا جان لیوا بخار ہمیں آ دبوچ لے۔

"ہم اس نہر میں سفر جاری رکھیں گے۔" میں نے کہا۔

میرے اس فیصلے کو میرے ساتھیوں نے مختلف طریقوں سے قبول کیا۔ لیو نے یوں جیسے کہ یہ کوئی لطیفہ ہو۔ جوب نے احترامانہ کمن کے ساتھ اور عبداللہ نے اس طرح کہ پہلے اس نے "اللہ" کہا پھر رسول عربی پر درود بھیجا اور آخر میں "کافروں" اور ان کے سفر کے طریقوں پر لعنت بھیجی۔

سورج ڈھل گیا تھا۔ ہماری کشتی اس نہر میں داخل ہو رہی تھی چونکہ ہمارے پاس کرنے کو کوئی کام نہ تھا اور پھر سمندر کی طرف سے آنے والی ہواؤں کے سہارے کی بھی اب امید نہ تھی اس لیے ہم چل پڑے تھے۔ ابتدائی ایک ڈیڑھ گھنٹوں میں تو ہم کشتی کھیتے رہے حالانکہ اس میں کافی زور لگانا پڑ رہا تھا لیکن اس کے بعد آبی بیلوں کا جال اتنا گنجان اور موٹا ہو گیا کہ کشتی کھینا ممکن نہ رہا۔ چنانچہ اب ہم صدیوں پرانا طریقہ آزمانے پر مجبور تھے۔ یعنی لمبے لمبے بانسوں کے ایک سرے کنارے پر اور دوسرے سرے اپنے شانے پر رکھ کر کشتی کو آگے دھکیلنے کا طریقہ۔ یہ کام بے حد تھکا دینے والا تھا، لیکن یہاں بانس میسر نہ تھے چنانچہ ہم میں سے ہر ایک کو باری باری کنارے پر اتر کر اور کشتی کا رسہ پکڑ کر آگے آگے چلنا اور کشتی کو پیچھے کھینچنا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ کام اور بھی زیادہ تھکا دینے والا تھا لیکن ہم مجبور تھے۔ چنانچہ پورے



دو گھنٹوں تک جوب، عبداللہ اور میں کشتی کو یوں آگے کھینچتے رہے اور لیو کشتی میں بیٹھا عبداللہ کی تلوار سے آبی بیلیں کاٹ کاٹ کر انھیں دور ہٹاتا اور راستہ نسبتاً صاف کرتا رہا۔

اندھیرا اترا تو ہم ستانے کے لیے ٹھہر گئے اور مچھر ہم سے مشورہ کرنے جھنڈ در جھنڈ آ گئے۔ آدھی رات کے وقت رات کی ٹھنڈک سے فائدہ اٹھا کر ہم پھر چل پڑے۔ صبح کے وقت ہم نے تین گھنٹوں کے لیے پھر قیام کر دیا اور تین گھنٹوں بعد پھر جٹ گئے۔ دفعتاً طوفان باد و باراں ٹوٹ پڑا اور بعد کے چھ گھنٹے ہمارے بڑے تکلیف دہ اور بیچ بیچ پانی میں گزرے۔

میں سمجھتا ہوں کہ بعد کے چار دنوں کے سفر کی تفصیلات بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ چنانچہ صرف یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ ایسے سخت اور تکلیف دہ دنوں کا تجربہ مجھے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ دھوپ، پیاس، کہر، مشقت، مچھر اور ان چار دنوں میں ہم دلدلوں کے بے حد مہیب خطوں کے درمیان سے گزرے۔ یہ دلدلیں دونوں طرف افق تک پھیلتی چلی گئی تھیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم دلدلی بخار سے کس طرح بچ گئے؟ میرے خیال میں اس کی چند خاص وجوہات تھیں۔ اول تو یہ کہ کافی مقدار میں کونین پھانکتے رہے تھے۔ دوم یہ کہ جلاب لیتے رہے تھے۔ اور آخری اور اہم وجہ یہ کہ ہم مسلسل جسمانی مشقت کرتے رہے تھے۔

نہر میں ہمارے سفر کے تیسرے دن ہمیں دور پر ایک گول ٹیلا دکھائی دیا تھا جو دلدلی ابخرات کے بادلوں کے اوپر دھندلا دھندلا سا نظر آیا تھا۔ چوتھی رات کی شام کو جب ہم نے پڑاؤ ڈالا تھا تو وہ ٹیلہ ہم سے پچیس یا تیس میل دور معلوم ہوتا تھا۔

اس وقت تک، یعنی چوتھے دن کی شام کو جب ہم نے قیام کیا، تھک کر حقیقت میں چور ہو گئے تھے اور معلوم ہوتا تھا کہ اب ہم اپنے آبلہ پڑے ہاتھوں سے کشتی کو ایک گز بھی نہ کھینچ سکیں گے اور یہ کہ اب صرف یہی راستہ ہے کہ ہم نے جہاں قیام کیا ہے وہیں پڑے رہیں یہاں تک کہ اس بھیانک دلدلی ویرانے میں موت ہمیں آ جائے۔

بڑی خوفناک اور مایوس کن صورتِ حال تھی، ایسی جس سے کبھی کسی مہذب انسان کا سابقہ نہ پڑا ہوگا۔ جب میں نے پھوڑے کی طرح درد کرتے ہوئے جسم کو کشتی میں ڈالا اور سونے کے لیے لیٹا تو دل ہی دل میں اپنی حماقت پر اپنے آپ کو کوس رہا تھا کہ خواہ مخواہ اس احمقانہ مہم پر چلا آیا جس کا انجام اس گمنام اور دلدلی خطے میں میری موت پر ہونا تھا۔ مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ جب میرے ذہن نے

بوجھل ہوکر بند ہو رہے تھے تو میں سوچ رہا تھا کہ آج سے تین چار مہینوں کے بعد کشتی اور اس کے بدنصیب مسافروں کا منظر کیسا ہوگا۔ کشتی یہیں ہوگی، اس کے تختے سڑ گل گئے ہوں گے، اس میں نہر کا پانی بھر گیا ہوگا اور یہ پانی ہماری ہڈیوں کو بھور ہا اور ادھر ادھر جھکول رہا ہوگا — اور یہ انجام ہوگا اس کشتی کا اور اس کے ان مسافروں کا جو اپنی حماقت سے ایک فرضی افسانے پر یقین کر کے قدرت کے راز معلوم کرنے چلے تھے۔

خدا جانے وہ خواب تھا یا میرا تصور لیکن میں پانی کی ان لہروں کی آواز سن رہا تھا، جو میری خشک ہڈیوں کو تھپیڑے دے رہی تھیں، انھیں آپس میں ٹکرا رہی تھیں، میری کھوپڑی عبداللہ کی کھوپڑی اور عبداللہ کی میری کھوپڑی سے ٹکرا رہی تھی۔ یہاں تک کہ عبداللہ کا ڈھانچہ ایک دم سے اپنی ریڑھ کی ہڈی پر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ میری طرف اپنی آنکھوں کے خالی حلقوں سے دیکھا اور اپنے دانت بھینچ کر مجھ پر لعنت بھیجنے لگا کہ مجھ کو عیسائی کتے نے اسے اس کی آخری اور پرسکون نیند میں خلل ڈال دیا تھا۔

میں نے اس خوفناک خواب سے کانپ کر آنکھ کھول دی اور پھر دوسری دفعہ کچھ اور دیکھ کر کانپ گیا۔ اور یہ جو دوسری دفعہ دیکھا وہ حقیقت تھی، خواب نہیں۔ دھند بھرے اندھیرے میں سے دو بڑی بڑی آنکھیں میری طرف دیکھ رہی تھیں۔

میں ایک دم سے ہڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا اور میں ایسا خوفزدہ تھا کہ بے تحاشہ چیخنے لگا اور چیختا چلا گیا۔ میری چیخوں سے میرے ساتھیوں کی نیند ٹوٹ گئی اور وہ بھی گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ نیند اور خوف کی وجہ سے ٹھیک سے کھڑے نہ رہ سکتے تھے۔ دفعتاً اندھیرے میں ایک بجلی سی چمک گئی اور بھالے کے سرد پھل کی نوک میرے حلقوم پر ٹک گئی۔ اس کے پیچھے دوسرے پھل چمک رہے تھے۔

"ہشت — خاموش۔" ایک آواز نے عربی یا اس زبان میں کہا جس میں عربی کے الفاظ بہت زیادہ تھے۔ "کون ہو تم کہ پانی پر تیرتے ہوئے اس طرف آئے ہو؟ جواب دو ورنہ مارے جاؤ گے۔"

اور بھالے کے پھل کی نوک میرے حلق پر کی کھال میں چبھ گئی تو میری ریڑھ کی ہڈی میں ٹھنڈک کی لہر دوڑ گئی۔

"ہم مسافر ہیں اور اتفاقاً اس طرف آ گئے ہیں۔" میں نے اپنی ساری عربی دانی کو بروئے کار لاتے ہوئے شستہ زبان میں جواب دیا۔

میری بات اس نے سمجھ لی کیونکہ اس نے گردن گھما کر ایک لمبی شبیہ سے پوچھا:

"اے باپ! قتل کر دیں انھیں؟"



"ان لوگوں کی رنگت کیسی ہے؟" جواب میں ایک گونجدار آواز نے پوچھا۔

"سفید رنگت ہے ان کی؟"

"تو پھر قتل نہ کرو۔ آج سے چار چاندوں پہلے — اس نے جس کا حکم ماننا فرض ہے مجھے ایک پیغام بھیجا تھا کہ سفید فام آ رہے ہیں۔ اگر سفید فام آ جائیں تو انھیں قتل نہ کرنا۔ انھیں" وہ جس کا حکم ماننا فرض ہے کے گھر لے آنا۔ چنانچہ ان لوگوں کو بہ حفاظت لے آؤ اور ان کے ساتھ جو کچھ ہے اسے بھی بہ حفاظت لے آؤ۔"

"چلو۔" اس شخص نے بھالے کی نوک میرے حلق پر سے ہٹائی اور مجھے کچھ گھسیٹتے اور کچھ کھینچتے ہوئے کہا۔

میں نے دیکھا کہ دوسرے تین چار آدمی بھی میرے ساتھیوں کے ساتھ یہی سلوک کر رہے تھے۔ کنارے پر کوئی پچاس آدمی جمع تھے اور اس وقت کی ناکافی روشنی میں جو کچھ دیکھ کا وہ یوں تھا کہ وہ سب کے سب لمبے بھالوں سے مسلح تھے، خود ان کے قد بھی لمبے تھے، جسم مضبوط تھے۔ افریقیوں کے مقابلہ میں ان کا رنگ کھلتا تھا اور ان کے جسم پر کوئی لباس نہ تھا سوائے چیتے کی ایک کھال کے جو انھوں نے اپنی کمر سے باندھ رکھی تھی۔

فوراً ہی لیو اور جوب کو دھکیل کر میرے قریب لایا گیا۔

"یہ ایک دم سے ہوا کیا؟" لیو نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔

"آ — ہا — آقا! جناب! کچھ گڑبڑ معاملہ ہے۔" جوب نے کہا۔

فوراً ہی کچھ دھم پچھاڑ کی آوازیں آئیں، کچھ جد و جہد ہوئی اور اس کے فوراً بعد ہی عبداللہ کو ہمارے درمیان دھکیل دیا۔ اس کے پیچھے ایک شخص بھالا بلند کیے آ گیا۔

"یااللہ! یااللہ!" عبداللہ نے کہا۔ غالباً اسے احساس تھا کہ اس شخص سے، جو بھالا بلند کیے کھڑا تھا، کوئی امید رکھنا فضول تھا۔ "یااللہ! تو ہی حافظ و ناصر ہے۔"

"اے باپ! یہ تو سیاہ فام ہے۔" بھالے والے نے کہا۔ "وہ جس کا حکم ماننا فرض ہے، سیاہ فام کے متعلق کیا حکم ہے؟"

"اس نے سیاہ فام کے متعلق کچھ نہیں کہا ہے لیکن اسے بھی قتل نہیں کرنا۔ ادھر آؤ میرے بچے۔"

وہ شخص اس طرف گیا اور طویل القامت شبیہ نے جھک کر اس سے کچھ کہا۔

"ہاں۔ ہاں۔ ٹھیک ہے۔" اس شخص نے جس سے سرگوشی کی گئی تھی کہا اور خون منجمد کر دینے والے انداز میں ہنسا۔

"تینوں سفید فام آ گئے؟" اسی طویل القامت شبیہ نے پوچھا۔

"ہاں آ گئے۔"

"تو پھر وہ سے آؤ جوان کے لیے تیار کیا گیا اور اس چیز میں سے جو تیرتی ہیں تم جتنی چیزیں اٹھا سکتے ہو اٹھا لو۔"

ابھی یہ الفاظ اس طویل القامت شبیہ کے منہ میں ہی تھے کہ کئی آدمی اندھیرے میں سے نکل آئے۔ وہ پردے دار پالکیاں اٹھائے ہوئے تھے۔ ہر پالکی کو چار آدمی شانے دیئے ہوئے تھے اور ہر پالکی کے ساتھ دو دو آدمی زائد تھے۔ ہم سے کہا گیا کہ ہمیں ان پالکیوں میں سوار ہونا تھا۔

"واہ!" لیو نے کہا "اتنے دنوں تک اپنا بوجھ آپ ہی اٹھائے پھرے ہیں کہ تھک گئے ہیں چنانچہ اب دوسروں کے کندھوں پر چڑھ کر اور پاؤں آگے پیچھے کئے بغیر سفر کرنا بڑی نعمت ہے۔"

لیو کی عادت تھی کہ وہ ہر بات اور ہر واقعہ کو ایک لطیفہ بنا دیتا تھا۔

اب چونکہ ہم کچھ نہ کر سکتے تھے سوائے اس کے کہ ہم جو کہا گیا ہے اس پر عمل کریں۔ چنانچہ پہلے میں نے اپنی زیر نگرانی اپنے ساتھیوں کو پالکیوں میں سوار کروایا اور پھر اپنی پالکی میں سوار ہوا تو پتہ چلا کہ بڑی آرام دہ تھی وہ۔ یہ پالکی گھاس کے ریشوں کے بنے ہوئے کسی قسم کے کپڑے کی بنی ہوئی معلوم ہوتی تھی اور بڑی لچکدار تھی۔ اس میں جو بانس لگے ہوئے تھے وہ سر اور گردن کے لیے تکیئے کا کام دیتے تھے۔

ابھی میں پالکی میں چڑھ کر ٹھیک سے بیٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ "کہاروں" نے اسے اپنے شانوں پر لیا، ایک گیت کے بول اٹھا اور ڈولتی چال سے بھاگنے لگے۔ کوئی آدھے گھنٹے تک میں بے حرکت بیٹھا ان حیرت انگیز واقعات پر غور کرتا رہا جو اب تک ہمارے ساتھ پیش آئے تھے اور سوچنے لگا کہ اگر کبھی میں زندہ رہا اور واپس کیمبرج پہنچ گیا اور کھانے کی میز پر بیٹھ کر اپنے ان تجربات کی تفصیلات بیان کیں تو کیا میرے کالج کے ساتھی ان پر یقین کریں گے؟ لیکن پھر اس سوال نے سر اٹھایا کہ کیا میں کبھی مہذب دنیا میں پہنچ سکوں گا؟ کیا انجام ہوگا ہماری اس مہم کا؟ لیکن ان سوالوں کا چونکہ مجھے کوئی جواب نہ ملا اس لیے میں نے آنکھیں بند کر لیں اور خدا جانے کب سو گیا۔



میرے خیال میں سات آٹھ گھنٹوں تک سوتا رہا اور تمام سے جہاز ڈوبنے کے بعد پہلی گہری اور پُر سکون نیند تھی۔ جب میری آنکھ کھلی تو سورج کافی بلند ہو چکا تھا۔ اور ہمارا سفر اب بھی چار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جاری تھا۔

پالکی پر پڑے ہوئے باریک پردوں کو، جو بانس سے بندھے ہوئے تھے، ہٹا کر میں نے باہر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ویران اور بدبودار دلدلیں کہیں پیچھے چھوٹ گئی تھیں اور ہم گھاس کے میدان سے گزرتے اور اس کے ٹیلے کی طرف جا رہے تھے جس کی شکل پیالے جیسی تھی۔ اب یہ میں نہیں جانتا کہ یہ وہی ٹیلا تھا۔ بعد میں میں بھی یہ معلوم نہ کر سکا کیونکہ جیسا کہ مجھے بعد میں معلوم ہوا، یہ لوگ اس قسم کے معاملات میں بہت کم معلومات بہم پہنچا سکتے تھے۔

اب میں نے ان لوگوں کی طرف دیکھا جو میری پالکی اٹھائے ہوئے تھے۔ قابلِ رشک قد و قامت تھے ان کے۔ ان میں سے چند کا ہی قد چھ فٹ سے کم رہا ہوگا۔ رہی ان کی رنگت تو وہ زردی مائل تھی۔ ان کے جسم کی ساخت اور نقوش صومالی لینڈ کے لوگوں کے سے تھے البتہ ان کے بال گھنگھریالے نہ تھے جیسے کہ افریقیوں کے ہوتے ہیں بلکہ سیدھے گھنے اور کالے تھے اور اتنے لمبے تھے کہ ان کے شانوں پر پڑے ہوئے تھے۔ ان کے چہروں کے نقوش عقابی تھے یعنی ناکیں مڑی ہوئی تھیں اور کئی لوگ بے حد قبول صورت تھے لیکن ان کی قبول صورتی کے باوجود میں نے ویسے شیطانی چہرے پہلے کبھی نہ دیکھے تھے۔ کوئی خاص بات تھی ان کے چہروں میں۔ ان کے بشروں پر ایک قسم کی سرد اور اکھڑ بیدردی کی مہر سی لگی ہوئی تھی جو کچھ غیر ارضی سی معلوم ہوتی تھی۔

دوسری بات جو میں نے دیکھی وہ یہ تھی کہ یہ لوگ کبھی مسکراتے نہ تھے۔ کبھی کبھی وہ آواز ملا کر کوئی گیت گا لیتے تھے، جس کا ذکر میں کر چکا ہوں، لیکن جب نہ گا رہے ہوتے تو بس خاموش ہی رہتے اور ہنسی یا مسکراہٹ کی روشنی کبھی ان کے اداس، گمبھیر اور ظالم چہروں پر نہ پھیلتی۔ کس قوم کے ہو سکتے ہیں یہ لوگ؟ ان کی زبان بگڑی ہوئی عربی تھی تاہم یہ لوگ عرب نہ تھے اور اس کا مجھے یقین تھا۔ اول تو اس لیے کہ ان کا رنگ عربوں کا سا نہ تھا۔ بلکہ کچھ زیادہ ہی گہرا تھا بلکہ تقریباً زرد تھا۔ میں نہیں جانتا کہ اس کی وجہ کیا تھی لیکن ان لوگوں کے چہروں کی طرف دیکھ کر مجھ پر ایک طرح کا مریضانہ خوف طاری ہو گیا جس سے میں خود شرمندہ تھا۔

ابھی میں انہی باتوں پر غور کر رہا تھا کہ ایک دوسری پالکی میری پالکی کے متوازی آ گئی۔ اس

کے پردے اٹھے ہوئے تھے اور اس میں ایک بوڑھا بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے موٹے کپڑے کا سفید چغہ پہن رکھا تھا جو خاصا ڈھیلا تھا۔ میں نے فوراً سمجھ لیا — اور میرا خیال غلط نہ تھا — کہ وہی تھا جو گزشتہ رات کنارے پر کھڑا تھا، جسے میں نے اس وقت کا بیان کرتے ہوئے طویل القامت شبیہ کہا ہے اور یہ کہ یہ وہی تھا جسے بھالے والا "اے باپ" کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔ بڑا شاندار بوڑھا تھا یہ۔ اس کی داڑھی برف کی طرح سفید تھی اور اتنی لمبی تھی کہ اس کی نوک پالکی کے کنارے تک لٹک رہی تھی، ناک مڑی ہوئی تھی، آنکھیں سانپ کی آنکھوں کی طرح تیز اور چمک دار تھیں اور اس کے بشرے سے ایسی زیرکی اور تمسخر آمیز ظرافت عیاں تھی کہ اسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔

"جاگ گئے ہو اجنبی؟" بڑے میاں نے پوچھا۔ اس کی آواز گونج دار تھی۔

"ہاں جاگ گیا اے باپ" میں نے بڑے اخلاق سے جواب دیا کہ ان بڑے میاں کو "اے باپ" کہنا مناسب ہوگا۔

اس نے اپنی بے حد سفید اور خوبصورت داڑھی پر ہاتھ پھیرا اور مسکرا دیا۔

"تم کس ملک سے بھٹکتے ہوئے اس طرف آئے ہو۔" وہ بولا۔ "اور میں سمجھتا ہوں کہ تم اس ملک سے آئے ہو جہاں لوگوں کو ہماری زبان سکھائی جاتی ہے، بہرحال وہاں لوگ اپنے بچوں کو اخلاق اور شائستگی کا سبق دیتے ہیں۔ اے میرے اجنبی بیٹے! اب یہ بتاؤ کہ تم اس علاقے میں کیوں آئے ہو جہاں صدیوں سے کسی اجنبی نے قدم نہیں رکھا؟ کیا تم اور تمہارے ساتھی اپنی زندگیوں سے اکتا گئے ہیں؟"

"اے باپ! ہم نئی نئی چیزیں دیکھنے اور نئی نئی باتیں معلوم کرنے اس طرف آئے ہیں۔" میں نے بے دھڑک جواب دیا۔ "ہم زندگی سے تو نہیں البتہ پرانی باتوں اور یکسانیت سے اکتا گئے ہیں۔ چنانچہ ہم سمندر سے نکل کر انجان خطوں کی کھوج لگانے آئے ہیں۔ ہم اس بہادر قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں جس کے افراد موت سے نہیں ڈرتے۔ چنانچہ اے میرے قابلِ احترام باپ! ہم بھی موت سے نہیں ڈرتے تاہم مرنے سے پہلے نئی اور تازہ معلومات حاصل کر لینا چاہتے ہیں۔

"ہم!" بڑے میاں نے کہا۔ "یہ یقیناً سچ ہے۔ اس سے اختلاف کرنا نافرمانی اور بداخلاقی ہے ورنہ میں کہہ دیتا میرے بیٹے کہ تم جھوٹ بول رہے ہو بہرحال وہ جس کا حکم ماننا فرض ہے۔

"کون ہے؟" میں نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

بڑے میاں نے پالکی برداروں کی طرف دیکھا اور پھر جواب دیا۔ اور جواب دیتے وقت اس



کے چہرے پر کچھ ایسی مسکراہٹ تھی کہ میرے جسم کا سارا خون سمٹ کر دل میں آ گیا۔

"اے میرے اجنبی بیٹے! اس سوال کا جواب تمہیں جلد ہی مل جائے گا بشرطیکہ وہ جو حکم کرتی ہے تمہیں مع اپنے جسم شرف باریابی بخشے۔"

"مع اپنے جسم؟" میں نے کہا۔ "اس سے کیا مطلب ہے میرے باپ۔" لیکن بوڑھا ہنسا اور کوئی جواب نہ دیا۔ بے حد خوفناک ہنسی تھی اس کی۔

"میرے باپ کے لوگوں کا کیا نام ہے؟" میں نے پوچھا۔

"میرا قبیلہ اماجر کہلاتا ہے۔ حجر یعنی پتھر یا چٹان۔ چنانچہ ہم چٹانوں والے ہیں۔

"اور اب اگر بیٹے کو اجازت ہو تو وہ اپنے باپ کا نام دریافت کرے؟"

"میرا نام بلالی ہے۔"

"اور اے باپ! ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"یہ تمہیں خود ہی معلوم ہو جائے گا۔"

اور بلالی نے اشارہ کیا تو پالکی بردار بھاگ پڑے، اس کی پالکی کو آگے بڑھا لے گئے۔ اور اب اس کی پالکی جوب کی پالکی کے متوازی تھی۔ جوب ایک ٹانگ باہر لٹکائے مزے سے بیٹھا ہوا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بلالی جوب سے کچھ زیادہ معلوم حاصل نہ کر سکا کیونکہ میں نے دیکھا کہ چند منٹوں بعد ہی اس کی پالکی آگے بڑھ گئی اور اب وہ لیو کی پالکی کے قریب تھی۔

اس کے بعد چونکہ کوئی واقعہ نہ ہوا اس لیے میں ایک بار پھر سو گیا کیونکہ میں بے حد تھکا ہوا تھا۔ اور جب میں بیدار ہوا تو دیکھا کہ اس وقت ہم ایک درے میں سے گزر رہے ہیں جو لاوے کے بہاؤ اور جم جانے سے پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے دونوں کناروں پر بلند عمودی چٹانیں کھڑی تھیں اور درے میں درخت، خوبصورت پھولوں کی خودرو جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔

کچھ ہی دیر بعد درے نے ایک موڑ لیا اور مڑتے ہی میں نے ایک مسحور کن منظر دیکھا۔ ہمارے سامنے ایک وسیع و عریض پیالہ سا تھا جو چار چھ میل کے محیط میں پھیلا ہوا تھا اور اس کی شکل روم کے ایمفی تھیٹر کی طرح تھی۔ اس عظیم پیالے کے کنارے یا پہلو کی دیواریں چٹانی تھیں جن پر جھاڑیاں اگ رہی تھیں لیکن پیندے میں ہری ہری گھاس لگی تھی اور عجب قسم کے بے حد خوبصورت درخت کھڑے ہوئے تھے۔ اس پورے قطعے کو بل کھاتے ہوئے چشمے سیراب کر رہے تھے۔ اس شاداب چراگاہ میں

بکریوں اور مویشیوں کے ریوڑ تو دیکھ رہے تھے لیکن مجھے بھیڑیں کہیں نظر نہ آئیں۔

پہلے تو میں سمجھ نہ سکا کہ یہ کیا جگہ تھی یا ہو سکتی تھی لیکن جلد ہی میں نے یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ یہ زبردست پیالہ آتش فشاں پہاڑ کا دہانہ رہا ہوگا اور پھر تالاب بنا ہوگا اور یہ اس تالاب کا پانی کسی سمجھ میں نہ آنے والی وجہ یا طریقے سے خشک ہو گیا یا کسی طرف بہہ گیا ہوگا۔ یہاں میں یہ بتا دوں کہ ایسی ہی لیکن اس سے بڑی دوسری جگہ بھی میں نے دیکھی جس کا بیان میں بعد میں کروں گا، جس نے ثابت کر دیا کہ میرا اندازہ غلط نہ تھا۔ البتہ جس چیز نے مجھے الجھن میں ڈال دیا وہ یہ تھی کہ حالانکہ لوگ بکریوں اور مویشیوں کو چراتے نظر آ رہے تھے لیکن بستی کہیں دکھائی نہ دیتی تھی۔ کہاں رہتے تھے یہ لوگ؟ میں نے حیرت سے سوچا۔ میرے اس تجسس کی تسکین بہت جلد ہو جانے والی تھی۔ یہ اور دوسرے سوالوں کا جواب پانا ہمارے لیے مقدر ہو چکا تھا۔

بائیں طرف گھوم کر ہماری پالکیاں اس پیالے کے چٹانی پہلو کے قدموں میں کوئی نصف میل تک آگے بڑھتی رہیں اور پھر پالکی برداروں نے اپنے قدم روک لیے۔ اپنے منہ بولے باپ بالی کی پالکی میں سے نکلتے دیکھ کر میں بھی اتر پڑا۔ اور جوب اور لیو نے بھی میری تقلید کی۔ پالکی سے اترتے ہی سب سے پہلے جس پر میری نظر پڑی وہ عبداللہ تھا جو زمین پر تھکن سے نڈھال پڑا تھا۔ معلوم ہوا کہ اس کے لیے پالکی کا انتظام نہ کیا گیا تھا بلکہ اسے پورے راستے دوڑایا گیا تھا چونکہ وہ اس سفر پر ہماری روانگی کے وقت ہی تھکا ہوا تھا اس لیے اس وقت تو اس کی حالت غیر ہو رہی تھی اور حقیقت میں قابل رحم تھی۔

ادھر ادھر نظر دوڑائی تو پتہ چلا کہ جہاں ہم پالکیوں سے اترے تھے وہ ایک بہت بڑے غار کے سامنے ایک چٹانی پلیٹ فارم تھا اور اس پلیٹ فارم پر ہماری کشتی کی تمام چیزیں حتی کہ چپو اور بادبان بھی ڈھیر تھے۔ غار کے دائیں بائیں وہ لوگ کھڑے ہوئے تھے جو ہمیں یہاں تک لائے تھے اور ان کے ساتھ دوسرے آدمی بھی جو ہمارے بدرقے کے آدمیوں سے مختلف نہ تھے۔ وہ سب کے سب بلند قامت اور قبول صورت تھے حالانکہ ان کی رنگت میں فرق تھا۔ کئی ایک عبداللہ کی طرح کالے تھے اور کئی ایک چینیوں کی طرح زرد۔ وہ سب کے سب برہنہ تھے اور سبھی کی کمر سے چیتے کی کھال بندھی ہوئی تھی۔ ہر ایک کے ہاتھ میں چوڑے پھل والا بھالا تھا۔

ان لوگوں میں چند عورتیں بھی تھیں جنھوں نے چیتے کی کھال کے بجائے سرخ [illegible] کی کھال پہن رکھی یا یوں کہیے کہ کمر سے باندھ رکھی تھی۔ یہ عورتیں اپنے طور پر بے حد قبول صورت تھیں۔



بڑی بڑی کالی آنکھیں، متناسب نقوش اور گھنگھریالے اور لمبے بال لیکن ان کے بال حبشی عورتوں کی طرح گھنگھریالے نہ تھے۔ چند عورتوں نے زرد کپڑوں کا لباس پہن رکھا تھا جیسا کہ بالی کا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ بلند مرتبہ کی علامت تھی۔ ان لوگوں میں اس کے علاوہ مردوں کی طرح ان کے بشروں سے خوفزدہ کر دینے والے جذبات عیاں نہ تھے اور وہ کبھی کبھی مسکرا بھی لیتی تھیں۔ جب ہم وہاں پہنچے تو یہ عورتیں ہمارے گرد جمع ہو گئیں اور بڑی دلچسپی سے ہمیں دیکھنے بلکہ یوں کہیے کہ ہمارا معائنہ کرنے لگیں۔ لیو کی بلند قامتی، کسرتی اور مضبوط جسم اور اس کے چہرے کے خالص یونانی نقوش ان کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے تھے اور جب اس نے اخلاقاً اپنی ہیٹ اتار لی تو اس کے سنہرے بال دیکھ کر عورتیں حیرت اور تعریف سے بھنبھنانے لگیں۔ بات یہیں ختم نہیں ہو گئی۔ لیو کو سر سے پیر تک ناقدانہ نظروں سے دیکھنے کے بعد نوجوان عورتوں میں کی وہ، جو سب سے زیادہ خوبصورت تھی اور جس نے چغہ پہن رکھا تھا اور جس کے بال نہایت کالے اور ریشمی تھے، آگے بڑھی، لیو کے قریب پہنچ کر مسکرائی، دل آویز انداز میں اپنی بانہیں اس کی گردن میں ڈال دیں، جھکی اور اس کے ہونٹ چوم لیے۔ اگر اس لڑکی کی یہ حرکت بے اختیاری ہوتی تو میں سمجھتا ہوں کسی کو بھی موہ لینے کے لیے کافی تھی۔

میرے منہ سے خوف کی ہلکی سی چیخ نکل گئی کیونکہ میں نے سمجھا کہ اب چشم زدن میں لیو کا جسم بھالوں سے چھلنی کر دیا جائے گا۔ جوب نے دانت پیس کر کہا۔ "مردود کتیا۔" اب رہا لیو تو وہ پہلے تو دم بخود رہ گیا اور پھر یہ کہہ کر کہ "ہم کسی ایسی جگہ پہنچ گئے ہیں جہاں کے لوگ ابتدائی عیسائیوں کی رسم پر اب تک قائم ہیں۔" اس نے لڑکی کے بوسے کا جواب بوسے سے دیا۔

ایک بار پھر میں نے سوچ کر اپنا سانس روک لیا کہ اب کچھ ہو کر رہے گا لیکن سوائے اس کے اور کچھ نہ ہوا کہ اس لڑکی کی ہم عمر عورتوں کے ماتھے پر حسد اور خفگی سے بل پڑ گئے، لیکن بڑی عمر کی عورتیں اور مرد [illegible] سے مسکرائے۔ لیکن بعد میں جب ان لوگوں کی رسومات سے واقف ہوئے تو یہ معمہ حل ہو گیا۔

معلوم ہوا کہ افریقہ کے دوسرے وحشی قبائل کے برخلاف اماہجر قبیلے کی عورتوں کو مردوں سے مساوی حقوق حاصل تھے اور وہ کسی بھی رشتے یا قرابت سے مردوں سے بندھی ہوئی نہ تھیں۔ آپ ہی مرضی کی مالک تھیں اور ان کی نسل مردوں سے نہیں بلکہ عورتوں سے چلتی تھی۔ آپ اس سے غلط نہ لیں۔ یہ انقلاب صرف اتنا ہے کہ جس طرح ہمارے یہاں بچہ اپنے باپ سے پہچانا جاتا ہے اور باپ ہی کا خاندانی نام اختیار کرتا ہے اسی طرح اماہجر میں بچہ ماں کے نام اور خاندان سے پہچانا جاتا ہے اور

ماں کا درجہ ہی، جو اسے قبیلے میں حاصل ہوتا، حاصل کرتا تھا۔ یہ معاملہ لڑکیوں کے ساتھ تھا۔ چنانچہ لڑکی اپنے باپ کے بجائے اپنی ماں کے شجرۂ نسب پر فخر کرتی تھی اور کبھی بھی مرد کو، پھر وہ کتنا ہی بلند مرتبہ کیوں نہ ہو اپنا باپ نہ کہتی تھی اور نہ تسلیم ہی کرتی تھی۔ حتیٰ کہ اس مرد کو بھی نہیں جو اس کی ماں کا شوہر اور حقیقت میں اس کا باپ ہوتا چنانچہ ہر قبیلے کا صرف ایک مرد" جد" ہوتا تھا جو" گھر دھنی" یا" باپ" کہلاتا تھا اور یہ مخص قبیلے کا منتخب شدہ سردار اور حکمراں ہوتا تھا۔ مثلاً بوڑھا بالالی اس" گھرانے" کا (جیسا کہ وہ لوگ قبیلے کو کہتے تھے) باپ تھا جو عورتوں، مردوں اور بچوں کو ملا کر سات ہزار نفوس پر مشتمل تھا۔ چنانچہ اس "گھرانے" کا صرف ایک" باپ" بالالی تھا۔ اور کسی اور کو باپ نہ کہا جا سکتا تھا۔ اگر کسی لڑکی کو کوئی مرد پسند آ جاتا اور وہ اسے اپنا محبوب بنانا چاہتی تو اس کا اظہار اس طرح کرتی کہ سب کے سامنے آگے بڑھ کر اس مرد کی گردن میں بانہیں ڈال دیتی اور اس کے ہونٹ چوم لیتی جیسا کہ اس لڑکی نے جس کا نام استین تھا، لیو کے ساتھ کیا تھا۔ اب اگر مرد بھی جواب میں اس کا بوسہ لیتا تو یہ ثبوت ہوتا اس بات کا کہ اس نے اس کو پسند کر لیا ہے اور دونوں کی یہ "محبوبیت" اس وقت تک جاری رہتی جب تک کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک اکتا نہ جاتا۔ یہاں میں یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ خلاف ان لوگوں میں شوہروں کا تبادلہ بہت کم ہوتا تھا۔ اور اس وجہ سے ان لوگوں میں کوئی جھگڑا بھی نہ ہوتا تھا جیسی کہ توقع کی جا سکتی ہے۔ جب کوئی عورت اپنے شوہر کو چھوڑ کر دوسرے مرد کی ہو جاتی تو اس کا پہلا شوہر اس بات کو اسی طرح قبول کر لیتا جس طرح کہ ہم انگلیکس یا ہمارے یہاں کے شادی کے قوانین کو قبول کر لیتے ہیں۔ اس عورت کے پہلے اور دوسرے شوہر میں کبھی جھگڑا نہ ہوتا۔ اگر وہ دوست ہوتے تو اس کے بعد بھی دوست ہی بنے رہتے۔ بہر حال اماجر میں سر عام لڑکی اور لڑکے میں بوسے کے تبادلے کی رسم، وہی رسم تھی جو ہمارے یہاں شادی کی رسم ہوتی ہے۔ یعنی اس کے بعد لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کے ہو جاتے تھے۔

یہ ہم اس وقت نہ جانتے تھے جب اُستین نے آگے بڑھ کر لیو کے ہونٹ چومے تھے اور لیو نے بھی اس کا جواب دیا تھا۔

☆☆



## ساتواں باب

# اُستین کا گیت

اماجر کی کوئی عورت اور کوئی لڑکی میری طرف متوجہ نہ ہوئی۔ شکر ہے۔ البتہ ایک جوب کے قریب منڈلا رہی تھی اور اس بچارے کا خون خشک ہوا جا رہا تھا۔ اس کے بشرے سے کچھ ایسے جذبات عیاں تھے کہ میں بمشکل اپنی ہنسی روک سکا۔ خیر تو لیو اور استین کے درمیان "بوسہ بازی" کی رسم ختم ہوئی تو بلالی نے آگے بڑھ کر ہمیں غار میں داخل ہونے کا اشارہ کیا۔ چنانچہ ہم غار میں داخل ہوئے۔ استین ہمارے پیچھے ہی پیچھے غار میں آ گئی۔ حالانکہ میں اسے اشارہ کر رہا تھا کہ فی الحال ہم تنہائی چاہتے تھے۔ اب یا تو اس نے میرے اشارے سمجھے ہی نہیں یا قصداً انجان بنی رہی۔

ابھی ہم پانچ قدم ہی آگے بڑھے تھے کہ مجھے احساس ہوا کہ ہم جس غار میں داخل ہو رہے تھے وہ قدرتی نہ تھا بلکہ انسانوں نے پتہ نہیں کتنے برسوں کی مشقت سے کھود کر بنایا تھا۔ جہاں تک ہم اندازہ لگا سکے یہ غار ایک سو فٹ گہرا اور پچاس فٹ چوڑا تھا جبکہ چھت کافی بلند تھی۔ یہ غار یوں سمجھئے کہ کسی بہت بڑے گرجے کی اندرونی گذرگاہ جیسا تھا۔ اس درمیانی یا یوں کہیئے کہ مرکزی گزرگاہ میں دائیں بائیں اور ہر دس بارہ فٹ پر دوسری چھوٹی اور تنگ گزرگاہیں تھیں جو چھوٹے چھوٹے حجروں تک جاتی تھیں۔ غار کے دہانے سے پچاس فٹ آگے، جہاں تک باہر کی روشنی نہ پہنچ رہی تھی، الاؤ جل رہا تھا جس کے سبب سائے چٹانی دیواروں پر ناچ رہے تھے۔

یہاں پہنچ کر بلالی ٹھہر گیا اور بیٹھ جانے کو کہا کہ لوگ ہمارے لیے کھانا لا رہے ہیں۔ چنانچہ ہم ان کھالوں پر بیٹھ گئے جو ہمارے لیے بچھا دی گئی تھیں اور انتظار کرنے لگے۔ کچھ دیر بعد ہی لڑکیاں کھانا لے آئیں۔ بکری کا ابلا ہوا گوشت، مٹی کے بڑے بڑے پیالوں میں خالص دودھ اور مکئی کے ابلے ہوئے دانے۔ مارے بھوک کے ہمارا برا حال تھا۔ چنانچہ یہ سادہ کھانا مجھے اس قدر لذیذ معلوم ہوا کہ مرغن غذا بھی اس کے سامنے ہیچ تھی۔ چنانچہ ہمارے سامنے جتنا کھانا رکھا گیا تھا وہ سارے کا سارا ہم چٹ کر گئے۔

جب ہم کھانا کھا چکے تو ہمارے میزبان بلالی نے کھڑے ہو کر ہمارے سامنے ایک مختصر سی تقریر کی۔ اس نے کہا کہ "ہماری آمد ایک بے حد عجیب واقعہ ہے کیونکہ آج تک کسی سفید فام کو امامجر نے اپنے علاقے میں دیکھا تھا اور نہ ہی کبھی کچھ سنا تھا — البتہ — اس نے کہا — کبھی کبھی کوئی بھولا بھٹکا سیاہ فام ادھر آ جاتا تھا۔ ان آوارہ گرد سیاہ فاموں سے انھوں نے یعنی امامجر نے سنا تھا کہ کسی جگہ ایک ایسی قوم بھی ہے جو خود امامجر سے زیادہ سفید ہے اور یہ کہ یہ سفید لوگ پانی پر سفر کرتے ہیں، لیکن اس قسم کا کوئی آدمی کبھی امامجر کے علاقے میں نہ آیا تھا۔ بہرحال امامجر نے ہمیں نہر میں کشتی کو دھکیلتے دیکھا اور بلالی نے اعتراف کیا کہ اس نے فوراً ہمیں قتل کر دینے کے احکامات جاری کر دیے لیکن عین اس وقت اسے "وہ جس کا حکم ماننا فرض ہے" کا پیغام ملا کہ ہمیں قتل نہ کیا جائے بلکہ ہمیں بحفاظت "وہ جس کا حکم ماننا فرض ہے" کے پاس پہنچا دیا جائے۔

"اور اے میرے باپ! تم نے ہمیں قتل کر دینے کا حکم کیوں دیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"اس لیے کہ ہمارے علاقے میں اجنبیوں کو آنے کی اجازت نہیں۔ یہ خلاف قانون ہے۔" بلالی نے جواب دیا۔

"ایک بات اور پوچھوں؟"

"پوچھو۔"

"تمہاری باتوں سے یہ تو معلوم ہو گیا ہے کہ "وہ جس کا حکم ماننا فرض ہے" یہاں نہیں، بلکہ کہیں آگے اور شاید بہت دور رہتی ہے۔ چنانچہ اتنی دور بیٹھ کر اسے ہماری آمد کا پتہ کیسے چل گیا؟"

جواب دینے سے پہلے بلالی نے ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں ہمارے علاوہ کوئی نہ تھا۔ بلالی جب تقریر کرنے کھڑا ہوا تھا تو اسی وقت استین وہاں سے اٹھ کر چلی گئی تھی۔ بوڑھے بلالی نے میرے اس سوال کا جواب ایک عجیب قسم کی ہنسی کے ساتھ دیا۔

"میرے بیٹے! کیا تمہارے علاقے اور قبیلے میں کوئی ایک بھی ایسی نہیں ہے جو آنکھوں کے بغیر دیکھ اور کانوں کے بغیر سن سکتی ہو؟ سوالات نہ پوچھو اور جان لو کہ وہ جانتی ہے۔ وہ سب کچھ جانتی ہے۔"

اس پر میں نے شانے اچکائے اور بلالی نے سلسلۂ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ "وہ جس کا حکم ماننا فرض ہے" اس کی طرف سے اسے چونکہ مزید ہدایات موصول نہیں ہوئی ہیں اس لیے وہ جلد ہی



اس کے پاس اس سے گفتگو کرنے والا ہے۔ بلالی نے مزید بتایا کہ "وہ جس کا حکم ماننا فرض ہے" کا دوسرا لقب "وہ جو حکم کرتی ہے" اور اختصار کی غرض سے سب اسے "حیا" یا صرف "وہ" کہتے ہیں۔

میں نے پوچھا کہ وہ کتنے دنوں میں واپس آئے گا، اور اس نے جواب دیا کہ اگر وہ کسی جگہ قیام کیے بغیر چلتا رہے تو شاید پانچویں دن واپس آ جائے گا۔ لیکن — اس نے کہا کہ اسے کئی میل تک پھیلی ہوئی دلدلیں عبور کرنی ہوں گی اور اس کے بعد ہی وہ وہاں پہنچے گا، جہاں "حیا" یا "وہ" رہتی ہے۔ اس نے ہمیں مطلع کیا کہ اس کی غیر موجودگی میں ہمیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو گی کیونکہ اس نے ہمارے آرام کے انتظامات کر دیے ہیں اور یہ کہ اسے ذاتی طور پر ہم سے انسیت ہو گئی ہے۔ اور — اس نے امید ظاہر کی کہ وہ جو "حیا" سے حکم لے کر آئے گا وہ ہماری موت کا حکم نہ ہو گا۔ تاہم اس نے کہا کہ یہ وہ یقین سے نہیں کہتا کیونکہ اس کی دادی اور اس کی ماں اور خود اس کے زمانے میں آج بھی کسی اجنبی نے ان کے علاقے میں قدم رکھا ہے اسے بے دردی سے قتل کر دیا گیا ہے اور اس طریقے سے جو ان کے یہاں عام ہے اور یہ کہ وہ اس کی تفصیلات بیان کر کے ہمیں خوفزدہ کرنا نہیں چاہتا اور ایسا خود حیاء کے حکم سے کیا گیا ہے۔ کم سے کم بلالی کا ایسا ہی خیال تھا کیونکہ اس سلسلہ میں کبھی حیاء نے، جو اس نے کہا کہ ان کی ملکہ ہے، دخل نہیں دیا۔ اور خود ہی اجنبیوں کے قتل کی مخالفت کی۔

"کیوں؟" میں نے کہا۔

"کیوں سے کیا مطلب ہے تمہارا؟" بلالی نے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تم خود بے حد بوڑھے ہو اور تم جس زمانے کی بات کر رہے ہو وہ تمہاری نانی یا شاید نانی یا دادی کا دور رہا ہو گا۔ یعنی تم سے تین نسل پہلے کا۔ چنانچہ یہ کیسے ممکن ہے کہ تمہاری ملکہ حیاء نے تمہاری نانی یا دادی کے ابتدائی زمانے میں کسی کے قتل کا حکم دیا ہو۔ خصوصاً اس لیے کہ اس وقت تو وہ پیدا بھی نہ ہوئی ہو گی؟"

ایک بار پھر بلالی مسکرایا۔ اپنی مخصوص مسکراہٹ اور پھر ہمارے سامنے جھک کر اور یوں سلام کر کے چلا گیا۔ نہ تو اس نے کوئی جواب دیا اور نہ ہی پھر وہ ہمیں پانچ دنوں تک نظر آیا۔

بلالی کے جانے کے بعد ہم صورت حال پر غور اور بحث کرنے لگے۔ سچ تو یہ ہے کہ میں مطمئن نہ تھا۔ مجھے "وہ جس کا حکم ماننا فرض ہے" یا مختصراً "حیاء" کی خصوصیات، جو بلالی نے بیان کی تھیں، پسند نہ آئی تھیں۔ بقول بلالی کے وہ ان کی ملکہ تھی اور ایسی جو اجنبیوں کو بلا تکلف قتل کر دیتی تھی

اور وہ بھی ایسے ظالمانہ طریقے تھے جس کا بیان بلالی نے ہمارے سامنے اس لیے نہ کیا تھا کہ وہ ہمیں "خوفزدہ کرنا نہ چاہتا تھا۔" اس سلسلے میں لیو بھی مطمئن نہ تھا لیکن وہ یہ کہہ کر اپنے آپ کو تسلی دے رہا تھا کہ "حیا" یقیناً وہی ملکہ تھی جس کا ذکر آمن ارتاس کی سفال پر کی تحریر میں کیا گیا ہے اور جس کا ذکر اس کے باپ کے خط میں بھی موجود ہے اور ثبوت کے طور پر اس نے "حیاہ" کی قوتوں اور بڑی عمر کو پیش کیا جس کا ذکر بلالی نے کیا تھا۔ اس عرصے میں واقعات کے اس موڑ اور صورتِ حال کی نزاکت سے میں اتنا پریشان اور باؤلا سا ہو گیا تھا کہ میں نہ تو لیو کی اس احمقانہ بات کا مذاق اڑا سکا اور نہ ہی اس سلسلے میں کچھ کہہ سکا چنانچہ میں نے مشورہ دیا کہ فی الحال ہم چل کر نہا لیں اور سچ تو یہ ہے کہ ہمیں اس کی سخت ضرورت تھی۔

چنانچہ ہم نے اپنی اس خواہش کا ذکر اس ادھیڑ عمر کے شخص سے کیا جو تمام اماجر سے زیادہ اور غیر معمولی طور پر سنجیدہ بلکہ گھنا تھا اور جسے بوڑھا بلالی قائم مقام بنا گیا تھا کہ اس کی غیر موجودگی میں ہماری آسائش کا خیال رکھے۔ چنانچہ اس نے خاموشی سے سر ہلایا، ہم نے اپنے پائپ جلائے اور اس کے ساتھ چل دیئے۔ غار سے باہر آئے تو ہمیں دیکھنے کے لیے اماجر کی خاصی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔ لیکن ان لوگوں نے ہمیں دھواں اڑاتے دیکھا تو وہ سب کے سب خوفزدہ ہو کر اور یہ کہتے ہوئے کہ ہم جادوگر ہیں ادھر ادھر بھاگ پڑے اور غائب ہو گئے۔ ہمارے بارودی ہتھیاروں نے بھی ان لوگوں کو اتنا حیرت زدہ اور خوفزدہ نہ کیا تھا جتنا ہمارے پائپوں کے دھوئیں نے کر دیا۔ بہر حال ہم ایک چشمے کے کنارے، جو ایک تالاب سے نکلتا تھا، پہنچ گئے۔ اور جی بھر کر نہائے۔ حالانکہ بہت سی عورتیں جن میں استین بھی تھی، ہمیں نہاتے دیکھنے ہمارے پیچھے ہی پیچھے آئی تھیں۔

جب ہم نہا کر فارغ ہوئے تو اس وقت سورج غروب ہو رہا تھا اور جب ہم اس بڑے غار میں پہنچے تو وہ پوری طرح سے غروب ہو چکا تھا۔ غار لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ بہت سے الاؤ روشن تھے۔ الاؤ اور چھت سے لٹکتے اور دیواروں سے لگے ہوئے چراغوں کی روشنی میں اماجر بیٹھے رات کا کھانا کھا رہے تھے۔ یہ چراغ پکی ہوئی مٹی سے بنائے گئے تھے اور بعض چراغ تو حقیقت میں خوبصورت تھے۔ بڑے چراغ آبخوروں کی شکل کے تھے جن میں پگھلی ہوئی چربی بھری ہوئی تھی۔ آبخوروں پر چوبی ڈھکن تھا جس میں ایک سوراخ تھا اور اس سوراخ میں نرسل کا فتیلہ رکھا ہوا تھا جو سلگ رہا تھا۔ نرسل کے اس فتیلے کو بار بار کاٹنا پڑتا تھا کہ وہ جل کر بجھ نہ جائے کیونکہ ان لوگوں کے پاس فتیلے کو ابھارنے کا سامان نہ تھا۔



چھوٹے دستی چراغوں میں البتہ کسی قسم کے درخت کے گودے یا چھال سے بنے ہوئے فتیلے پڑے ہوئے تھے اور ان کو ابھارنے کی یہ ترکیب کی گئی تھی کہ فتیلے کے درمیان میں ایک پتلی ٹہنی رکھ دی گئی تھی جس پر فتیلے کو بل دے دیا گیا تھا۔ جب کسی چراغ کا فتیلہ جل جاتا اوپر سے تو اس ٹہنی کو گھما دیا جاتا اور فتیلہ ابھر آتا۔

ہم بیٹھ کر ان اداس اور گمبھیر لوگوں کو رات کا کھانا کھاتے دیکھتے رہے۔ وہ لوگ خاموشی سے کھا رہے تھے اور یہ خاموشی اداسی میں کسی طرح خود اماجر سے کم نہ تھی۔ ان کی اس خاموشی اور اداسی سے اور غار کی دیواروں پر حرکت کرتے ہوئے ان کے کالے کالے سایوں سے آخر کار ہم اکتا گئے اور میں نے اپنے نئے نگراں سے کہا کہ اب ہم سونا چاہتے ہیں۔

بغیر کچھ کہے وہ اٹھ کھڑا ہوا، ایک چراغ اپنے ہاتھ میں لیا دوسرے ہاتھ سے میرا بازو پکڑا اور چھوٹی گزرگاہوں میں سے، جن کا ذکر میں کر چکا ہوں، اور جو غار کی دیوار میں دائیں بائیں تھیں، ایک سرنگ میں داخل ہو گیا۔ پانچ قدم چلنے کے بعد یہ گزرگاہ یا سرنگ دفعتاً پھیل کر ایک چھوٹے سے حجرے میں تبدیل ہو گئی۔ یہ حجرہ تقریباً آٹھ مربع فٹ تھا او ٹھوس چٹان کاٹ کر بنایا گیا تھا۔ اس حجرے میں ایک طرف پتھر کی ایک سل تھی جو فرش سے تین فٹ بلند تھی جس کی لمبائی حجرے کی لمبائی کے برابر تھی۔ میرے راہبر نے اشارے سے بتایا کہ مجھے اسی سل پر سونا تھا۔ اس حجرے میں ہوا کی آمد و رفت کے لیے نہ تو کوئی کھڑکی تھی نہ روشن دان اور نہ سوراخ۔ نہ ہی کسی قسم کا فرنیچر تھا۔ ذرا غور سے دیکھا تو مجھے احساس ہوا کہ یہ حجرہ زندوں کے بجائے مردوں کے رکھنے کا کمرہ تھا جیسے کہ مصر میں ممیوں کے لیے بنائے جاتے تھے۔ اس خیال نے مجھے بے چین کر دیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ میرا اندازہ غلط نہ تھا۔ یہ لاش رکھنے کا ہی کمرہ تھا اور پتھر کی اس سل پر، جس پر مجھے سونا تھا، کسی زمانے میں کسی کا مردہ ہی لیٹا ہو گا۔ اس خیال سے مجھے جھرجھری آ گئی، لیکن یہ سوچ کر مجھے بہر حال کسی جگہ سونا ہی ہے میں نے کوشش کر کے اپنے جذبات پر قابو حاصل کیا اور اپنے کمبل لانے کے لیے جو کشتی میں کی دوسری چیزوں کے ساتھ آ گئے تھے، واپس بڑے غار میں پہنچا۔ وہاں میری ملاقات جوب سے ہوئی۔ معلوم ہوا کہ اسے بھی ایسے ہی دوسرے حجرے میں لے جایا گیا تھا لیکن اس نے وہاں سونے سے صاف صاف انکار کر دیا کیونکہ وہ "بڑی خوفناک جگہ تھی۔" چنانچہ اس نے کہا — وہاں سونے سے تو بہتر تھا کہ وہ اپنے دادا کی دھنسی ہوئی قبر میں سو لیتا — اس کے بعد اس نے کہا کہ "اگر میں اجازت دوں تو وہ میرے ساتھ میرے حجرے میں سونا پسند کرے

گا۔ ظاہر ہے کہ اس کی یہ درخواست میں نے فوراً قبول کر لی کیونکہ میں بھی اس حجرے میں اکیلا سونا نہ چاہتا تھا۔

رات بظاہر اطمینان سے اور بخیر و خوبی گزر گئی۔ میں نے "بظاہر" اس لیے کہا ہے کہ میں نے اس رات یہ بھیانک خواب دیکھا کہ مجھے زندہ دفن کر دیا گیا ہے۔ یہ خواب یقیناً میں نے اس لیے دیکھا کہ میں اس حجرے میں اور پتھر کی اس سل پر سو رہا تھا جس پر کبھی کسی کی حنوط شدہ لاش رکھی ہوئی ہوگی۔

پو پھٹ رہی تھی کہ ایک بھیانک آواز سے ہماری آنکھ کھل گئی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اماجر نے یہ قرنا پھونکا تھا۔ ایک بڑے ہاتھی دانت میں سوراخ کر کے یہ قرنا بنایا تھا اور ہر صبح لوگوں کو بیدار کرنے کے لیے پھونکا جاتا تھا۔ مجھے کہنا پڑتا ہے کہ بڑی مہیب آواز تھی اس کی جو دل پر ہیبت طاری کر دیتی تھی۔ خدا جانے صور اسرافیل کی آواز کتنی مہیب ہوگی؟

بہرحال، ہم اٹھے، چشمے پر پہنچ کر غسل کیا اور واپس آئے تو ناشتہ تیار تھا۔ ناشتے کے دوران ایک عورت، جس کی جوانی ڈھل چکی تھی، آگے بڑھی اور سب کے سامنے جوب کے ہونٹ چوم لیے۔ لمحہ بھر کے لیے اس عمل کی بے ہودگی کو فراموش کر دیا جائے تو میں کہوں گا کہ اس عورت کی یہ حرکت بڑی خوش کن تھی۔ معزز جوب کی اس وقت کی گھبراہٹ بھی کبھی فراموش نہ کر سکوں گا اور نہ ہی اس کی اس گھن کو بھول سکوں گا جس کا اظہار اس کے بشرے سے ہو رہا تھا۔ جوب بھی میری طرح کسی حد تک زن بیزار تھا۔ غالباً اس لیے کہ وہ سترہ افراد کے خاندان میں پیدا ہوا تھا۔ اول تو اس عورت کی اس خلاف توقع حرکت نے اسے گھبرا دیا تھا پھر وہ زن بیزار تھا اور اس پر طرہ یہ کہ اس عورت نے نہ صرف سب کے سامنے بلکہ اس کے آقاؤں کی موجودگی میں اس کا بوسہ لیا تھا چنانچہ اس کے بشرے سے جن جذبات کا اظہار ہوا اسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔

وہ ایک دم سے اٹھ کھڑا ہوا اور اس عورت کو، جو موٹی تھی اور جس کی عمر تیس سال سے تجاوز کر چکی تھی پیچھے دھکیل کر چیخا۔

"نہیں ـــ کبھی نہیں۔"

اس پر وہ عورت یہ سمجھ کر اس سے لپٹ گئی کہ جوب ضرورت سے زیادہ ہی کچھ شرمیلا ہے۔

"ہٹ جا ـــ دور ہٹ ـــ بے حیا!" جوب چیخا۔ اور وہ چنول چمچ میں سے ناشتہ کھا رہا تھا عورت کے چہرے کے سامنے دھمکی آمیز انداز میں ہلانے لگا۔



"معاف کرنا صاحبو!" یہ اس نے لیو اور مجھ سے کہا۔ "بڑی بدتمیزی ہے لیکن یقین کیجیے میں نے اس عورت کو اس کی دعوت نہ دی تھی اور نہ ہی اسے اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کی تھی ـــ خدایا! وہ بے حیا پھر میری طرف بڑھ رہی ہے ـــ مسٹر ہالی روکیے اسے ـــ میں اسے برداشت نہیں کر سکتا ـــ کبھی نہیں ـــ ایسا معاملہ میرے ساتھ کبھی نہیں ہوا ہے ـــ ہائے ہائے! میری زندگی بے داغ ہے۔ بچاؤ بچاؤ۔"

پلٹ کر اور سر پر پاؤں رکھ کر غار کے دہانے کی طرف بھاگا۔ تب میں نے اماجر کو پہلی اور آخری دفعہ ہنستے دیکھا۔ رہی وہ عورت تو وہ نہ ہنسی اس کے برخلاف غصہ سے کانپنے لگی اور جب وہاں کھڑی ہوئی عورتوں نے اس کا مذاق اڑایا تو اس کا غصہ انتہا کو پہنچ گیا۔ وہ بلی کی طرح غرا رہی تھی، دانت پیس رہی تھی اور تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس عورت کی یہ حالت دیکھ کر میں نے سوچا کہ کاش جوب ایسا زن بے زار اور اتنا زیادہ شریف نہ ہوتا اس کی اس حد سے بڑھی ہوئی شرافت نے ہماری زندگیوں کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔ بعد میں جو کچھ ہوا اس سے آپ کو معلوم ہو ہی جائے گا کہ میرا خیال کس قدر صحیح تھا۔

اس عورت کے چلے جانے کے بعد جوب واپس آیا تو میں نے دیکھا کہ اس کی گھبراہٹ اب تک دور نہ ہوئی تھی اور وہ ان عورتوں میں سے، جو وہاں موجود تھیں، ہر ایک کی طرف بار بار خوف بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ موقع غنیمت جان کر میں نے اپنے میزبانوں کو سمجھاتے ہوئے کہا کہ جوب شادی شدہ تھا چونکہ ازدواجی زندگی میں اسے بڑے تلخ تجربات ہوئے تھے اس لیے اب وہ ہر عورت سے گھبراتا تھا اور اپنی گھر والی اور اپنے وطن کی عورتوں سے پیچھا چھڑانے کے لیے ہی وہ ہمارے ساتھ آیا تھا۔ میری اس تشریح کو اماجر نے خاموشی سے سنا لیکن صاف ظاہر تھا کہ اماجر کو عموماً اور عورتوں کو خصوصاً جوب کا یہ فرار پسند نہ آیا تھا کیونکہ یہ ان کی توہین تھی۔

ناشتے سے فارغ ہو کر ہم اماجر کے مویشی اور کھیت دیکھنے گئے۔ ان کے پاس دو مختلف قسم کے مویشی تھے۔ ایک نسل کے مویشی بڑے قد کے اور تگڑے تھے اور ان کے سینگ نہ تھے۔ اس نسل کی گائیں دودھ زیادہ دیتی تھیں۔ دوسری نسل کے مویشی چھوٹے قد کے، سرخ رنگ اور موٹے تھے۔ یہ دودھ تو نہ دیتے تھے لیکن ان کا گوشت بے حد عمدہ ہوتا تھا۔ رہیں بکریاں تو وہ بڑے بڑے بالوں والی تھیں اور انہیں صرف کھایا جاتا تھا کیونکہ میں نے کبھی کسی کو بکری کا دودھ دوہتے نہیں دیکھا۔ رہے اماجر کے کاشت کاری کے طریقے تو وہ قدیم سے بھی زیادہ قدیم تھے۔ یہ لوگ ہل سے واقف نہ تھے البتہ

انھوں نے لوہے کے بیلچے سے بنا لیے تھے — یہ لوگ لوہے کو نرم کر کے اس سے ہتھیار اور مختلف چیزیں بنانا چاہتے تھے — لیکن یہ بیلچے بھی بیلچوں سے زیادہ بھالے کے بڑے اور چوڑے پھلوں کی طرح تھے جن پر پاؤں رکھ کر زمین پر دبانے کی کوئی جگہ نہ تھی چنانچہ زمین کھودنے کے لیے بڑی مشقت کرنی پڑتی تھی۔ یہ ساری مشقت مردوں کو کرنی پڑتی تھی کیونکہ میں جیسا کہ پچھلے کسی باب میں بتا چکا ہوں، یہاں عورتوں کو زیادہ حقوق حاصل تھے۔

ابتدا میں ہم اس عجیب و غریب قوم کے نسب اور رسومات و قوانین کے متعلق الجھن میں رہے اور کوئی فیصلہ نہ کر سکے کہ اماجر کون تھے اور کہاں سے آئے تھے کیونکہ اس سلسلہ میں یہ لوگ کچھ زیادہ ہی خاموش تھے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا — کیونکہ آئندہ کے چار دن بغیر کسی واقعہ کے گزرے — ہم نے چند باتیں لیو کی دوست استین کے ذریعہ معلوم کر لیں۔ یہاں میں یہ بتا دوں کہ استین لیو کے پیچھے سائے کی طرح لگی رہتی تھی۔ بہر حال اماجر کا کوئی نسب تھا ہی نہیں۔ کم سے کم استین نے تو ہم سے یہی کہا یا وہ ان کے نسب سے واقف نہ تھی۔ البتہ اس نے کہا کہ اس جگہ جہاں "وہ" یا "حیا" رہتی ہے بہت سی "دیواریں اور ستون" موجود ہیں اور یہ کہ اس جگہ کا نام "کور" ہے۔ استین نے کہا وہاں کبھی عمارتیں تھیں جن میں لوگ رہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اماجر ان لوگوں، یعنی کور والوں کی ہی نسل سے ہیں لیکن اب کوئی بھی ان زبردست کھنڈروں کے قریب تک جانے کی جرأت نہیں کر سکتا کیونکہ وہ "آسیب زدہ" ہیں چنانچہ اماجر دور سے ہی ان کھنڈروں کی طرف دیکھتے اور کانپ جاتے ہیں۔ استین نے بتایا کہ اس نے سنا ہے کہ اس علاقے میں مختلف مقامات پر بھی، جہاں پہاڑ سطح دلدل سے بلند ہیں ایسے کھنڈر موجود ہیں۔ اس نے بتایا کہ یہ غار، جن میں اماجر رہتے تھے، شاید کور والوں نے ہی چٹانیں کاٹ کر بنائے تھے۔ رہے ان کے قوانین تو ان کے کوئی تحریری قوانین نہ تھے البتہ رسومات تھیں جن کی پابندی قوانین کی طرح ہی سختی سے کی جاتی تھی۔ اگر کوئی شخص رسومات کے خلاف ورزی کرتا تھا تو "گھرانے کے باپ" کے حکم سے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا تھا۔ میں نے پوچھا کہ موت کے گھاٹ اتارنے کا طریقہ کیا تھا۔ اس سوال کے جواب میں وہ مسکرائی کہ یہ ہمیں جلدی معلوم ہو جائے گا۔

ان کی ایک ملکہ تھی "حیاہ" "وہ جو حکم کرتی ہے" اور "وہ جس کا حکم ماننا فرض ہے" ان کی تنہا ملکہ تھی جو بہت کم باہر یا سامنے آتی تھی۔ وہ تین سال میں ایک آدھ دفعہ نظر آ گئی تو آ گئی اور وہ بھی اس وقت جب کسی گنہگار یا مجرم کو سزا سنانی ہوتی اس وقت بھی وہ اپنے آپ کو سر سے پیر تک سفید کپڑے یا نقاب



میں اس طرح لپیٹے ہوئے ہوتی کہ اس کا چہرہ دیکھنا ممکن نہ ہوتا۔ "حیاہ" کے "خدمت گار" جو عموماً عورتیں تھیں، بہرے اور گونگے تھے چنانچہ وہ ملکہ کے متعلق کچھ بتا نہ سکتے تھے۔ کہتے ہیں کہ وہ اس قدر خوبصورت ہے کہ پہلے نہ تو کبھی کوئی عورت ایسی خوبصورت رہی ہے اور نہ آئندہ کبھی کوئی عورت ہوگی۔ یہ بھی مشہور ہے کہ "حیاہ" لافانی ہے اور یہ کہ زبردست قوتوں کی مالک ہے لیکن صرف انسانوں بلکہ ہر چیز حتیٰ کہ ہوا اور پانی پر بھی حکمرانی کرتی ہے۔ اس کے متعلق استین نے کہا کہ وہ کچھ نہیں جانتی۔ استین کا خیال ہے کہ حیاہ وقتاً فوقتاً اپنے لیے ایک شوہر منتخب کرتی تھی اور جب اس کے بطن سے لڑکی پیدا ہوتی تھی تو اس شوہر کو، جو پھر کبھی دیکھا نہ جاتا تھا موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا تھا۔ پھر وہ لڑکی جوان ہو کر اپنی ماں کی جگہ، جب وہ مر جاتی ملکہ بن جاتی تھی۔ رہی ملکہ تو مرنے کے بعد اسے "بڑے غاروں" میں دفن کر دیا جاتا تھا، لیکن یہ محض افواہ تھی یعنی اس کے متعلق یقین سے کوئی کہہ نہیں سکتا تھا۔ البتہ یہ حقیقت تھی کہ پورے ملک میں صرف حیاہ کی حکمرانی تھی اور اسی کا حکم چلتا تھا۔ اس کے حکم کی سرتابی کا مطلب تھا ضروری موت حیاہ صرف محافظ رکھتی تھی۔ اس کے پاس کوئی فوج نہ تھی تاہم اس کا حکم ماننا فرض تھا ماننے کی صورت میں موت ملتی تھی۔

میں نے پوچھا کہ ان کا ملک کتنا بڑا تھا اور آبادی کتنی تھی اس پر استین نے جواب دیا کہ بالی کے گھرانے کے سے کل دس "گھرانے" تھے جن میں وہ سب سے بڑا "گھرانہ" بھی شامل ہے جہاں حیاہ رہتی تھی اور یہ کہ یہ سارے گھرانے غاروں میں رہتے تھے۔ یہ غار ان پہاڑوں میں تھے جو دلدلوں میں یہاں وہاں ہیں۔ ان تک خفیہ راستوں سے جو دلدلوں میں سے گزرتے تھے پہنچا جا سکتا تھا۔

اکثر دفعہ ان "گھرانوں" میں آپس میں جنگیں ہوئی ہیں یہاں تک کہ حیاہ نے ان جنگوں کو ختم کرنے کا حکم بھیجا، اور جنگ فوراً ختم کر دی گئی۔ ان جنگوں نے اور بخار نے، جو دلدلیں عبور کرنے میں ان پر حملہ بول دیتا تھا ان کی تعداد کو بڑھنے سے روک دیا تھا۔ کسی دوسری قوم اور قبیلے سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا کیونکہ ان کے علاقے کے قرب و جوار میں کوئی قوم اور کوئی قبیلہ آباد تھا۔ اور پھر یہ بات بھی تھی کہ دشمن دلدلوں کو عبور کر کے ان کے علاقے میں نہ آ سکتا تھا۔ ایک دفعہ ایک فوج نے بڑے دریا (اس کی مراد یقیناً دریائے زمباسی سے تھی۔) کی طرف سے ان پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی تھی لیکن وہ لوگ دلدلوں میں بھٹک گئے۔ رات کے وقت انھوں نے بڑے بڑے آتشی گولے دیکھے اور سمجھا کہ یہ اماجر

[1] مادنگ وہ اس سلسلے کا پہلا ناول "عائشہ اور ایلن"

مترجم

کے پڑاؤ میں الاؤ جل رہے تھے۔ چنانچہ دشمن اسی طرف بڑھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نصف سے زیادہ فوج دلدلوں میں غرق ہوگئی اور جو بچ رہے ان کا خاتمہ بخار اور بھوک نے کر دیا۔ اَستین نے ایک بار پھر کہا کہ دلدلوں کو عبور کرنا ناممکن تھا صرف وہی لوگ انہیں عبور کر سکتے تھے جو ان کے خفیہ راستوں سے واقف تھے۔ اس نے کہا کہ ہمیں یقین کرنا چاہئے کہ اگر ہمیں خود اماجر یہاں تک نہ لائے ہوتے تو ہم کبھی دلدلیں عبور کر کے یہاں تک نہ پہنچ سکتے۔

چنانچہ ہماری حقیقی مہم شروع ہونے سے پہلے اور اماجر میں اپنے چار دنوں کے قیام کے درمیان یہ اور دوسری بہت سی باتیں ہمیں اَستین سے معلوم ہوئیں اور آپ سمجھ سکتے ہیں کہ ان باتوں نے ہمارے لیے غور و بحث کا کافی مصالحہ فراہم کر دیا۔ یہ تمام باتیں انتہائی حد تک حیرت انگیز تھیں— بلکہ ناقابل یقین حد تک حیرت انگیز اور سب سے بڑی بات تو یہ کہ جہاں تک اَستین سے ہم نے جو معلومات حاصل کی تھیں وہ سفال پر کی تحریر کے مطابق تھیں اب یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ اس علاقے میں ایک پراسرار ملکہ بھی تھی جس کے گرد عجیب و غریب افواہوں کا ہالہ تھا جس سے سب ڈرتے تھے اور جو مافوق الفطرت قوتوں کی مالک تھی جو صرف صیغۂ غائب کے طور پر مشہور تھی، بالاشخص تھی اور صرف 'وہ' کے نام سے پہچانی جاتی تھی میرے خیال میں ملکہ کا وہ بے حد خوف زدہ کر دینے والا تھا۔ مختصر یہ کہ میں اس سارے معاملے کو سمجھنے سے قاصر تھا اور لیو بھی سمجھنے سے قاصر تھا تاہم وہ بے حد خوش تھا کہ اس نے مجھ پر فتح حاصل کی تھی کیونکہ میں نے سفال پر کی تحریر کا مذاق اڑاتے ہوئے اسے ایک پاگل عورت کے پاگل دماغ کی اختراع کہا تھا۔ رہا جوب تو اس نے مدت سے کسی بھی بات پر غور کرنا ترک کر کے اپنے آپ کو یکسر حالات کے سپرد کر دیا تھا۔ عبداللہ کی حالت مختلف تھی۔ اماجر اس سے بہت اچھا سلوک کر رہے تھے اسے خوب کھلاتے پلاتے تھے اس کے باوجود وہ حد سے زیادہ خوفزدہ تھا۔ اس کے اس خوف کی وجہ کم سے کم میری سمجھ میں تو نہ آئی۔ وہ صبح سے شام تک غار کے ایک کونے میں گٹھری بنا بیٹھا رہتا اور اللہ رسول کو یاد کرتا رہتا۔ جب میں نے اس سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ بیشک خوفزدہ ہے اور اس لیے ہے کہ یہ اماجر انسان نہیں بلکہ شیاطین ہیں۔ یہ کہ علاقہ "جادوگری" ہے اور مجھے اعتراف ہے کہ ایک دو دفعہ خود میں بھی عبداللہ سے اتفاق کرنے پر مجبور ہو گیا۔

چنانچہ یوں وقت گزرتا گیا اور کوئی خاص واقعہ نہ ہوا یہاں تک کہ اس رات کی، جس رات بلالی رخصت ہوا تھا، چوتھی رات آ گئی اور اس رات ایک واقعہ ہوا۔



سونے جانے کے وقت سے کچھ پہلے ہم تین اور اَستین الاؤ کے قریب بیٹھے ہوئے تھے کہ یکایک اَستین نے، جو خاموش بیٹھی جیسے کچھ سوچ رہی تھی اٹھ کر لیو کے سنہرے بالوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اسے مخاطب کیا۔ اب بھی جب کبھی میں اپنی آنکھیں بند کرتا ہوں تو وہ منظر اپنی تمام جزئیات کے ساتھ میرے پپوٹوں کے پردے پر ابھر آتا ہے۔ اَستین تن کر کھڑی ہوئی تھی۔ الاؤ کے شعلوں کے سائے اس کے چہرے اور جسم کے مختلف سڈول اعضا پر ناچ رہے تھے۔ وہ پورا منظر عجیب وحشت انگیز معلوم ہو رہا تھا اور تب اَستین نے لیو کو مخاطب کر کے نظم میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا اور عجیب سی مبہم باتیں کہیں۔

تم میرے لیے منتخب کیے گئے ہو اور میں
ابتدائے آفرینش سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں
تم بہت حسین ہو، کس کے بال تمہارے بالوں جیسے
اور کس کی کھال کی رنگت تمہاری رنگت جیسی ہے؟!
کس کے بازو ایسے مضبوط ہیں اور کون اتنا بہت سا مرد ہے؟
تمہاری آنکھیں آسمان ہیں اور ان کی روشنی ستارے
تم مکمل ہو اور چہرہ تمہارا بشاش ہے
میرا دل کھنچ گیا ہے تمہاری طرف
جب میری نظر تم پر پڑی تو میں نے تمہاری آرزو کی
اور تب اے میرے پیارے! میں نے تمہیں اپنے لیے منتخب کر لیا
اور اپنا بنا لیا تمہیں۔
اور تمہیں اپنے سینے سے لگائے رکھا مبادا تمہیں کوئی نقصان پہنچ جائے
ہاں! میں نے تمہارے سر کو اپنے بالوں سے ڈھک لیا۔
مبادا سورج کی گرم کرنیں اسے نقصان پہنچا دیں
اور یوں وقت گزرتا رہا۔
تم پوری طرح سے میرے اور میں پوری طرح سے تمہاری رہی
لیکن نابکار وقت ہمارے لیے شیطانی جال بنتا رہا
پھر وہ منحوس دن آیا اور کیا ہوا اس دن؟

افسوس اے میرے پیارے! میں نہیں جانتی
لیکن پھر میں نے تمہیں نہ دیکھا
میں اندھیرے میں کھو گئی
اور اس نے جو طاقتور تھی تمہیں حاصل کر لیا
ہاں اس نے جو اشتین سے زیادہ خوبصورت تھی
تم پر قبضہ جمالیا
لیکن تم گھوم کر مجھے پکارتے رہے
اور تمہاری نظر اندھیرے میں مجھے تلاش کرتی رہے
اس کے باوجود اس نے اپنے حسن کا جادو تم پر چلا دیا۔
روکا تمہیں میرے پیچھے آنے سے
اور وہ تمہیں خوفناک جگہوں پر لے گئی
اور پھر — آہ! میرے پیارے! پھر!"

یہاں وہ ایک دم سے خاموش ہو گئی۔ اس کا یہ گیت کم سے کم مجھے تو پاگل کی بڑ معلوم ہوا کہ اس کا سر پیر میری سمجھ میں نہ آیا۔ اشتین نے اپنی نظریں غار کے اندھیرے سایوں پر گاڑ دیں اور پھر دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھوں سے عجیب خوف جھلکنے لگا۔ جیسے اس کی نظر کوئی مہیب چیز دیکھ رہی تھی۔ اس نے اپنا ہاتھ لیو کے سر پر سے اٹھا کر اندھیرے کی طرف اشارہ کیا۔ ہم نے اس طرف دیکھا۔ ہمیں تو کچھ نظر نہ آیا لیکن اشتین یقیناً کچھ دیکھ رہی تھی۔ کوئی ایسی چیز جو اس کے آہنی اعصاب کو بھی جھنجھنا رہی تھی کیونکہ مزید کچھ کہے بغیر وہ بیہوش ہو کر گری۔

لیو کو جیسے اس عجیب لڑکی سے انسیت ہو گئی تھی، ایک دم سے گھبرا گیا اور سچ تو یہ ہے کہ خود میرے دل کی حالت غیر تھی۔ میں توہم پرست نہیں ہوں لیکن اس وقت میرے دل پر عجیب طرح کی ہیبت طاری ہو گئی یہ پورا منظر اور یہ ماحول ہی آسیبی تھا۔ چند ثانیوں بعد ہی اشتین نے آنکھیں کھولیں اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔ میں نے دیکھا کہ وہ کانپ رہی تھی۔

"اشتین! کیا مطلب تھا تمہارا؟" لیو نے پوچھا۔ شکر ہے کہ میری محنت رائیگاں نہ گئی تھی اور وہ بہت اچھی عربی بول لیتا تھا۔



"کچھ نہیں میرے منتخب کردہ!" اشتین نے کہا اور ہنسی۔ "میں نے تو اپنے لوگوں کی رسم کے مطابق ایک گیت گایا تھا۔ تمہارے لیے میں اس کے متعلق کیسے کہہ سکتی ہوں جو ہوا نہیں ہے۔؟"

"اور کیا دیکھا تھا تم نے اشتین؟" میں نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ کر پوچھا۔

"نہیں۔" اس نے جواب دیا۔ "کچھ نہیں۔ نہ پوچھو مجھ سے کہ میں نے کیا دیکھا۔ میں تمہیں خوفزدہ کرنا نہیں چاہتی۔"

پھر وہ لیو کی طرف گھوم گئی۔ اس کے بشرے سے پیار کے ایسے جذبات عیاں تھے کہ ایسے جذبات میں نے کسی عورت کے، چاہے وہ مہذب ہو یا وحشی، چہرے پر کبھی نہ دیکھے تھے۔ اس نے لیو کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اس کی پیشانی یوں چومی جس طرح ماں اپنے بچے کی پیشانی چومتی ہے۔

"اے میرے منتخب کردہ!" اس نے کہا "جب میں تمہارے پاس سے چلی جاؤں اور جب راتوں کی تنہائی میں تم اپنا ہاتھ بڑھا کر اور مجھے اپنے پہلو میں نہ پاؤ تب مجھے یاد کرنا اور یقیناً کرو گے کیونکہ حقیقت میں میں تم سے پیار کرتی ہوں حالانکہ میں اس قابل بھی نہیں ہوں کہ تمہارے پیر دھو سکوں۔ اب آؤ ہم پیار کریں اور خوش رہیں کیونکہ قبر میں نہ تو پیار ہو گا اور نہ ہی تمہارے ہونٹوں کا گرم لمس۔ کچھ نہ ہو گا یا اگر ہو گا تو شاید اس پیار و محبت کی تلخ یادیں ہوں گی۔ آج رات کا وقت ہمارا اپنا ہے لیکن کون جانتا ہے کہ کل کا وقت کس کا ہو گا؟"

☆☆

# آٹھواں باب

## جشن اور اس کے بعد

اس حیرت انگیز اور یادگار واقعہ کے بعد جو ہمارے دماغوں میں نقش ہو گیا اعلان کیا گیا کہ اس شام ایک جشن منایا جائے گا اور ہمارے اعزاز میں ایک شاندار ضیافت کا انتظام کیا جائے گا۔ میں نے حتی الامکان بڑی شائستگی اور اخلاق سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ ہم لوگ فطرتاً شرمیلے ہیں چنانچہ جشن اور ضیافت وغیرہ میں شرکت نہیں کرتے۔ چونکہ میری اس بات کے جواب میں اماجر نے ناگوار خاموشی اختیار کی اس لیے میں نے سوچا کہ ان لوگوں کو ناراض نہ کرنا چاہئے چنانچہ عقل مندی اسی میں ہے کہ ان کی دعوت قبول کر لی جائے اور یہی ہم نے کیا۔

چنانچہ یوں ہوا کہ سورج کے غروب ہونے سے کچھ پہلے مجھے مطلع کیا گیا کہ جشن و ضیافت کے انتظامات مکمل ہو چکے ہیں۔ میں جوب کو ساتھ لے کر غار میں پہنچا جہاں میری ملاقات لیو سے ہوئی۔ حسب معمول استین اس کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔

یہ دونوں کہیں باہر گھومنے گئے ہوئے تھے اور جشن وغیرہ کے انتظامات سے واقف نہ تھے۔ جب میں نے لیو کو بتایا کہ اس جشن اور ضیافت کا انتظام خاص ہمارے لیے کیا گیا ہے تو میں نے دیکھا کہ استین کے چہرے پر خوف و ہراس کا بادل سا چھا گیا۔ اس نے ایک دم سے گھوم کر اس شخص کا بازو پکڑ لیا جو اس وقت اس کے قریب سے گزر رہا تھا اور تحکمانہ لہجے میں اس سے کچھ پوچھا۔ اس شخص نے جو جواب دیا اس نے معلوم ہوتا ہے استین کو قدرے اطمینان ہو گیا چنانچہ وہ مطمئن نظر آنے لگی لیکن خوش نہ تھی۔ اس کے بعد وہ اس شخص سے کچھ بحث کرنے لگی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ احتجاج کر رہی تھی لیکن اس شخص نے جو بلند رتبہ معلوم ہوتا تھا، غصے سے سر ہلا کر کچھ کہا اور استین کا ہاتھ جھٹک دیا۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے استین کا بازو پکڑا اور اسے گھسیٹ کر اپنے اور ایک دوسرے اماجر کے بیچ میں بٹھا لیا۔ میں کچھ سمجھ نہ سکا کہ یہ کیا ہو رہا تھا۔ استین نے کس بات پر اعتراض کیا تھا۔ وہ جشن و ضیافت کا سن کر خوفزدہ کیوں ہو گئی تھی، اس کے احتجاج پر وہ شخص غصہ کیوں ہوا تھا اور اس نے استین کو پکڑ کر قریب کیوں بٹھا لیا تھا۔ میں یہ سمجھ نہ سکا اور نہ ہی اس طرف کچھ



لیکن یہ ضرور ہے کہ استین کی اپنی بہتری خاموش رہنے میں ہی نظر آتی۔

اس رات غار میں بہت بڑا الاؤ روشن کیا گیا تھا اور اس الاؤ کے گرد ایک وسیع دائرے میں کوئی پچیس مرد اور دو عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان دو میں سے ایک تو استین تھی اور دوسری وہ عورت تھی جس سے بچنے کے لیے جوب نے فرار اختیار کیا تھا۔ مرد خاموش بیٹھے تھے جیسی کہ ان کی عادت یا فطرت تھی۔ ہر ایک نے اپنا نیزہ اپنے پیچھے دیوار میں بنے ہوئے حلقوں میں لگا کر کھڑا کر دیا تھا۔ ان مردوں میں سے صرف ایک بوڑھے نے زرد رنگ کا وہ لباس پہن رکھا تھا جس کا ذکر میں پچھلے کسی باب میں کر چکا ہوں کہ ایسا لباس اماجر میں رتبے کے لوگ ہی پہنتے تھے۔ بقیہ نے کچھ نہ پہن رکھا تھا سوائے چیتے کی کھال کے جو ان کی کمر سے بندھی ہوئی تھی۔

"اب کیا ہونے والا ہے جناب؟" جوب نے مشکوک نظروں سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا "میرا تو دل دھڑ دھڑ کر رہا ہے۔ خدا ہم پر رحم کرے اور ہماری حفاظت کرے۔ سامنے وہی بے حیا عورت بیٹھی ہوئی ہے۔ اب تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ میرے پیچھے نہیں پڑ سکتی کیونکہ میں اس کی ہمت بندھائی ہی نہیں اپنے عمل سے۔ وہ یقیناً مجھ سے مایوس ہو گئی ہو گی لیکن ہائے ہائے کیا لوگ ہیں — توبہ توبہ — مجھے تو جھرجھریاں آ رہی ہیں۔ خدا جانے کیا ہونے والا ہے۔ ہائے ہائے۔ وہ دیکھو۔ ان لوگوں نے عبداللہ کو بھی اپنے ساتھ کھانے پر بٹھا لیا ہے۔ اور اب وہ میری والی عورت اس سے باتیں کر رہی ہے — بڑے پیار سے باتیں کر رہی ہے۔ اور لپٹ لپٹ جاتی ہے اس سے۔ خدا جانے کیا ہونے والا ہے۔ بہرحال میں خوش ہوں اور خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ وہ بے حیا عورت اب مجھ پر مہربان نہیں ہے۔"

جوب نے غلط نہ کہا تھا۔ ہم نے دیکھا تو نظر آیا کہ واقعی وہ عورت اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کونے میں پہنچ گئی تھی جہاں عبداللہ سہما سمٹا ہوا بیٹھا تھا۔ اس عورت نے ہاتھ پکڑ کر عبداللہ کو اٹھایا اور اپنے ساتھ لے کر آگے بڑھی۔ عبداللہ کسی وجہ سے بے حد خوفزدہ تھا اور بید کی طرح کانپ رہا تھا اور آہستہ آہستہ اللہ اللہ کہہ رہا تھا۔ وہ عورت کے ساتھ اور اماجر کے ساتھ بیٹھنے کے لیے تیار نہ تھا غالباً اس لیے آج پہلی دفعہ یہ اعزاز بخشا جا رہا تھا کیونکہ اس وقت تک ہوتا یوں تھا کہ اسے سب سے الگ بٹھایا جاتا اور الگ ہی کھانا دیا جاتا تھا۔ وجہ کچھ بھی ہو بہرحال یہ حقیقت تھی کہ وہ بے حد خوفزدہ تھا اور اس کی ٹانگیں بری طرح سے کانپ رہی تھیں۔ چنانچہ وہ اپنی لڑکھڑاتی ٹانگوں پر اپنا لاغر جسم بمشکل سنبھالے ہوئے تھا۔ وہ عورت اسے بازو سے پکڑ کر آگے کھینچ رہی تھی اور ایک لحیم و شحیم اماجر بڑے پھل والا بھالا لیے اس کے

پہنچے تھا اور اسے یعنی عبداللہ کو آتے دیکھ رہا تھا۔

"مجھے تو یہ سارا معاملہ کچھ گڑبڑ معلوم ہوتا ہے۔" میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ "آج یقیناً کچھ ہو کر رہے گا۔ بہرحال جو کچھ بھی ہو ہمیں اس کا سامنا کرنا ہوگا۔ تم لوگ اپنے پستول لے آئے ہو اپنے ساتھ؟ اگر لائے ہو تو دیکھ لو کہ بھرے ہوئے ہیں کہ نہیں؟"

"میں تو اپنا پستول لے آیا ہوں جناب۔" جوب نے اپنی پیٹی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن مسٹر لیو کے پاس صرف شکاری چاقو ہے، لیکن فکر کی کوئی بات نہیں۔ چاقو کافی بڑا ہے۔"

یہ سوچ کر لیو کا اب پستول لانے جانا مناسب نہیں، کیونکہ اس عرصے میں پتہ نہیں کیا ہو جائے، ہم بے دھڑک آگے بڑھے اور ایک طرف غار کے پہلو سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے۔

ابھی ہم بیٹھے ہی تھے کہ ایک قسم کے گرم مشروب کا دور چلنے لگا۔ یہ مشروب بے مزہ نہ تھا، کسی قسم کا غلہ سے، جو اماحجر کے علاقے میں اگتا تھا، بنایا گیا تھا اور ایک بڑے سے کوزے یا صراحی میں بھرا ہوا تھا۔ یہ صراحی بھی بے حد عجیب تھی اور چونکہ وہ کم وبیش ان سیکڑوں صراحیوں سے مشابہ تھی جنہیں اماحجر استعمال کرتے تھے اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ میں اس صراحی کا لفظی خاکہ یہاں کھینچ دوں۔

یہ صراحیاں بے حد قدیم طرز کی اور مختلف حجم کی تھیں اور ان چٹانی مقبروں سے ملتی تھیں جن کا ذکر میں وقت آنے پر آگے کروں گا۔ میرا خیال ہے اور یقیناً غلط نہیں ہے کہ ان صراحیوں میں مرنے والوں کے احشاء رکھے جاتے تھے جس طرح کی مصر میں فراعنہ اور عام انسانوں کی ممیوں کے احشاء اس قسم کی صراحیوں میں بند کر کے ممیوں کے ساتھ مقبروں میں رکھ دیئے جاتے تھے۔ چنانچہ اس وجہ سے میرا یہ خیال بھی یقیناً غلط نہیں ہے کہ اماحجر کا تعلق کسی نہ کسی طرح مصر قدیم کی قوم سے تھا، لیکن لیو کا خیال تھا کہ یہ صراحیاں لاشوں کے ساتھ مقبروں میں اس لیے رکھ دی جاتی تھیں کہ مرنے والوں کی روحیں بہ وقت ضرورت اپنے استعمال میں لائیں۔ بہرحال ان صراحیوں کے دائیں بائیں ایک ایک دستہ لگا ہوا تھا اور جیسا کہ میں نے کہا یہ مختلف قد و قامت اور حجم کی تھیں۔ چند صراحیاں تین تین فٹ جتنی بڑی اور چند تین تین انچ جتنی چھوٹی تھیں۔ ان کی ساخت بھی مختلف تھی لیکن سب کی سب خوبصورت تھیں جو کالی چکنی مٹی سے بنائی گئی تھیں اور قدرے کھردری تھیں یعنی پالش شدہ نہ تھیں جیسے کہ آج کل کے مٹی کے برتن ہوتے ہیں۔ ان صراحیوں پر جو تصویریں بنی ہوئی تھیں وہ مصوری کا ایسا اعلیٰ ترین نمونہ تھیں کہ ایسی عمدہ تصویریں میں نے کبھی کسی قدیم برتن پر نہ دیکھی تھیں۔ ان میں سے چند پر جو تصویریں تھیں وہ عورت و مرد



کے اختلاط کی تھیں۔ چند پر بہت خوبصورت ... تھیں اور چند پر شکار کی تصویریں تھیں مثلاً اس صراحی کے ایک پہلو پر، جو اس وقت گردش میں تھی اور جس سے ہم وہ گرم مشروب پی رہے تھے، یہ تصویر تھی کہ بہت سے شکاری بھالوں سے ایک ہاتھی پر حملہ کر رہے تھے اور اس کے دوسرے پہلو پر ایک شکاری کی تصویر تھی جو تیر سے ایک ہرن پر نشانہ لگا رہا تھا۔ یہ تصویر پہلی تصویر کی طرح عمدہ اور صاف نہ تھی۔

آپ سوچتے ہوں گے کہ ایسی نازک صورت حال میں بھی موضوع سے ہٹ کر خواہ مخواہ صراحیوں کی داستان لے بیٹھا جب کہ آپ کا دل ہونے والے واقعات میں لگا ہوا ہے۔ میں اس کی معافی چاہتا ہوں۔ تاہم یہ حقیقت ہے پورے ایک گھنٹے تک گھومتا ہوا سے اس کے صراحی برابر گردش میں رہی اور تھوڑے تھوڑے وقفے سے الاؤ میں خشک ایندھن جھونکا جاتا رہا، کسی نے ایک لفظ تک نہ کہا۔ سب کے سب خاموش، حیرت انگیز حد تک خاموش بیٹھے رہے، اور مشروب پیتے الاؤ کی طرف اور دیواروں پر حرکت کرتے ہوئے سایوں اور چراغوں کی طرف دیکھتے رہے۔ یہ چراغ صراحیوں کی طرح قدیم یا نوادرات نہ تھے۔

ہمارے حلقے کے درمیان چھوٹی ہوئی جگہ میں اور الاؤ کے قریب ایک کافی بڑی چوبی سینی رکھی ہوئی تھی جس کے دونوں طرف چار چھوٹے چھوٹے دستے لگے ہوئے تھے۔ اس سینی کے قریب لمبے دستے والے آہنی چمٹے کی ایک جوڑی دھری تھی الاؤ کے دوسری طرف بھی چمٹے کی ایسی ہی جوڑی رکھی ہوئی تھی خدا جانے کیا بات تھی کہ اس چوبی سینی اور چمٹوں کو دیکھ کر میری ریڑھ کی ہڈی میں ٹھنڈک کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ چنانچہ میں خاموش بیٹھا ان چیزوں کو اور اماحجر کے وحشت ناک چہروں کی طرف دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ ہم پوری طرح سے ان خوفناک لوگوں کے اختیار میں اور ان کے رحم و کرم پر تھے۔ میں نے "خوفناک" لفظ کا استعمال کیا ہے کیونکہ ان لوگوں کا کردار اور عادات و اطوار ہمارے لیے ایک معمہ تھے چنانچہ ہمارے لیے یہ لوگ پُراسرار تھے اور ان کی یہی پراسراریت خوفزدہ کرنے کے لیے کافی تھی۔ یہ لوگ میرے اندازے کے خلاف اچھے بھی ثابت ہو سکتے تھے اور برے بھی، لیکن میرا خیال تھا کہ یہ لوگ برے ثابت ہوں گے اور یہ حقیقت ہے کہ میرا خیال غلط نہ تھا۔ یہ عجیب قسم کا جشن تھا۔ کہ سب کے سب خاموش بیٹھے ہوئے تھے اور عجیب قسم کی ضیافت تھی کہ کھانے کی کوئی چیز وہاں موجود نہ تھی۔

آخر کار عین اس وقت جب میں یہ سوچ رہا تھا کہ شاید ہم پر مسمریزم کیا جا رہا ہے، ان خاموش بتوں نے جنبش کی اور بغیر کسی تمہید کے انسانوں کے اس دائرے کے انتہائی سرے پر سے ایک

شخص نے پکار کر پوچھا۔

"وہ گوشت کہاں ہے جو ہمیں کھانا ہے؟"

اس پر دائرے میں بیٹھے ہوئے ہر شخص نے گہری آواز اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا اور جواب دیتے وقت ہر ایک نے اپنا دایاں بازو الاؤ کی طرف بڑھا دیا۔

"گوشت آئے گا۔"

اسی سوال پوچھنے والے نے پوچھا۔

"کیا وہ بکری ہے؟"

اور سب نے ایک بار پھر جواب دیا۔

"بکری بغیر سینگوں کی ہے بلکہ جو ہے وہ بکری سے بڑھ کر ہے اور ہم اسے ذبح کریں گے۔"

یہ کہتے ہوئے وہ سب کے سب ایک ساتھ ذرا سا گھوم گئے اور انھوں نے ہاتھ بڑھا کر پیچھے رکھے ہوئے بھالے پکڑ لیے اور پھر فوراً انھیں چھوڑ کر سیدھے ہو بیٹھے۔

"تو پھر کیا وہ بیل ہے؟" اس شخص نے پوچھا۔

"بیل بغیر سینگوں کا ہے بلکہ جو ہے بیل سے بڑھ کر ہے اور ہم اسے ذبح کریں گے۔"

اور ایک بار پھر بھالے پکڑے گئے اور چھوڑے گئے۔

اس کے بعد خاموشی کا وقفہ رہا اور پھر میں نے خوف کی سنسنی محسوس کی اور میرے بال کھڑے ہو گئے کیونکہ میں نے دیکھا وہ عورت، جو عبداللہ کے قریب بیٹھی ہوئی تھی، عبداللہ کو چمکارنے، اس کے گال تھپتھپانے، اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے اور اسے پیار بھرے ناموں سے آہستہ آہستہ پکارنے لگی لیکن اس کی جلتی ہوئی آنکھیں عبداللہ کے جسم پر، سر سے پیر تک پھسلنے لگی اور عبداللہ غریب تھا کہ پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ میں نہیں جانتا کہ اس نظارے نے مجھے کیوں خوفزدہ تھے خصوصاً کر دیا لیکن یہ حقیقت ہے کہ ہم سب بری طرح سے خوف زدہ تھے خصوصاً لیو۔ اس عورت کا چمکارنا اور پیار کسی کا سا اور کسی خاص اور بے حد لرزہ خیز مقصد کے لیے تھا[1] چنانچہ میں نے دیکھا کہ عبداللہ کا رنگ سفید ہو گیا۔

"کیا اب گوشت پکنے کے لیے تیار ہے؟" اسی آواز جس نے پہلا سوال کیا تھا بڑی عجیب اور بے چینی سے پوچھا۔

"ہاں تیار ہے — تیار۔



اور اسے پکانے کے لیے برتن گرم ہے؟" اس آواز نے تقریباً چیخ کر پوچھا اور یہ چیخ نار میں بڑے بھیانک طور پر گونج گئی۔

ہاں گرم ہے۔ ہاں گرم ہے۔"

"میرے خدا!" لیو ایک دم سے چیخ اٹھا۔ "یاد ہے سنال کی تحریر کا یہ فقرہ کہ جو اجنبیوں کے دہکتے ہوئے برتن رکھ دیتے ہیں۔"

ابھی یہ الفاظ لیو نے کہے ہی تھے اور اس سے پہلے کہ ہم کچھ کر سکتے اور جنبش بھی کر سکتے کہ وہ شیطان اماجر چھلانگ لگا کر آگے آئے اور انھوں نے آہنی چمٹے اٹھا کر الاؤ کے شعلوں میں رکھ دیئے اور اس عورت نے، جو عبداللہ کو چمکار رہی تھی، فوراً ہی اپنی کمر کے گرد بندھے ہوئے "موچھا" یعنی لنگوٹے میں سے ریشوں سے بٹ کر بنائی ہوئی کمند نکالی اور عبداللہ کے گلے میں ڈال کر کھینچ لی۔ گرہ اس کے حلق پر بیٹھ گئی۔ فوراً ہی دو اماجر نے لپک کر عبداللہ کی ٹانگیں پکڑ لیں۔ ان دو آدمیوں نے جنھوں نے چمٹے الاؤ میں ڈال دیئے تھے، الاؤ کے انگاروں کو بڑی تیزی سے ادھر ادھر بکھیر دیا اور اس میں سے مٹی کا ایک برتن نکال لیا جو انگارے کی طرح دہک رہا تھا اور ایک ہی چھلانگ میں اس جگہ پہنچ گئے جہاں عبداللہ ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا۔ وہ دیوانہ وار ہاتھ پاؤں چلا رہا اور خوف کے عالم میں دوزخ میں پھنسی ہوئی روح کی طرح چیخ رہا تھا۔ حالانکہ اس کے گلے میں پھندا پڑا ہوا تھا اور بگڑے اماجر اسے دبوچے ہوئے تھے تاہم وہ دو شیطان، جو دہکتے ہوئے برتن کو چمٹے سے پکڑے ہوئے تھے ایک لمحے تک اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اور ان کا شیطانی مقصد، جو بے حد لرزہ خیز اور خون منجمد کر دینے والا تھا، یہ تھا کہ اس دہکتے ہوئے برتن کو عبداللہ کے سر پر رکھ دیا جائے۔

میں ایک نعرے کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا اور اپنا پستول کھینچ کر اس چڑیل پر گولی چلا دی جو عبداللہ کو چمکار رہی تھی اور جو اب اس کے ہاتھ پکڑے ہوئے تھی گولی اس کی پیٹھ میں لگی۔ وہ فوراً ہی گر گئی مر گئی — اور یقین کیجئے مجھے اس کا افسوس نہیں بلکہ خوشی ہے کیونکہ، جیسا کہ ہمیں بعد میں معلوم ہوا، شیطان کی اس خالہ نے اماجر کی اس رسم کے لیے اپنی خدمات اس ہتک کا بدلہ لینے کے لیے پیش کی تھیں جو جوب نے کی تھی۔ وہ مردہ ہو کر گری لیکن میں نے مایوسانہ سنسنی محسوس کر کے دیکھا کہ ایک زبردست

1 بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ اس پیار و محبت کا مقصد شکار پر یہ ظاہر کرنا تھا کہ وہ قابل تعریف اور قابل محبت چیز ہے۔ اس طرح اس کے مجروح جذبات پر قابو پا لیا جاتے ہیں۔ تاکہ اس کا خوف دور ہو جائے۔ ... جوانی ... ہے۔

جھٹکے کے ساتھ عبداللہ اماجر شیاطین کی گرفت سے آزاد ہوکر ہوا میں اچھلا اور مردہ ہوکر گرا۔ میرے پستول سے نکلی ہوئی وزنی گولی دونوں کے جسموں کے آر پار ہوگئی تھی۔ اسی ایک گولی نے اس بدرو چڑیل کا بھی خاتمہ کردیا تھا اور عبداللہ کا بھی خاتمہ کرکے اسے نہایت ہی خوفناک موت سے بچالیا تھا۔ یہ بڑا ہی افسوس ناک تاہم رحم انگیز واقعہ یا یوں کہیئے کہ حادثہ ہوا تھا۔

لمحہ بھر تک مکمل ترین خاموشی کا وقفہ رہا۔ اماجر کبھی پستول کا دھماکہ نہ سنا تھا اور پھر اس دھماکے کا جو اثر ہوا تھا اسے دیکھ کر ان کے جی چھوٹ گئے تھے، لیکن دوسرے ہی لمحے ایک اماجر نے اپنی حیرت اور خوف پر قابو حاصل کرکے اپنا بھالا اٹھایا اور لیو کی طرف، جو اس کے قریب تھا جھونک دیا۔

''بھاگو۔'' میں چیخا۔

اور ساتھ ہی میں غار کے اندر بھاگ پڑا اور اگر ممکن ہوتا تو میں باہر کھلے میدان میں پہنچ جاتا لیکن راستے میں اماجر تھے اس کے علاوہ آسمان کے پس منظر میں غار کے دہانے پر میں بہت سے لوگوں کو کھڑے دیکھ رہا تھا۔

بہرحال میں سیدھا بھاگتا رہا اور میرے پیچھے میرے ساتھی تھے اور ان کے پیچھے اماجر آدم خوروں کا ٹولا جا رہا تھا۔ عورت کی موت نے انھیں مارے غصے کے پاگل کردیا تھا۔

ایک ہی چھلانگ میں میں زمین پر پڑے ہوئے عبداللہ کو پھلانگ گیا اور اس وقت میں نے وہاں پڑے ہوئے دہکتے برتن کی تپش اپنی ٹانگوں پر محسوس کی اور ساتھ ہی یہ بھی دیکھا کہ عبداللہ کے ہاتھ ہل رہے تھے چنانچہ معلوم ہوا کہ اب بھی اس میں زندگی کی رمق باقی ہے۔

غار کے انتہائی سرے پر تین چار فٹ اونچا پتھر کا ایک چھوٹا سا پلیٹ فارم سا تھا جو آٹھ فٹ چوڑا تھا۔ اس پلیٹ فارم پر رات کے وقت دو بڑے چراغ رکھ دیئے جاتے تھے۔ اب یہ میں نہیں جانتا اور نہ ہی میں نے اس پر غور کیا کہ یہ پلیٹ فارم نشست کے لیے بنایا گیا تھا یا پھر غار کھودنے والوں نے اس پر کھڑے ہوکر کام کیا تھا اور پھر کام ہوجانے کے بعد اسے یونہی چھوڑ دیا تھا۔ بہرحال ہم اس پلیٹ فارم تک پہنچ گئے اور اچک کر اس پر چڑھ گئے۔ پھر ہم تینوں یعنی میں، جوب اور لیو اماجر کے مقابلے کے لیے تیار ہوگئے۔ ہم جانتے تھے کہ بچ نہ سکیں گے تاہم ہم آسانی سے مرنے کے لیے تیار نہ تھے۔

اماجر لوگوں نے جب ہمیں مقابلے کے لیے یوں تیار دیکھا تو وہ گھڑی بھر کے لیے ٹھٹک گئے۔ جوب پلیٹ فارم کے بائیں طرف، لیو بیچ میں اور میں دائیں طرف تھا۔ ہمارے پیچھے چراغ تھے۔



لیو نے قدرے آگے جھک کر الاؤ اور چراغ سے پیدا شدہ لمبے سایوں کی طرف دیکھا۔ اندھیرے اور روشنی کے ان سایوں میں ہمارے قاتل بننے والے آدم خوروں کے سائے حرکت کر رہے تھے ان کے بھالوں کے پھل چمک رہے تھے اور وہ سب کے سب خاموش تھے، لیکن ان کی یہ خاموشی لرزہ خیز تھی اور غار کے اندھیرے میں صرف ایک چیز صاف نظر آ رہی تھی اور وہ دہکتا ہوا مٹی کا برتن تھا۔ لیو کی آنکھوں میں عجیب طرح کی چمک آگئی تھی اور اس کے بشرے سے پتھر کو پگھلا دینے والا عزم عیاں تھا۔ اس کے دائیں طرف میں اس کا بڑا شکاری چاقو تھا۔ اس نے چاقو کا چرمی فیتہ چاقو کے دستے سے بندھا ہوا تھا لیو کی کلائی میں پڑا ہوا تھا کلائی پر ذرا اوپر کھسکا کر اپنی بانہیں میری گردن میں ڈال دیں اور مجھے گلے سے لگالیا۔

''الوداع بڑے میاں۔'' اس نے کہا۔ ''میرے دوست اور میرے والد سے بڑھ کر، ان بدمعاشوں کے مقابلے میں بچنے کی کوئی امید نہیں ہے۔ یہ لوگ چند منٹوں میں ہی ہمارا خاتمہ کردیں گے اور پھر شاید ہمیں کھا جائیں گے اور اس بھیانک انجام تک تمہیں میں نے پہنچایا ہے جس کے لیے امید ہے کہ تم مجھے معاف کردو گے۔ الوداع جوب!

''خدا کی مرضی پوری ہوگی۔'' میں نے جواب دیا اور دانت بھینچ کر انجام کے لیے تیار ہوگیا۔

عین اس وقت جوب نے ایک نعرے کے ساتھ اپنا پستول بلند کیا اور لبلبی دبا کر اس شخص کو مار گرایا، لیکن اس شخص کو نہیں جس کو نشانہ بنایا تھا بلکہ دوسرے شخص کو ہی کیونکہ، یہاں میں یہ بتادوں جوب جس چیز کو نشانہ بناتا تھا وہ ہمیشہ محفوظ رہتی تھی۔

اور پھر اماجر بہ صورت سیلاب دھنس آئے اور میں جتنی سرعت سے گولیاں چلا سکتا تھا چلانے لگا اور انھیں بہت حد تک روک دیا۔ اور ہمارے پستول خالی ہونے سے پہلے میں اور جوب، عورت کے علاوہ، پانچ چھے اماجر کو یا تو جہنم واصل کرچکے یا بری طرح سے زخمی کرچکے تھے۔ اب ہمارے پستول خالی تھے اور انھیں دوبارہ بھرنے کا ہمارے پاس وقت نہ تھا۔ پر وہ لوگ عجیب بے پروائی سے آگے بڑھتے رہے۔ ان کی یہ بے پروائی حیرت انگیز اور لرزہ خیز تھی کہ وہ جانتے نہ تھے کہ اب ہم ان لوگوں پر گولیاں نہ چلا سکتے تھے۔

ایک دیو قامت اماجر پلیٹ فارم پر چڑھ آیا اور لیو نے اپنے پرقوت بازو کے ایک ہی وار سے شکاری چاقو اس کے سینے میں دستے تک اتار دیا۔ وہ مردود اف تک کیے بغیر ڈھیر ہوگیا۔ میں نے بھی اپنے چاقو سے ایک اماجر کو مار گیا لیکن جوب کا نشانہ چوک گیا۔ اور میں نے دیکھا کہ ایک تگڑا اماجر اس

سے لپٹ گیا اور اسے اٹھا کر پلیٹ فارم کے نیچے پھینک دیا۔ جوب کا چاقو چونکہ چمڑے کے فیتے کے ذریعہ اس کی کلائی میں بندھا ہوا نہ تھا اس لیے وہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گرا اور لمحے بھر کے لیے اپنے دستے پر سیدھا کھڑا رہا اور یہ جوب کی خوش قسمتی تھی کہ عین اسی وقت جوب اور اماہجر نیچے گرے اماہجر چونکہ نیچے اور جوب اس کے اوپر تھا اس لیے کھڑا ہوا چاقو اماہجر کی پیٹھ میں اتر گیا۔ اس کے بعد جوب کا کیا بنا میں نہیں جانتا لیکن میرا خیال یہ ہے کہ وہ مردہ اماہجر پر بے حس و حرکت پڑا رہا اور بظاہر مردہ بنا رہا۔

اب رہا میں تو میرا یہ ہے کہ میں کچھ ہی دیر بعد دو اماہجروں سے الجھا ہوا تھا جو خوش قسمتی سے اپنے بھالے پیچھے ہی چھوڑ آئے تھے اور تب پہلی دفعہ میری وہ زبردست جسمانی قوت، جو قدرت نے مجھے عطا کی تھی، میرے کام آئی۔ میں نے اپنا چاقو، جو چھوٹی سی تلوار جتنا اور وزنی تھا، ایک اماہجر کے سر کی طرف جھونک دیا۔ چاقو اس کے کھوپڑی میں گھس کر اس کی آنکھوں تک اترتا چلا گیا اور پھر کھوپڑی کی ہڈی میں اس طرح پھنس گیا کہ جب وہ اماہجر مردہ ہو کر گرا تو چاقو میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

تب وہ دوسرے اماہجر مجھ پر ٹوٹ پڑے۔ میں نے ایک بازو ایک کی اور دوسرا دوسرے اماہجر کی کمر میں ڈال دیا اور پھر ہم تینوں پلیٹ فارم پر سے غار کے فرش پر گرے اور لڑھکنے لگے۔ اماہجر بڑے زور دار تھے لیکن میں مارے غصے کے دیوانہ ہو رہا تھا۔ میدان جنگ میں جب زندگی و موت کا سوال در پیش ہو تو جوش اور خوف کی پیاس ہر انسان میں سرایت کر جاتی ہے وہ مجھ میں بھی سرایت کر گئی تھی۔ میرے بازو دو شیطانوں کی کمر کے گرد تھے۔ میں اپنی گرفت مضبوط کرتا گیا۔ شکنجے کی سی گرفت تھی میری۔ یہاں تک کہ میں نے ان کی پسلیوں کو دبتے، مڑتے اور چٹختے محسوس کیا۔ وہ دونوں سانپوں کی طرح بل کھانے اور مجھ پر پنجے اور گھونسے چلانے لگے لیکن نہ تو میں نے انھیں چھوڑا اور نہ ہی اپنی گرفت ڈھیلی کی۔ میں چت پڑا ہوا تھا اور ان دونوں اماہجروں کو اپنے اوپر لے رکھا تھا کہ ان کے جسم مجھے بھالوں کے وار کے مقابلے میں ڈھال کا کام دیں اور اپنے مضبوط بازوؤں سے دبا دبا کر ان کے جسموں سے زندگی نچوڑ رہا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد ان دونوں نے ہاتھ پاؤں ڈال دیئے، ان کی سانسیں ختم ہو گئیں، ان کے ہوش جاتے رہے اور اب وہ مر رہے تھے لیکن اب بھی میں نے انھیں نہ چھوڑا کیونکہ وہ آہستہ آہستہ مر رہے تھے اور میں جانتا تھا کہ اگر میں نے انھیں چھوڑ دیا تو دونوں ہی کچھ دیر بعد نہ صرف ہوش میں آ جائیں گے بلکہ شاید حملہ کرنے کے قابل بھی بن جائیں گے۔ دوسرے ہم چونکہ اندھیرے میں پڑے ہوئے تھے شاید اسی لیے دوسرے وحشیوں نے سمجھ لیا کہ ہم تینوں مر گئے تھے۔ خواہ کچھ بھی ہو وہ بہرحال ہمارے اس لیے



ہم قتل نہ ہوئے۔ میرا مطلب ہے ہماری طرف متوجہ ہوئے۔

میں غار کے فرش پر پڑا اس زبردست جدوجہد کے بعد اپنا دم درست کر رہا تھا اور دونوں اماہجروں کو اب بھی اپنے سینے پر ہی لئے تھا تب میں نے گردن گھما کر دیکھا تو نظر آیا کہ لیو بھی اب پلیٹ فارم کے نیچے تھا لیکن وہ میری طرح گرا نہیں تھا بلکہ اب تک اپنی ٹانگوں پر کھڑا ہوا تھا۔ چراغوں کی روشنی براہ راست اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ اماہجر اس سے لپٹے ہوئے تھے اور اسے گرانے کی کوشش کر رہے تھے جس طرح کہ بھیڑیئے ہرن کو گرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ گرا کے کھا لیں ان ہاتھوں پاؤں چلاتے اور اس سے لپٹے ہوئے اماہجروں کے جم غفیر کے اوپر اس کا خوبصورت چہرہ نظر آ رہا تھا۔ اور اس کے سنہرے بال بکھر گئے تھے اور وہ بھوت کی طرح لڑ رہا اور چاقو چلا رہا تھا۔ اس کی اس لڑائی کا منظر بیک وقت مسحور کن اور بھیانک تھا۔ اس نے اپنا چاقو ایک اماہجر کے سینے میں تیرا دیا۔ اماہجر اتنے قریب تھے اور یوں الجھے ہوئے کہ لیو کو مارنے کے لیے اپنے بھالے نہ استعمال کر سکتے تھے اور ان لوگوں کے پاس چاقو یا ڈنڈے تھے نہیں۔ لیو نے جس پر چاقو سے وار کیا تھا وہ گرا اور خدا جانے کس طرح لیو کے ہاتھ سے چاقو چھوٹ گیا یا شاید چھڑا لیا گیا۔ بہرحال وہ بغیر ہتھیار کے رہ گیا اور میں نے سمجھا کہ اب خاتمہ قریب ہے لیکن نہیں۔ ایک زبردست جھٹکے کے ساتھ اپنے آپ کو چھڑا لیا۔ اس اماہجر کی لاش اٹھائی جسے اس نے ابھی ابھی قتل کیا تھا، اسے اپنے سر سے بلند کیا اور گھما کر اماہجر کے گروہ پر پھینک دیا۔ نتیجہ یہ ہوا لاش کے دھکے سے اور بوجھ سے پانچ چھ اماہجر دھڑام سے گرے لیکن دوسرے ہی لمحے وہ سب کے سب، سوائے ایک کے اٹھ کر کھڑے ہو چکے تھے۔ جو اٹھا نہ تھا اس کی کھوپڑی پھٹ گئی تھی۔ ایک بار پھر اماہجر اس سے لپٹ گئے اور پھر بڑی کوششوں سے اور آہستہ آہستہ ان بھیڑیوں نے شیر کو گرا لیا۔ لیکن اس عالم میں بھی لیو کوشش کر کے اور اپنے جسم کی ساری قوت بروئے کار لا کر اٹھا اور ایک اماہجر کے جبڑے پر اتنے زور سے گھونسہ رسید کیا کہ اس کی آواز میں نے بھی سنی۔ لیکن تنہا ایک شخص اتنے بہت سے وحشیوں کا مقابلہ کب تک کر سکتا تھا؟ آخر کار وہ تناور درخت کی طرح غار کے چٹانی فرش پر گرا اور اس کے ساتھ وہ بھی گرے جو اس سے لپٹے ہوئے تھے۔ اماہجروں نے اس کے ہاتھ اور پاؤں پکڑ کر اسے فرش پہ ٹانگ دیا اور اب وہ اماہجر ہٹ گئے جو اس کے سینے پر سوار تھے۔

"بھالا۔" ایک آواز نے چیخ کر کہا۔ "اسے ذبح کرنے کے لیے بھالا اور اس کا خون لینے کے لیے برتن لاؤ۔ جلدی کرو۔"

میں نے دیکھا کہ ایک وحشی بھالا اٹھانے کے لیے دوڑ گیا اور تب میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور میں لیو کی مدد بھی نہ کر سکتا تھا کیونکہ میں حد درجہ کمزوری محسوس کر رہا تھا۔ وہ دونوں اماجر جنہیں میں نے دبوچ رکھا تھا، اب تک مرے نہ تھے اور بے پناہ کمزوری مجھ پر حاوی ہو چلی تھی اور طبیعت بری طرح سے مالش کر رہی تھی۔

پھر یکایک بھوجھم پچھاڑ کی آوازیں سنائی دیں۔ میں نے آنکھیں کھول کر مقتل کی طرف دیکھا۔ استین نے اپنے آپ کو چت پڑے ہوئے لیو پر اس طرح ڈال دیا تھا کہ اس کے نازک جسم نے لیو کو سر سے پیر تک ڈھک لیا تھا اور وہ لیو سے لپٹ گئی تھی۔ اماجروں نے اسے اٹھانے اور گھسیٹنے کی کوشش کی تھی تو استین نے اپنی ٹانگیں لیو کی ٹانگوں میں پھنسا لیں اور اماجر اسے لیو پر سے اٹھا نہ سکے۔ چنانچہ اماجروں نے بھالوں سے لیو کے پہلوؤں پر وار کیے لیکن استین خدا جانے کس طرح اس طرف بھی ڈھال بنا گئی تاہم لیو زخمی ضرور ہو گیا۔

آخرکار ان وحشیوں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

"میں کہتا ہوں اس لڑکی اور سفید فام اجنبی کے جسموں کو بیک وقت چھلنی کر دو بھالے سے۔"
اسی آواز نے کہا جس نے جشن کے وقت سوالات پوچھے تھے۔ "ہاں" ایک ہی وقت میں ان کا خاتمہ کر دو تاکہ اس نئے طریقے سے دونوں کی شادی ہو جائے۔"

اور تب میں نے ایک اماجر کو بھالا بلند کر کے سیدھا کھڑے ہوئے دیکھا کہ وہ ایک ہی پر قوت ضرب سے بھالا استین اور لیو کے جسموں سے گزار دے۔ بھالے کا پھل بجلی کی طرح چمک گیا اور ایک بار پھر میں نے آنکھیں بند کر لیں۔

ابھی میں نے آنکھیں بند کی ہی تھیں کہ رعب دار مردانہ آواز بادل کی گرج کی طرح غار کی چٹانوں سے ٹکرائی۔

"بس ــــ رک جاؤ۔"

اور پھر مجھ پر غشی طاری ہو رہی تھی تو میرے ماؤف ہوتے ہوئے دماغ میں ایک خیال رینگ رہا تھا کہ میری یہ غشی آخری تھی جس میں سیدھا موت کی آغوش میں پہنچ جاؤں گا۔

☆☆



## نواں باب

# ننھا پیر

جب مجھے ہوش آیا اور میں نے آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو ایک نرم اور بال دار کھال پر اور اس بڑے الاؤ کے قریب جس میں اس خوفناک ضیافت کے لیے برتن دہکایا گیا تھا، لیٹے پایا۔ میرے قریب ہی لیو پڑا تھا وہ اب بھی بے ہوش تھا اور اس پر استین جھکی ہوئی تھی۔ لیو کے پہلو میں بھالے کا گہرا زخم تھا۔ استین ٹھنڈے پانی سے یہ زخم دھو کر اس پر پٹی باندھ رہی تھی۔ اس کے عقب میں غار کی چٹانی دیوار سے ٹیک لگائے جوب کھڑا ہوا تھا۔ وہ زخمی نہ تھا البتہ اس کے جسم پر خراشیں تھیں اور وہ کانپ رہا تھا۔ الاؤ کے دوسری طرف ان اماجروں کی لاشیں، جو اس بھیانک جھڑپ میں ہماری گولیوں اور چاقوؤں سے مارے گئے تھے، یوں پڑی ہوئی تھیں جیسے بہت لمبے سفر کی تھکن سے نڈھال ہو کر ان لوگوں نے اپنے آپ کو فرش پر ڈال دیا ہو اور پھر اسی حالت میں سو گئے ہوں۔ میں نے ان لاشوں کو شمار کیا تو وہ بارہ تھیں۔ عورت اور عبداللہ کی لاش اس کے علاوہ تھی۔ عبداللہ بیچارا خود میری گولی سے مارا گیا تھا۔ اس کے قریب ہی مٹی کا وہ برتن پڑا تھا جو اس کے سر پر رکھنے کے لیے دہکایا گیا تھا اور جو اب ٹھنڈا پڑ چکا تھا۔ بائیں طرف چند آدمی بقیہ آدم خوروں کو دو دو کی قطاروں میں رسیوں سے باندھنے میں مصروف تھے۔ وہ ان کے بازو آپس میں باندھ رہے تھے۔ یہ آدم خور خاموش تھے اور ذرا بھی جدوجہد نہ کر رہے تھے البتہ ان کی آنکھوں کی شیطانی چمک اب تک بجھی نہ تھی۔ ان قیدیوں کے سامنے کوئی اور نہیں بلکہ ہمارا بوڑھا دوست بلالی کھڑا باندھنے والوں کو مناسب ہدایتیں دے رہا تھا۔ وہ کچھ تھکا ہوا لیکن پر رعب معلوم ہوتا تھا۔ اس کی لمبی سفید داڑھی لہرا رہی تھی اور وہ یوں پرسکون اور بے پرواہ تھا جیسے بیل کو اپنی زیر نگرانی ذبح کروا رہا ہو۔

چند ثانیوں بعد ہی وہ ہماری طرف گھوم گیا اور یہ دیکھ کر میں اٹھ کر بیٹھ گیا ہوں میرے قریب آیا اور بڑے اخلاق سے کہا کہ اسے یقین ہے کہ اب میری طبیعت بہتر ہو گی۔ میں نے جواب دیا کہ فی الحال تو میں کچھ بھی سمجھنے اور محسوس کرنے سے قاصر ہوں سوائے اس کے کہ پورا جسم درد کر رہا ہے۔

اب بالی نے جھک کر لیوے کے زخم کا معائنہ کیا۔

"ہم۔م۔م۔زخم گہرا ہے۔" وہ بولا "لیکن چونکہ بھالے نے احشاء کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے اس لیے فکر کی کوئی بات نہیں۔ یہ صاحب جلد ہی ٹھیک ہو جائیں گے۔"

"اے میرے باپ! شکر ہے کہ تم آ گئے۔" میں نے کہا۔ "اگر تم ذرا دیر کر کے آتے تو ہم سب بھی ٹھیک نہ ہوتے کیونکہ تمہارے یہ شیطان ساتھی ہم سب کو اسی طرح مارنا چاہتے ہیں جس طرح انھوں نے ہمارے اس ساتھی کو مار دیا ہوتا۔"

میں نے عبداللہ کی لاش کی طرف اشارہ کیا۔

بوڑھا بلالی دانت پیسنے لگا۔ آج پہلی دفعہ میں نے اسے ایسا کرتے دیکھا تھا اور میں نے کچھ اور بھی دیکھا اس کی آنکھوں میں بغض دیکھنے کی حیرت انگیز اور غیر معمولی چمک آ گئی۔

"گھبراؤ نہیں میرے بیٹے!" وہ بولا۔ "ان لوگوں کو سزا دی جائے گی اور ان سے انتقام لیا جائے گا اور یہ انتقام ایسا ہوگا کہ اس کے سننے سے ہی اچھے اچھے پتھر دل لوگوں کا دلوں کا گوشت بھی ان کی ہڈیوں پر سکڑ جائے گا۔ یہ لوگ اس کے پاس جائیں گے جس کا حکم ماننا فرض ہے اور اس کا انتقام اس کے شایان شان ہوگا۔ یہ شخص" اور اس نے عبداللہ کی طرف اشارہ کیا "اگر اس طرح مرتا جس طرح ان لکڑبگھوں نے اسے مارنا چاہا تھا تب بھی اس کی موت اتنی سخت نہ ہوتی جتنی سخت موت ان کمینوں کی ہوگی۔ مجھے بتاؤ بیٹے! کہ یہ سب کیسے ہوا اور کیا ہوا؟"

چنانچہ میں نے جو کچھ ہوا تھا وہ مختصراً بیان کر دیا۔

"آہا" اس نے سر ہلایا "تو تم نے دیکھا میرے بیٹے! کہ یہاں یہ رسم ہے کہ جب کوئی اجنبی اس علاقے میں آتا ہے تو اسے گرم برتن سے مار کر کھا لیا جاتا ہے۔"

"یہ میزبانی کی اوندھی رسم ہے یہاں۔" میں نے جواب دیا۔ "ہمارے ملک میں جب کسی کے یہاں کوئی مہمان آتا ہے تو ہم اسے کھلا کر خوش ہوتے ہیں اور یہاں تم لوگ خود مہمان کو کھا کر خوش ہوتے ہو۔"

"یہ رسم ہے بیٹے۔" اس نے اپنے شانے اچکائے۔ "البتہ جہاں تک میرا تعلق ہے میں اس رسم کو بہت برا سمجھتا ہوں تاہم" اس نے کچھ سوچ کر اضافہ کیا۔ "میں خود بھی ان اجنبیوں کو پسند نہیں کرتا، خصوصاً اس وقت جب وہ دلدلیں عبور کر جاتے اور پرندوں کو مار کھاتے ہیں۔ بہرحال جب اس نے



... اپنے ... اس کالی چڑی نے ... حکم بھیجا کہ تمہیں بچا لیا جائے تو اس نے ... جس کا حکم ماننا فرض ہے یہ ... تھی۔ مجھے اچھا ... کہ ... چونکہ یہ لوگ لکڑبگھے ہیں اس لیے ان کے منہ میں پانی بھر آیا اور یہ وہ عورت ہی کی ... گرم برتن کرنے ... ختم کر دیا کہ وہ اسی قابل تھی جس نے ان لوگوں کو تمہاری ساتھی کے لئے ... کے غضب ... کر لیا۔ بہرحال انھیں اس کی سزا مل جائے گی۔ یہ لوگ وہ جس کا حکم ماننا فرض ہے ... تمہارے ... گے۔ اس سے تو اچھا ہوتا کہ یہ لوگ پیدا ہی نہ ہوئے ہوتے۔ چنانچہ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو تمہارے ہاتھوں مر کر حیاہ کے غضب سے بچ گئے۔"

"آہا" چند ثانیوں کے توقف کے بعد بلالی نے پھر کہنا شروع کیا۔ "بڑی بہادرانہ جنگ کی ہے تم نے۔ جانتے ہو تم اے لمبے بازوؤں والے لنگور کہ تم نے دو اماحجروں کی پسلیاں یوں توڑ دی ہیں جیسے وہ پسلیاں نہ ہوں بلکہ انڈے کے خول ہوں؟ اور یہ نوجوان —— یہ شیر —— بڑا مقابلہ کیا ہے اس نے بھی۔ اتنے بہت سے لکڑبگھوں کا اس اکیلے نے مقابلہ کیا۔ تین کو تو اس نے فوراً اس دنیا سے رخصت کیا اور یہ" بالی نے ایک اماحجر کی طرف اشارہ کیا جس میں زندگی کی رمق باقی تھی، "جلد ہی مر جائے گا کیونکہ اس کی کھوپڑی ٹوٹ گئی ہے اور ان میں سے بھی، جنھیں باندھا گیا ہے اکثر زخمی ہیں۔ بڑی عمدہ جنگ کی ہے تم نے اور اس طرح تم نے اور اس شیر نے مجھے اپنا دوست بنا لیا ہے، کیونکہ مجھے اچھی طرح سے لڑی ہوئی جنگ اور بہادرانہ کارنامے پسند ہیں لیکن اب اے میرے لنگور بیٹے۔ آ —— ہا —— میں دیکھتا ہوں کہ چہرے پر بال ہیں اور تمہارا چہرہ لنگور کے چہرے سے مختلف نہیں —— ہاں تو اے میرے لنگور بیٹے! اب یہ بتاؤ کہ تم نے یہ کیسے کیا کہ ان کے جسموں میں سوراخ کر کے انھیں مار دیا؟ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ پہلے تو تم نے دل دہلا دینے والی گرج پیدا کی اور اس گرج سے ہی تم نے انھیں مار ڈالا —— یہ کیسے ہوا کہ گرج سے ہی یہ لوگ اوندھے منہ گر کر مر گئے؟"

اس وقت میں حد درجہ کی نقاہت محسوس کر رہا تھا اور بولنا نہ چاہتا تھا لیکن پھر یہ بات بھی تھی کہ بالی جیسے بزرگ کو جو اس علاقے میں ہمارا تنہا دوست تھا، خفا کرنا بھی نہ چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے جہاں تک ممکن تھا اسے بارودی ہتھیاروں کے متعلق سمجھانے کی کوشش کی۔ وہ غور اور توجہ سے سنتا رہا اور جب میں خاموش ہوا تو اس نے سر ہلا کر کہا۔

"بات یوں سمجھ میں نہیں آتی اور اگر آتی ہے تو یقین نہیں آتا چنانچہ تم یوں کرو کہ ان قیدیوں میں سے ایک کو دھماکے کے ساتھ اور دور سے مار گراؤ تاکہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں کہ تم

نے جو کہا ہے وہ غلط تو نہیں ہے۔ یہ تجربہ دیکھ کر مجھے نہ صرف مزا آنے گا بلکہ تم ایک لکڑ بھگے سے انتقام بھی لے لو گے۔"

لیکن جب میں نے یہ جواب دیا تو اسے بڑی حیرت ہوئی کہ ہم بیدردی سے کسی کو قتل نہیں کرتے اور یہ کہ ہم مجرم کو قانون کے حوالے کر دیتے ہیں اور انصاف اسی پر چھوڑ دیتے ہیں۔ البتہ میں نے کہا، جب میں تندرست ہو کر چلنے پھرنے لگ جاؤں گا تو اسے اپنے ساتھ شکار کرنے لے جاؤں گا اور تب وہ خود "کرج" پیدا کر کے ایک جانور کا شکار کرے گا۔ میری اس تجویز سے بوڑھا بلالی اس بچے کی طرح خوش ہو گیا جس سے نئے کھلونوں کا وعدہ کیا گیا ہو۔

عین اسی وقت لیو نے آنکھیں کھول دیں کیونکہ جوب نے اس کے حلق میں تھوڑی سی برانڈی، جو ہمارے پاس موجود تھی، ٹپکا دی۔ چنانچہ میری اور بلالی کی گفتگو یہاں ختم ہو گئی۔

اس کے بعد ہم لیو کو اٹھا کر اس کے بستر تک لے گئے۔ یعنی جوب، میں اور وہ بہادر لڑکی اُستین۔ اس لڑکی نے جان پر کھیل کر میرے بچے کی زندگی بچائی تھی اور اگر مجھے اُستین کی خفگی کا خیال نہ ہوتا تو اس کی اس بہادری اور احسان سے خوش ہو کر میں نے اس کا منہ چوم لیا ہوتا۔ لیکن وہ جوان تھی اور میری اس حرکت کے یقیناً غلط معنی لیے جاتے۔ چنانچہ میں دل پر جبر کر کے اس سے یعنی اس کا منہ چوم لینے سے باز رہا۔

اس کے بعد میں خود اپنے حجرے میں پہنچ کر اپنے بستر پر لیٹ گیا اور مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ یہ حجرہ جو حقیقت میں مقبرہ تھا، میرا مقبرہ نہ بن گیا اور یہ کہ اس وقت یہاں میری لاش نہیں بلکہ میں خود زندہ لیٹا ہوا ہوں۔ بہت کم لوگ موت کی عین دہلیز سے واپس آئے ہوں گے جس طرح اس دن ہم واپس آئے تھے۔

یوں بھی میں گہری اور بے خواب نیند نہیں سوتا، لیکن اس رات جب میں نے آنکھیں بند کیں تو بڑے ہی لرزہ خیز خواب نظر آئے۔ عبداللہ جو دہکتے ہوئے برتن سے بچنے کے لیے دیوانہ وار ہاتھ پاؤں چلا رہا تھا اور پھر ہر خواب کے پس منظر میں ایک نقاب پوش شبیہ یا سایہ برابر نظر آتا رہا۔ یہ سایہ وقتاً فوقتاً اپنی نقاب اٹھا دیتا تھا۔ نقاب اٹھنے کے بعد کبھی تو ایک بے حد خوبصورت عورت کا چہرہ نظر آتا اور کبھی انسانی کھوپڑی پنجر جب بھی نقاب اٹھاتا تو بڑے پراسرار اور بے معنی جملے کہتا۔

"وہ جو زندہ ہوتا ہے موت کا ذائقہ چکھتا ہے۔ ہر جاندار کے لیے موت ہے اور وہ جو مر چکا ہے تاہم کبھی نہ مرے گا اور جو مرتا ہے وہ مرا نہیں ہے کیونکہ روح کے دائرے میں زندگی چھپتی ہے



موت کچھ نہیں ہے۔ اس تمام چیزیں ہمیشہ رہتی ہیں حالانکہ کبھی یوں ہوتا ہے کہ وہ سو جاتی ہیں اور بھلا دی جاتی ہیں۔"

آخر کار رات ختم ہوئی اور جب صبح ہوئی تو اس کے ساتھ یہ انکشاف بھی ہوا کہ میرا جسم اس بری طرح سے اکڑ گیا تھا کہ اٹھ ہی نہ سکتا تھا۔ سات بجے جوب آ گیا۔ وہ بری طرح سے لنگڑا رہا تھا اور اس کے گول چہرے کا رنگ سڑے سیب کے چھلکے کا سا ہو رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ لیو گہری اور پر سکون نیند سویا لیکن وہ بہت زیادہ کمزور ہو رہا تھا۔ دو گھنٹے بعد بلالی ہاتھ میں چراغ لیے آ گیا۔ اس کا قد اتنا لانبا تھا کہ اس کا سر حجرے کی چھت کو تقریباً چھو رہا تھا (جوب بلالی کو بکرا کہتا تھا۔ شاید اس کی داڑھی کی وجہ سے یا صرف تلی کہتا تھا) میں آنکھیں موند کر سوتا بن گیا تھا اپنی پپوٹوں کی درازوں میں سے بلالی کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنی عقاب جیسی نظر میرے چہرے پر گاڑ دی اور اپنی سفید خوبصورت داڑھی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

"ہم" میں نے اسے بڑبڑاتے سنا — بلالی کو آپ ہی آپ بڑبڑانے کی عادت تھی۔ "بہت بدصورت ہے — اتنا ہی بدصورت جتنا کہ دوسرا خوبصورت ہے۔ لنگور ہے پورا — واہ بہت عمدہ نام ہے یہ لنگور — لیکن مجھے یہ آدمی پسند ہے۔ عجیب بات ہے کہ اس عمر میں میں کسی کو پسند کرنے لگا ہوں۔ کیا ہے وہ مثل؟ ہاں — کسی بھی مرد پر اعتبار نہ کرو اور اسے قتل کر دو جو تمہارے نزدیک سب سے بری شے ہے کہ آخر میں تمہیں برباد کر دیتی ہے۔ بہت عمدہ مثل ہے یہ اس کے باوجود مجھے یہ لنگور پسند ہے۔ حیران ہوں کہ اس نے یہ ساری باتیں کہاں سے سیکھی ہیں۔ بہت زیادہ ہوشیار ہے۔ امید ہے کہ حیاہ اسے مسحور نہ کرے گی۔ بیچارا میرا لنگور! اس لڑائی کے بعد تھک گیا ہو گا۔ چنانچہ اب مجھے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔ مبادا میں اسے بیدار کر دوں۔

میں بدستور بن کر سوتا رہا۔ بلالی پلٹ کر پنجوں کے بل چلتا ہوا دروازے تک پہنچ گیا اور تب میں نے آنکھیں کھول کر اسے آواز دی۔

"کون ہو؟" میں نے کہا۔ "تم ہو اے میرے باپ!"

"ہاں میرے بیٹے! میں ہی ہوں، لیکن مناسب ہو گا کہ میں تمہارے آرام میں خلل نہ ڈالوں۔ میں تو صرف یہ دیکھنے آیا تھا کہ اب تمہاری طبیعت کیسی ہے اور یہ بتانے آیا تھا کہ ان لوگوں کو جنھوں نے تمہیں قتل کر دیا تھا، حیاہ کی طرف روانہ کر دیا گیا ہے اور اب تک وہ کافی دور پہنچ گئے ہوں

گے۔ حیاو نے کہا ہے کہ تمہیں بھی فوراً وہاں اس کے پاس پہنچنا چاہئے لیکن مجھے خوف ہے کہ فی الحال تم سفر کے قابل نہیں ہو۔"

"ہاں" میں نے کہا۔ "جب تک ہماری طبیعت بحال نہیں ہو جاتی تب تک ہم حیاو کے پاس نہیں جا سکتے، لیکن اے میرے باپ! التجا ہے تم سے کہ مجھے باہر دن کی روشنی اور کھلی ہوا میں لے چلو کیونکہ یہ اندھیری جگہ تو مجھے پسند نہیں ہے۔"

"اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔" بلالی نے کہا۔ "بڑی اداس جگہ ہے یہ۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے اپنی جوانی میں ایک خوبصورت عورت کی لاش کو اسی پتھر پر لیٹے دیکھا تھا جس پر اس وقت تم لیٹے ہو۔ اتنی خوبصورت تھی وہ اور اپنے سفید موت کے لباس میں ایسی پرسکون معلوم ہو رہی تھی وہ۔ خود بھی سفید تھی اور اس کے بال زردی مائل سنہرے تھے اور اتنے لمبے کہ اس کے پیروں تک آتے تھے۔ ایسی بہت سی لاشیں اب بھی ان غاروں میں ہیں جہاں حیاو رہتی تھی۔ اس زمانے کے لوگ اپنے پیاروں کی لاشوں کو سڑنے گلنے اور مٹی ہونے سے بچانے کے طریقوں سے واقف تھے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ لوگ ایسا کس طرح کرتے تھے۔ — تو میں روز روز یہاں آتا اور اس خوبصورت عورت کی لاش کو دیکھا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ — مجھ پر ہنسنا نہیں میرے بیٹے! کیونکہ اس وقت میں ایک احمق لڑکا تھا — میں اس سے محبت کرنے لگا، ہاں بیٹے! اس بے جان جسم سے محبت کرنے لگا، اس خول سے محبت کرنے لگا جس میں کبھی جان تھی۔ میں یہاں آتا اور اس کے سرد ہونٹ چوم کر سوچتا کہ جب وہ زندہ تھی تب سے اب تک جانے کتنے دور گزر گئے ہوں گے، کتنے لوگ پیدا ہوئے اور مرے ہوں گے اور یہ کہ جب وہ زندہ تھی تو کس نے اس سے محبت کی اور اس کے گرم ریشمی جسم کو اپنی آغوش میں لیا ہوگا۔ اور اے میرے لنگور میں نے اسی لاش سے، میرا خیال ہے، دانائی اور عقل مندی حاصل کی۔ اسی لاش نے مجھ پر دنیا کی بے ثباتی ظاہر کی، اسی نے بتایا کہ زندگی مختصر ہے اور موت کی نیند ابدی ہے اور یہ کہ اس دنیا کی ہر چیز اسی ایک راستے پر آخرکار روانہ ہو جاتی ہے۔ اور پھر دنیا والے اسے بھول جاتے ہیں۔ چنانچہ یوں میں سوچتا رہا اور مجھے یوں محسوس ہوا کہ دانائی کے سوتے اس لاش سے پھوٹ کر مجھ میں سرایت کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دن میری ماں نے، جو بڑی تیز نظر تھی، دیکھا کہ میں تبدیل ہو گیا ہوں اور ہو رہا ہوں چنانچہ ایک دن وہ میرے پیچھے لگ گئی اور چپکے ہی چپکے اس نے میرا تعاقب کیا اور دیکھا کہ میں کہاں جاتا ہوں اور کس کے سامنے گھٹنوں تک کھڑا رہتا ہوں۔ میری ماں بڑی توہم پرست تھی چنانچہ اس نے



سمجھا کہ اس مردہ عورت نے مجھ پر سحر کر دیا ہے۔ اور اس کا یہ خیال غلط بھی نہ تھا۔ اس خوف سے کہ میں اس کے ہاتھ سے نکل نہ جاؤں میری ماں نے اس خوبصورت عورت کی لاش کو اس پتھر پر سے اٹھایا، سامنے والی دیوار سے اسے کھڑا کر دیا میرے ہاتھ سے چراغ لیا اور میری مردہ محبوبہ کے بالوں میں آگ لگا دی اور میرے بیٹے! میری وہ محبوبہ خشک لکڑی کی طرح سر سے پیر تک جل کر راکھ ہو گئی کیونکہ جن لاشوں کو یوں محفوظ کیا جاتا ہے وہ اسی طرح جلتی ہیں۔

"میرے بیٹے! اس کے جلنے کا دھواں اب بھی اس مقبرے کی چھت سے چپکا ہوا ہے۔ وہ دیکھو۔"

میں نے چھت کی طرف دیکھا۔ واقعی چھت پر تین ساڑھے تین فٹ کے حصہ میں کالک لگی ہوئی تھی۔ یہ کالک اس غار کی اس دیوار پر بھی ہوگی جہاں لاش کو کھڑی کر کے سلگایا گیا تھا، لیکن زمانے نے یہ کالک تو مٹا دی تھی لیکن چھت پر جوں کی توں موجود تھی۔

"وہ سلگ گئی۔" بلالی نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "سر سے پیروں تک سلگ گئی لیکن واپس آ کر میں نے پیر کاٹ لیے۔ اور بچا لیے۔ جلی ہوئی ہڈیاں کاٹ کر میں نے پیر بچا لیے اور انہیں اسی پتھر کے نیچے چھپا دیا۔ یہ واقعہ مجھے یوں یاد ہے کہ جیسے ابھی کل کا ہی واقعہ ہے۔ اگر کسی کو وہ پیر نہیں ملے ہیں تو شاید اس وقت تک وہ وہیں ہوں گے۔ بات یہ ہے کہ اس دن کے بعد سے اس وقت تک میں اس مقبرے میں نہیں گیا۔ ٹھہرو۔ میں دیکھتا ہوں۔"

بلالی نے جھک کر سل کے نیچے والی دراز میں ہاتھ ڈال دیا اور ٹٹولنے لگا۔ چند ثانیوں بعد ہی اس کے چہرے پر دمک آ گئی اور حیرت و خوشی کی ایک چیخ کے ساتھ اس نے کوئی چیز سل کے نیچے سے گھسیٹ لی۔ اس پر دھول اور مٹی کی تہہ چڑھی ہوئی تھی۔ بلالی نے زمین پر پٹخ کر دھول جھاڑ دی۔ دھول کی تہہ کے نیچے سے میلا اور سڑا ہوا کپڑا نکل آیا جو کسی چیز پر احتیاط سے لپٹا ہوا تھا۔ اس نے یہ کپڑا کھولا تو میری حیرت زدہ آنکھوں نے دیکھا کہ یہ ایک بے حد خوبصورت اور نازک پیر تھا۔ کسی عورت کا پیر تھا اور اتنا صاف ستھرا اور تازہ جیسے اسے کل ہی پتھر کے سل کے نیچے رکھا گیا ہو۔

"دیکھا میرے بیٹے لنگور!" بلالی نے کہا۔ "اب تمہیں یقین آیا کہ میں سچ کہہ رہا تھا۔ اس خوبصورت عورت کی لاش کا یہ ایک پیر باقی رہ گیا ہے۔ یہ لو بیٹے! اور دیکھو اسے۔"

چنانچہ میں نے وہ سرد پیر اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ ایک فانی ہستی کی آخری نشانی۔ اب میں اسے چراغ کی روشنی میں دیکھ رہا تھا۔ اس وقت میرے دل میں حیرت، خوف، ہنسی اور افسوس کے ملے

جلے جذبات کچھ اس طرح موجزن تھے کہ میں انھیں الفاظ میں بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ بہت ہلکا پیر تھا یہ جب اس میں جان ہوگی تو وہ اتنا ہلکا نہ رہا ہوگا۔ اس پر کا گوشت بظاہر سڑا ہوا نہ تھا۔ اس میں سے ایک عجیب قسم کی بو اٹھ رہی تھی اور وہ نہ سکڑا تھا۔ نہ اس پر جھریاں پڑی تھیں اور نہ ہی وہ سیاہ ہوا تھا۔ چنانچہ میں کہہ سکتا ہوں کہ یہاں کے لوگ، قدیم زمانے کے لوگ، لاشوں کو حنوط کرنے کے بہترین اور کامیاب ترین طریقے سے واقف تھے۔

بیچارا ننھا پیر! میں نے اسے پتھر کی سل پر رکھ دیا جہاں وہ ہزاروں سال تک رہا تھا اور سوچنے لگا کہ اس ننھے پیر نے کس قدر حسین ہستی اور سڈول جسم کو سنبھالا ہوگا — پہلے بچی کو، پھر نوجوان اور شرمیلی لڑکی کو اور پھر خوبصورت عورت کو، ہائے! کس خوش نصیب مرد نے اپنی خواب گاہ میں لیٹے لیٹے اس ننھی پیر کی چاپ کو اپنی طرف بڑھتے سنا ہوگا۔

میں نے پیر پھر ان ہی چیتھڑوں میں، جو یقیناً کفن کا بقایا تھا، لپیٹ دیا اور اسے اپنے سنہرے تھیلے میں چھپا دیا۔ پھر بلالی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر لڑکھڑاتے قدموں سے چلتا لیو کے حجرے میں پہنچا۔ وہ بری طرح سے زخمی تھا اور مجھ سے زیادہ کمزور ہو رہا تھا۔ اس کا رنگ سفید ہو رہا تھا غالباً اس لیے کہ اس کے زخموں سے کچھ زیادہ ہی خون بہہ گیا تھا اس کے باوجود بشاش تھا اور ناشتہ طلب کر رہا تھا۔ جوب اور اُستین نے اسے اٹھا کر اسٹریچر پر، جس کے بانس نکال لئے گئے تھے، ڈال دیا اور بلالی کی مدد سے اسے اٹھا کر غار کے دہانے پر اور سائے میں لے آئے۔ گزشتہ رات کے قتل وخون کی ساری علامتیں یہاں سے ہٹا دی گئی تھیں۔ وہاں بیٹھ کر ہم نے ناشتہ کیا اور وہ دن اور آئندہ کے دو دن اسی جگہ گزار دیئے۔

تیسری صبح میری اور جوب کی حالت بہتر ہو چکی تھی۔ لیو کی طبیعت بھی نسبتاً بحال ہو چکی تھی۔ چنانچہ میں بلالی کی درخواست قبول کر کے کور کی طرف روانہ ہونے کے لیے تیار ہو گیا۔ بلالی نے بتایا کہ یہ ''کور'' اس جگہ کا نام تھا جہاں ''حیاہ'' یا ''وہ جس کا حکم ماننا فرض ہے'' یا ''وہ جو حکم کرتی ہے'' رہتی تھی۔

اگر بلالی کے مسلسل اصرار نے میرے دل میں یہ شک نہ پیدا کر دیا ہوتا کہ اگر ہم روانہ نہ ہوں گے تو کسی مصیبت میں پھنس جائیں گے تو یقیناً چند دنوں تک یہیں رہنا پسند کرتا کیونکہ لیو کا زخم ابھی کچا تھا اور مجھے خوف تھا کہ اس سفر میں وہ کھل جائے گا، لیکن بلالی کے اصرار سے میرے دل میں خطرے کا جو احساس پیدا ہو گیا تھا اس کی وجہ سے میں اس سفر کے لیے تیار ہو گیا۔

☆☆



## دسواں باب

# روانگی

روانگی کے متعلق ہمارے آخری اور قطعی فیصلے کے ٹھیک ایک گھنٹہ بعد پانچ پالکیاں غار کے دہانے پر لائی گئیں۔ ہر پالکی کے ساتھ چار پالکی بردار دو زائد آدمی تھے کہ پالکی برداروں کا بوجھ تقسیم کرتے رہیں۔ ان کے ساتھ پچاس مسلح لمبا حجر بھی آ گئے۔ یہ ہمارا محافظ دستہ یا بدرقہ تھا اور یہی لوگ ہمارا سامان بھی اٹھانے والے تھے۔ ان میں سے تین پالکیاں ہمارے لیے تھیں اور ایک بلالی کے لیے جو ہمارے ساتھ چلنے والا تھا۔ یقین کیجئے یہ معلوم کر کے میں نے اطمینان کا سانس لیا کیونکہ بلالی کی موجودگی میں میرا خیال تھا، کوئی ہمیں کسی قسم کا نقصان نہ پہنچا سکتا تھا۔ عجیب رعب تھا اس بوڑھے کا۔ پانچویں بڑی پالکی میں نے سوچا اُستین کے لیے تھی۔

''ارے میرے باپ! بانو بھی ہمارے ساتھ چل رہی ہے؟'' میں نے بلالی سے پوچھا جو کھڑا اپنی زیرِ نگرانی مناسب انتظامات کروا رہا تھا۔

بلالی نے شانے اچکائے اور پھر کہا۔

''اگر وہ چلنا چاہے۔ بات یہ ہے کہ میرے بیٹے کہ ہمارے یہاں عورتیں آپ اپنی مرضی کی مالک ہوتی ہیں۔ ہم ان کی پوجا کرتے اور آزاد چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ ان کے بغیر دنیا چل ہی نہیں سکتی۔ عورتیں زندگی کا مخرج ہیں۔

''اوہ!'' میں نے کہا کیونکہ اس معاملے میں مَیں نے پہلے کبھی اس رخ سے سوچا ہی نہ تھا۔

''ہم ان کی پوجا کرتے ہیں۔'' بلالی نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''یہاں تک کہ وہ ناقابلِ برداشت بن جاتی ہیں اور ان کی یہ حالت'' اس نے اضافہ کیا ''ہر دوسری نسل میں ہو جاتی ہے۔''

''اور تب تم کیا کرتے ہو؟'' میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

''تب'' اس نے دھندلی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔ ''ہم اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور انھیں قتل کر دیتے ہیں کہ نئی نسل اس سے سبق حاصل کرے اور اس طرح ہم ان پر ظاہر کر دیتے ہیں کہ ہم

عورتوں سے بہر حال پر قوت اور برتر ہیں۔ میری بیوی غریب بھی تین سال پہلے اسی طرح ماری گئی تھی۔ بڑی افسوسناک اور غم ناک بات تھی یہ۔ لیکن سچ کہتا ہوں بیٹے! اس کے بعد سے زندگی بڑی پرسکون اور خوشگوار بن گئی ہے کیونکہ میرے بڑھاپے نے مجھے لڑکیوں سے بچا رکھا ہے۔"

"مختصر یہ کہ" میں نے ایک سیاست داں کا مقولہ دہرایا "تمہیں اب وہ زندگی مل گئی ہے جس میں آزادی زیادہ ہے اور ذمہ داری کم۔"

اس مقولے کے ابہام نے پہلے تو بلالی کو الجھا دیا اور وہ اس کا مطلب سمجھ نہ سکا حالانکہ میں سمجھتا ہوں کہ میرا ترجمہ غلط نہ تھا، لیکن پھر وہ سمجھ گیا اور تعریفی انداز میں اس نے سر ہلایا۔

"ہاں ہاں میرے لنگور"۔ اس نے کہا۔ "اب سمجھ میں آیا، لیکن ساری ذمہ داریاں قتل کر دی گئی ہیں یا کم سے کم زیادہ تر قتل کر دی گئی ہیں چنانچہ یہی وجہ ہے کہ اس وقت ہمارے یہاں بہت کم بوڑھی عورتیں تمہیں نظر آئیں گی۔ چنانچہ یوں سمجھو کہ تھوڑی سی ذمہ داریاں باقی رہ گئی ہیں۔ رہی یہ لڑکی" اس نے استین کے متعلق بڑا سنجیدہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا "تو میں نہیں جانتا کہ کیا کہوں اس کے متعلق۔ بہادر لڑکی ہے وہ اور شیر سے محبت کرتی ہے۔ (شیر کا لقب اماجر نے لیو کو دیا تھا) تم دیکھ ہی چکے ہو کہ وہ کس طرح اس سے لپٹ گئی تھی اس کی جان بچانے کے لیے۔ اس کے علاوہ ہماری رسم کے مطابق اس کی شادی شیر سے ہو چکی چنانچہ اب اسے شیر کے ساتھ ہر جگہ جانے کا حق حاصل ہے البتہ" اس نے پُرمعنی انداز میں اضافہ کیا۔

"حیاہ کہہ دے "نہیں" تو پھر بات دوسری ہے کیونکہ حیاہ کا انکار ہر حق کو ختم کر دیتا ہے۔"

"لیکن اگر حیاہ نے استین کو حکم دیا کہ شیر کو چھوڑ دو لیکن استین نے انکار کر دیا تو پھر؟"

"اگر" بلالی نے شانے اچکائے "طوفان درخت کو جھک جانے کا حکم دے اور درخت نہ جھکے تو کیا ہوتا ہے؟"

پھر میرے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ پلٹ کر اپنی پالکی کی طرف چل دیا اور اس کے ٹھیک دس منٹ بعد ہم روانہ ہو چکے تھے۔

آتش فشانی میدانوں میں سے اس میدان کو، جس کی شکل پیالے کی طرح تھی، ایک گھنٹے میں عبور کر گئے۔ اس کے بعد جو ڈھلان تھی اسے چڑھ کر آدھے گھنٹے میں چوٹی پر پہنچ گئے اور وہاں سے جو منظر دیکھا وہ حیرت انگیز حد تک خوبصورت تھا۔



ہمارے سامنے زینہ دار ڈھلان کا میدان پھیلا ہوا تھا جو کچھ اس سے یوں ابھرا ہوا تھا کہ سبز سے کا فرش بچھا معلوم ہوتا تھا اور اس میں یہاں وہاں خاردار درختوں کے جھنڈ تھے۔ اس ڈھلان کے قدموں میں اور کوئی نو دس میل دور دلدلیں دھندلی دھندلی نظر آ رہی تھیں جن پر زہریلے ابخرات کسی شہر پر منڈلاتے ہوئے دھوئیں کے بادلوں کی طرح معلوم ہو رہے تھے۔ ڈھلان اترنا پالکی برداروں کے لیے مشکل کام نہ تھا اور دوپہر تک ہم ان ویران دلدلوں تک پہنچ چکے تھے۔ یہاں ہم نے دوپہر کا کھانا کھانے کے لیے قیام کر دیا۔ اور پھر ایک پُرپیچ اور دھندلے راستے کے ذریعہ ان دلدلوں میں گھس پڑے۔ کچھ ہی دیر بعد راستہ، بشرطیکہ ہم اسے راستہ کہہ سکیں، اس قدر دھندلا بلکہ تقریباً غائب ہو گیا کہ دکھائی ہی نہ دیتا۔ چنانچہ آج تک یہ سوال میرے لیے ایک معمہ بنا ہوا ہے کہ ہمارے پالکی بردار کس طرح یہ راستہ دیکھ لیتے تھے۔ ہمارے اس مختصر سے کارواں کے آگے دو آدمی لمبے لمبے بانس لیے چل رہے تھے۔ وہ لوگ یہ بانس وقتاً فوقتاً اپنے آگے دلدل میں ڈال کر معلوم کرتے تھے آگے راستہ ہے یا دلدلوں کی گہرائی ہے اور یہ اس لیے تھا کہ کسی قدرتی الٹ پھیر سے، جو میری فہم سے بالاتر ہے، دلدلوں کی گہرائی اور اتھلے پن میں تبدیلی ہوتی رہتی تھی چنانچہ جہاں دلدلیں اتھلی ہوتیں وہاں اتھاہ بن جاتیں اور جہاں بے تھاہ ہوتی وہاں اتھلی بن جاتیں اور چند فٹ نیچے سخت زمین نکل آتی۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ جس راستے سے ایک مہینہ پہلے ایک مسافر بخیر و خوبی گزر جاتا دوسرے مہینے وہ اسی راستے میں کسی جگہ غرق ہو جاتا۔

ایسا ویران، خاموش اور دل پر ہیبت و اداسی طاری کر دینے والا منظر میں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ کسی اور نے بھی نہ دیکھا ہو گا۔ آگے پیچھے اور دائیں بائیں سوائے دلدل کے کچھ نہ تھا جس میں یہاں وہاں نیلے نیلے داغ اور لکیریں سی تھیں۔ یہ سخت زمین تھی آپ انہیں دلدل کے چھوٹے چھوٹے جزائر سمجھ لیجیے۔ ان کے علاوہ ٹھہرے اور چکنے پانی کے گڑھے تھے، جن میں نرسلوں کے جھنڈ تھے اور نرسلوں کے ان جھنڈوں میں پرندے چیخ رہے تھے اور مینڈک شور مچا رہے تھے۔ بغیر کسی تبدیلی کے بس یہی منظر میلوں تک چلا گیا تھا۔ البتہ دھند کے بادلوں کو اگر تبدیلی کہا جا سکے تو بے شک یہ دھند اس منظر میں تبدیلی پیدا کر رہی تھی۔ ان وسیع و عریض دلدلوں میں زندگی کے کوئی آثار نہ تھے سوائے ان آبی پرندوں کے جو نرسلوں کے جھنڈوں میں تھے اور ان جانوروں کے جو ان پرندوں کا شکار کرتے

۱۔ مشہور مہم جو شکاری ایلن کواٹرمین اسی خطرناک راستے سے گزرا تھا اور کور پہنچا تھا۔ ملاحظہ ہو اس سلسلے کا پہلا ناول ایشہ اور ایلن۔ مترجم

تھے اور یہ بھی مختلف قسم کے تھے۔ بنس، بگلے، بطخیں، پن ڈبیاں، پن کڑیاں، چہے اور پلوور لاتعداد تھے اور ایسے پالتو قسم کے تھے کہ آپ انہیں لکڑی سے مار سکتے یا ہاتھ بڑھا کر پکڑ سکتے تھے۔ یہاں جو چہے مجھے نظر آئے وہ رنگین اور ہمارے یہاں کے چہوں سے مختلف ہونے کے علاوہ قد و قامت میں بھی بڑے تھے۔ دلدلوں میں پانی کے جوگڑھے تھے۔ ان میں مگرمچھ اور بڑے قسم کے گھڑیال بھی تھے۔ بلالی نے بتایا کہ ان دلدلوں میں عجیب قسم کے اور بہت بڑے سانپ بھی تھے جو ان پرندوں کو کھاتے بھی تھے۔ یہاں کے مینڈک بھی غیر معمولی طور پر بڑے تھے۔ رہے مچھر تو ان کا تو یہ تھا اگر کسی کو دنیا کا سب سے بڑا عذاب دینا اور مچھروں سے "زندہ کھلانا" مقصود ہو تو اسے یہاں چھوڑ دیا جائے لیکن دلدلوں کی سب سے زیادہ نمایاں اور سب سے زیادہ بری اور تکلیف دہ خصوصیت جو تھی وہ تھی سڑاند جس سے یہاں کی فضا بوجھل تھی اور یہی سڑاند ہم تنفس کے ذریعہ اپنے پھیپھڑوں میں پہنچا رہے تھے۔

یہ سارے عذاب ہم برداشت کرتے آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ ہم ایک تقریباً بلند اور نسبتاً خشک جگہ پہنچ گئے۔ یوں سمجھئے کہ دلدل میں یہ ایک جزیرہ تھا۔ اور جب ہم وہاں پہنچے ہیں تو سورج غروب ہو گیا اور بلالی نے اسی جزیرے پر پڑاؤ ڈال دینے کا حکم دیا۔ اب پڑاؤ ڈالنے کا سلسلہ یا انتظام بے حد سیدھا ثابت ہوا۔ یعنی صرف یہ کہ ہمیں الاؤ جلا کر اس کے گرد بس بیٹھ جانا تھا۔ چنانچہ نرسلوں اور ان خشک لکڑیوں سے، جو ہم اپنے ساتھ لائے تھے، الاؤ جلایا گیا۔ اور ہم نے جہاں تک ممکن تھا آرام سے بیٹھ کر کھانا کھایا اور پائپ پیتے رہے۔ میں نے کہا۔ "آرام سے" لیکن درحقیقت یہ آرام بڑی بے آرامی تھی کیونکہ ہوا مرطوب اور گرم تھی اور کمال تو یہ ہے کہ کبھی کبھی سرد ہو جاتی تھی۔ بہرحال اسی سخت گرمی کے باوجود ہم الاؤ کے قریب ہی بیٹھے تھے کیونکہ مچھر دھوئیں کو پسند نہ کرتے تھے۔ کچھ ہی دیر بعد ہم نے اپنے آپ کو اچھی طرح کمبلوں میں لپیٹا اور سونے کی کوشش کرنے لگے لیکن جہاں تک میرا تعلق ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ مینڈکوں کی مسلسل ٹراہٹوں اور چوہوں کی چیخوں نے نیند کو ایک ناممکن چیز بنا دیا۔ ہماری دوسری بے آرامیاں اس کے علاوہ تھیں۔ میں نے گھوم کر لیو کی طرف دیکھا جو میرے قریب ہی لیٹا ہوا تھا۔ وہ اونگھ رہا تھا لیکن اس کے چہرے پر کچھ ایسی پریشانہ سرخی تھی جو مجھے پسند نہ آئی اور الاؤ کے شعلوں کی لرزاں روشنی میں میں نے استین کو دیکھا جو لیو کے دوسری طرف لیٹی ہوئی تھی اور بار بار سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھ لیتی تھی۔

بہرحال میں لیو کے لیے کچھ نہ کر سکتا تھا کیونکہ ہم نے کافی مقدار میں کونین کھالی تھی اور بخار



سے بچنے کی ہمارے پاس بس یہی ایک دوا تھی چنانچہ میں چت لیٹ کر تاروں بھرے آسمان کی طرف دیکھتا رہا۔ بے شمار ستارے آنکھیں جھپک رہے تھے اور ہر ستارہ ایک جگمگاتی دنیا تھی اور نیچے — میرے قدموں میں اور میرے چاروں طرف دلدلیں تھیں متعفن، خطرناک اور بیماریوں کا گھر جہاں ابخراتی آگ کے گولے اگیا بیتال کی طرح ادھر اُدھر بھاگ رہے تھے اور لڑھک رہے تھے اور نرسلوں کے جھنڈوں میں آنکھ مچولی کھیل رہے تھے۔

بے حد تھکن کے باوجود نیند کا دور دور تک پتہ نہ تھا جب نیند نہیں آتی تو دماغ زقندیں بھرنے لگتا ہے چنانچہ میں خدا جانے کون کون سی باتوں کے متعلق سوچنے کے بعد آخرکار حالیہ مہم کے متعلق سوچنے لگا جو جتنی زیادہ حیرت انگیز تھی اتنی ہی زیادہ خطرناک تھی اور وہ باتیں سچ ثابت ہو رہی تھیں جو صدیوں پہلے آمن ارتاس نامی ایک عورت نے سفال پر لکھی تھیں۔ کون تھی یہ پراسرار عورت جو ان لوگوں پر حکومت کر رہی تھی جو اسی کی طرح پراسرار تھے اور اپنے آپ کو اماجر کہتے تھے؟ کیا واقعی یہ لوگ کسی مٹی ہوئی تہذیب کی یادگار تھے؟ اور اس آگ کی کہانی میں کہاں تک صداقت تھی جو ایک فانی انسان کو لافانی بنا دیتی تھی؟ کیا واقعی اس آگ میں کوئی ایسا عنصر تھا جو گوشت و پوست کو بوڑھا ہونے اور سڑنے گلنے سے بچا لیتا تھا؟ ایسا ہونا ممکن تو تھا لیکن ناقابل یقین تھا اور بہ فرض محال اگر یہ سچ تھا تو پھر کیا؟ ظاہر ہے کہ ایسی ہستی، جس نے اپنی عمر کو صدیوں تک بڑھانے کا راز معلوم کر لیا ہو، پوری دنیا پر حکومت کر سکتی تھی۔ یہ ہستی دنیا کی ساری دولت اور فوق الفطرت قوتوں کی مالک بن سکتی تھی۔ تو پھر کیا وجہ تھی کہ یہ پُراسرار ہستی حیاہ جو لافانی تھی، حالانکہ مجھے تو یہ سراسر گپ معلوم ہوتی تھی دنیا کی حکمراں بننے کے بجائے ان آدم خوروں اور افریقہ کے ایک دور افتادہ اور گم نام خطے اور غاروں میں رہتی تھی؟ اس سوال کا صرف ایک ہی جواب تھا، یعنی یہ کہ اماجر کی توہم پرستی سے فائدہ اٹھا کر یہ حیاہ یا وہ جو حکم کرتی ہے یا وہ جس کا حکم ماننا ضروری تھا یا جو کچھ بھی وہ تھی ان کی ملکہ بن گئی تھی لیکن صدیوں پہلے آمن ارتاس نے بھی تو اس عورت کو دیکھا تھا؟ تو کیا واقعی وہ لافانی تھی؟ بہرحال جہاں تک میرا تعلق ہے میں تو کبھی اس زندگی کو پسند نہ کروں گا جو کبھی ختم ہی نہ ہو۔ اپنی عمر کے ان چالیس برسوں میں ہی میں نے اتنے دکھ جھیلے ہیں اتنی پریشانیوں سے گزرا ہوں اور ایسے تلخ تجربات ہوئے ہیں کہ میں تو اپنی یہ چالیس سالہ زندگی بھی خاصی طویل معلوم ہوتی ہے۔ اس کے باوجود میں اپنے خیال میں اپنے طور پر خوش اور مطمئن ہوں پھر عمر خضر لے کر کیا کروں گا۔

اور اس کے بعد خدا جانے میں کب سو گیا۔

جب میری آنکھ کھلی تو پو پھٹ رہی تھی اور صبح کے گاڑھے کہرے میں محافظ اور باربردار بھوتیا سایوں کی طرح ادھر ادھر گھوم پھر کر ہماری روانگی کے انتظامات کر رہے تھے۔ الاؤ پوری طرح بجھ گیا تھا۔ میں نے اٹھ کر انگڑائی لی تو سر سے پیر تک کپکپی کی ایک لہر دوڑ گئی کیونکہ فضا مرطوب اور سرد تھی۔ پھر میں نے لیو کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں ہاتھوں میں سر پکڑے بیٹھا ہوا تھا، اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا، آنکھیں جل سی رہی تھیں لیکن پتلیوں کے گرد زردی نظر آرہی تھی۔

''کیوں بھائی لیو!'' میں نے کہا ''طبیعت کیسی ہے؟''

''کچھ نہ پوچھو۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ میرا آخری وقت ہے'' اس نے جواب دیا۔ ''سر پھٹا جا رہا ہے، جسم کانپ رہا ہے اور طبیعت مالش کر رہی ہے۔''

میں نے سیٹی بجائی اور اگر نہ بجائی تھی تو بجانے ہی والا تھا کیونکہ لیو پر دلدلی بخار نے حملہ کر دیا تھا۔ چنانچہ میں جوب کی طرف چلا کہ اس سے کونین لے کر لیو کو کھلا دوں، شکر ہے کہ کونین کا ذخیرہ ہمارے پاس کافی تھا۔ وہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ خود جوب کی حالت کچھ زیادہ بہتر نہ تھی۔ اس نے کمر میں درد اور سر چکرانے کی شکایت کی اور کہا کہ وہ تو اٹھ بھی نہیں سکتا۔ چنانچہ میں نے وہی کیا جو ان حالات میں کر سکتا تھا یعنی دونوں کو کونین کی خاص مقدار کھلا دی اور احتیاطاً میں نے بھی تھوڑی سی نگل لی۔

اس طرف سے فرصت پا کر میں بلالی کے پاس پہنچا اور اسے جوب اور لیو کی حالت سے مطلع کرنے کے بعد پوچھا کہ اس سلسلے میں کیا کیا جا سکتا تھا۔ وہ میرے ساتھ لیو اور جوب کو دیکھنے آیا۔ یہاں میں یہ بتا دوں کہ جوب کے موٹاپے گول چہرے اور چھوٹی آنکھوں کی وجہ سے اسے ''سور'' کا لقب دیا گیا تھا۔

''ہم۔م۔م جب ہم جوب اور لیو کی حدِ ساعت سے باہر آ گئے تو بلالی نے کہا۔ ''بخار ہے دونوں کو۔ شیر کو شدید ہے لیکن فکر نہ کرو وہ مرے گا نہیں۔ کیونکہ اس کا چڑھتا خون ہے۔ رہا سور تو اس پر بخار کا حملہ شدید نہیں ہے۔ اسے جو بخار ہے، وہ، وہ ہے جسے ہم ''چھوٹا بخار'' کہتے ہیں، لیکن سور کے جسم میں چربی بہت زیادہ ہے چنانچہ یہ بخار اسے ذرا سا پگھلا کر رہ جائے گا۔

''لیکن اس صورت میں سفر جاری رکھنا مناسب نہ ہوگا میرے باپ؟'' میں نے پوچھا۔

''نہیں میرے لنگور بیٹے! سفر تو انھیں بہرحال کرنا ہی ہے کیونکہ اگر وہ یہاں رہے تو یقیناً مر جائیں گے اس کے علاوہ انھیں زمین پر پڑے رہنے کی بہ نسبت پالکیوں میں زیادہ آرام ملے گا۔ پھر یہ



بات بھی ہے کہ اگر سب ٹھیک ٹھاک رہا تو آج رات تک ہم دلدلوں سے نکل کر صاف ہوا میں پہنچ جائیں گے۔ آؤ۔ ہم انھیں اٹھا کر پالکیوں میں لٹا دیں اور روانہ ہو جائیں کیونکہ صبح کی اس دھند میں بھی زیادہ دیر تک ٹھہرنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ ناشتہ ہم چلتے چلتے کر لیں گے۔''

چنانچہ فوراً ہی میں کچھ پریشان و ملول دل لئے اپنے اس عجیب و غریب سفر پر بلالی اور راماتجر کے ساتھ آگے روانہ ہوا۔ اس سفر کے ابتدائی تین گھنٹوں میں تو کوئی خاص واقعہ نہ ہوا۔ یعنی تین گھنٹے جیسی کہ توقع تھی خیریت سے گزر گئے اور پھر ایک حادثہ ہوا جس کی وجہ سے ہم اپنے محترم دوست بلالی سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوتے ہوتے رہ گئے۔ جس کی پالکی ہماری پالکیوں سے آگے تھی، اس وقت ہم دلدل کے نسبتاً خطرناک حصے سے گزر رہے تھے۔ راستہ تو یہاں بھی تھا لیکن کبھی کبھی پالکی بردار گھٹنوں گھٹنوں دلدل میں دھنس جاتے تھے۔ یقین کیجئے یہ بات اب تک میرے لیے ایک معمہ بنی ہوئی ہے کہ کہار پالکیوں کا اور ہمارا بوجھ سنبھالے کس طرح یہ دلدلی راستہ تلاش کرتے اور پھر طے کرتے تھے۔ یہ اور بات تھی کہ وزاندا ماتجر اور چار دوسرے باربردار، جو ہمارے ساتھ تھے، وقتاً فوقتاً ان کا ہاتھ بٹا دیتے تھے۔

جب ہم یوں آگے بڑھ رہے تھے تو دفعتاً ایک چیخ خاموش فضا میں گونج گئی، پھر حیرت کے کلمات اور کچھ گڑبڑ کی آوازیں اور آخر میں ایک زبردست چھپاکا سنائی دیا اور ساتھ ہی ہمارا کارواں ٹھہر گیا۔

میں ایک دم اپنی پالکی میں سے کود کر آگے بھاگا۔ کوئی بیس گز آگے دلدل میں کیچ کے پانی کا ایسا گڑھا تھا جس کی تفصیل میں پیچھے کہیں بیان کر چکا ہوں۔ ہمارا راستہ اس گڑھے کے عین کنارے کی چوٹی پر سے گزرتا کنارا تقریباً عمودی اور ظاہر ہے کہ پھسلواں تھا۔ اس گڑھے کی طرف میں نے نظر کی تو یہ دیکھ کر لرز اٹھا کہ بلالی کی پالکی اس میں تیر رہی تھی۔ رہا بلالی تو وہ کہیں نظر نہ آ رہا تھا۔ آپ کو الجھن میں نہ ڈالتے ہوئے میں یہاں یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ کیا ہوا تھا۔

ہوا یوں کہ بلالی کے ایک پالکی بردار کا ایک پیر، وہاں اطمینان سے لیٹے ہوئے ایک سانپ پر پڑ گیا۔ سانپ نے پھنکار کر اس پالکی بردار کے ٹخنے میں ڈس لیا۔ اس غریب نے گھبرا کر پالکی کا ڈنڈا چھوڑ دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ قدرتی بات تھی لیکن پھر یہ دیکھ کر کہ وہ کنارے پر سے گڑھے میں پھسل رہا ہے۔ اس نے پھر اور زیادہ گھبرا کر پالکی پکڑ لی۔ نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہئے تھا۔ پالکی کنارے پر سے الٹ گئی۔

پالکی برداروں نے جان بچانے کے لیے پالکی کے ڈنڈے چھوڑ دیئے اور وہ اماجر جس کو سانپ ڈس لیا تھا، پالکی اور اس میں بیٹھا ہوا بلالی — بیک وقت چکنی کیچ کے گڑھے میں جا پڑے۔

جب میں گڑھے کے کنارے پر پہنچا تو دونوں، یعنی وہ جسے سانپ نے ڈس لیا تھا اور بلالی غائب تھے۔ وہ اماجر تو ہمیشہ کے لئے ہی غائب ہو گیا یا تو اس کا سر کسی چیز سے ٹکرا گیا اور بے ہوش ہو گیا یا وہ کیچڑ میں ایسا پھنسا کہ ابھر نہ سکا یا پھر سانپ کے زہر نے اس کے اعضا مفلوج کر دیئے۔ وجہ کچھ بھی ہو بہرحال ہمیشہ کے لئے غائب ہو گیا۔ بلالی بھی غائب تھا، لیکن سطح پر تیرتی ہوئی اور جھکولے کھاتی اور کانپتی ہوئی پالکی اس کے ''محل وقوع'' کا پتہ دے رہی تھی۔

''وہاں ہیں۔ ہمارے باپ وہاں ہیں۔'' ایک پالکی بردار نے کہا، لیکن اس نے بلالی کی مدد کے لیے انگلی تک نہ ہلائی۔ اور نہ ہی دوسروں نے کچھ کہا۔ وہ لوگ بس کھڑے گڑھے کی طرف دیکھتے رہے۔

''ہٹ جاؤ۔ سورو!'' میں نے انگریزی میں چیخ کر کہا۔

پھر میں نے اپنی ہیٹ اتار کر ایک طرف پھینکی۔ چند قدم پیچھے ہٹا، دوڑ لگائی اور اس بدبودار چکنے گڑھے میں چھلانگ لگا دی۔ دو چار ہاتھ چلنے کے بعد ہی میں وہاں پہنچ چکا تھا جہاں پالکی کے کپڑے کے نیچے بلالی ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔

کسی نہ کسی طرح سے، میں نہیں جانتا کہ کس طرح سے، میں کپڑے کو بلالی سے چھڑانے میں کامیاب ہو گیا اور تب بلالی کا قابلِ احترام سر سطح پر اس طرح نمودار ہوا کہ اس پر کائی کا تاج تھا اور وہ مصر قدیم کے دیوتا باقوس کی طرح، جو اپنے سر پر سبز پتوں کا تاج رکھا کرتا تھا، معلوم ہوتا تھا۔

اس کے بعد کام آسان تھا کیونکہ بلالی ان لوگوں میں سے تھا جو مصیبت کے وقت اپنے حواس بحال رکھتے ہیں۔ چنانچہ وہ مجھ سے یوں لپٹ گیا جس طرح کہ ڈوبتے ہوئے لوگ اپنے بچانے والوں سے لپٹ جاتے اور اپنے ساتھ انھیں بھی لے ڈوبتے ہیں۔ چنانچہ میں نے اس کا ایک بازو پکڑ لیا اور اسے کیچڑ میں گھسیٹتا ہوا کنارے تک لے آیا۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کام آسان نہ تھا۔ بہرحال ہم صحیح سلامت باہر آ گئے۔ بلالی اور میں خود بھی سر سے پیر تک چکنی کیچ اور کائی میں لتھڑا ہوا تھا۔ بلالی کی سفید داڑھی سبز مائل ہو گئی تھی اور ایک دم سے سکڑ کر چوہے کی نوکدار دم کی سی بن گئی تھی اور اس دم کی نوک سے کیچ اور کائی کے قطرے ٹپک رہے تھے، لیکن اس عالم میں بھی وہ محترم اور مرغوب کن معلوم ہوتا تھا۔

''تو'' جب اس کے حواس بجا ہوئے تو اس نے پالکی برداروں کو مخاطب کیا۔ ''تم نے مجھے،



اپنے باپ کو ڈوب جانے کے لیے چھوڑ دیا۔ کیوں؟ اگر یہ اجنبی، میرا یہ لنگور بیٹا نہ ہوتا تو یقیناً میں غرق ہو گیا ہوتا — بہت اچھا — میں یاد رکھوں گا اس بات کو۔''

اور اس نے کہاروں کی طرف کچھ ایسی نظروں سے دیکھا کہ وہ اس نظر کا مطلب سمجھ کانپ گئے۔

''اے میرے بیٹے!'' اب وہ میری طرف گھوم گیا۔ ''اب میں بھلے اور برے میں اور ہر حال میں تمہارا دوست ہوں۔'' اور اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ ''آج تم نے میری جان بچائی ہے اور ہو سکتا ہے ایک دن ایسا آئے جب میں تمہاری جان بچاؤں۔''

اس کے بعد جہاں تک ممکن تھا ہم نے اپنے لباس اور جسم پر سے کیچڑ اور کائی صاف کی، بلالی کی پالکی گڑھے میں سے نکالی اور آگے روانہ ہو گئے۔ اب ہمارے کارواں میں ایک آدمی کم تھا۔ یعنی وہ جسے سانپ نے ڈس لیا تھا اور جو غرق ہو گیا تھا۔ حیرت ہے کہ کسی نے اس کے مرجانے پر غم و افسوس کا اظہار نہ کیا سوائے اس شخص کے جسے پالکی اٹھانے کے لیے مرنے والے کی جگہ لینی پڑی تھی۔ میرے خیال میں یہ اس لیے تھا کہ اماجر فطرتاً یا شاید عادتاً بے پروا اور خود غرض تھے۔

☆☆

# گیارھواں باب

# کور کا میدان

سورج غروب ہونے سے کوئی ایک گھنٹہ پہلے ہم آخرکار ان منحوس دلدلوں میں سے نکل آئے اور اس پر مجھے اس قدر خوشی حاصل ہوئی کہ شاید ہفت اقلیم کی دولت حاصل کر کے بھی نہ ہوتی۔ اب ہم خشک زمین پر تھے جو بتدریج موجوں کی شکل میں بلند ہوتی چلی گئی تھی۔ یہ چھوٹے چھوٹے ٹیلوں کا سلسلہ تھا جو یوں معلوم ہوتے تھے جیسے زمین کی موجیں ہوں۔ اس قسم کی پہلی موج کی چوٹی کے اس طرف ہم نے رات بھر کے لیے پڑاؤ ڈال دیا۔

سب سے پہلے مجھے لیو کی فکر ہوئی۔ جا کر دیکھا تو یہ دیکھ کر گھبرا گیا کہ اس کی حالت کچھ زیادہ ہی بگڑ گئی تھی اور مزید پریشان کن بات یہ ہوئی تھی کہ وہ قے پر قے کر رہا تھا جس کا سلسلہ صبح تک جاری رہا۔

اس رات میں نے پلک نہ جھپکائی بلکہ صبح تک اُستین اور جوب کے ساتھ جاگتا رہا جو لیو کی تیمارداری کر رہے تھے۔ اُستین جیسی مخلص اور سرگرم نرسیں دنیا میں نہ ہوں گی یا اگر ہیں تو اتنی کم کہ انھیں انگلیوں پر شمار کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال یہاں کی ہوا مرطوب نہ تھی، فضا قدرے گرم اور صحت بخش تھی اور مچھر بھی زیادہ نہ تھے۔ اس کے علاوہ اب ہم سطح دلدل سے بلکہ دلدلی کہرے سے بھی بلندی پر تھے۔ چنانچہ کہر کی چادر ہمارے نیچے پھیلی ہوئی تھی جس طرح کہ کارخانے والے شہر پر چمنیوں کا دھواں چھایا رہتا ہے۔ اس کہر میں فاسفورسی گولوں کی روشنی یہاں وہاں نظر آ جاتی تھی۔ چنانچہ پچھلی رات کے مقابلہ میں اس رات ہم نسبتاً آرام سے تھے۔

دوسرے دن کی پو پھٹی تو لیو کا دماغ پلٹ گیا اور وہ ہذیان بکنے لگا کہ اس کے جسم کے دو ٹکڑے ہو گئے ہیں اور یہ دونوں ٹکڑے اپنے طور پر الگ الگ کام کر رہے ہیں۔ میں پریشان ہو گیا اور سوچنے لگا کہ اس نئے حملے کا انجام خدا جانے کیا ہوگا۔ میں نے سن رکھا تھا کہ اس قسم کا بخار کس طرح بڑھتا ہے، اس کے کون کون سے آثار ظاہر ہوتے ہیں اور پھر اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ میں یونہی متفکر و پریشان تھا کہ بلالی نے آ کر کہا کہ اب ہمیں آگے روانہ ہونا ہے۔ اس نے مزید کہا کہ ہماری فوری روانگی اس لیے




بھی ضروری ہے کہ اس کے خیال میں اگر لیو کو جلد از جلد کسی ایسی جگہ نہ پہنچایا گیا جہاں اسے آرام مل سکے اور اس کی ٹھیک سے تیمارداری اور علاج کیا جا سکے تو وہ پھر دو تین دنوں میں ہی مر جائے گا۔ ظاہر ہے کہ مجھے لیو کی زیادہ فکر تھی چنانچہ میں نے رضامندی کے اظہار کے طور پر خاموشی سے سر ہلا دیا۔ چنانچہ ہم نے لیو کو پالکی میں لٹا دیا اور فوراً ہی روانہ ہو گئے۔ اُستین لیو کی پالکی کے ساتھ چل رہی تھی اور ایک ٹہنی ہلا ہلا کر لیو پر سے مکھیاں اڑا رہی تھی اور اس بات کا خیال رکھ رہی تھی کہ وہ پالکی میں سے گر نہ پڑے کیونکہ وہ تو بے سدھ پڑا ہوا تھا اور اسے کچھ ہوش نہ تھا۔ طلوع سورج کے کوئی آدھے گھنٹے بعد ہم اس ٹیلے یا ڈھلان کی چوٹی پر پہنچ چکے تھے جس کا ذکر میں کر چکا ہوں۔ اوپر پہنچے تو ایک بہت خوبصورت اور خوشنما منظر نظر آیا۔

دوسری طرف اور ہمارے عین قدموں میں ایک شاداب خطہ پھیلتا چلا گیا تھا جو ہری ہری گھاس سے پُر تھا جس میں مختلف قسم کے پودے لہلہا رہے تھے اور جو خودرو مگر خوبصورت پھولوں کا خزانہ تھا۔ اس خطے کے دوسرے کنارے پر اور میرے اندازے کے مطابق کوئی اٹھارہ میل دور ایک عظیم الشان اور غیر معمولی قسم کا پہاڑ سر بلند کیے یوں کھڑا تھا جیسے اس شاداب میدان میں سے دفعتاً نکل آیا ہو۔ اس عظیم الشان پہاڑ کی بنیاد ڈھلانی تھی اور اس پر گھاس اگی معلوم ہوتی تھی۔ گھاس کے اس ڈھلانی خطے کے اوپر اور اس میدان کی سطح سے کوئی پانچ سو فٹ اوپر ایک زبردست اور عمودی چٹان تھی بلکہ یوں کہیے کہ چٹانی دیوار تھی جو بارہ یا پندرہ سو فٹ بلند تھی۔ اس پہاڑ کے حجم کا اندازہ لگانا مشکل تھا البتہ بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ یہ پہاڑ پچاس مربع میل یا اس سے کچھ زیادہ میدان کو دبائے ہوئے تھا۔ اس سے زبردست چٹانی قلعہ جیسی مہیب چیز، جو اس میدان میں تنہا کھڑی تھی نہ تو میں نے پہلے کبھی دیکھی تھی اور نہ ہی آئندہ کبھی دیکھوں گا۔ وہ عظیم تھا اور وہ تنہا تھا اور اس کی چوٹیاں آسمان کو چوم رہی تھیں اور اس کی یہ فلک بوسی دیکھنے والوں کے دل پر عجیب اثر کرتی تھی۔ زیادہ تر چوٹیاں اور ان کا زیادہ تر حصہ بادلوں میں گم تھا۔

میں اپنی پالکی میں بیٹھا کور سا میدان کے اس سرے پر کھڑے اس عجیب اور سنسنی خیز پہاڑ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ بلالی نے میری اس حالت کو دیکھ کر میری حیرت کو سمجھ لیا کیونکہ وہ اپنی پالکی میری پالکی کے قریب لے آیا۔

"دیکھو وہ ہے اس کا گھر، جس کا حکم ماننا ضروری ہے۔" اس نے کہا۔ "کہو بیٹے! کبھی کسی ملکہ کا تخت ایسا رہا ہے۔"

"ارے میرے باپ! واقعی بے حد خوبصورت اور حیرت انگیز ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"لیکن یہ تو بتاؤ کہ ہم اس میں داخل کس طرح ہوں گے؟ اس پہاڑ پر چڑھنا تو ممکن نظر نہیں آتا؟"

"یہ تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے میرے لنگور بیٹے! اب اس راستے کی طرف دیکھو جو ہمارے عین نیچے ہے۔ تمہارے خیال میں کیا ہے یہ؟ تم زیرک آدمی ہو چنانچہ بتاؤ۔"

میں نے دیکھا تو نظر آیا کہ ایک سڑک سی تھی جو سیدھی اس عظیم پہاڑ کے قدموں تک چلی گئی تھی حالانکہ اس سڑک پر گھاس اگی ہوئی تھی۔ اس سڑک کے دونوں کناروں پر پشتہ تھا جو یہاں وہاں سے شکستہ تھا تاہم سڑک کے ساتھ ساتھ چلا گیا تھا۔ اس کا مقصد یا مطلب میری سمجھ میں نہ آیا۔ یہ واقعی عجیب بات تھی۔ سڑک یا راستے کے کناروں پر پشتے باندھنے کی بھلا کیا ضرورت تھی؟

"ارے میرے باپ!" میں نے جواب دیا۔ "راستہ ہے اور اگر راستہ نہیں ہے تو پھر میرے خیال میں کسی دریا کی خشک گزرگاہ ہے یا پھر۔" میں نے بلند کناروں کی یکسانیت دیکھ کر اضافہ کیا "زیادہ صحیح یہ ہے کہ جس راستے پر ہم چل رہے ہیں وہ کبھی نہر رہی ہوگی۔"

گزشتہ کل کی ڈبکی کے بعد بلالی کا مزاج اب تک کچھ ٹھکانے نہ آیا تھا اور اس کی ظاہری حالت بھی کچھ بہتر نہ تھی تاہم اس نے سر ہلا کر اور ٹھہری ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"میرے لنگور بیٹے! تم نے بالکل صحیح کہا ہے۔ یہ واقعی نہر جو ان لوگوں نے پانی لانے کے لیے کھودی تھی جو ہم سے پہلے تھے یہ میں بڑے یقین سے اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اس پہاڑ کے جس کی طرف ہم جا رہے ہیں، چٹانی دائرے میں ایک تالاب تھا چنانچہ ان لوگوں نے جو ہم سے پہلے کسی طرح سے، میں نہیں جانتا کس طرح اس تالاب سے ایک نہر نکالی تھی اور کمال ہے کہ انھوں نے تالاب کے چٹانی سینے میں بھی چھید کر دیا تھا۔ لیکن پہلے انھوں نے یہ نہر کھودی تھی جس میں ہم چل رہے ہیں اور جو اس میدان کو قطع کر رہی ہے اور پھر جب تالاب سے پانی بہہ نکلا تو اس نہر میں آ گیا جو اسی کے لیے بنائی گئی تھی۔ پانی اس نہر میں سے گزرتا اور میدان عبور کرتا بلند مقام کے دوسرے طرف نیچے خطے میں پہنچ گیا اور وہاں اس پانی نے شاید وہ دلدلیں بنائیں جنھیں عبور کر کے ہم آئے ہیں اور جب تالاب خالی ہو گیا تو ان لوگوں نے جن کا ذکر میں نے کیا ہے، اس خالی تالاب میں عظیم الشان شہر آباد کیا۔ اب اس عظیم الشان شہر کے صرف کھنڈر اور اس کا نام "کور" باقی رہ گیا ہے اور پھر وہ سالہا سال تک وہ غار اور وہ راستے بناتے رہے جنھیں تم دیکھ لو گے۔"

"ممکن ہے ایسا ہی ہو۔" میں نے کہا۔ "لیکن ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔"


ایشا

"کیا؟"

"یعنی یہ کیسے ہوا کہ بارشوں اور چشموں کے پانی سے تالاب دوبارہ نہ بھر گیا؟"

"میرے بیٹے! وہ لوگ بڑے عقل مند اور ہوشیار تھے چنانچہ انھوں نے نالی بنا دی تھی جس کے ذریعہ سارا پانی بہہ جاتا تھا اور تالاب بھرتا نہ تھا۔ دائیں طرف یہ دریا دیکھ رہے ہو۔" اور اس نے ایک کافی بڑے چشمے کی طرف اشارہ کیا جو ہم سے کوئی چار میل دور تھا اور میدان میں سے بل کھاتا ہوا گزر رہا تھا۔ "وہ ہے نالی جس کے ذریعہ تالاب کے پانی کی نکاسی ہو رہی ہے اور یہ نالی ٹھیک اس جگہ سے نکلتی ہے جہاں یہ نہر چٹانی دیوار میں داخل ہو رہی ہے۔ ابتدا میں پانی شاید اس نہر سے جاتا تھا لیکن بعد میں ان لوگوں نے وہ نیا راستہ نکال کر پانی کا راستہ بدل دیا اور اس نہر کو انسانوں کی آمدورفت کے لیے استعمال کرنے لگے۔"

"تو پھر اس نہر یا پانی کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے جس کے ذریعہ اس عظیم الشان پہاڑ میں داخل ہوا جا سکے؟" میں نے پوچھا۔

"ایک جگہ ہے جہاں سے مویشی اور پیدل چلنے والے آدمی گزر سکتے ہیں لیکن وہ خفیہ ہے۔" بلالی نے جواب دیا۔ "اس قدر خفیہ کہ تم ایک مہینے تک سرگرداں رہو لیکن اسے نہ پا سکو یہ راستہ سال میں صرف ایک دفعہ اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب پہاڑ کی ڈھلان اور میدان میں چرتے ہوئے مویشیوں کو پہاڑ کے دوسری طرف لایا جاتا ہے۔"

"اور وہ جس کا حکم ماننا ضروری ہے ہمیشہ وہیں رہتی ہے۔" میں نے پوچھا۔ "اور کبھی کبھی وہ پہاڑ سے باہر بھی آتی ہے؟"

"نہیں بیٹے! وہ بس جہاں ہے وہیں ہے۔"

اس اثنا میں ہم اس وسیع و عریض میدان میں خاصا فاصلہ طے کر چکے تھے اور میں بڑی دلچسپی سے اس کے نباتاتی خزانے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس میدان میں درخت بہت کم تھے۔ کہیں کہیں ایک ایک درخت تھا اور کہیں تین چار درختوں کا جھنڈ تھا۔ یہ شاہ بلوط کی قسم کے درخت تھے جو ہمیشہ ہرے بھرے رہتے تھے۔ ان کے تنے موٹے اور پتے چمکدار اور چوٹیاں گنجان تھیں۔ چند کھجور اور تاڑ کے درخت بھی تھے جن میں سے اکثر ایک سو فٹ سے زیادہ بلند تھے۔ جنگلی مگر خوبصورت پھولوں کی جھاڑیاں تھیں جن پر رنگ برنگی تتلیاں منڈلا رہی تھیں۔ انھی اونچی گھاس میں اور درختوں میں گینڈے

سے لے کر خرگوش تک ادھر ادھر بھاگتے اور دبکے ہوئے نظر آتے تھے۔ یہ میدان حقیقت میں شکاریوں کی جنت تھا۔ میں نے گینڈے دیکھے، بھینسوں کے ریوڑ دیکھے، بفلو پ دیکھے، ہرن دیکھے اور شتر مرغ بھی دیکھے یہاں تک کہ میں بے قرار ہو گیا اور میری ہتھیلی کھجلانے لگی۔

میرے پاس پالکی میں ایک نالی مارٹنی بندوق رکھی ہوئی ہے۔ ایک کافی تگڑے ایلانڈ کو، جو شاہ بلوط کے ایک درخت کے تنے سے اپنی پیٹھ رگڑ رہا تھا، دیکھ کر میں بندوق لے کر پالکی سے کود پڑا اور دبے پاؤں اس کی طرف بڑھا کہ جہاں ممکن ہو اس کے قریب پہنچ جاؤں۔ اس کے اور میرے درمیان اسی گز کا فاصلہ رہ گیا تھا تب اس نے ایک دم سے گردن گھما کر میری طرف دیکھا۔ یہ علامت تھی کہ اس بات کی کہ وہ بھاگنے کی سوچ رہا تھا۔ میں نے بندوق اٹھائی اور اس کے سینے کو زد میں لیا کیونکہ ایلانڈ کا پہلو میری طرف تھا اور لبلبی دبا دی۔ اگر آپ اسے اپنے منہ میاں مٹھو بننا نہ کہیں تو میں کہوں گا کہ اپنے ناکافی شکاری تجربات میں میں نے ایسا عمدہ اور کامیاب نشانہ پہلے کبھی نہ لگایا تھا کیونکہ ایلانڈ چاروں ٹانگوں سے تڑپ کر ہوا میں اچھلا اور پھر مردہ ہو کر گرا۔ پالکی بردار، جو یہ دیکھنے کے لیے رک گئے تھے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ حیرت سے بھنبھنا اٹھے۔ ان گھٹے لوگوں کی طرف سے یہ واقعی بڑی حوصلہ افزا بات تھی کیونکہ اماجر وہ لوگ تھے جنھوں نے کبھی کسی بات پر خواہ وہ کتنی ہی غیر معمولی بات کیوں نہ ہو متعجب ہونا سیکھا ہی نہ تھا۔ دوسری مزے کی بات یہ ہوئی کہ ہمارے محافظوں کا گروہ ایلانڈ کو کاٹنے اور اس کے ٹکڑے کرنے کے لیے دوڑ پڑا۔ اب میرا تو یہ جی تھا کہ حالانکہ میں اپنے شکار اور اپنے نشانے کی کامیابی کا معائنہ کرنا چاہتا تھا لیکن دل پر جبر کر کے واپس اپنی پالکی کی طرف لوٹ آیا اور یوں ظاہر کرنے لگا گویا میں ایک پیشہ ور شکاری ہوں اور میری عمر شکار کرتے ہی گزری ہے۔ یہ ظاہر کرنا اس لیے بھی ضروری تھا کہ مجھے احساس ہو گیا تھا کہ میں نے اس ایلانڈ کو مار کر اماجر کو مرعوب کر دیا تھا اور ان کے دلوں میں اپنا خوف جاگزیں کر دیا تھا کیونکہ وہ اسے جادو یقین کر چکے تھے۔

بلالی نے میرا پرجوش خیر مقدم کیا۔

''کمال کر دیا میرے بیٹے لنگور۔'' بلالی نے چیخ کر کہا۔ ''کمال ہے تم بڑے زبردست آدمی ہو حالانکہ بدصورت ہو، تم نے جو کچھ کیا ہے اگر وہ خود میں نے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہوتا تو کبھی اس پر یقین نہ کرتا اور تم کہتے ہو تم مجھے اسی طرح دور سے مارنا سکھا دو گے؟''

''یقیناً سکھا دوں گا میرے باپ!'' میں نے جواب دیا۔ ''یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے۔''



میں نے یہ سننے کو تو کہہ دیا لیکن دل ہی دل میں اپنے آپ سے کہا کہ جب ''میرا باپ'' بلالی بندوق چلانی شروع کرے گا تو میں بے شک زمین پر لیٹ جاؤں گا یا کسی درخت کے تنے کے پیچھے دبک جاؤں گا۔ بڑے میاں کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ کیا پتہ وہ اناڑی پن سے یا جوش میں آ کر مجھے ہی اڑا دیں۔

اس معمولی سے واقعہ کے بعد کوئی قابل ذکر بات نہ ہوئی یہاں تک کہ سورج غروب ہونے سے کوئی ڈیڑھ گھنٹہ پہلے اس عظیم الشان آتش فشانی دیوار کے سامنے میں پہنچ گئے جس کا ذکر میں کر چکا ہوں۔ اس کی گمبھیر عظمت کو الفاظ میں بیان کرنا میرے لیے ممکن نہیں۔ میری پالکی اٹھانے والے سنبھل سنبھل کر اور ہانپ ہانپ کر اس قدیم خشک نہر میں چلتے رہے اور اوپر چڑھتے رہے۔ اس طرف بڑھتے رہے جہاں سبزی مائل چٹان یکے بعد دیگرے چبوتروں کی شکل میں بلند ہوئی چلی گئی تھی یہاں تک کہ بادلوں میں گم ہو گئی۔ چنانچہ میں صرف یہ کہنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ اس کی حد درجہ کی تقریباً غیر ارضی خاموشی اور گمبھیر عظمت نے میرے دل پر عجیب سا رعب و خوف طاری کر دیا۔

ہم اس کی دھوپیلی اور خاموش بلندیاں چڑھتے رہے یہاں تک کہ چوٹی پر سے رینگ کر آہستہ آہستہ نیچے اترتے ہوئے سایوں نے روشنی کو نگل لیا اور اس کے کچھ دیر بعد ہی ہم اس شگاف میں سے گزرنے لگے جو چٹان میں انسانی ہاتھوں نے کاٹ کر بنایا تھا۔ جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے گئے یہ حیرت انگیز شگاف زیادہ سے زیادہ گہرا ہوتا چلا گیا۔ میرے خیال میں ہزاروں آدمیوں نے برسوں کی مشقت کے بعد چٹان کاٹ کر یہ راستہ بنایا ہو گا آج تک میں سمجھ نہ سکا اور نہ ہی اس کے متعلق کوئی رائے قائم کر سکا کہ ڈائنامائٹ کے بغیر اس ٹھوس چٹان کو کس طرح کاٹا ہو گا۔ چنانچہ یہ راستہ بھی تاریک براعظم افریقہ کے ناقابل فہم اور ناقابل حل رازوں میں سے ایک راز ہے اور غالباً قیامت تک راز ہی رہے گا۔ میں صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ راستہ اور چٹانوں میں رہائشی غار کور کے لوگوں نے بنائے تھے جس طرح کہ مصر قدیم کے لوگوں نے وہاں کے مقبرے بنائے تھے، لیکن وہ لوگ کون تھے؟

آخر کار ہم لوگ عمودی چٹان کی چوٹی کے اس طرف پہنچ گئے تو دیکھا کہ سامنے ایک اندھیری سرنگ کا دہانہ تھا۔ یہ ایسی ہی سرنگ تھی جیسی کہ ہماری دنیا میں اٹھارہویں صدی میں ریلوے لائن کو گزارنے کے لئے پہاڑوں میں بنائی جاتی تھیں۔ اس سرنگ میں سے ایک بھرا پرا چشمہ باہر بہہ رہا تھا میرے خیال میں، میں یہ بتانا بھول گیا ہوں کہ ہم اسی چشمہ کے ساتھ ساتھ چلے آ رہے تھے اور یہی وہ چشمہ تھا جو نیچے میدان میں اور ہمارے راستے کے دائیں طرف ایک دریا کی شکل میں میدان عبور کر رہا تھا

اور اس دریا کا ذکر تو، مجھے یاد ہے، میں پیچھے کہیں کر چکا ہوں۔ اب اس سرنگ کا نصف حصہ تو اس چشمہ کے لیے مخصوص تھا یعنی سرنگ کے نصف حصہ میں چشمہ بہہ رہا تھا اور سرنگ کے بقیہ نصف حصہ کو چشمہ کی سطح سے کوئی آٹھ فٹ اوپر اٹھا کر راستہ یا یوں کہئے کہ گزرگاہ بنادی گئی تھی۔ بہرحال اس سرنگ کے اختتام سے یہ چشمہ ایک موڑ لے کر اور آپ اپنی راہ بنا کر میدان میں اتر گیا تھا۔ اس سرنگ یا غار کے دہانے پر ہمارا کارواں ٹھہر گیا۔ اماجر مٹی کے چراغ سلگانے میں مصروف ہو گئے اور وہ جب یوں مصروف تھے تو بلالی اپنی پالکی میں سے نکل کر میرے پاس آیا اور مجھے مطلع کیا کہ "وہ جس کا حکم ماننا ضرور ہے" کا حکم ہے کہ یہاں سے ہماری آنکھوں پر پٹیاں باندھ دی جائیں تاکہ ہم پہاڑ کے بطن میں سے گزرتے ہوئے راستوں کے راز سے واقف نہ ہو سکیں۔

میں نے تو یہ بات خوشی سے مان لی لیکن جوب کو جس کی حالت اب نسبتاً ٹھیک تھی یہ بات پسند نہ آئی کیونکہ اس کا خیال تھا کہ ہمیں دھوکا دیا جا رہا ہے اور یہ کہ ہماری آنکھوں پر پٹی باندھ کر اور یوں ہمیں اندھا بنا کر ہمارے سروں پر "گرم برتن" رکھ دیا جائے گا، لیکن میں نے یہ کہہ کر تسلی دی کہ ہمارے ساتھ برتن نہ تھے جنھیں گرم کیا جا سکے اور نہ ہی آگ کا کوئی انتظام تھا کہ برتن کو اس میں تپایا جا سکے۔ چنانچہ جوب خاموش رہا۔

رہا لیو تو اس کا معاملہ یہ تھا کہ بے چینی سے کروٹیں بدلنے کے بعد اب وہ سو گیا تھا یا خدا جانے اس پر غشی طاری ہو گئی تھی۔ بہرحال اس کی آنکھوں پر پٹی باندھنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ چنانچہ اب پٹی باندھنے کی کارروائی شروع ہوئی۔ ہماری آنکھوں پر زردی مائل کپڑے کی پٹیاں مضبوطی سے باندھ دی گئیں بعد میں مجھے پتہ چلا کہ یہ زردی مائل کپڑا قدیم مقبروں میں سے نکالا اور ممیوں سے اتارا گیا تھا اور اماجروں نے بنانہ تھا جیسا کہ میرا خیال تھا اور یہ کہ اماجر بھی اسی کپڑے کے لباس پہنتے تھے جو انھیں ان کے علاقے کے ان غاروں میں سے جہاں لاشیں رکھی ہوئی تھیں تیار مل جاتا تھا۔

اُستین کی آنکھوں پر بھی پٹی باندھ دی گئی۔ میں نہیں جانتا کہ اس کے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا گیا؟ غالباً اس خوف سے کہ راستے کا راز معلوم کرنے کے بعد شاید ہمیں اس سے واقف کر دے۔

جب یہ ہو گیا اور بلالی نے ہماری پٹیوں کو دیکھ کر اطمینان کر لیا کہ ہم واقعی کچھ دیکھ نہ سکتے تھے تو ایک بار پھر ہم روانہ ہو گئے۔ چند ثانیوں بعد ہی پالکی برداروں کے قدموں کی چاپ بھاری ہو کر گونجنے لگی اور چشمے کے پانی کی آواز ٹکرا کر بازگشت سی پیدا کرنے لگی تو میں نے سمجھ لیا کہ ہم اس عظیم الشان پہاڑ



کے بطن میں داخل ہو رہے تھے۔ بڑا ہی عجیب، بھیانک اور سنسنی خیز تجربہ تھا یہ کہ ہماری آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر ہمیں ایک پہاڑ کے بطن میں لے جایا جا رہا تھا اور کہاں لے جایا جا رہا تھا، کس طرف لے جایا جا رہا تھا یہ ہم جانتے نہ تھے لیکن اس عرصہ میں، میں اس قسم کے تجربات کا عادی ہو چلا تھا یہ میرے لیے کچھ حیرت کی بات نہ تھی، چنانچہ میں بے حرکت اور خاموش پڑا پالکی برداروں کے پیروں کی "تھپ تھپ" اور بہتے پانی کی سنسناہٹ کی آواز سنتا رہا اور یہ خیال کرنے کی کوشش کرتا رہا کہ میں اس حالت اور اس سفر سے محظوظ ہو رہا ہوں۔ کچھ ہی دیر بعد اماجروں نے ایک غم ناک گیت اٹھایا اور نیچی آواز میں گانے لگے۔ یہ شاید وہی گیت تھا جو اس وقت گایا گیا تھا، جب ہمیں اس وقت پکڑ کر اماجر لے چلے تھے جب ہم نہر میں اور اپنی کشتی میں سفر کرتے اس طرف یعنی اماجروں کے علاقے کی طرف آ گئے تھے۔ اس گیت نے میرے دل پر عجیب اثر کیا۔ اس اثر کو بیان کرنا ممکن نہیں۔

کچھ ہی دیر بعد سرنگ کی گھٹی ہوئی ہوا اس قدر موٹی اور گاڑھی ہو گئی کہ میرا دم گھٹنے لگا اور میں بے چینی محسوس کرنے لگا یہاں تک کہ میری پالکی ایک موڑ مڑی، پھر دوسرا موڑ مڑی اور بہتے پانی کی آواز دفعتاً خاموش ہو گئی۔ اس کے فوراً بعد ہی گھٹن کا احساس کم ہو گیا اور تازہ ہوا میرے پھیپھڑوں میں پہنچنے لگی لیکن سرنگ کے یہ موڑ یوں مسلسل تھے کہ کسی طرح ختم ہونے ہی میں نہ آتے تھے اور مجھے وحشت زدہ کر رہے تھے خصوصاً اس لیے کہ میری آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ میں نے ان موڑوں کا نقشہ اپنے ذہن میں مرتب کرنے کی کوشش کی کہ شاید کبھی ہمیں اس راستے سے فرار اختیار کرنا پڑے لیکن غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ مجھے اس میں کامیابی نصیب نہ ہوئی۔

اسی طرح کوئی آدھا گھنٹہ گزر گیا اور یکا یک میں نے محسوس کیا جیسے ایک بار ہم پھر کھلی جگہ میں پہنچ گئے تھے۔ اپنی آنکھوں پر بندھی ہوئی پٹی پر میں نہ صرف روشنی دیکھ رہا بلکہ کھلی فضا کی تازگی بھی محسوس کر رہا تھا۔

چند منٹ گزر گئے۔

اور پھر میری پالکی ایک دم سے ٹھہر گئی اور میں نے بلالی کی آواز سنی۔ وہ استین سے اپنی آنکھوں پر سے پٹا کھول ڈالنے اور پھر ہماری پٹیاں بھی کھول ڈالنے کے متعلق کہہ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ استین آ کر میری پٹی کھولتی خود میں نے اپنی آنکھوں پر سے پٹی گھسیٹ لی اور جھانک کر پالکی میں سے باہر دیکھا۔

میرا اندازہ غلط نہ تھا۔ ہم لوگ پہاڑ کے قلب میں سے گزر کر آ گئے تھے اور اس کے دوسری

طرف اور اس کے موڑی نما پہلو کے عین نیچے تھے۔ سب سے پہلی بات جو میں نے دیکھی وہ یہ تھی چٹان اس طرف جتنی بلند تھی دوسری طرف نہ تھی اور وہ خشک تالاب یا آتش فشانی دہانہ جس میں ہم کھڑے ہوئے تھے، دوسری طرف کے میدان کی سطح سے کافی بلند تھا۔ رہی دوسری باتیں تو ان کا تو یہ ہے کہ اس وقت ہم جہاں پہنچ گئے تھے وہ گویا ایک بہت بڑا پیالہ سا تھا جو چٹانوں کی آغوش میں تھا یہ علاقہ بھی اس علاقہ کی طرح ہی تھا جہاں ہم نے پہلی دفعہ قیام کیا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ یہ خطہ اس پہلے خطہ سے دس گنا بڑا تھا۔ دور پر چٹانوں کی چوٹیاں دھندلی دھندلی سی نظر آ رہی تھیں۔ یہ زبردست میدان، جس کی فصیل بندی خود قدرت نے کی تھی، بڑا ہی زرخیز تھا اور اس میں کاشت کی گئی تھی۔ جگہ جگہ پتھروں کی دیواریں بنائی گئی تھیں کہ مویشی اور بھیڑیں گھس کر فصل کو تباہ نہ کر سکیں اور میں دیکھ رہا تھا کہ مویشیوں اور بھیڑوں کے ریوڑ ادھر ادھر چر رہے تھے۔

اس میدان میں یہاں وہاں گھاس کے ٹیلے تھے اور چند میل دور اور میدان کے عین درمیان میں زبردست کھنڈرات دیکھ رہا تھا۔ اس سے زیادہ مجھے دیکھنے کا موقع نہ ملا کیونکہ فوراً ہی اماجروں نے گروہ در گروہ آ کر ہمیں گھیر لیا۔ ان اماجروں میں اور ان اماجروں میں کوئی فرق نہ تھا جن سے ہم واقف ہو چکے تھے، یہ لوگ بھی اداس چہروں والے اور خاموش تھے اور یوں ہجوم کر کے آئے تھے کہ اب میں ان لوگوں کے علاوہ کچھ دیکھ ہی نہ سکتا تھا۔

اور پھر دفعتاً مسلح اماجر کی صفیں نمودار ہوئیں۔ وہ ایک ترتیب سے صفیں بنائے اور چھوٹے چھوٹے دستوں میں تقسیم ہو کر ترتیب اور ضابطے سے ہماری طرف بھاگے آ رہے تھے۔ ان دستوں کے افسر آگے آگے تھے اور ان کی پہچان یہ تھی کہ ہر افسر کے ہاتھ میں ہاتھی دانت کا عصا تھا۔ یہ سپاہی، جہاں تک میں معلوم کر سکا، چٹان میں چیونٹیوں کی طرح نکل آئے تھے۔ یہ سپاہی اور ان کے افسر بھی چیتے کی کھالوں کے علاوہ ڈھیلے ڈھالے چغے پہنے ہوئے تھے۔ جیسا کہ میں نے صحیح اندازہ لگایا یہ "حیاہ" یا "وہ جس کا حکم ماننا ضرور ہے" کے باڈی گارڈ تھے۔

باڈی گارڈ دستوں کے افسر اعلیٰ نے، غالباً وہ افسر اعلیٰ ہی تھا، آگے بڑھ کر اور اپنا ہاتھی دانت کا عصا ماتھے سے چھوا کر بلالی کو سلام کیا اور اس سے کچھ پوچھا۔ میں نہ تو سن سکا اور نہ سمجھ سکا کہ اس نے کیا پوچھا۔ بلالی نے افسر کے ہر سوال کا جواب اطمینان بخش طور پر دے دیا چنانچہ پوری رجمنٹ پلٹ کر چٹان کے پہلو کے ساتھ چل دی اور ہماری پالکی بھی اسی راستے پر روانہ ہو گئی۔



آدھے گھنٹے کے سفر کے بعد ایک بار پھر ہم ایک زبردست غار کے سامنے رک گئے جو ساٹھ فٹ بلند اور اسی فٹ چوڑا تھا۔ یہاں بلالی اپنی پالکی سے اتر آیا اور مجھ سے جوب سے درخواست کی کہ ہم اپنی پالکی سے اتر کر اس کے پیچھے چلیں۔ غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ لیو کی حالت ایسی تھی کہ اسے ظاہر ہے کہ چلنے پر مجبور نہ کیا جا سکتا تھا۔

میں اور جوب پالکیوں سے اتر کر بلالی کے پیچھے ہی پیچھے اس زبردست غار میں داخل ہو گئے۔ کچھ دور تک غروب ہوتے ہوئے سورج کی کرنوں نے اسے روشن کر رکھا تھا۔ جہاں دن کی یہ روشنی ختم ہو جاتی تھی وہاں سے چراغوں کا سلسلہ تھا۔ یہ چراغ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر رکھے ہوئے تھے چنانچہ یہ جو روشنی پھیلا رہے تھے وہ تقریباً ناکافی تھی۔

چراغوں کی اس ناکافی روشنی میں سب سے پہلی بات میں نے دیکھی کہ غار کی دیواروں پر مختلف قسم کی تصویریں تھیں۔ چند مناظر شکاریوں اور شکار کے تھے، پھر مجرموں کو سزا دیئے جانے کے مناظر تھے جو یوں تھے کہ بہت سے آدمی مل کر مجرموں کے سروں پر بڑے بڑے برتن، غالباً گرم برتن، رکھ رہے تھے۔ ان مناظر کو دیکھ کر میں نے سمجھ لیا کہ اماجر نے انہی تصویروں سے اجنبیوں کے سروں پر گرم برتن رکھنا سیکھا تھا۔ البتہ جنگ کے مناظر بہت کم تھے اور جو تھے ان میں بھی زیادہ تر کشتی لڑتے ہوئے پہلوانوں کے تھے۔ چنانچہ اس سے میں نے اندازہ لگایا جو یقیناً غلط نہ تھا، کہ ان لوگوں کو کسی بیرونی دشمن کے حملے کا کوئی خطرہ نہ تھا اور یہ اس لیے تھا کہ یہ لوگ یا تو بہت دور بسے ہوئے تھے یا پھر ان کی فوجی قوت اس طرف کے دوسرے قبائل سے بڑھی ہوئی تھی۔ ان تصویروں کے درمیان تحریر تھی جو غالباً اوپر سے نیچے پڑھی جاتی تھی۔ یہ تحریر نہ تو یونانی تھی نہ مصری بلکہ چینی تحریر سے مشابہ تھی۔ غار کے دہانے کے قریب تصویریں اور تحریر دھندلی ہو گئی لیکن جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے گئے یہ تصویریں وغیرہ ایسی تازہ تھیں جیسے ابھی کل ہی بنائی گئی ہوں۔

باڈی گارڈ کی رجمنٹ غار کے دہانے سے آگے نہ آئی۔ وہاں وہ لوگ ادب سے کھڑے ہو گئے لیکن غار میں ایک شخص نے جس نے سفید چغہ پہن رکھا تھا، دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر اور احتراماً جھک کر ہمارا استقبال کیا لیکن منہ سے کچھ نہ کہا۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہ تھی کیونکہ جیسا کہ ہمیں بعد میں معلوم ہوا وہ بہرا اور گونگا تھا۔

اس زبردست غار کے دہانے سے کوئی بیس فٹ آگے اور زاویہ قائمہ بناتا ہوا ایک دوسرا چھوٹا

غار یوں کیسے کی گیلری تھی۔ یہ گیلری اس مرکزی بڑے غار کے دائیں بائیں چٹان کاٹ کر بنائی گئی تھی
ہمارے بائیں طرف اور گیلری کے سامنے دو محافظ مؤدب کھڑے ہوئے تھے جس سے میں نے سمجھ لیا کہ
یہ گیلری خود حیاہ کی رہائش گاہ تک جانے کا راستہ تھی۔ دائیں طرف کی گیلری کے دہانے پر کوئی محافظ نہ
تھا اور ہمارے بہرے اور گونگے رہبر نے اشارہ سے بتایا کہ ہمیں اس دوسری گیلری میں جانا تھا۔

ہم اس گیلری میں جو چراغوں سے روشن تھی، داخل ہو گئے اور چند گز چلنے کے بعد ایک حجرے
کے سامنے تھے جس کے دروازے پر کسی قسم کی گھاس سے بنا ہوا پردہ لٹک رہا تھا۔ یہ پردہ زنجی بار کی
چٹائیوں سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھا۔

ہمارے بہرے گونگے راہبر نے ایک بار پھر احتراماً جھک کر یہ پردہ اٹھایا اور اندر داخل
ہو گیا۔ ہم اس کے پیچھے تھے۔ اور اب ہم ایک کافی بڑے حجرے میں تھے جو حسب معمول چٹان کاٹ کر
بنایا گیا تھا۔ لیکن یہ دیکھ کر میں نے اطمینان کا سانس لیا کہ اس کی چھت میں ایک روشندان بنا ہوا تھا جس
میں سے دن کی روشنی اندر آ رہی تھی۔ اس حجرے میں پتھر کا پلنگ تھا۔ منہ ہاتھ دھونے کے لیے پانی سے
بھرے ہوئے پیالے رکھے ہوئے تھے اور چیتے کی خوبصورت نرم اور رنگین کھالیں تھیں جو کمبلوں کی غرض
پوری کر سکتی تھیں۔

یہاں ہم نے لیو کو لٹا دیا جو اب بھی بے خبر سو رہا تھا۔ اُستین لیو کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ وہ اس
کے ساتھ اسی حجرے میں رہنے والی تھی۔ میں نے دیکھا کہ ہمارے بہرے گونگے راہبر نے تیز نظروں
سے استین کی طرف دیکھا گویا کہہ رہا ہو۔

"کون ہو تم اور کس کی اجازت سے یہاں آئی ہو؟"

اس کے بعد وہ ہمیں بالکل ایسے ہی دوسرے حجرے میں لے آیا جس پر جوب نے قبضہ جما لیا۔
اس کے بعد وہ ہمیں دوسرے دو حجروں میں لے آیا۔ تیسرے حجرے میں میں نے اور چوتھے میں بلالی
نے قیام کیا۔

☆☆



## بارہواں باب

# حیّاہ

لیو کی طرف سے اپنا اطمینان کرنے کے بعد میں اور جوب اپنی اپنی ذات کی طرف متوجہ
ہوئے اور منہ ہاتھ دھونے کے بعد صاف ستھرا لباس پہن لیا۔ یہ کپڑے جو ہم نے اب تک [illegible]
وقت سے چڑھے ہوئے تھے جب ہماری بڑی کشتی طوفان کی نذر ہو گئی تھی، تب سے [illegible] اس وقت تک
ہمیں کپڑے تبدیل کرنے کا وقت ہی نہ ملا تھا۔ جیسا کہ میں کسی جگہ کہہ چکا ہوں، خوش قسمتی سے ہمارا [illegible]
ضروری سامان وہیل بوٹ میں تھا اس لیے غرق ہونے سے بچ گیا تھا۔ اور ہمارا یہ سامان الماجر [illegible]
یہاں لے آئے تھے۔ البتہ وہ چیزیں جن کے تبادلے میں ہم باشندوں سے دوسری چیزیں حاصل کر سکتے
تھے اور وہ تمام تحائف جو ہم نے اس طرف کے باشندوں کے لیے الگ رکھے تھے [illegible] چکے تھے۔
ہمارے تقریباً سارے ہی کپڑے موٹے فلالین کے تھے چنانچہ اس قسم کے [illegible] لیے [illegible] تھے۔
ایک طرف تو اس قسم کا لباس خاصا مضبوط ہوتا ہے اور پھر جلد گرم نہیں ہوتا چنانچہ استوائی خطوں [illegible]
میں بے حد عمدہ ثابت ہوتا ہے۔ اسی لیے رات کی سردی سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔

کئی دنوں کے بعد غسل نصیب ہوا تھا اور کئی دنوں کے بعد جسم پر سے گندہ لباس اترا تھا چنانچہ
اس تبدیلی سے میں خود کو بے حد ہلکا پھلکا اور بشاش محسوس کر رہا تھا بلکہ [illegible]
جون ہی تبدیل کر دی ہو۔ اس بشاشت کو مکمل کرنے کے لیے صرف ایک چیز [illegible]
جو بدقسمتی سے ہمارے پاس نہ تھی۔

بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ الماجر کسی قسم کی راکھ [illegible]
راکھ کمزوری اور کچھ ناگواری معلوم ہوتی تھی لیکن صابن کی غرض بہر حال پوری [illegible]

کپڑے تبدیل کر کے میں نے اپنی [illegible]
تعب دیا تھا۔ جب اس طرف سے فرصت پا چکا تو [illegible]
ایک بڑی بغیر کسی قسم کی تمہید کے اور ذرا سی بھی آواز پیدا [illegible]

ہوئی۔ یہ بھی بہری اور گونگی تھی چنانچہ اس نے اپنا منہ کھول کر اور بار بار اپنا دایاں ہاتھ منہ تک لے جاکر اشارہ کیا جو یہ ظاہر کرنے کے لیے کافی تھا کہ میری پیٹ پوجا کے لیے کچھ تیار تھا۔

چنانچہ میں اس لڑکی کے پیچھے پیچھے ہی اپنے حجرے سے نکل کر دوسرے حجرے میں، جس میں اب تک ہم گئے نہ تھے، پہنچا۔ وہاں جوب پہلے ہی سے بیٹھا ہوا تھا اور بے حد خوفزدہ اور پریشان تھا کیونکہ ایک خوبصورت گونگی بہری لڑکی اسے اپنے حجرے میں سے نکال کر یہاں لائی تھی جوب اس "گرم برتن والی خاتون" کو بھولا نہ تھا جس نے اس سے لگاوٹ کا اظہار کیا تھا، چنانچہ اب وہ ہر عورت کو، جو اس کے قریب آتی، شک کی نظر سے دیکھتا تھا۔

"مسٹر ہالی صاحب! یہ نوجوان خواتین، مردوں کی طرف ایک خاص انداز سے دیکھتی ہیں۔"

"جو قطعی گستاخانہ ہوتا ہے۔"

یہ حجرہ ہماری خواب گاہوں سے، یعنی حجروں سے، جہاں ہمیں پہنچایا گیا تھا، دگنا تھا اور کسی زمانے میں یہ طعام یا زیادہ صحیح طور پر یہ "حجرہ" "مردوں کے کاہنوں" کا "ممی خانہ" رہا ہوگا۔ یعنی اس حجرے میں گزری ہوئی زبردست قوم کے، جس کی یادگار اما حجر تھے، مردوں کو اس حجرے میں اس طریقہ سے حنوط کیا جاتا ہوگا جو آج تک ایک راز ہے اور شاید قیامت تک ایک راز ہی رہے گا۔ یہاں میں یہ بتا دینا ضرور سمجھتا ہوں کہ ٹھوس چٹان میں کاٹ کر بنائے گئے یہ غار مردے خانے یا مقبرے تھے جن میں صدیوں اس زبردست قوم کے، جس کے آثار ہمارے چاروں طرف گویا بکھرے ہوئے تھے، مردے لیٹے رہے ہوں گے۔

اس حجرے میں، جس کا ذکر میں کر رہا ہوں، چاروں طرف پتھر کی بلند اور لمبی میزیں بنی ہوئی تھیں۔ یہ میزیں تین فٹ چوڑی اور تین فٹ چھ انچ اونچی تھیں۔ ہر میز چٹان سے تراشی گئی تھی اور حجرے کے فرش میں نصب تھیں۔ ان میزوں کو سطح پر سے ذرا سا اندر کی طرف جوفی کر دیا گیا تھا جیسی کہ کھرل ہوتی ہے لیکن کھرل زیادہ گہری ہوتی ہے اور یہ میزیں ذرا سی گہری تھیں۔ یہ جوف گھٹنے رکھنے کے لیے تھے۔ ان میزوں کے سامنے چٹان سے ہی تراشے ہوئے بنچ تھے چنانچہ ان بنچوں پر بیٹھنے والوں کے گھٹنے، جب وہ پیر میز کے نیچے رکھتے تو ان جوفوں میں آسانی سے سما جاتے اور میز کے سامنے بیٹھنے والوں کو تکلیف نہ ہوتی۔ یہ بنچ میزوں سے دو فٹ دور تھے۔ یہ میزیں اور بنچیں کچھ ایسے زاویے سے بنائی گئی تھیں کہ ٹھیک اس روشندان کے نیچے تھیں جو چھت میں روشنی اور ہوا کی آمد و رفت کے لیے بنایا گیا تھا۔



ان میزوں کا غور سے معائنہ کیا تو معلوم ہوا کہ ایک میز، جو حجرے کے دہانے کے بائیں طرف تھی، ساخت میں دوسری میزوں سے مختلف تھی اور صریحاً یہ ایک میز کھانے کے لیے بلکہ لاش کو حنوط کرنے کے لیے استعمال کی جاتی تھی۔ میرے اس اندازے کی صداقت کا ثبوت اس بات نے دے دیا کہ اس میز پر پورے پانچ اتھلے دباؤ سے تھے۔ یہ دباؤ انسانی جسم کی شکل کے تھے اور مختلف سائز کے تھے چنانچہ ہر دباؤ میں مختلف جسامت کی لاش کو، بچے سے لے کر پورے قد کے اور دبلے سے لے کر موٹے انسان کی لاش کو لٹا دیا جا سکتا تھا۔ ہر دباؤ کے سرہانے گول دباؤ تھا جس میں لاش کا سر رہتا ہوگا اور اس کے دباؤ کے نیچے چھوٹا سا پل یا ابھار تھا جس پر لاش کی گردن ٹکی رہتی ہوگی اس کے علاوہ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر سوراخ تھے جو یقیناً اس لیے تھے کہ لاش کی رطوبت اور پانی وغیرہ بہہ جائے اگر یہ ثبوت کافی نہ ہو تو پھر مجھے نظریں اٹھا کر حجرے کی دیواروں پر دیکھنا تھا۔ یقین کیجئے وہاں موت کی، حنوط کرنے اور ایک بوڑھے کو دفنانے کی سلسلہ وار تصویریں بنی ہوئی تھیں جو یقیناً اس وقت بنائی گئی تھیں جب یہ حجرہ چٹان میں کاٹا گیا تھا تاہم وہ اتنی ہی تازہ تھیں جتنی کہ دور اول میں رہی ہوں گی۔ وہ بوڑھا جس کی موت اور دفن وغیرہ کا منظر یہ تصویریں پیش کر رہی تھیں وہ میرے خیال میں یہاں کا کوئی زبردست بادشاہ یا پھر کوئی مقتدر ہستی رہا ہوگا۔

پہلی تصویر میں اس کی موت کا نقشہ کھینچا گیا تھا۔ وہ ایک کوچ پر لیٹا ہوا تھا اور صاف ظاہر تھا کہ اس کا دم نکل رہا تھا کیونکہ کوچ کے ارد گرد عورتیں اور بچے جمع تھے اور رو رہے تھے۔ عورتوں نے اپنے بال کھول لیے تھے۔ دوسری تصویر میں اس کی لاش کو حنوط کیا جا رہا تھا۔ لاش اسی قسم کی میز پر برہنہ لیٹی ہوئی تھی جیسی کہ ہمارے سامنے تھی اور جس پر انسانی جسم کی ساخت کے دباؤ بنے ہوئے تھے۔ میز پر تین آدمی کام کر رہے تھے۔ ایک نگرانی کر رہا تھا۔ دوسرا ایک نلکی پکڑے ہوئے تھا جس کا ایک سرا لاش کے سینے میں پیوست تھا اور تیسرا لاش پر اس طرح بیٹھا ہوا تھا جس طرح کہ ہم گھوڑے پر بیٹھتے ہیں۔ اس کے ہاتھ میں ایک صراحی تھی جس میں سے وہ کسی قسم کا بھاپ اگلتا سیال مادہ اس نلکی میں انڈیل رہا تھا۔ اس تصویر میں سب سے زیادہ عجیب بات یہ تھی کہ ان دونوں نے، یعنی اس شخص نے جو نلکی پکڑے ہوئے تھا اور اس نے جو صراحی میں سے سیال مادہ انڈیل رہا تھا، ایک ہاتھ سے اپنی ناک دبا رکھی تھی یا تو اس لیے کہ لاش سے تعفن اٹھ رہا تھا یا شاید اس لیے کہ اس گرم سیال مادے کے، جو مردے کی رگوں میں پہنچایا جا رہا تھا، ابخرات ان کے دماغ میں نہ گھس جائیں۔ ایک اور عجیب خصوصیت، جسے میں سمجھ نہ

سکا، اس تصویر میں یہ تھی کہ ان تینوں آدمیوں نے اپنے چہروں پر کپڑے کی پٹیاں لپیٹ رکھی تھی جن میں آنکھوں کی جگہ سوراخ تھے۔

تیسری تصویر مرنے والے کو دفنانے کا منظر پیش کر رہی تھی۔ مردہ پتھر کی بالکل ایسی ہی سل پر جس پر میں سویا تھا، اکڑا ہوا اور سرد پڑا تھا۔ اسے چغہ پہنا دیا گیا تھا اس کے سرہانے اور پائنتی چراغ جل رہے تھے اور اس کے دائیں بائیں خوبصورت صراحیاں، جن کی تفصیل میں کسی جگہ بیان کر چکا ہوں، دھری ہوئی تھیں اور میں سمجھتا ہوں ان میں اشیائے خورد و نوش بھری ہوئی تھیں۔ حجرے میں ماتم کرنے والوں کا ہجوم تھا۔ ایک طرف سازندے طاؤس بنسری کی قسم کے ساز بجا رہے تھے اور پائنتی کے قریب ایک شخص چادر لیے کھڑا تھا جس سے وہ مردے کو ڈھکنے والا تھا۔

یہ تصویریں فن مصوری کا ایسا عمدہ نمونہ تھیں کہ میں ان کی تفصیل بیان کرنے سے اپنے آپ کو روک نہ سکا۔ اس کے علاوہ یہ تصویریں ایک مٹی ہوئی مہذب قوم کی تجہیز و تکفین کی رسومات کو مکمل طور پر پیش کر رہی تھیں۔ اس لحاظ سے بھی یہ تصویریں دلچسپ ہیں چنانچہ ان کی تفصیل بیان کرنے کے لیے میں آپ سے معافی طلب کرنا ضروری نہیں سمجھتا۔

خیر تو آدم برسر مطلب۔ حجرے اور ان تصویروں کے معائنہ کے بعد میں کھانے کی طرف متوجہ ہوا۔ کھانا بے حد عمدہ تھا اور بڑی شائستگی اور صاف ستھرے پن کو ملحوظ رکھتے ہوئے چوبی قابوں میں چنا گیا تھا۔ بکری کا ابلا ہوا گوشت، تازہ دودھ اور روٹیاں۔

کھانے سے فارغ ہو کر ہم لیو کی خیر معلوم کرنے اس کے حجرے کی طرف چلے۔ ہم سے مردا خود اپنے آپ اور جوب سے ہے کیونکہ بلالی ہم سے معذرت طلب کر کے اور یہ کہہ کر رخصت ہو گیا تھا کہ مزید احکامات اور ہدایت حاصل کرنے کے لیے اس کا حیاؤ کی خدمت میں حاضر ہونا ضروری ہے۔

لیو کے حجرے میں پہنچے تو دیکھا کہ اس کی حالت پہلے سے کچھ زیادہ ہی بگڑ گئی تھی۔ وہ بیدار ہو چکا تھا لیکن تقریباً پاگل ہو گیا تھا۔ وہ اٹھ اٹھ کر بھاگنے کی کوشش کر رہا اور کیمبرج میں کشتیوں کی دوڑ کے متعلق بک رہا تھا۔ جب ہم حجرے میں داخل ہوئے تو استین اسے دبا کر بیٹھی تھی ورنہ وہ یقیناً اٹھ کر بھاگ جاتا۔ میں نے لیو کو مخاطب کیا تو میری آواز نے معلوم ہوتا ہے، اسے سکون بخشا۔ بہرحال وہ قدرے پرسکون ہو گیا اور تھوڑی سی بک جھک کے بعد کونین کا ایک ڈوز بھی اس نے پی لیا۔

پھر میں وہیں بیٹھ گیا۔ لیو کے قریب بیٹھے مجھے شاید ایک گھنٹہ گزرا ہوگا — کم سے کم اتنا تو



مجھے پتہ ہے کہ اب اندھیرا ہو چکا تھا اور اس میں لیو کا صرف سنہرے بالوں والا سر تکیے پر نظر آ رہا تھا جو ہم نے اپنے تھیلے سے نکال کر اس کے سر کے نیچے رکھ دیا تھا اور ٹھوڑی سے لے کر پیروں تک کمبل ڈھک دیا تھا کہ بلالی حجرے میں آ گیا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ کوئی اہم خبر لے کر آیا تھا۔ اس نے آتے ہی بتایا کہ حیاؤ نے مجھے طلب کیا ہے اور مجھ سے فوراً ملنا چاہتی ہے۔ اس نے مزید کہا کہ اس پر میں جتنا بھی فخر کروں کم ہے کیونکہ آج تک اس نے بہت کم لوگوں کو شرف باریابی بخشا ہے۔

میں نے جب اس پر کسی قسم کی خوشی کا اظہار نہ کیا تو میرا خیال ہے کہ بوڑھا بلالی میرے اس ٹھنڈے پن پر قدرے خوفزدہ ہو گیا۔ سچ تو یہ ہے کہ میں کسی وحشی اور پراسرار ملکہ سے ملنے کا آرزومند تھا بھی نہیں پھر وہ کتنی ہی حسین اور کیسی ہی زبردست قوتوں کی مالک کیوں نہ رہی ہو۔ خصوصاً اس لیے کہ میں لیو کی طرف سے بے حد پریشان تھا اور مجھے خوف ہو چلا تھا کہ وہ زندہ نہ رہے گا۔

تاہم میں دل پر جبر کر کے اٹھا اور جب میں بلالی کے ساتھ حجرے سے نکل رہا تھا تو میری نظر فرش پر پڑی ہوئی ایک چمکدار چیز پر پڑی۔ میں نے جھک کر وہ چیز اٹھا لی۔ یقیناً قارئین بھولے نہ ہوں گے کہ اسی صندوقچے میں سے جس میں سے آمن ارتاس کا سفال برآمد ہوا تھا ہمیں ایک استقارب بھی ملا تھا جس پر ہنس کی تصویر اور ہیلوگرافی کی دوسری اشکال بنی ہوئی تھیں جن کا مطلب تھا "سوتین سی را" یعنی "را کا شاہی بیٹا"۔ یہ استقارب چونکہ بہت چھوٹا تھا اس لیے لیو نے اسے ایک بڑی سونے کی انگوٹھی میں جڑوا لیا تھا۔ اب یہ انگوٹھی ایسی ہی تھی جیسی کہ مہر لگانے کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ وہی انگوٹھی تھی جو مجھے فرش پر پڑی ملی تھی۔ لیو نے ہذیانی کیفیت میں اسے اتار کر فرش پر پھینک دی تھی یا شاید یہ انگوٹھی اس کی انگلی سے نکل گئی تھی، اس خیال سے کہ اگر میں نے اسے یہیں پڑا رہنے دیا تو وہ شاید گم ہو جائے۔ میں نے انگوٹھی اٹھا کر خود اپنی چھنگلیا میں پہن لی اور پھر جوب اور استین کو لیو کے پاس چھوڑ کر بلالی کے ساتھ حجرے سے نکل گیا۔

ہم حجرے میں سے نکل کر گزرگاہ میں آ گئے اور پھر بڑا مرکزی غار عبور کر کے دوسری طرف وہاں پہنچے جہاں بڑے غار کے دائیں بائیں دو غار تھے اور ایک غار کے دہانے پر دو محافظ بتوں کی طرح بے حس و حرکت کھڑے ہوئے تھے۔ قارئین بھولے نہ ہوں گے کہ میں نے اس غار کو گیلری اور حیاؤ کی رہائش گاہ تک جانے کا راستہ کہا ہے۔

جب ہم وہاں پہنچے تو ان دو محافظوں نے سر جھکا کر ہمیں سلام کیا اور اپنے بڑے بڑے

بھالے بلند کر کے اپنے ماتھوں سے چھوا دیئے بالکل اسی طرح جس طرح باڈی گارڈ دستے کے، جو ہمیں غار سے باہر ملا تھا، سردار نے ہاتھی دانت کا عصا اپنے ماتھے سے چھوا کر ہمیں سلام کیا تھا۔ ہم ان کے درمیان سے گزر کر اندر داخل ہو گئے۔ میں نے دیکھا کہ اب ہم بالکل ایسے ہی گزرگاہ میں تھے جو خود ہمارے حجروں تک جاتی تھی، فرق صرف اتنا تھا کہ گزرگاہ میں روشنی کا انتظام عمدہ تھا چنانچہ یہ گزرگاہ نسبتاً زیادہ روشن تھی۔

چند قدم آگے بڑھے تو چار گونگے بہروں نے ہمارا استقبال کیا۔ ان میں سے دو عورتیں تھیں اور دو مرد۔ یہ چاروں ہمارے سامنے جھکے اور پھر گھوم کر اس طرح چل دیئے کہ عورتیں ہمارے سامنے تھیں اور مرد پیچھے۔ اور اس طرح ہم چل پڑے اور غار گزرگاہ کی دائیں بائیں دیواروں میں بنے ہوئے کئی دروازوں کے درمیان سے گزرے۔ ان دروازوں پر ایسے ہی پردے لٹک رہے تھے جیسے کہ ہمارے حجروں کے دروازوں پر۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ان پردے پڑے دروازوں کے دوسری طرف گونگوں بہروں کے رہائشی حجرے تھے اور یہ گونگے بہرے حیاؤ کے خاص خدمت گار تھے۔

چند قدم اور آگے بڑھے تو ہم ایک اور دروازے کے سامنے تھے۔ یہ دروازہ دوسرے دروازوں کی طرح گزرگاہ کے پہلو میں اور دائیں بائیں طرف نہ تھا بلکہ عین سامنے تھا۔ یہاں دو سفید چغہ پوش بلکہ یوں کہیے کہ زرد چغہ پوش محافظ کھڑے ہوئے تھے۔ انھوں نے کمر سے خم ہو کر ہمیں سلام کیا اور اپنے درمیان سے ہمیں گزر جانے دیا۔ دروازے پر پڑے ہوئے وزنی پردے کو اٹھا کر ہم جس حجرے میں پہنچے وہ گویا پیش کمرہ تھا۔ یہ پیش کمرہ کوئی چالیس فٹ لمبا اور تقریباً اتنا ہی چوڑا تھا۔ یہاں آٹھ دس عورتیں جس میں سے زیادہ تر قبول صورت اور جوان تھیں اور ہر ایک کے بال سنہرے تھے، گدوں پر بیٹھی ہاتھی دانت کی سلائیوں سے کسی قسم کے کپڑے پر کچھ کاڑھ رہی تھیں۔ یہ عورتیں بھی گونگی بہری تھیں۔

اس بڑے حجرے کے انتہائی سرے پر ایک اور دروازہ تھا جس پر عمدہ اور قیمتی پردے پڑے ہوئے تھے اور یہ پردے ہمارے حجروں کے پردوں سے قطعی مختلف تھے۔ ان پردوں کے سامنے دو بے حد خوبصورت گونگی بہری لڑکیاں اپنے سینے پر ہاتھ باندھے اور احترام سے سر جھکائے کھڑی تھیں۔ جب ہم قریب پہنچے تو ان لڑکیوں نے سر اٹھائے بغیر اپنا ایک ایک ہاتھ بڑھا کر پردہ دائیں بائیں ہٹا دیا۔



تب بالی نے ایک عجیب حرکت کی۔ وہ قابلِ احترام شریف بوڑھا — کیونکہ وہ شریف بھی تھا اور قابلِ احترام بھی — لہٰذا اپنے ہاتھوں اور پیروں پر اس طرح گر گیا کہ اس کے گھٹنے اور ہتھیلیاں فرش پر ٹکی ہوئی تھیں اور اسی حالت میں وہ چوپایوں کی طرح چلتا ہوا دوسرے کمرے میں داخل ہوا۔ اس کی سفید اور لمبی داڑھی فرش پر گھسٹ رہی تھی، بلکہ یوں کہیے کہ جھاڑو دے رہی تھی۔ میں بھی انسانوں کی طرح دو ٹانگوں پر چلتا ہوا اندر داخل ہوا۔ بالی نے گردن گھما کر میری طرف دیکھا اور مجھے اپنی ٹانگوں پر دیکھ کر خوفزدہ سرگوشی میں بولا۔

"جھک جاؤ میرے بیٹے! جھک جاؤ لنگور! گر جاؤ اپنے گھٹنوں اور ہاتھوں پر۔ ہم حیاؤ کے حضور پہنچ رہے ہیں اور اگر تم نے اپنی خاکساری کا ثبوت دیتے ہوئے اس کا احترام نہ کیا تو وہ تمہیں وہیں پاگل کر دے گی جہاں تم کھڑے ہوئے ہو گے۔"

میں چلتے چلتے ٹھہر گیا اور میرے دل میں خوف اتر آیا، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ میری ٹانگیں جواب دینے لگیں، لیکن دلائل میری مدد کو آ گئے۔ میں ایک مہذب انسان ہوں — میں نے سوچا — پھر کیوں میں ایک جنگلی عورت کے سامنے بندر کی طرح ہاتھوں اور پیروں پر چلنے لگ جاؤں؟ میں ایسا نہ کروں گا اور مجھے ایسا کرنا بھی نہ چاہیے۔ کم سے کم اس وقت تک نہیں جب تک کہ مجھے معلوم نہیں ہو جاتا کہ اسی پر میری زندگی کا انحصار ہے۔ اگر ایک دفعہ میں نے کمزوری کا ثبوت دیا۔ اگر ایک دفعہ میں یوں رینگا تو پھر ہمیشہ کمزور بنا رہوں گا اور ہمیشہ رینگتا ہی رہوں گا اور یہ ذلت کی سب سے زیادہ نمایاں علامت ہے۔

چنانچہ یوں اپنے آپ کو سمجھا کر میں آگے بڑھا اور اب میں دوسرے کمرے میں تھا جو پہلے کمرے یعنی پیش کمرے سے نسبتاً چھوٹا تھا۔ اس کمرے کی دیواروں پر عمدہ پردے لٹک رہے تھے جن پر گل بوٹے کڑھے ہوئے تھے اور یہ یقیناً ان گونگی بہری عورتوں کی کاریگری تھی جو اس وقت بھی پیش کمرے میں بیٹھی کپڑے پر کچھ کاڑھ رہی تھیں۔ اس کے علاوہ اس کمرے میں یہاں وہاں خوبصورت کالی کرسیاں رکھی ہوئی تھیں جو آبنوس کی قسم کی لکڑی سے بنائی گئی تھیں جن میں ہاتھی دانت کے ٹکڑوں کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ کمرے کے پورے فرش پر نرم قالین بچھے ہوئے تھے۔ اس کمرے کے انتہائی سرے پر ایک اور وسیع دروازہ تھا، اس پر بھی پردے پڑے ہوئے تھے جن میں سے روشنی چھن چھن کر آ رہی تھی۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ پردوں کے دوسرے طرف خاصی روشنی ہو رہی تھی۔

یہ پورا کمرہ جس میں ہم تھے، سراسر خالی تھا۔ یعنی یہاں محافظ مرد یا عورتیں نہ تھیں۔

بڑی مضحکہ خیز حالت میں، تکلیف سے اور آہستہ آہستہ رینگتا ہوا بلالی کمرے یا حجرے یا غار کی لمبائی طے کر گیا۔ میں حتی الامکان قدرے شان اور آسانی سے اس کے پیچھے چلتا رہا لیکن مجھے شدت سے احساس تھا کہ میں اپنی شان اور بے خوفی قائم رکھنے میں بری طرح ناکام رہا تھا۔ اول تو اس لیے کہ ایک ایسے بوڑھے کے پیچھے، جو قدرے تکلیف سے رینگ رہا ہو۔ چلنا کوئی شاندار بات نہ تھی اس طرح بے حد آہستہ آہستہ چلنے اور بلالی کے پیچھے رہنے کی غرض سے مجھے ہر قدم بڑھاتے وقت چند سیکنڈ کے لیے یا تو اپنی ایک ٹانگ ہوا میں اٹھا رکھنی پڑتی تھی یا پھر ہر ایک قدم کے بعد چند سیکنڈ کے لیے رک جانا پڑتا تھا۔ پھر بلالی یوں رینگنے میں ماہر بھی نہ تھا— شاید اس لیے کہ وہ بوڑھا تھا— چنانچہ اس کمرے میں ہمارا یہ سفر بڑا ہی دقت طلب ثابت ہوا۔ میں بلالی کے عین پیچھے تھا چنانچہ اسے آگے بڑھانے کے لیے مجھے کئی دفعہ اس کے اوپر اٹھے ہوئے کولھوں پر لات جمانی پڑتی تھی۔ میری حالت اس آئرستانی کی سی تھی جو سور کو اپنے آگے آگے ہنکاتا ہوا منڈی کی طرف جا رہا ہو۔ یہ تشبیہ ذہن میں آئی تو بمشکل اپنی ہنسی روک سکا اور اپنی ہنسی کو روکنے کے لیے میں چھینکنے پر مجبور ہو گیا۔ میری اس حرکت نے بلالی کو لرزا دیا۔ اور اس نے گردن گھما کر اپنے شانوں پر سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرے بیٹے گستاخی نہ کرو، مبادا جان سے جاؤ۔"

آخر کار ہم پردوں کے قریب پہنچ گئے اور وہاں پہنچتے ہی بلالی اوندھے منہ اس طرح لمبا لمبا لیٹ گیا کہ اس کے دونوں ہاتھ آگے کی طرف بڑھے ہوئے تھے۔ میری سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کروں چنانچہ میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

دفعتاً مجھے احساس ہوا اور شدت سے ہوا کہ پردوں کے پیچھے سے کوئی میری طرف دیکھ رہا تھا۔ لیکن میں اس ہستی کو جو پتہ نہیں عورت تھی یا مرد، کی نظر اپنے جسم پر محسوس نہ کر رہا تھا تاہم وہ نظر میرے اعصاب پر ایک عجیب طرح اثر انداز ہو رہی تھی۔ میں ایک دم سے خوفزدہ ہو گیا۔ میں نہیں جانتا کہ ایسا کیوں ہوا۔ بے شک یہ مقام کچھ عجیب سا تھا، شہر کی اس روشن سڑک کی طرح جو ویران ہوتی ہے اور غالباً آپ جانتے ہوں گے کہ سڑک کی یہ ویرانی دل پر کس قسم کا اثر کرتی ہے۔ ایسی ہی ویرانی اور خاموشی تھی یہاں اور بلالی اپنے ہاتھ اور پاؤں لمبے کیے اوندھے منہ یوں بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا جیسے مر چکا ہو۔ پردے میں سے عود و عنبر کے ابخرات باہر آ رہے تھے اور غار کی اندھیری محرابی چھت کی طرف اٹھ رہے تھے۔ سیکنڈ منٹوں میں تبدیل ہو گئے۔ منٹوں پر منٹ گزرتے رہے لیکن یہ خاموشی ویرانی اور بے



جان سا ماحول قائم رہا۔ آس پاس یا پردے کے پیچھے سے زندگی کے آثار نظر نہ آئے۔ اور نہ پردے ہٹے لیکن میں کسی نظر کو برمے کی طرح اپنی روح کی گہرائیوں میں اترتے محسوس کرتا رہا۔ میرا خوف بڑھتا رہا یہاں تک کہ میرے ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہو گئے۔

آخر کار پردے ہلے۔ کون ہو سکتا تھا ان کے پیچھے؟ کوئی بد ہیئت وحشی ملکہ، کوئی استوائی حسینہ یا کوئی انیسویں صدی کی خاتون جو سہ پہر کی چائے پی رہی ہوگی؟ میں کچھ نہ جانتا تھا۔ میرا سر چکرا رہا تھا۔ چنانچہ ان تینوں میں سے کوئی ایک بھی اپنا جلوہ دکھاتی تو یقین کیجیے مجھے ذرا تعجب نہ ہوتا۔

ایک بار پھر پردے ہلے اور ان کی گہری سلوٹوں میں سے ایک بے حد نازک اور خوبصورت ہاتھ نمودار ہوا۔ یہ ہاتھ موسم کی پہلی برف کی طرح سفید تھا۔ انگلیاں لانبی، پوریں مخروطی اور ناخن گلابی تھے۔ اس ہاتھ نے پردے کو پکڑ کر ایک طرف ہٹایا اور پھر ایک آواز سنائی دی۔ ایسی دھیمی، نرم اور چاندی کی گھنٹیوں کی سی آواز میں نے پہلے کبھی نہ سنی تھی۔ یہ آواز سن کر مجھے جھرنے کی ترل ترل یاد آ گئی۔

"اجنبی!" اس آواز نے عربی میں کہا لیکن یہ عربی اماجر کی عربی سے زیادہ صحیح شائستہ اور سلجھی ہوئی تھی۔ "اجنبی! تم اس قدر خوفزدہ کیوں ہو؟"

یہاں میں یہ بتا دوں کہ میرا خیال تھا کہ میں نے اپنے دلی خوف کو دل میں ہی دبا رکھا تھا اور اس کا اظہار میں نے اپنے بشرے سے نہیں ہونے دیا تھا چنانچہ اس سوال نے مجھے حیرت زدہ کر دیا۔

ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ کیا جواب دوں کہ پردہ ہٹا کہ ایک طویل القامت شبیہ میرے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

میں نے کہا ہے شبیہ کیونکہ نہ صرف اس کا پورا جسم بلکہ اس کا چہرہ بھی کسی قسم کے سفید، نرم اور باریک کپڑے میں لپٹا ہوا تھا چنانچہ پہلی ہی نظر میں وہ اس مردے کی طرح معلوم ہوئی جو اپنے کفن میں لپٹا قبر میں سے نکل کر آیا ہو۔ میں نہیں جانتا کہ کفن اور مردے کا خیال مجھے کیوں آیا حالانکہ یہ کپڑا یا پٹیاں اتنی باریک تھیں کہ اس عورت کے جسم کا گورا پن ان میں صاف نظر آ رہا تھا۔ یہ خیال مجھے غالباً اس لیے آیا تھا کہ اس نے اتفاقاً یا قصداً ان پٹیوں کو کفن کی طرح ہی اپنے جسم پر لپیٹ رکھا تھا۔ بہر حال یہ حقیقت ہے کہ اس بھوت جیسی شبیہ کو دیکھ کر میں اور بھی خوفزدہ ہو گیا اور میرے سر کے بال کھڑے ہو گئے۔ اور مجھے شدت سے احساس ہوا کہ میں ایک ایسی ہستی کے سامنے تھا جو یقیناً اس دنیا سے تعلق نہ رکھتی تھی۔ اس کے باوجود میں دیکھ رہا تھا کہ میرے سامنے کھڑی ہوئی اور ممی جیسی شبیہ دراصل ایک طویل قامت

عورت تھی جس کے ہر بن مو سے حسن کے سوتے پھوٹ رہے تھے جس کا ایک ایک عضو حسن کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا اور جس کی نزاکت اور جسم میں سانپ کی سی لچک بے مثال تھی۔ جب وہ اپنا بازو بلاتی، ایک مقام آگے بڑھاتی تو اس کا پورا جسم نازک بید کی طرح جیسے سو سو بل کھا جاتا اور اس کی گردن میں ہلکا سا خم پیدا ہو جاتا تھا۔

''اس قدر خوفزدہ کیوں ہو اجنبی؟'' اسی شیریں آواز نے پوچھا جس میں ایسا ترنم تھا کہ میرا دل بے قابو ہوا جا رہا تھا۔ ''کیا مجھ میں کوئی ایسی بات ہے جو مردوں کو خوفزدہ کر دیتی ہے؟ اگر ہے تو پھر مجھے کہنا پڑتا ہے کہ آج کے مرد ایسے نہیں ہیں جیسے کبھی ہوا کرتے تھے۔''

اور پھر وہ بڑی سبک روی سے گھوم گئی اور اپنا ایک بازو یوں نکال دیا کہ وہ اپنے سارے حسن و نزاکت کے ساتھ برہنہ ہو گیا اور اس کے گھنے کالے بال بھی نظر آنے لگے جو اس کی ایڑیوں تک پہنچ رہے تھے اس نے پیروں میں پیر تلے پکن رکھے تھے۔

''اے ملکہ! یہ تمہارا حسن ہے جس نے مجھے خوفزدہ کر دیا ہے۔'' میں نے بڑی خاکساری سے جواب دیا۔ حالانکہ میں نہ جانتا تھا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں، لیکن اوندھے منہ پڑے ہوئے بلالی نے حرکت کی اور آہستہ سے کہا:

''خوب کہا میرے لنگور بیٹے، خوب کہا۔''

''آہا۔ تو مردوں نے اب بھی جھوٹی تعریف سے ہم عورتوں کو دھوکا دینا ترک نہیں کیا ہے'' اس نے کہا اور ہنسی تو جیسے کہیں دور چاندی کی سینکڑوں گھنٹیاں بج اٹھیں۔ ''اے اجنبی! تم اس لیے خوفزدہ ہو کہ میری نظریں تمہارے باطن کا جائزہ لے رہی ہیں اور میری آنکھیں تمہاری روح کو ٹٹول رہی ہیں۔ ہاں! اس لیے تم خوفزدہ ہو۔ لیکن چونکہ میں عورت ہوں اس لئے تمہارے اس جھوٹ کو معاف کرتی ہوں کیونکہ یہ جھوٹ بڑی شائستگی سے بولا گیا ہے۔ اب یہ بتاؤ اجنبی کہ تم اس طرف کیسے آئے، دلدلوں کی اس سرزمین اور غاروں میں رہنے والوں کے اس خطے میں کیوں اور کیسے آئے؟ کیا دیکھنے آئے ہو یہاں؟ کیا تمہیں اپنی زندگیوں کی کوئی پرواہ نہیں کہ تم نے انھیں سراسر حیاہ، وہ جس کا حکم ماننا ضروری ہے کی مٹھی میں دے دیا ہے یہ بھی بتاؤ کہ تم نے یہ زبان کہاں سیکھی جو میری زبان ہے؟ یہ بے حد شیریں اور قدیم زبان ہے۔ کیا یہ زبان اب بھی دنیا میں زندہ ہے؟ کیا اب بھی یہ بولی اور سمجھی جاتی ہے؟ تم دیکھ ہی رہے ہو اجنبی کہ میں غاروں میں اور مردوں کے درمیان رہتی ہوں چنانچہ مجھے دنیا اور دنیا والوں کی



کچھ خبر نہیں اور نہ ہی مجھے اس کی کوئی پرواہ ہے۔ اے اجنبی! میری یادیں میری ساتھی رہی ہیں اور بس اور میری یادیں اس قبر میں ہیں جو میں نے خود اپنے ہاتھوں سے کھودی ہیں کیونکہ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ انسان کا بچہ اپنی بربادی کا راستہ خود ہی تیار کرتا ہے۔'' اور اس کی آواز رندھ ہو کر مدھم ہو گئی۔

دفعتاً اس کی نظر زمین پر پڑے ہوئے بلالی پر پڑی اور دفعتاً وہ سنبھل گئی۔

''آ۔۔۔بڑے میاں! تم بھی یہیں ہو۔'' حیاہ نے کہا۔ ''بتاؤ کیا بات ہوئی کہ تمہارے ''گھرانے'' میں گڑبڑ ہو گئی؟ بلاشبہ میرے مہمانوں سے زیادتی کی گئی۔ اور ہاں۔ ایک کو تو تمہارے گھرانے والے نے گرم برتن سے تقریباً مار ہی دیا تھا تاکہ وہ شیطان تمہارے وہ بچے اسے کھا لیں اور اگر دوسروں نے ایسا دلیرانہ مقابلہ نہ کیا ہوتا، ایسی بہادری کا ثبوت نہ دیا ہوتا تو وہ بھی مارے جاتے اور پھر بھی، حیاہ بھی ان کے جسم سے نکلی ہوئی روح کو واپس نہ لا سکتی۔۔۔ کیا مطلب ہے اس کا بڑے میاں؟ کیوں نہ تمہیں ان کے حوالے کر دوں جو میری خواہش کے مطابق گنہ گاروں، نافرمانوں اور سرکشوں کو سزا دیتے ہیں؟''

حیاہ کی آواز غصے میں اتنی بلند ہو گئی تھی کہ غار کی چٹانی دیواروں سے ٹکرا کر گونجنے لگی تھی اور میرا خیال ہے کہ میں پٹیوں کے پیچھے اس کی آنکھوں کو شعلہ بار دیکھ رہا تھا۔ بیچارا بلالی، جو میرے خیال میں بڑا بہادر اور نڈر تھا، حیاہ کے یہ الفاظ سن کر بید کی طرح کانپنے لگا۔

''اے حیاہ! اے وہ'' اس نے فرش پر سے اپنا سفید سر اٹھائے بغیر کہا۔ اے حیاہ! تم عظیم ہو۔ چنانچہ درگزر سے کام لو کیونکہ میں اب بھی تمہارا غلام ہوں اور ہر حکم کی تعمیل کے لیے حاضر ہوں۔ یہ نہ تو میری سازش تھی اور نہ میرا قصور۔ یہ سارا کیا دھرا ان شیطانوں کا ہے جو میرے بچے کہلاتے ہیں۔ انھیں اس عورت نے اکسایا تھا جسے سور نے اپنی حرکت سے غصہ دلا دیا تھا۔ ان لوگوں نے کالے کو کھا لیا ہوتا جو اس لنگور اور اس شیر کے ساتھ جو بیمار ہے، آیا تھا اور انھوں نے یہ ہمت اس لیے کی تھی کہ کالے کے متعلق تمہاری طرف سے کوئی ہدایت موصول نہ ہوئی تھی لیکن جب لنگور اور شیر نے دیکھا کہ وہ لوگ کیا کرنے جا رہے ہیں تو انہوں نے اس بدذات عورت کو قتل کر دیا اور گرم برتن سے بچانے کے لیے اپنے ملازم کو بھی قتل کر دیا اس کے بعد وہ ذلیل لوگ، ہاں میرے گھرانے والے جو اس کی اولاد ہیں جو آگ کی کھڈ میں رہتا ہے، خون کی پیاس سے دیوانے ہو گئے اور لنگور، شیر اور سور پر ٹوٹ پڑے لیکن ان تینوں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ ہاں حیاہ! غضب کا مقابلہ کیا انہوں نے اور بہت سوں کو قتل کر دیا

اور اپنے آپ کو بچایا اور پھر میں وہاں پہنچ گیا اور انہیں بچا لیا اور ان گستاخ باغیوں کو میں نے یہاں کور کی طرف بھیج دیا تاکہ اے حیاؤ! تم ان کا انصاف کرو۔ وہ گنہ گار یہاں پہنچ گئے ہیں اور یہیں ہیں۔"

"ہاں اے بڑے میاں! میں یہ جانتی ہوں اور فکر نہ کرو کیونکہ کل میں بڑے کمرے میں بیٹھ کر ان کا انصاف کروں گی۔ رہے تم تو میں تمہیں معاف کرتی ہوں حالانکہ بادل ناخواستہ خیال رہے اب تمہارے گھرانے میں ایسی گڑبڑ نہ ہونے پائے۔ بس اب تم جاؤ۔"

بلالی حیرت انگیز پھرتی سے گھٹنوں پر اٹھا، اپنا سر تین دفعہ جھکایا اور ہاتھوں اور پیروں کے بل رینگتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا اور مجھے اس بے حد خطرناک لیکن مسحور کن عورت کے ساتھ تنہا چھوڑ گیا۔

☆☆



# تیرھواں باب

## عائشہ بے نقاب

"لو چلا گیا سفید داڑھی والا بوڑھا۔" حیاؤ نے کہا۔ "کس قدر کم علم ہوتا ہے آدمی۔ وہ علم پانی کی طرح جمع کرتا ہے لیکن پانی ہی کی طرح وہ اس کی انگلیوں کے درمیان سے بہہ جاتا ہے اور اگر اس کے ہاتھ گیلے بھی ہوتے ہیں جیسے کہ شبنم سے گیلے ہوتے ہیں تو بیوقوف کی نسل پکار اٹھتی ہے کہ دیکھو یہ شخص عالم ہے اور دانا ہے — کہو ایسا ہی ہے کہ نہیں؟ لیکن تمہارا نام کیا ہے؟ بوڑھے نے تو لنگور کہا ہے" اور وہ ہنسی "لیکن یہ ان وحشیوں کا طریقہ ہے جو چونکہ جاہل ہیں اور جنگلی جانوروں سے زیادہ قریب ہیں اس لیے ایسے نام دے دیتے ہیں انسانوں کو، لیکن یہ یقیناً تمہارا نام نہیں چنانچہ بتاؤ اے اجنبی کہ تمہیں اپنے وطن میں کس نام سے پکارا جاتا ہے؟"

"اے ملکہ مجھے ہالی کہتے ہیں" میں نے جواب دیا۔

"ہالی" اس نے میرا نام قدرے مشکل سے لیکن مسحور کن انداز میں دہرایا۔ "اور یہ ہالی کیا ہے؟"

"ایک خاردار درخت ہے" میں نے کہا۔

"اچھا۔ اچھا۔ تم واقعی درخت کی طرح ہو اور خاردار بھی معلوم ہوتے ہو۔ تم جسمانی طور پر پرقوت ہو اور بدصورت ہو لیکن اگر میرا علم مجھے دھوکا نہیں دے رہا تو میں کہہ سکتی ہوں کہ تم بے حد منکسر ہو، تم پر اعتبار کیا جا سکتا ہے اور تم بے وقوف بھی نہیں ہو، لیکن ٹھہرو ہالی! یہاں کھڑے رہنے کی ضرورت نہیں۔ میرے ساتھ اندر آؤ اور بیٹھو۔ میں نہیں چاہتی کہ تم دوسرے لوگوں کی طرح میرے سامنے ہاتھوں اور پیروں کے بل چلو۔ میں ان وحشیوں کی پرستش اور خوف سے اکتا گئی ہوں۔ جب یہ لوگ مجھے غصہ دلاتے ہیں تو میں ان میں سے اکثر کو اڑا دیتی ہوں اور دوسروں کو خوف و ہراس سے کانپتے اور سفید ہوتے دیکھتی ہوں۔"

پھر اس نے اپنا مرمریں بازو بڑھا کر پردہ ہٹایا کہ میں دوسری طرف چلا جاؤں۔

میں کانپتا ہوا داخل ہوا۔ یہ عورت بے حد پراسرار، خوفناک اور خطرناک تھی۔ پردوں سے

دوسری طرف ایک اور حجرہ تھا جو بارہ فٹ لمبا اور دس فٹ چوڑا تھا۔ اسے حجرے کے بجائے چٹان میں ایک شگاف کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔

اس جگہ ایک کاؤچ اور ایک میز رکھی ہوئی تھی۔ میز پر پھل اور شفاف پانی رکھا ہوا تھا۔ میز کے قریب اور اس کے کنارے پر ایک برتن تھا جسے پتھر میں حوض کی شکل پر بنایا گیا تھا، یہ برتن بھی شفاف پانی سے بھرا ہوا تھا۔ یہ مقام چراغوں سے روشن تھا اور پردے اور فضا معطر تھی۔ عجیب بھینی بھینی اور مست کن خوشبو تھی۔ یہ خوشبو حیاہ کے بالوں اور لباس سے بھی پھوٹتی معلوم ہوتی تھی۔

میں اس چھوٹے سے کمرے میں داخل ہو کر احمقوں کی طرح کھڑا رہا۔

''بیٹھو!'' حیاہ نے کاؤچ کی طرف اشارہ کیا۔ ''فی الحال تو تمہیں مجھ سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ تم نے کوئی ایسی بات نہیں کی ہے جو مجھے خفا کر دے، لیکن آئندہ کبھی ایسا ہوا تو اطمینان رکھو تمہارا خوف طویل ثابت نہ ہوگا کیونکہ میں فوراً ہی تمہارا خاتمہ کر دوں گی۔ چنانچہ ہالی۔ اپنا دل ہلکا کر لو اور ڈرو نہیں۔''

میں کاؤچ پر ایک کنارے اور اس حوض نما برتن کے قریب بیٹھ گیا۔ حیاہ کاؤچ کے دوسرے کنارے پر بیٹھ گئی۔

''اب بتاؤ ہالی،'' اس نے کہا۔ ''تم عربی زبان کیسے بول لیتے ہو؟ یہ تو میری پیاری مادری زبان ہے کیونکہ میں نسلاً عرب ہوں۔ ''العرب العربا'' ہوں، یعنی قدیم عربوں کی نسل سے جو ہمارے جدامجد یعرب سے چلی تھی جو قحطان کا بیٹا تھا میں یمن کے شہر قدیم اور خوبصورت شہر اوفعان میں پیدا ہوئی تھی۔ بہرحال تم عربی زبان ایسی نہیں بولتے جیسی کہ ہم بولا کرتے تھے۔ تمہاری عربی قدرے مختلف ہے۔ تمہاری زبان میں وہ لوچ اور شیرینی نہیں ہے جو قدیم عربی کی امتیازی خصوصیت رہی ہے۔ چند الفاظ بھی کچھ بدلے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور ان امامجر نے تو عربی کو بگاڑ ہی دیا ہے چنانچہ جب میں ان سے گفتگو کرتی ہوں تو یوں محسوس کرتی ہوں کہ جیسے عربی نہیں بلکہ ایک دوسری ہی زبان بول رہی ہوں۔''

''میں نے یہ زبان سیکھی ہے اور کئی برسوں تک سیکھی ہے'' میں نے جواب دیا۔ ''اس کے علاوہ یہ زبان مصر اور دوسرے کئی ممالک میں بولی جاتی ہے۔''

''تو اب بھی یہ زبان بولی جاتی ہے اور آج بھی مصر موجود ہے؟ تو مصر کے تخت پر اس وقت



کون سا فرعون بیٹھا ہوا ہے؟ فارسیوں [illegible] کا اور لیبیا کی نسل سے کوئی فرعون ہے یا پھر یونانی کی بیٹے گئے؟ کیونکہ لیبیا کو تو بہت زمانہ گزر گیا۔ تو کیا اب [illegible] اور دشیر کی اولاد؟''

''فارسی تو کوئی دو ہزار سال پہلے مصر سے چلے گئے اور ان کے بعد رومیوں، بطلیموس اور دوسرے بہت سے لوگوں اور قوموں نے وادیٔ نیل پر قبضہ کیا اور حکومت کی اور اپنے اپنے وقت میں ان حکمران قوموں پر بھی زوال آ گیا۔'' میں نے ہکا بکا ہو کر کہا۔ ''لیکن تم کیسے جانتی ہو فارسیوں اور اردشیر کے متعلق؟''

اس نے میرے اس سوال کا کوئی جواب نہ دیا البتہ ہنسی اور میری ریڑھ کی ہڈی میں ٹھنڈک کی لہر دوڑ گئی۔

''اور یونان؟'' اس نے پوچھا۔

میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''میرا مطلب ہے اب بھی یونان ہے دنیا میں؟ ہائے! مجھے بے حد پسند تھے یونانی۔ دن کی طرح حسین اور ہوشیار، اس کے باوجود فطرتاً بڑے ہی تند خو اور متلون طبیعت کے مالک ہوتے ہیں۔''

''ہاں''۔ میں نے جواب دیا۔ یونان اب بھی موجود ہے اور صدیوں پہلے اپنے زوال کے بعد اب ایک بار پھر عروج کی راہ پر گامزن ہے تاہم آج کے یونانی قدیم یونانیوں سے مختلف ہیں۔ یکسر بدل گئے ہیں اور حال کا یونان خود ایسا ہے کہ یونان قدیم کا مذاق اڑا رہا ہے۔''

''اور یہودیوں کا کیا حال ہے؟ کیا اب بھی وہ ہیکل موجود ہے جسے دانا بادشاہ نے بنایا تھا؟ اگر ہاں تو اب وہ کون سے خدا کو پوجتے ہیں؟ کیا وہ مسیحا آ گیا جس کے متعلق یہودی پیشین گوئیاں کرتے اور اس کا انتظار کرتے تھے اور کیا مسیحائی حکومت دنیا پر قائم ہو گئی؟ کیا یہودی اب بھی یروشلم میں ہی ہیں؟''

''یہودیوں کا جتھا ٹوٹ گیا اور وہ ایک لعنتی قوم بن گئے۔ اب وہ دنیا میں بکھرے ہوئے ہیں اور ذلیل و خوار ہیں اور یروشلم رہا نہیں۔ رہا وہ معبد جسے ہیروڈ نے بنوایا تھا ''

''ہیروڈ! کون ہیروڈ؟'' وہ بولی۔ ''میں تو کسی ہیروڈ کو نہیں جانتی۔ لیکن خیر۔ آگے کہو۔''

''اس معبد کو رومیوں نے جلا کر خاک کر دیا اور رومیوں کے عقاب اس کے کھنڈرات پر پرواز

---

اردشیر اول جو ایران قدیم کے حکمرانوں کے اس سلسلے سے تعلق رکھتا تھا جو ساسانی سلسلہ کہلاتا ہے۔ اس کا دور حکومت ۴۶۵ قبل مسیح سے ۴۲۴ قبل مسیح تک تھا۔ بابل کے دور حکومت میں مصر و یونان میں بغاوتیں ہوئی تھیں۔ (مترجم)

کرنے لگے اور اب سرزمین ویران ہے۔"

"اوہو۔ایسا ہوا۔رومی واقعی بڑے زبردست تھے اور اپنے عروج کی طرف تیزی سے بڑھے جا رہے تھے۔جیسے عقاب اپنے شکار کے پیچھے لپکتا ہے اور پھر وہ اپنے پیچھے خاموشی اور ویرانی چھوڑ جاتے تھے۔"

"وی ٹیڈم فاسیٹ، پا ئیم اپارلمنٹ" میں نے کہا۔

"آہا۔تم لاطینی زبان بھی بول لیتے ہو!" اس نے حیرت سے کہا۔"اتنے بہت سے برسوں کے بعد یہ زبان سنی ہے تو کانوں کو عجیب سی معلوم ہوتی ہے، لیکن مجھے کہنا پڑتا ہے کہ تمہاری لاطینی، رومیوں کی زبان سے مختلف ہے۔چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت میرے سامنے ایک عام شخص بیٹھا ہے جس کے ہاتھوں میں دنیا کے علم کا پانی ہے۔کس نے لکھا تھا یہ جملہ؟ بہرحال یونانی زبان بھی جانتے ہو؟"

"جی ہاں ملکہ جانتا ہوں اور تھوڑی سی عبرانی بھی جانتا ہوں لیکن اتنی اچھی طرح سے نہیں۔یہ دونوں زبانیں مردہ ہو چکی ہیں۔"

اس نے بچوں کی طرح خوشی سے تالی بجائی۔

"اے ہالی!" اس نے کہا "تم بے حد بدصورت درخت ہو لیکن اس درخت میں علم کے بے حد میٹھے اور رس بھرے پھل لگے ہوئے ہیں۔لیکن ان یہودیوں کے متعلق بتاؤ جن سے میں نفرت کرتی ہوں کیونکہ وہ مجھے "صابی"* اور "کافرہ" کہتے تھے حالانکہ میں اپنا فلسفہ انھیں سکھانا چاہتی تھی۔خیر تو ہوا کیا؟ کیا ان کا مسیحا آیا اور کیا اس نے دنیا پر حکمرانی کی؟"

"ہاں مسیحا آیا۔" میں نے جواب دیا۔"لیکن وہ خدا کے حکم سے بغیر باپ کے پیدا ہوا اور امیر نہ تھا اس لیے یہودیوں نے اسے قبول نہ کیا۔اسے جھٹلایا اور آخرکار سولی پر چڑھا دیا لیکن اس کے کہے ہوئے الفاظ، اس کی تبلیغ اور اس کے کارنامے اب تک زندہ ہیں۔اسے دنیوی حکومت تو نہ ملی البتہ اس کے پیرو دنیا میں موجود ہیں اور یہ دنیوی حکومت ہے اس کی۔"نافرمان جھینپ گئے جو اپنے پیدا کرنے والے سے سرتابی کرکے بہت سے خداؤں کو پوجنے لگ جاتے تھے لالچی اور سود خور قوم۔اب بھی میری آنکھوں کے سامنے ان مڑی ہوئی آنکھوں اور جھلسی ہوئی رنگت والے چہرے گھوم رہے ہیں۔فرعون کی غلامی کرنے کے بعد بھی وہ ایسے ہی سرکش اور نافرمان رہے تو انہوں نے مسیحا کو سولی پر لٹکا دیا۔یقیناً

* یہاں صابی سے مراد غیر یہودی سے ہے یعنی وہ جو یہودیوں کے مذہب پر نہ ہو (مترجم)



ایسا ہی ہوگا۔اس قوم سے ایسی توقع کی جا سکتی ہے۔وہ روح القدس تھا، بشرطیکہ وہ ایسا ہی ہو لیکن ہم اس کے متعلق پھر کبھی بحث کریں گے۔جب بھی انھیں اس کی پرواہ نہیں۔وہ اس خدا اور اس راہبر کو کسی طرح قبول ہی نہیں کر سکتے اگر وہ امیر اور بلند مرتبہ اور پرقوت نہ ہو۔ہاں ایسی ہے یہ قوم جو اپنے خدا یہوواہ کی پیاری قوم کہلاتی ہے لیکن یہوواہ کی نافرمانی کرکے بعل اور اسٹروتھ اور مصریوں کے دیوتاؤں کے سامنے بھی جھک جاتی ہے کیونکہ وہ روپیہ اور قوت چاہتے ہیں۔یہی ان کے خدا ہیں تو انھوں نے اپنے مسیحا کو سولی پر لٹکا دیا اور وہ لعنتی بن کر بکھر گئے اور ذلیل و خوار ہوئے۔اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کر رہا تو ان کے ایک پیغمبر نے ان کے متعلق یہی پیشین گوئی کی تھی۔اچھا ہوا۔یہ قوم اسی قابل تھی کیونکہ ان یہودیوں نے میرا دل توڑ دیا تھا جس کی وجہ سے مجھے دنیا سے اور دنیا والوں سے نفرت ہو گئی اور ان ہی کی وجہ سے مجھے یہاں ان ویرانوں میں آ کر رہنا پڑا۔ہاں ہالی۔جب میں نے یروشلم میں انھیں علم سکھانا چاہا تو انھوں نے مجھے سنگسار کیا۔ہاں ہالی۔ان کے معبد کے دروازے پر ان سفید داڑھیوں والے ریاکاروں اور راہبوں نے مجھ پر پتھر برسائے۔دیکھو اس دن کے زخم کا نشان اب تک میرے جسم پر موجود ہے۔"

اور اس نے اپنے بازو پر سے کپڑا الٹ کر اپنا بازو مجھے دکھایا۔مرمریں کھال پر زخم کا چھوٹا سا سرخ نشان صاف نظر آ رہا تھا۔

میں ایک دم سے خوفزدہ ہو گیا۔

"معافی چاہتا ہوں ملکہ۔" میں نے کہا۔"لیکن میں پریشان ہو گیا ہوں اور عقل کام نہیں کر رہی ہے۔یہودیوں نے مسیحا کو کوئی دو ہزار سال پہلے سولی پر لٹکایا تھا۔اس واقعہ اور آج کے دور کے درمیاں اتنا طویل عرصہ ہے — صدیوں کا عرصہ — پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خود مسیح کی ولادت سے پہلے تم نے یہودیوں کو فلسفہ سکھایا ہو؟ تم عورت ہو، روح نہیں ہو۔پھر ایک عورت دو ہزار سال تک کس طرح زندہ رہ سکتی ہے۔اے ملکہ! تم مجھے بیوقوف بنا رہی ہو یا مذاق اڑا رہی ہو میرا؟ مجھے بنانے میں کیا مزہ آتا ہے تمہیں؟"

وہ کاؤچ کی پشت سے ٹیک لگا کر اور قدرے پیچھے کی طرف جھک کر بیٹھ گئی اور ایک بار پھر میں اس کی چھپی ہوئی آنکھوں کی شعاعوں کو اپنے جسم پر رینگتے اور نظر کو اپنے باطن کا جائزہ لیتے محسوس کر رہا تھا۔

"اے مرد!" آخرکار اس نے بے حد نیچی آواز میں اور ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔"معلوم ہوتا ہے کہ اب بھی دنیا میں چند ایسے اسرار موجود ہیں جن کے متعلق تم یا تو کچھ جانتے ہی نہیں یا پھر بہت کم جانتے ہو۔تو کیا اب بھی تمہارا یہ اعتقاد ہے کہ ہر وہ چیز مر جاتی ہے جو پیدا ہوئی ہے جیسا کہ

ان یہودیوں کا اعتقاد تھا؟ لیکن میں کہتی ہوں ایسا نہیں ہے۔ کچھ نہیں مرتا۔ موت جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔ جسے تم موت کہتے ہو وہ ایک تبدیلی ہے۔ ماندگی کا ایک وقفہ ہے۔ یہ دیکھو' اور اس نے دیوار پر تراشی ہوئی مورتیوں کی طرف اشارہ کیا' ان مورتیوں کو ۶ ہزار سال پہلے اس قوم نے بنایا تھا جو یہاں آباد تھی اور جسے آخر کار ایک وبا نے آلیا اور اسے ختم کر دیا۔ اس کے باوجود وہ مرے نہیں ہیں۔ آج بھی وہ زندہ ہیں اور شاید ان کی روحیں اس وقت یہاں ہمارے گرد جمع ہیں۔'' اور اس نے چاروں طرف دیکھا۔ ''سچ تو یہ ہے کہ اکثر دفعہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں انھیں دیکھ رہی ہوں۔''

''ہوسکتا ہے۔ تاہم دنیا کے لیے وہ مر چکے'' میں نے کہا۔

''ہاں عارضی طور پر۔ لیکن دنیا کے لئے بھی وہ جنم لیتے ہیں اور بار بار لیتے ہیں اور اے اجنبی! میں ایشہ — کیونکہ یہ میرا نام ہے۔ ہاں تو میں، ایشہ تم سے کہتی ہوں کہ میں اس کے دوبارہ جنم لینے کی منتظر ہوں جس سے میں نے محبت کی تھی اور میں یہیں اسی جگہ اس کا انتظار کروں گی یہاں تک کہ وہ مجھے تلاش کرتا ہوا آ جائے گا کیونکہ میں جانتی ہوں کہ وہ یہیں آئے گا اور مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے یہیں پائے گا اور میں یہیں اسے خوش آمدید کہوں گی۔ اے اجنبی! میں بڑی قوتوں کی مالک ہوں، میں یونان کی اس حسینہ سے زیادہ کئی گنا زیادہ خوبصورت ہوں جس کے حسن کے گیت شاعروں نے گائے ہیں اور جس کا نام ہیلن تھا، میرا علم یہودیوں کے بادشاہ سلیمان سے بڑھا ہوا ہے، میں زمین کے اسرار اور دفینوں سے واقف ہوں اور ہر چیز کو اپنے قبضہ میں کر سکتی ہوں اور اپنی مرضی کے مطابق ڈھال سکتی ہوں۔ میں نے کچھ عرصے کے لیے ہی سہی اس تبدیلی پر بھی فتح حاصل کر لی ہے جسے تم موت کہتے ہو۔ ہاں میں، ایشہ ایسی زبردست ہوں، ہاں میں، ایشہ جو چاہوں کر سکتی ہوں، ہاں میں، ایشہ ساری دنیا پر حکومت کر سکتی ہوں۔ ہاں اجنبی! میں ایسی زبردست قوتوں کی مالک ہوتے ہوئے بھی تمہارے خیال میں ان وحشیوں میں کیوں پڑی ہوئی ہوں جو جانوروں سے بھی بدتر ہیں؟''

''یہ میں کیسے جان سکتا ہوں اے ایشہ!'' میں نے بڑے خاکسارانہ انداز میں کہا۔

''اس لیے ہالی کہ میں اس کا انتظار کر رہی ہوں جس سے مجھے پیار ہے۔ ہوسکتا ہے کہ میری زندگی بری رہی ہو۔ یہ میں یقین سے اس لیے نہیں کہہ رہی کہ کوئی نہیں کہہ سکتا برائی کیا ہے اور اچھائی کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میں مر کر اس جگہ جاتے ڈرتی ہوں جہاں میرا محبوب ہے۔ اگر میں مر بھی سکتی حالانکہ یہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک میرا وقت نہیں آ جاتا، تو ہوسکتا ہے کہ میں اور میرے محبوب کے درمیان وہ دیوار کھڑی ہوتی، جس پر میں چڑھ نہ سکتی۔ کم سے کم مجھے تو یہی خوف ہے اور پھر یقیناً اس



دوسرے عالم میں راستہ بھول جانا آسان ہے جہاں ستارے اور سیارے ہمیشہ سے بھٹک رہے ہیں۔ ایک دن آئے گا — کب آئے گا؟ شاید اس وقت جب پانچ ہزار سال وقت کے تاریک بطن میں گم ہو چکے ہوں گے بالکل اسی طرح جس طرح کہ آسمان کی وسعتوں میں مٹھی برابر بادل کا ٹکڑا پگھل کر گم ہو جاتا ہے۔ ہاں پانچ ہزار سال بعد بھی وہ دن آ سکتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ آئندہ کل کا ہی وہ دن ہو جب میرا محبوب دوسرا جنم لے گا اور فطرت اور قدرت کے اس قانون سے، جو کسی بھی انسان کے ارادے سے قوی تر ہے، مجبور ہو کر مجھے تلاش کرتا ہوا یہاں آئے گا۔ مجھے یہاں پائے گا — ہاں اسی جگہ جہاں ہم نے کبھی ایک دوسرے کو چوما تھا اور تب مجھے یقین ہے کہ اس کا دل میری طرف سے نرم پڑ جائے گا اور تب وہ میری طرف مائل ہوگا حالانکہ میں ایک گناہ کی مرتکب ہو چکی ہوں اور اس کی مجرم ہوں ہاں — ہوسکتا ہے کہ وہ مجھے نہ پہچانے کہ میں وہی ہوں جس نے ہزاروں سال پہلے اس سے محبت کی تھی تاہم وہ مجھ سے محبت کرے گا۔ میرے حد سے بڑھے ہوئے حسن کی وجہ سے ہی سہی لیکن وہ مجھ سے محبت کرے گا۔

لمحہ بھر کے لیے میں دم بخود رہ گیا۔ میری زبان گنگ ہوگئی اور میں کوئی جواب نہ دے سکا۔ یہ معاملہ اس حد تک بے پناہ تھا کہ میری عقل ہی چکرا گئی۔

''لیکن اگر ایسا ہی ہے ملکہ۔'' آخر کار میں نے کہا۔ ''اگر واقعی ہم لوگوں کو بار بار جنم لینا پڑتا ہے اور تمہارے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہے بشرطیکہ تم یہ سچ کہہ رہی ہو'' میرے ان الفاظ پر اس نے میری طرف گھور کر دیکھا اور ایک بار پھر میں نے اس کی شعلہ بار نظریں اپنے جسم پر محسوس کیں۔ ''تو کیا واقعی۔'' میں نے جلدی سے کہا ''تم کبھی مری نہیں ہو اور ہزاروں سال سے زندہ ہو؟''

''ہاں یہ سچ ہے۔'' اس نے کہا ''یعنی میں مری نہیں ہوں۔ اور ایسا اس لیے ہوا ہے کہ میں نے کچھ تو اپنے علم سے اور کچھ اتفاقاً دنیا کا ایک سب سے بڑا راز معلوم کر لیا اور ایک عظیم معمہ حل کر لیا ہے۔ تم ہی کہو اجنبی کہ اگر زندگی ہے، اور حقیقت میں زندگی ہے تو اسے پھر کچھ عرصے کے لیے بڑھایا کیوں نہیں جا سکتا؟ زندگی کی تاریخ میں دس، بیس یا پچاس ہزار برسوں کی حیثیت ہی کیا ہے؟ زندگی کے بے کنار سمندر میں یہ تو ایک حقیر قطرے کی طرح ہیں۔ دس ہزار سال میں تو موسموں کا ردوبدل کسی پہاڑ کی چوٹی کو گھس بھی نہیں سکتا اور اگر گھستا ہے تو محسوس نہیں ہوا۔ دو ہزار برسوں میں ان غاروں میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہیں ہوئی — ہاں کچھ نہیں بدلا سوائے جانوروں اور انسانوں کے جو خود جانوروں کی طرح ہیں۔ اب اگر تم غور کرو اس پر یا اگر تم اگر سمجھ سکے تو اس معاملے میں کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے۔ قدرت میں بھی حیاتی قوت ہے جیسی کہ انسان میں ہوتی ہے جو خلقی قدرت ہے اور جو قدرت کی یہ حیاتی

قوت یا روح پالیتا ہے اور اس قوت کو اپنے جسم میں داخل کرلیتا ہے وہ اس کی یعنی قدرت کی زندگی کے ساتھ زندہ رہتا ہے۔ بے شک وہ لافانی نہیں بنتا اور نہ بنے گا کیونکہ خود فطرت یا قدرت لافانی نہیں ہے۔ اور خدا سے بھی یعنی قدرت کو ایک دن مرنا ہے جس طرح کہ چاند کی فطرت یا قدرت ختم ہوگئی مرگئی۔ چنانچہ میں کہتی ہوں وہ مرے گی یا تبدیل ہوگی یا سو جائے گی، تمہارا جو جی چاہے کہہ لو، یہاں تک کہ اس کے دوبارہ بیدار ہونے کا وقت آجائے گا۔ لیکن کب مرے گی؟ میرے خیال میں ابھی نہیں اور جب تک وہ زندہ رہے گی اس کے ساتھ وہ ہستی بھی زندہ رہے گی جس نے اس کا راز معلوم کرلیا ہے اور اس سے حیاتی قوت حاصل کرلی ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں نے اس کا پورا راز معلوم نہیں کیا۔ تاہم میں قدرت کے اس راز سے اتنی زیادہ واقف ہوں کہ میرے خیال میں کوئی دانا اور عالم، نہ مجھ سے پہلے اور نہ آئندہ کبھی واقف رہا ہے اور نہ ہوگا۔ اب مجھے یقین ہے کہ یہ معاملہ خود تمہارے لیے ایک معمہ ہے چنانچہ فی الحال میں اس کے متعلق مزید گفتگو کرکے تمہیں پریشان نہ کروں گی۔ آئندہ اگر کبھی جی چاہا تو میں اس کے متعلق تمہیں اور باتیں بتاؤں گی یا ہوسکتا ہے کہ میں اس کے متعلق کبھی کچھ نہ کہوں۔ اے اجنبی! کیا تمہیں اس بات پر حیرت نہیں ہے کہ مجھے کس طرح معلوم ہوا کہ تم اس طرف آرہے ہو اور یہ کہ یہ معلوم کرکے میں نے تمہارے سروں کو گرم برتن سے بچالیا۔"

"ہاں اے ملکہ! حیرت تو ہے لیکن دریافت کرنے کی جرأت نہ کرسکا"۔ میں نے جواب دیا۔

"تو پھر اس پانی میں دیکھو۔"

اور اس نے حوض نما برتن کی طرف اشارہ کیا اور پھر جھک کر اپنا ایک ہاتھ اس پر پھیلا دیا۔

میں اٹھا اور میں نے حوض نما برتن میں بھرے ہوئے پانی میں دیکھا۔

یکا یک پانی سیاہ ہوگیا اور پھر فوراً ہی وہ صاف ہوگیا اور اب میں اس میں حیرت انگیز صاف طور پر، اس قدر صاف طور سے جیسی کہ میں ہر چیز اپنے سامنے اور حقیقت میں دیکھتا ہوں، میں اپنی کشتی اس نیلی بھری خوف ناک نہر میں دیکھ رہا تھا۔ لیو اس کے پیندے میں سو رہا تھا اور اس پر میرا کوٹ پڑا ہوا تھا جو اسے مچھروں سے بچانے کے لیے میں نے اس پر ڈال دیا تھا اور میں بھی موجود تھا اور جوب بھی تھا اور عبداللہ بھی تھا جو کشتی کھینچ رہا تھا۔ لیو پر کوٹ اس طرح پڑا تھا کہ اس کا چہرہ نظر نہ آتا تھا۔

میں بہ یک وقت حیرت زدہ اور خوفزدہ ہوکر پیچھے ہٹ گیا اور چلا اٹھا کہ یہ جادو ہے کیونکہ اس منظر کی مجھے ایک ایک تفصیل یاد تھی جیسے کل کا واقعہ ہو۔



"نہیں نہیں ہالی یہ جادو نہیں ہے" وہ بولی" یہ تو بے علمی کا خواب ہے۔ دنیا میں جادو جیسی کوئی چیز نہیں ہے البتہ قدرت کے اسرار کا علم ضرور ہے۔ یہ پانی میرا جام جمشید ہے اس میں، میں، جب ضرورت ہوتی ہے وہ دیکھ لیتی ہوں جو وقوع پذیر ہوتا ہے۔ اس پانی میں، میں تمہیں دکھا سکتی ہوں کہ تم ماضی میں کیا تھے بشرطیکہ اس کا تعلق اس ملک سے ہو اور اس سے ہو جس سے میں واقف تھی یا جس سے تم یعنی پانی میں دیکھنے والا واقف ہو۔ کسی صورت کا جو تم نے کبھی بھی خیال کرو اور پھر اس پانی میں دیکھو تو تمہارے خیال کا عکس تمہیں اس میں نظر آئے گا۔ لیکن ابھی سارے اسرار سے واقف نہیں ہوئی ہوں۔ چنانچہ میں مستقبل نہیں پڑھ سکتی۔ لیکن یہ ایک قدیم معمہ ہے جسے میں حل نہیں کرسکی۔ عرب اور مصر کے ساحروں نے یہ معمہ حل کرلیا ہے۔ صدیوں پہلے عل کرلیا تھا۔ خیر تو ایک دن بیٹھے بیٹھے مجھے وہ نہر یاد آگئی۔ کوئی میں صدیوں پہلے میں نے اسی نہر میں سفر کیا تھا۔ چنانچہ میں نے سوچا کہ آؤ آج اس نہر کو دیکھ لوں کہ کس حال میں ہے۔ چنانچہ میں نے پانی میں دیکھا تو ایک کشتی دکھائی دی اور تین آدمی کنارے پر چل رہے تھے اور ایک شخص جس کا چہرہ میں نہ دیکھ سکی، کشتی میں سو رہا تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے آدمی بھیجے اور تمہیں بچالیا۔ اچھا اب جاؤ۔ لیکن نہیں ٹھہرو۔ مجھے اس نوجوان کے متعلق بتاؤ جسے بوڑھے بلالی نے شیر کہا ہے۔ میں دیکھوں گی اسے لیکن تم کہتے ہو وہ بیمار ہے، بخار نے آلیا ہے اسے اور یہ کہ وہاں وحشیوں میں ہاتھا پائی کرتے ہوئے زخمی بھی ہوگیا ہے۔"

"ہاں سخت بیمار ہے وہ۔" میں نے اداسی سے کہا۔ "اے ملکہ! تم بہت کچھ جانتی ہو، بہت سی باتوں کا علم ہے تمہیں۔ تو کیا تم اس کے لیے کچھ نہیں کرسکتیں؟"

"کرسکتی ہوں۔ کرسکتی ہوں۔ میں اسے اچھا کرسکتی ہوں لیکن تم یوں اداس کیوں ہوگئے؟ کیا تمہیں اس نوجوان سے محبت ہے؟ کہیں وہ تمہارا بیٹا تو نہیں؟"

"وہ میرا بیٹا تو ہے لیکن گود لیا ہوا۔ اسے لے آئیں تمہارے پاس؟

"نہیں — بخار نے اسے کب سے دبوچا ہے؟"

"آج تیسرا دن ہے"

"بس تو ٹھیک ہے۔"

میں نے حیرت سے اور سوالیہ نظروں سے ایشہ کی طرف دیکھا۔

"میرا مطلب ہے کہ ایک دن اور انتظار کرو۔ پھر شاید وہ خود اپنی قوت سے بخار کو شکست

دے گا اور یہ اس سے بہتر ہوگا کہ میں اسے اچھا کروں کیونکہ میری دوا تو ایسی ہے کہ وہ خود زندگی کو اس کے قلعہ میں ہلا دیتی ہے۔ البتہ اگر رات تک، یعنی ٹھیک اس وقت جب پہلی دفعہ بخار نے اس پر حملہ کیا تھا، وہ ٹھیک نہ ہوا اور بخار نہ اترا تو پھر میں اس کے پاس آؤں گی اور اسے اچھا کروں گی۔ لیکن ٹھہرو۔ اس کی تیمارداری کون کر رہا ہے؟"

"ہمارا سفید خام خدمت گار جس کو بلالی سور کہتا ہے۔ اس کے علاوہ ..."

"اس کے علاوہ؟" ایشہ نے پوچھا کیونکہ میں قدرے ہچکچا رہا تھا۔

"ایک عورت جس کا نام اُستین ہے جو اسی علاقہ کی ہے اور بے حد خوبصورت ہے۔ استین نے جب پہلی دفعہ اسے دیکھا تو فوراً آگے بڑھ کر اور اسے اپنی بانہوں میں لے کر چوم لیا اور تب سے وہ اسی کے ساتھ ہے جیسی کہ تمہارے اس علاقے کی اور تمہارے لوگوں کی رسم ہے۔"

"میرے لوگوں کی! انہیں میرے لوگ نہ کہو۔" ایشہ نے کہا۔ "یہ میرے لوگ نہیں ہیں بلکہ یہ تو وہ کتے ہیں جو میرے حکم پر دوڑ پڑتے ہیں۔ اور یہ میرے حکم کی تعمیل اس وقت تک کرتے رہیں گے جب تک کہ میری نجات کا وقت نہیں آ جاتا۔ رہی ان کی رسومات تو ان سے مجھے کوئی سروکار نہیں ہے اور ہاں۔ مجھے ملکہ نہ کہو — مجھے ملکہ نہ کہو — میں خوشامدوں اور القاب سے اکتا گئی ہوں۔ مجھے ایشہ کہو۔ صرف ایشہ۔ یہ نام میرے کانوں کو بہت بھلا معلوم ہوتا ہے۔ بے حد شیریں معلوم ہوتا ہے، کیونکہ یہ ماضی کی بازگشت ہے۔ رہی استین۔ تو میں اسے نہیں جانتی۔ تاہم میں سوچتی ہوں کہ کہیں یہ وہی عورت تو نہیں ہے جس کے خلاف مجھے خبردار کیا گیا تھا اور جس کو میں بھی اپنے سے خبردار کروں گی۔ کیا وہ — لیکن ٹھہرو۔ میں خود دیکھے لیتی ہوں"

اور اس نے حوض نما پیالے پر جھک کر اپنا ہاتھ پھیلا دیا اور اس میں دیکھنے لگی۔

"دیکھو ہالی!" اس نے کہا۔ "یہی ہے وہ عورت؟"

میں نے پیالے میں دیکھا اور اس کے پانی میں مجھے استین کا پُروقار چہرہ نظر آیا۔ وہ آگے کی طرف جھکی ہوئی تھی۔ اس کے بشرے سے پیار عیاں تھا۔ وہ کسی چیز کو، جو عین اس کی نظر کے نیچے تھی، دیکھ رہی تھی اور اس کے کالے بال اس کے دائیں شانے پر ڈھیر تھے۔

"ہاں۔ یہ وہی ہے" میں نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ کیونکہ اس چادر یا جو کچھ بھی یہ تھا، اس نے مجھے ایک بار پھر وحشت زدہ کر دیا تھا۔ وہ سوتے ہوئے لیو کو دیکھ رہی تھی۔



"لیو!" ایشہ نے نیچی آواز میں، جیسے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "یہ تو الفنی زبان میں شیر کو کہتے ہیں۔ اس عمر میں غالباً بوڑھے نے پہلی دفعہ کسی کو اچھا اور صحیح لقب دیا ہے یہ عجیب بات ہے۔" اس نے جیسے اپنے آپ سے کہا" بے حد عجیب بات ہے۔ ہو بہو۔ لیکن نہیں۔ یہ ممکن نہیں۔"

ایک بار پھر اس نے قدرے بے قرارانہ انداز سے پیالے پر ہاتھ پھیلا دیا۔ پر پانی ایک بار پھر اندھیرا ہو گیا اور وہ تصویر اتنی ہی خاموشی اور اتنے ہی پراسرار طور پر غائب ہو گئی جس طرح کہ وہ ابھری تھی۔ ایک بار پھر چراغ کی روشنی، صرف چراغ کی روشنی پیالے کے اس شفاف اور آئینے جیسے جادو کی پانی پر چمکتی رہی۔

"اے ہالی! جانے سے پہلے کچھ پوچھنا چاہتے ہو؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے پوچھا۔ "یہاں تمہاری زندگی آرام سے اور مزے میں نہ گزرے گی کیونکہ وحشی لوگ ہیں۔ زراعت وغیرہ کے متعلق کچھ جانتے نہیں۔ دیکھو یہ ہے میرا کھانا۔" اور اس نے ان پھلوں کی طرف اشارہ کیا جو تپر پر رکھے ہوئے تھے۔

"سوجی، آٹے کی روٹی اور تھوڑا سا پانی۔ میں نے لڑکیوں سے کہہ دیا ہے کہ وہ تمہاری خدمت میں حاضر رہیں اور تم تو جانتے ہی ہو کہ یہ لڑکیاں بہری اور گونگی ہیں چنانچہ بہترین اور محفوظ ترین خدمت گار ہیں سوائے ان لوگوں کے جو ان کے چہروں پر کے جذبات پڑھ سکیں اور ان کے اشارے سمجھ سکتے ہوں۔ میں نے ان کی نسل یہاں بڑھائی ہے۔ یہ بڑا مشکل اور وقت طلب کام تھا۔ ان کی ایسی گونگی اور بہری نسل پیدا کرنے اور اسے ترقی دینے میں صدیاں گزر گئیں لیکن آخر کار میں اپنے مقصد میں کامیاب رہی۔ ایک دفعہ پہلے بھی اس سلسلے میں مَیں کامیاب ہوئی تھی لیکن وہ نسل بڑی بدصورت تھی۔ چنانچہ میں نے اسے مر جانے اور ختم ہو جانے دیا۔ لیکن اب جیسا کہ تم خود دیکھ رہے ہو یہ نسل مختلف ہے۔ ایک دفعہ میں دیوؤں کی نسل پیدا کرنے میں بھی کامیاب ہو گئی تھی لیکن آخر کار قدرت ان دیوزادوں سے اکتا گئی اور وہ نسل مٹ گئی — خیر تو کچھ چاہتے ہو مجھ سے؟"

"ہاں۔ صرف ایک بات ایشہ!" میں نے بڑی جرأت سے کہا حالانکہ میرا دل خوف سے کانپ رہا تھا۔

"کہو"

"میں تمہاری صورت دیکھنا چاہتا ہوں۔"

وہ ہنسی۔ اور ایک بار پھر چاندی کی گھنٹیاں بج اٹھیں۔

"سوچ لو۔ ہالی۔ سوچ لو۔" اس نے کہا "تم بڑے عالم ہو۔ چنانچہ یونان قدیم کے دیوی دیوتاؤں کے قصوں سے یقیناً واقف ہو گے۔ چنانچہ جانتے ہو گے کہ یونان میں ایک ایکٹیون[1] تھا جس کا انجام عبرت ناک اور بہت برا ہوا کیونکہ اس نے اس وقت کی سب سے زیادہ حسین دیوی کو دیکھ لیا تھا۔ اگر میں نے تمہیں اپنا چہرہ دکھایا تو ہو سکتا ہے کہ تم بھی میرے حسن کی تاب نہ لا سکو اور تمہارا انجام بھی برا ہو، ہو سکتا ہے کہ تم عمر بھر تڑپتے رہو اور میری آرزو میں گھل گھل کر مر جاؤ کیونکہ جان لو ہالی! میں کسی مرد کے لیے نہیں ہوں سوائے ایک کے جو کبھی تھا لیکن اب نہیں ہے اور نہ ہی اب تک اس نے دوسرا جنم لیا ہے۔"

"جیسی تمہاری مرضی ایشہ!" میں نے کہا۔ "لیکن مجھے حسن کا نہ کوئی خوف ہے اور نہ اس کی طرف سے کوئی خطرہ ہے کیونکہ میں نے عورت جیسی حقیر چیز کی طرف سے اپنا دل پھیر لیا ہے کیونکہ عورت کا حسن مرجھا جانے والا پھول کی طرح ہے۔"

"نہیں ہالی! تمہارا خیال غلط ہے۔" ایشہ نے جواب دیا۔ "حسن مرجھاتا نہیں کم سے کم میرا حسن قائم ہے جس طرح کہ میں خود ہزاروں سال سے زندہ ہوں۔ بہرحال۔ اے ضدی آدمی، اگر تم یہی چاہتے ہو یونہی ہوگا۔ لیکن اگر جذبات تمہارے ہوش و خرد پر غالب آ جائیں تو پھر الزام نہ دینا۔ یہ جان لو ہالی کہ ایک دفعہ دیکھ لینے کے بعد کوئی بھی میرا حسن بھول نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ میں ان وحشیوں میں بھی اپنے آپ کو، اپنے حسن کو چھپا کر رہتی ہوں مبادا وہ اپنی بے تابیوں سے مجھے غصہ دلا دیں اور میں انہیں مٹا دوں۔ کہو۔ اب بھی تم میرا چہرہ دیکھنا چاہو گے؟"

"ہاں۔!" میں نے جواب دیا۔ کیونکہ شوقِ تجسس میری عقل پر غالب آ گیا تھا۔

چنانچہ اس نے آہستہ آہستہ اپنے سڈول مرمریں بازو اٹھائے اور میں نے ایسے خوبصورت بازو کبھی کسی کے نہ دیکھے تھے۔ اور پھر اس کے آہستہ آہستہ بہت ہی آہستہ آہستہ اپنے سر کے پیچھے بندھی ہوئی چند گرہیں کھول دیں۔ دفعتاً وہ لمبا کفن جیسا لباس اس کے جسم پر سے پھسل کر اس کے قدموں میں

[1] یونانی دیومالا میں ایک مشہور شکاری تھا۔ ایک دفعہ وہ اپنے شکاری کتوں کے ساتھ شکار کر رہا تھا۔ وہ ایک چشمے کے قریب سے گزرا تو اس وقت اس چشمے میں دیوتاؤں کی بیٹی ارتمس جو جنگلوں کی دیوی تھی نہا رہی تھی۔ ایکٹیون نے اسے برہنہ دیکھ لیا۔ چنانچہ دیوی ارتمس نے اسے بارہ سنگھا بنا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود اس کے شکاری کتے اس پر ٹوٹ پڑے اور اسے چیر پھاڑ دیا۔
(مترجم)



فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ اب میری نظر اس کے جسم پر رینگنے لگی جو اب صرف ایک سفید لبادے میں ملبوس تھا لیکن اس لبادے میں سے، جو گویا اس کے جسم سے چپکا ہوا تھا اس کے جسم کا سڈول پن اور وہ زندگی چھلکی پڑ رہی تھی جو کسی بھی زندگی سے مختلف اور بڑھ کر تھی۔ اور اس جسم میں سانپ کی سی ایک چمک اور نزاکت تھی جو سراسر غیر انسانی معلوم ہوتی تھی۔ اس کے ننھے ننھے پیروں میں جو تلے تھے جو سنہرے فیتوں سے بندھے ہوئے تھے۔ ان کے اوپر ٹخنے تھے جو اتنے خوبصورت تھے کہ کبھی کسی بت تراش نے خواب میں بھی نہ دیکھے ہوں گے۔ اس کی کمر پر دو سروں والے سنہرے سانپ کا پٹکا بندھا ہوا تھا۔ یہ سانپ خالص سونے کا تھا اور اس پٹکے پر کے فوراً اوپر سے اس کے جسم کے دل آویز خطوط شروع ہو گئے تھے اور یہ سبادہ اس کے ابھری ہوئی اور مکمل ترین چھاتیوں پر جا کر ختم ہو جاتا تھا اور وہاں ایشہ نے اپنے دونوں ہاتھ باندھ رکھے تھے۔ میری نظر ان چھاتیوں پر سے اوپر اٹھ کر اس کے چہرے پر ٹک گئی اور — یقین کیجئے، میں نہ تو مبالغے سے کام لے رہا ہوں اور نہ رومانٹک بن رہا ہوں — میں چکرا گیا، میں لڑکھڑا گیا اور میں حیرت سے بت بن گیا۔

ملکوتی حسن کے متعلق بہت کچھ سنا اور پڑھا تھا اور اس وقت میں ایک حور کو حقیقت میں اور مجسم دیکھ رہا تھا۔

لیکن — فرق صرف اتنا تھا کہ یہ حسن، اپنی تمام تر خصوصیات اور فتنہ سامانیوں کے باوجود شریر تھا، برا تھا، شیطانی تھا۔ کم سے کم مجھے تو ایسا ہی معلوم ہوا۔

حیران ہوں کہ میں اسے کس طرح بیان کروں۔

میں بیان نہیں کر سکتا، نہیں کر سکتا۔ وہ شخص پیدا ہی نہیں ہوا جو اس حسن کا نقشہ اپنے قلم سے کھینچ سکے جو میں نے دیکھا تھا۔

کس کا ذکر کروں میں؟ کیسے اور کن الفاظ میں ذکر کروں؟ میں بڑی بڑی اور بے حد کالی آنکھوں کے متعلق تو کہہ سکتا ہوں، چہرے کی گوری رنگت کا بیان کر سکتا ہوں، بلند اور پروقار، پیشانی کا نقشہ کھینچ سکتا ہوں، نازک اور متناسب نقوش کی لفظی تصویر پیش کر سکتا ہوں اور ریشمی اور گھور کالے بالوں کے متعلق کہہ سکتا ہوں کہ ان سے ساون کی گھٹائیں شرما جائیں — لیکن — لیکن — یہ سب چیزیں اپنے حسن اور خوبصورتی میں بے مثال تھیں، لیکن ایشہ کا حسن ان نقوش میں مضمر نہ تھا بلکہ اس کا سارا حسن اس کی نمایاں عظمت میں تھا، اس کی خسروانہ ادا میں تھا، اس کے بشرے پر ثبت دیوتائی قوتوں کی لہر میں

تھا۔ اس سے پہلے میں جانتا نہ تھا کہ حسن کی انتہا کیا ہو سکتی ہے، پاکیزہ حسن کیسا ہوتا ہے۔ ائیشہ کا حُسن، حُسن اور پاکیزگی کی انتہا تھی۔ اس کے باوجود یہ انتہا اور یہ پاکیزگی بھیانک تھی، تاریک تھی اور دہشت زدہ کر دینے والی تھی۔ یہ حسن و جمال ملکوتی نہ تھا تاہم حسن و جمال تھا اور جلال و جمال بھی، میرے سامنے جو حسین ترین چہرہ تھا، وہ حالانکہ جوان تھا، اس عورت کا جس کی عمر کسی صورت میں تیس سال سے زیادہ نہ تھی، اور حالانکہ وہ صحت وتندرستی کا مکمل ترین اور پکے ہوئے حسن کا نمونہ تھا، جس کا گہرا واسطہ غموں اور جذبات سے رہ چکا ہو یہ اس عورت کا چہرہ تھا جو زمانے کے سرد و گرم اور زندگی کے ہر نشیب و فراز سے واقف ہو چکی ہو۔ حتیٰ کہ وہ ہلکی سی مسکراہٹ بھی، جو اس وقت اس کے سرخ اور پتلے ہونٹوں پر کھیل رہی اور اس کے رخساروں میں ہلکے ہلکے گڑھے پیدا کر رہی تھی، غم و گناہ کے سائے کو چھپا نہ سکتی تھی۔ یہ اداسی اور یہی گناہ اس کی گہری کالی آنکھوں میں بھی چمک رہا تھا اور یہ اس کی دیوتاؤں جیسی عظمت سے ٹپک رہا تھا اور یہ اس کی آنکھوں کی یہ چمک اس کی عظمت گویا چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی:

”دیکھو! مجھے دیکھو! مجھ جیسی حسین کبھی کوئی عورت نہ رہی ہو گی اور نہ کبھی ہو گی، لافانی ہوں۔ مقدس ہوں اور نیم دیوی ہوں، یادیں صدیوں سے مجھے آسیب بن کر ستا رہی ہیں، جذبات مجھے ہاتھ سے پکڑ کر ادھر اُدھر گھسیٹتے رہے ہیں، میں نے گناہ کیا، برائی کی اور غموں سے میرا تعلق رہا، صدیوں سے غم میرے ساتھی ہیں اور میں گناہ کرتی اور غم برداشت کرتی ہوں گی یہاں تک کہ میری نجات کا وقت آ جائے گا۔“

کسی مقناطیسی قوت سے، جسے میں دبا نہ سکا، برداشت نہ کر سکا بے قابو ہو کر میں نے اپنی آنکھیں اس کی چمکتی ہوئی آنکھوں میں ڈال دیں اور محسوس کیا کہ ایک عجیب قسم کی لہر ان آنکھوں سے نکل کر میری آنکھوں کے ذریعہ دل میں اتر گئی اور اس نے مجھے دہشت زدہ اور اندھا کر دیا۔

وہ ہنسی — ہائے کس قدر موسیقی تھی اس ہنسی میں — اور اپنا خوبصورت سر ہلایا اور اس نزاکت اور انداز سے کہ یہ نزاکت اور انداز حسن کی دیوی وینس کو بھی عطا نہ ہوا ہو گا۔

”ضدی آدمی!“ اس نے کہا۔ ”اکیتون کی طرح تم نے اپنی آرزو پوری کر لی، مجھے بے نقاب دیکھ لیا اور اب ہوشیار رہنا۔ مبادا اکیتون کی طرح تمہارا انجام بھی برا ہو اور تمہیں بھی تمہارے بے پناہ جذبات کے کتے پھاڑ کھائیں۔ ہاں! میں بھی کنواری دیوی ہوں اور کوئی میرے جذبات میں ہلچل نہیں مچا سکتا سوائے ایک شخص کے لیکن سن لو کہ تم وہ شخص نہیں ہو۔“ کہو اب سیر ہو گئے؟“

”ائیشہ! میں نے بے پناہ حسن دیکھا جس نے مجھے اندھا کر دیا۔“ میں نے کہا اور ایک ہاتھ



اٹھا کر اپنی آنکھوں پر رکھ لیا۔

”اچھا۔ تو کیا کہا تھا میں نے۔ حسن بجلی کی طرح ہے جو دیکھنے میں تو لبھا لیتا ہے لیکن برباد کر دیتا ہے خصوصاً درختوں کو۔“

ایک بار پھر اس نے سر ہلایا اور ایک بار پھر وہ ہنسی۔

ائیشہ خاموش ہو گئی اور اپنی آنکھوں پر رکھے ہوئے ہاتھ انگلیوں کے درمیان سے اس کے چہرے کے نقوش کو تبدیل ہوتے دیکھا۔ بھیانک اور لرزہ خیز تبدیلی تھی یہ۔

اس کی بڑی بڑی آنکھیں دفعتاً پھیل کر خلا میں کسی مرکز پر مرکوز ہو گئیں ان میں ایک طرح کا خوف بے پناہ امید سے دست و گریباں نظر آیا، حسین چہرہ کرخت بن گیا اور وہ ایک دم سے تن کر کھڑی ہو گئی۔

”اے مرد!“ اس نے اپنا سر ایک دم سے جھٹک کر کچھ سرگوشی اور کچھ سانپ کی طرح پھنکار کر کہا۔ ”اے مرد! تمہاری چھنگلیا میں جو استقارب ہے — یہ کہاں سے آیا تمہارے پاس؟ بتاؤ جلدی ورنہ میں قسم کھا کر کہتی ہوں اس وقت اور اسی جگہ تمہیں جلا کر خاک کر دوں گی۔“

اور وہ ایک قدم میری طرف بڑھی اور اس کی آنکھوں سے ایسی چمک بلکہ یوں کہیے کہ شعلے نکلے کہ میں بے اختیار ہو کر اس کے قدموں میں گر پڑا اور انتہائی خوف کے عالم میں خدا جانے کیا بکنے اور گڑگڑانے لگا۔

”ڈرو نہیں۔“ ایک بار پھر اس کی آواز نرم اور شیریں تھی — ایک بار پھر وہ پہلے کی سی ائیشہ تھی۔ ”میں نے تمہیں خوف زدہ کر دیا جس کی معافی چاہتی ہوں — وسیع النظر بھی کبھی کبھی تنگ نظر بن جاتا ہے۔ ٹھنڈا دماغ بھی کبھی کبھی گرم ہو جاتا ہے چنانچہ کبھی کبھی میں بھی مشتعل ہو کر اپنی قوتوں کو استعمال کرنے کے لیے بے قرار ہو اٹھتی ہوں۔ تم موت کے بہت قریب پہنچ گئے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ — لیکن اس کے متعلق بتاؤ۔ اس استقارب کے متعلق۔“

”یہ — یہ — مجھے ملا تھا۔“ میں نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

میں آہستہ آہستہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور یہ حقیقت ہے کہ اس وقت میرے دل و دماغ کی حالت ایسی ہو رہی تھی کہ اس انگوٹھی اور اس جڑے ہوئے استقارب کے متعلق مجھے کچھ یاد نہ آیا سوائے اس کے کہ یہ انگوٹھی مجھے لیو کے حجرے کے فرش پر پڑی ملی تھی۔

”عجیب بات ہے یہ تو۔“ اس نے دفعتاً عام عورت کی طرح بے قرار ہوتے اور کانپتے ہوئے

کہا۔ ”لیکن کسی زمانے میں میں نے ہو بہو ایسا ہی استقارب دیکھا تھا۔ وہ — وہ — اس کی گردن پر پڑا سینے پر لٹک رہا تھا جس سے میں محبت کرتی تھی۔“

اس نے ہلکی سی ہچکی لی اور میں نے بھی دیکھا کہ وہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی بہرحال ایک عورت تھی۔

”تو“۔ اس نے کہا۔ ”یہ استقارب وہ تو نہیں ہوسکتا چنانچہ اس کے جیسا دوسرا ہوگا لیکن میں یقین سے کہتی ہوں کہ دنیا میں اس قسم کا استقارب ایک ہی تھا اور اس کے ساتھ بھی ایک داستان وابستہ رہے۔[1] لیکن وہ استقارب جس سے میں واقف ہوں، اس طرح انگوٹھی میں جڑا ہوا نہ تھا۔ جاؤ ہالی، اب جاؤ۔ اور اگر ہو سکے تو اس بات کو بھول جانا کہ تم نے اپنی حماقت سے الیشہ کا حسن بے نقاب دیکھ لیا ہے۔“

اور وہ میری طرف سے گھوم کر دھم سے گری اور اپنا چہرہ تکیے میں چھپا لیا۔

رہا میں تو میں لڑکھڑاتے قدموں سے اس کے کمرے سے باہر آیا اور نہیں جانتا کہ کب اور کیسے اپنے حجرے میں پہنچا۔

☆☆

[1] یہ استقارب جو ہمیں صندوقچے میں سے ملا تھا جس پر ہیلوگرافی میں ”سوتی تی را“ کندہ تھا۔ میں نے ایک ماہر مصری کو دکھایا تھا۔ اس نے بھی یہی کہا تھا کہ اس نے ایسا استقارب کبھی نہیں دیکھا۔ اس نے کہا کہ حالانکہ اس استقارب پر وہ لقب کندہ تھا جو فراعنہ کا ہوا کرتا تھا۔ تاہم اس کے خیال میں یہ کسی فرعون کی مہر نہ تھی۔ اب رہا یہ سوال کہ اس استقارب کے ساتھ کون سی داستان وابستہ تھی تو یہ افسوس ہے کہ ہم کبھی معلوم نہ کرسکیں گے۔ تاہم میرا خیال ہے کہ اس استقارب کا تعلق شہزادی امن ارتاس اور اس کے محبوب قالی قریطہ جو دیوی ایزیس کا کاہن تھا، کی المناک داستان سے رہا ہوگا۔ (مترجم مؤلف)



# چودھواں باب

## بے چین روح

رات کے دس بجے تھے جب میں نے اپنے حجرے میں پہنچ کر اپنے آپ کو بستر پر ڈال دیا تھا اور اپنے منتشر حواس کو جمع کرنے اور جو کچھ ہوا تھا اس پر غور کرنے کی کوشش کی تھی۔

لیکن میں جتنا زیادہ سوچ رہا تھا اتنا ہی کم میری سمجھ میں آرہا تھا۔ کیا تھا وہ سب کچھ؟ کیا میں پاگل ہو گیا تھا؟ نشے میں تھا؟ خواب دیکھ رہا تھا یا پھر میں کسی حیرت انگیز اور مکمل ترین شعبدہ بازی کا شکار بن گیا تھا؟ میں تعلیم یافتہ شخص جو سائنس کی ترقیوں سے واقف ہو، جو مافوق الفطرت قوتوں کو محض گپ اور وہم سمجھتا ہو، جو سحر اور جادو وغیرہ کا یقین نہ رکھتا ہو — ہاں ایسا شخص یہ کیسے مان سکتا ہے کہ ابھی چند منٹ پہلے وہ ایک ایسی عورت سے مصروف گفتگو تھا جس کی عمر دو ہزار سال سے زیادہ تھی؟ یہ بات انسانی تجربے اور فطرت کے خلاف تھی، یہ ناممکن تھا۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ کسی بھی انسان کی عمر دو ہزار برس کی کیسے ہو سکتی ہے؟ چنانچہ یقیناً یہ فریب تھا۔ مجھے بے وقوف بنایا گیا تھا اور اگر ایسا ہی تھا تو اس کا مطلب کیا تھا؟ مجھے اس سے کیا سمجھنا چاہیے؟ — لیکن — لیکن — پانی میں وہ تصویریں جو میں نے دیکھی تھیں ان کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ اور — اور — ماضیٔ بعید سے، قدیم تاریخ سے الیشہ کی مکمل ترین واقفیت لیکن بعد کی تاریخ سے اس کی ناواقفیت بظاہر ناواقفیت — اس کے متعلق کیا کہا جا سکتا ہے؟ اور پھر اس کا بے پناہ حسن؟ اس سے تو بہرحال انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تو ایک اٹل حقیقت تھی کسی فانی عورت میں ایسا غیر ارضی، غیر فطری حسن اور دمک نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ کم سے کم یہ تو اس نے سچ ہی کہا تھا کہ ایسے بے پناہ حسن کو دیکھ کر کوئی بھی اپنے آپ سے باہر ہو سکتا ہے، بے شک ایسے حسن کو دیکھنا کسی کے لیے بھی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ اس قسم کے معاملات میں میں پتھر تھا سوائے ایک دفعہ کے جب میں اپنی نوجوانی میں جنس مخالف کی طرف کھنچ کر دھوکا کھا چکا تھا کہ وہ میری پہلی اور آخری محبت اور غلطی تھی۔ چنانچہ اس کے بعد سے میں نہ تو جنس مخالف کی طرف متوجہ ہوا تھا اور نہ ہی حسن کی جانب۔ پھر وہ کیسا ہی کیوں نہ ہو، میرے دل پر بجلیاں گرا سکتا یا اسے پگھلا سکتا تھا، لیکن اب میں نے کانپ کر اور خوف زدہ

ہو کر سو چا اور مجھے یقین تھا کہ میں ان خوبصورت اور چمکدار آنکھوں کو کبھی نہ بھلا سکوں گا اور اس عورت کا جادو، جو بے شک خوفزدہ کر رہا تھا لیکن ساتھ ساتھ میرے دل کو کھینچ بھی رہا تھا چنانچہ میں جانتا تھا کہ میں اس کشش سے بچ نہ سکوں گا اور نہ بچا ہوں۔ اس عورت کی محبت میں گرفتار ہونا بڑے فخر کی بات تھی اور سچ تو یہ ہے کہ کوئی بھی مرد اس عورت کی محبت میں گرفتار ہونے سے اپنے آپ کو روک نہ سکتا تھا، جو بے پناہ حسن کی مالک ہونے کے علاوہ نہ صرف زبردست قوتوں کی مالک ہو، بلکہ جس کا تجربہ دو ہزار سال پرانا ہو اور جس نے موت کے اسرار معلوم کر کے اس پر، یعنی موت پر فتح حاصل کی ہو۔

یہاں تک تو خیر ٹھیک تھا لیکن اس پورے معاملے کی سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ تھی کہ مجھ جیسا تعلیم یافتہ شخص جو اپنے کالج کا فیلو رہا ہو عورت کی باتوں میں آ کر بے وقوف بن گیا تھا۔ ایشہ کی محبت میں گرفتار ہونا فطری ہو یا نہ ہو ایک بات ہے اور اس ساحرہ کی بکواس پر یقین کرنا دوسری بات، کیونکہ میرے خیال میں وہ بکواس ہی تھی۔ بے نقاب ہونے سے پہلے اس نے مجھے خبردار کر دیا تھا لیکن میں نے اس کی طرف کوئی دھیان نہ دیا اور اپنی ضد پر قائم رہا۔ اور یہ میری حماقت تھی۔ لعنت ہے اس شوقِ تجسس پر جو صنفِ نازک کے چہروں پر سے نقاب اٹھوا دیتا ہے اور لعنت ہے اس فطری جذبے پر جو یہ شوق پیدا کرتا ہے اور ہماری بدقسمتی اور دکھوں کا باعث بنتا ہے۔ میں پوچھتا ہوں مرد اکیلا رہ کر اور عورت سے دور رہ کر خوش کیوں نہیں رہ سکتا؟ اور عورت بھی۔ اپنے آپ رہ کر مطمئن کیوں نہیں ہو سکتی؟ لیکن اگر ہوتا تو شاید مرد خوش رہتا اور نہ عورت۔ اب یہ عجیب بات تھی کہ میں اپنی اس ادھیڑ عمری میں جدید سرسے[1] کی محبت میں گرفتار ہو گیا تھا۔ لیکن وہ جدید کہاں تھی؟ کم سے کم ایشہ کا تو یہی دعویٰ تھا اور اگر وہ سچ تھا تو پھر وہ حقیقی سرسے سے بھی زیادہ قدیم تھی۔

بے قابو ہو کر میں اپنے بال نوچنے لگا اور پھر اچھل کر بستر میں سے نکل آیا کیونکہ مجھے شدت سے احساس ہو چلا تھا کہ اگر میں نے کچھ نہ کیا تو پاگل ہو جاؤں گا اور استقارب کے متعلق بھی تو ایشہ نے کچھ کہا تھا۔ کیا مطلب تھا اس کا؟ لیو کا استقارب تھا اور اس صندوقچے میں سے نکلا تھا جو میرا مرحوم دوست ونسی کوئی اکیس برس پہلے میرے کمرے میں چھوڑ گیا تھا۔ تو کیا وہ داستان سچی تھی، سفال پر کی تحریر کسی

[1] یونانی دیو مالا کی مشہور ساحرہ جو بے حد حسین تھی اور جس نے اولیس کے ساتھیوں کو اپنے جادو کے زور سے سور بنا دیا تھا لیکن آخر میں اولیس نے اسے مجبور کر دیا تھا کہ وہ اس کے ساتھیوں کو پھر انسان بنا دے اور سرسے نے ایسا ہی کیا تھا۔ یہ ایک لیکن طویل داستان ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ (مترجم)



فرد، اور پاگل دماغ کی اختراع نہ تھی اور اگر ایسا ہی تھا تو کیا لیو ہی وہ شخص تھا جس کا انتظار ایشہ کر رہی تھی؟ وہی اس کا محبوب تھا جو ہزاروں برس پہلے مر گیا تھا لیکن دوسرا جنم لینے والا تھا؟ ناممکن یہ خیال کرنا نرا پاگل پن تھا۔ کبھی کوئی شخص دوبارہ پیدا ہوا ہے؟

لیکن اگر یہ ممکن ہے کہ ایک عورت دو ہزار سال تک زندہ رہ سکتی ہے تو پھر یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے — بلکہ پھر ہر چیز ممکن ہے۔ اس صورت میں کیا پتہ میں بھی کسی بھولی بسری ہستی کا اوتار ہوں۔ ہاں بھئی۔ ایسا کیوں نہیں ہو سکتا۔ البتہ بدقسمتی سے مجھے اپنے پچھلے جنم کے واقعات یاد نہیں تھے۔

یہ خیال اس قدر مضحکہ خیز تھا کہ میں بے اختیار ہنس پڑا اور دیوار پر کی اس تصویر، جس میں ایک مسلح سپاہی کھڑا ہوا تھا، مخاطب کر کے بلند آواز میں کہا۔

"کیا پتہ بھائی کہ میں تمہارا ہم عصر رہا ہوں۔ بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں تم تھا اور تم میں ہو۔

میں اپنی اس احمقانہ بات پر ایک بار پھر ہنسا اور میری ہنسی کی آواز اس چٹانی حجرے میں یوں گونج گئی کہ معلوم ہوا جیسے اس سپاہی کا بھوت میرے ساتھ قہقہے لگا رہا ہو۔ پھر مجھے یاد آیا کہ میں لیو کو دیکھنے اور اس کی خبر معلوم کرنے گیا تھا۔ خدا جانے اب اس کی حالت کیسی ہو گی؟ میرے بستر کے قریب رکھے ہوئے چراغوں میں سے ایک چراغ میں نے اٹھایا، اپنے جوتے اتارے اور دبے پاؤں اس گزرگاہ میں چل پڑا جو لیو کے حجرے کے دروازے تک جاتی تھی۔

رات کی ہوا کے جھونکے لیو کے حجرے کے دروازے پر پڑے ہوئے پردوں کو یوں جنبش دے رہے تھے کہ معلوم ہوتا تھا جیسے ان دیکھے بھوت یا ہاتھ ان کو اٹھا رہے اور چھوڑ رہے ہوں۔ میں خاموشی سے حجرے میں داخل ہو گیا اور ادھر ادھر دیکھا۔ حجرہ چراغ سے روشن تھا چنانچہ میں نے دیکھا کہ لیو بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ وہ بخار کے عالم میں بے چینی سے کروٹیں بدل رہا تھا لیکن سو رہا تھا۔ اس کے قریب پتھر کے کاؤچ پر سر رکھے اسٹین سو رہی تھی۔ اس نے لیو کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے رکھا تھا اور ان دونوں کا یہ منظر جتنا معصوم اور دل لبھا لینے والا تھا اتنا ہی پر درد اور متاثر کن تھا۔ بیچارا لیو! اس کے رخسار دہک رہے تھے۔ آنکھوں کے نیچے کالے حلقے تھے اور اس کی سانس آواز سے چل رہی تھی۔

وہ بہت زیادہ بیمار تھا اور ایک بار پھر یہ خوف میرے دل میں اتر آیا کہ وہ زندہ نہ رہے گا اور اس دنیا میں مَیں اکیلا رہ جاؤں گا۔ اور اگر وہ رہا تو — تو — ایشہ کے معاملے میں وہ میرا رقیب ہوگا۔ اگر لیو وہ نوجوان نہ بھی ہوا جس کا انتظار ایشہ کر رہی تھی تب بھی اس کے مقابلے میں ظاہر ہے کہ ایشہ مجھے

ترجیح نہ دے گی کیونکہ میں ادھیڑ اور بدصورت ہوں اور لیو حسین اور نوجوان ہے۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ میرے حواس قائم تھے میں بالکل ہی دیوانہ نہ بن گیا تھا چنانچہ میں نے وہیں کھڑے کھڑے خدا سے دعا مانگی کہ میرا لیو زندہ رہے چاہے وہ وہی نوجوان ثابت کیوں نہ ہو جس کا انتظار عائشہ کر رہی تھی۔

اس کے بعد میں اسی طرح دبے پاؤں واپس آ گیا لیکن اب بھی میں سو نہ سکا۔ لیو کی حالت نے میری بے چینی کو اور بھی بڑھا دیا تھا۔ میرا تھکا ہوا جسم اور تھکا ہوا دماغ جو پریشان بھی تھا ان دونوں نے مل کر مافوق الفطرت خیالات کو ہوا دی۔ خیالات، تصورات اور حقیقی حد تک صاف تصویریں میری نظر کے سامنے ابھرنے اور تیرنے لگیں۔ ان میں زیادہ تر تصویریں بھیانک بلکہ لرزہ خیز تھیں اور چند تصویریں ان خیالات اور یادوں کو زندہ کر رہی تھیں جو میری زندگی کے ماضی کے ملبے تلے دفن تھیں، لیکن ان سب کے پیچھے اور ان کے اوپر اس پراسرار عورت کی شبیہ منڈلا رہی تھی جس کا نام عائشہ تھا اور جس کا حسن آسیبی تھا اور میری یادوں کو جلا رہا تھا۔

میں غار میں بے چینی سے ٹہلتا رہا، بس ٹہلتا رہا۔

دفعتہ میں نے وہ دیکھا جس پر اب تک میری نظر نہ پڑی تھی۔ غار کی ایک دیوار میں ایک چھوٹا سا شگاف تھا۔ میں نے چراغ اٹھا کر اس شگاف کا معائنہ کیا تو چونکا۔ اس شگاف کے پیچھے گزرگاہ تھی۔ میں کہہ چکا ہوں کہ میرے حواس بجا تھے چنانچہ مجھے یاد آیا کہ اس حالت میں جس میں ہم تھے حجروں میں اس قسم کے تقریباً خفیہ راستوں کا ہونا اچھا نہیں جن کے ذریعہ کوئی بھی کمرے میں جب چاہے، خصوصاً اس وقت جب آپ بے خبر سو رہے ہوں، آ سکے۔

کچھ تو اس لیے کہ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ یہ گزرگاہ کہاں جاتی ہے اور کچھ اس لیے کہ میں اپنے بھیانک خیالات سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے کچھ کرنا چاہتا تھا، میں نے چراغ اٹھایا اور اس گزرگاہ میں چل پڑا۔ میں ایک پتھر کے زینے کے ماتھے پر پہنچ گیا اور بلا جھجک یہ زینہ اتر کر ایک دوسری گزرگاہ بلکہ یوں کہیے کہ سرنگ میں پہنچ گیا۔ یہ سرنگ بھی کاٹ کر بنائی گئی تھی اور اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو یہ سرنگ ٹھیک اس گزرگاہ کے نیچے تھی جو ہمارے حجروں تک جاتی تھی اور مرکزی غار کو عبور کرتی تھی۔

میں اس سرنگ میں چل پڑا جو قبر کی طرح خاموش تھی اس کے باوجود کسی قسم کی سنسنی یا کشش سے مجبور ہو کر، جسے میں سمجھ نہ سکا، میں اس سرنگ میں آگے ہی آگے بڑھتا رہا۔ قارئین بھولے نہ ہوں



گے کہ میرے پیروں میں جوتے نہ تھے صرف موزے تھے چنانچہ میرے چلنے سے ذرا بھی آواز پیدا نہ ہو رہی تھی۔

کوئی تیس گز آگے بڑھنے کے بعد ایک تیسری سرنگ نظر آئی اور یہاں ایک بڑی خوفناک بات ہوئی۔ اس سرنگ سے ہوا کے ایک تیز جھونکے نے نکل کر میرا چراغ بجھا دیا اور میں اس پراسرار جگہ کے بطن کے گھپ اندھیرے میں کھڑا رہ گیا۔ اس خوف سے کہ کہیں میں غلطی سے اس دوسری سرنگ میں گھس کر راستہ نہ بھول جاؤں۔ میں جلدی سے چند قدم آگے بڑھ گیا اور پھر صورت حال پر غور کرنے کے لیے رک گیا۔ اب کیا کروں؟ میرے پاس دیا سلائی تھی نہیں کہ چراغ جلا لیتا اور اس گھور اندھیرے میں یہ سرنگ عبور کر کے واپس اپنے حجرے میں پہنچنا اگرچہ ممکن نہیں تو حد سے زیادہ مشکل ضرور نظر آ رہا تھا، لیکن پھر یہ بات بھی تھی کہ میں رات بھر یہیں کھڑا نہ رہ سکتا اور اگر ایسا کیا بھی تو اس سے کوئی فرق نہ پڑ جائے گا کیونکہ دن کے وقت بھی یہاں، چٹان کے اس قلب میں، اتنا ہی اندھیرا رہتا ہوگا جتنا کہ آدھی رات کے وقت۔"

میں نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا تو نہ کچھ دکھائی دے رہا تھا اور نہ ہی کوئی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اب میں نے سامنے دیکھا۔ گھور اندھیرے میں جھانک کر دیکھا اور عین سامنے اور دور پر آگ کی لرزاں روشنی سی نظر آئی۔ شاید وہاں کوئی غار تھا جس میں آگ جل رہی تھی۔ جہاں سے میں اپنا چراغ روشن کر سکتا تھا۔ بہرحال میں نے سوچا، چل کر دیکھنا چاہئے۔ چنانچہ میں احتیاط سے سنبھل سنبھل کر اور ٹٹول کر آگے بڑھا۔ ہر قدم آگے رکھنے سے پہلے میں اپنے پنجوں سے سرنگ کا فرش ٹٹول لیتا تھا کیونکہ مجھے خوف تھا کہ کہیں سرنگ کے فرش میں کوئی گڑھا نہ ہو اور میں جا پڑوں۔

میں تیس قدم آگے بڑھ گیا۔

بے شک وہ روشنی ہی تھی جو غار کے دروازے پر پڑے ہوئے پردوں میں سے چھن چھن کر آ رہی تھی۔

پچاس قدم

اور میں اس کے بہت قریب تھا۔

سات قدم اور — میرے خدا

میں پردوں کے قریب تھا اور پردے پوری طرح سے بند نہ تھے چنانچہ میں دیکھ رہا تھا کہ ان

کے پیچھے ایک غار تھا جس کے عین بیچ میں فرش پر آگ جل رہی تھی لیکن یہ عجیب آگ تھی جس کا شعلہ سفید تھا اور اس میں سے دھواں نہ نکل رہا تھا۔ اس آگ نے غار کو روشن کر رکھا تھا۔ یہ غار مقبرے کی طرح بنا ہوا تھا بلکہ ہو بہو مقبرہ ہی تھا کیونکہ بائیں طرف دیوار میں ایک بڑا طاق یا خانہ بنا ہوا تھا، اس میں پتھر کی ایک سل جڑی ہوئی تھی اور اس سل پر میرے خیال میں کوئی لاش رکھی ہوئی تھی۔ کم سے کم مجھے تو وہ لاش ہی معلوم ہوئی خصوصاً اس لیے بھی کہ اس پر کوئی سفید چیز، شاید چادر ڈال دی گئی تھی یا وہ کفن تھا؟ دائیں طرف ایسا ہی طاق تھا۔ اس پر کڑھا ہوا غلاف پڑا ہوا تھا۔

آگ پر ایک عورت گھٹنوں کے بل جھکی ہوئی تھی جو جیسے سفید شعلے میں جھانک کر کچھ دیکھ رہی تھی۔ میری طرف اس کا چہرہ نہ تھا چنانچہ اس کا منہ طاق کی طرف تھا جس میں پتھر کی سل پر لاش رکھی ہوئی تھی۔ اس نے اپنے آپ کو کالے لبادے میں، جو ننوں کے چغے کی طرح تھا، لپیٹ رکھا تھا۔ ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے کہ دفعتاً ایک جھٹکے کے ساتھ اور ایک عجیب جوش کے عالم میں وہ عورت اٹھ کھڑی ہوئی اور لبادہ اتار پھینکا۔

یہ عورت کوئی اور نہیں بلکہ خود ایشہ تھی۔

وہ وہی چغہ نما لباس جو اس وقت پہنے ہوئی تھی جب میرے سامنے بے نقاب ہوئی تھی اب بھی وہی سفید لباس اور کمر پر دو سروں والے سنہرے سانپ کا وہی پٹکا، گریبان سینے تک کھلا ہوا اور بال پریشان جو اس کے پیروں تک لٹک رہے تھے۔ لیکن یہ اس کا چہرہ تھا جس پر میری نظریں جم کر رہ گئیں۔ میں کوشش کے باوجود وہاں سے اپنی نظریں ہٹا نہ سکا اس لیے نہیں کہ وہ بے حد حسین تھی، بلکہ اس لیے کہ میرے دل پر مسحور کن خوف طاری ہو گیا تھا اور میں بت بن گیا تھا۔ بیشک حسن تو موجود تھا ہی لیکن اس کے بشرے سے ایسا روحانی کرب، ایسا شدید جذبہ اور انتقام کے ایسے جذبات عیاں تھے کہ ان کا بیان کم سے کم میرے لیے ناممکن ہے۔

ایک لمحے تک وہ اپنے دونوں ہاتھ سر سے اوپر اٹھائے بے حرکت کھڑی رہی اور جب وہ یوں کھڑی تھی تو اس کا سفید لباس شانوں پر سے پھسلا اور پھر پھسل کر کمر پر بندھے ہوئے پٹکے تک آ گیا اور اس کا اوپری جسم برہنہ ہو گیا اور اس کے برہنہ حسن نے میری نظر خیرہ کر دی۔ وہ یوں ہی نیم برہنہ کھڑی رہی اس نے اپنے اوپر اٹھے ہوئے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ رکھی تھیں اور اس کے بشرے پر کینہ اور بدباطنی کے خوفناک جذبات اور بھی گہرے اور خوفناک ہو گئے۔



دفعتاً مجھے خیال آیا کہ اگر ایشہ نے مجھے دیکھ لیا وہاں میری موجودگی کا پتہ اسے کسی طرح چل گیا تو کیا ہوگا؟ اس کا کیا ہوگا — جواب میرے دل نے جو دیا وہ اس قدر لرزہ خیز تھا کہ مجھ پر غشی سی طاری ہو گئی۔ لیکن اگر مجھے یقینی طور پر معلوم ہو جاتا اگر میں یہاں ٹھہرا تو مارا جاؤں گا تب بھی میں وہاں سے نہ ہٹتا میں کیونکہ پوری طرح سے مسحور تھا۔ تاہم مجھے خطرے کا احساس تھا۔ فرض کیجیے کہ اس نے مجھے پردوں میں سے یہاں کھڑا دیکھ لیا، میرے تنفس کی آواز سن لی، مجھے چھینک آ گئی یا فرض کیجیے اپنے جادو کے زور سے اس نے یہاں میری موجودگی معلوم کر لی تو میری موت فوراً مجھے آ لے گی۔

دفعتاً اس کے ہاتھ جن کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں، نیچے آ گئے اس کے دونوں پہلو کی طرف۔ اور پھر وہ اوپر اٹھے اور یقین کیجیے کہ ان کے ہاتھوں کے اوپر اٹھتے ہی سفید شعلہ بھی ایک دم سے اوپر کی طرف لپکا اور تقریباً چھت تک پہنچ گیا اور اس کی روشنی ایشہ کے پورے جسم پر اور طاق میں سل پر رکھی ہوئی اور سفید چادر سے ڈھکی ہوئی چیز پر پڑی اور اس نے غار کی دیواروں پر بنی ہوئی ایک ایک تصویر کو روشن کر دیا۔

ایک بار پھر اس کے ہاتھ نیچے آ گئے اور جب وہ مرمریں بازو نیچے آئے تو ایشہ نے عربی زبان میں اور سانپ کی سی پھنکار کی سرگوشی میں بولنا شروع کیا اور اس کا لہجہ ایسا تھا کہ مارے خوف کے میرا خون منجمد ہو گیا۔

"لعنت ہے اس کی یاد پر — لعنت پڑتی رہے اس مصری کی یاد پر۔"

بازو بلند ہوئے اور شعلہ چھت تک پہنچ گیا۔ پھر وہ جھکے اور شعلہ دب گیا۔

"لعنت ہے نیل کی اس بیٹی پر۔ لعنت پڑے اس پر کیونکہ وہ حسین تھی۔

"لعنت ہو اس پر کیونکہ اس کا سحر میرے سحر پر غالب آیا۔

"لعنت ہو اس پر کیونکہ اس نے میرے محبوب کو مجھ سے دور رکھا۔"

اور ایک بار پھر سفید شعلہ دب کر کانپنے لگا۔

اس نے اپنے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ لیے اور اب پھنکار کے بجائے چیخ کر بولی۔

"لیکن لعنت بھیجنے سے کیا فائدہ؟ فتح اس کی ہوئی اور وہ جا چکی۔"

پھر اس نے اور بھی زیادہ بلند آواز اور خوفناک جوش کے عالم کہا۔

"لعنت ہو اس پر جہاں وہ ہے۔ میری بددعائیں اس کی ابدی نیند میں خلل ڈال کر اسے بے

چھین کر دیا۔"

"میرا محبوب میرا تو تم اسے وہاں پالیں جہاں وہ ہے۔

"میری آواز وہ وہاں بھی سن لے اور چھپ جائے وہ ظلمات میں۔ ہاں اسے ظلمات میں چھپ جانے دو۔

"ہاں اسے مایوسی اور ناامیدی کی قعر میں گرنے دو کہ ایک دن میں اسے وہاں جا لوں گی۔"

ایک بار پھر شعلہ بیٹھ گیا۔ اور ایک بار پھر ایشہ نے اپنے ہاتھ آنکھوں پر رکھ لیے۔

"یہ حماقت ہے۔" اس نے روتی آواز میں کہا۔ "کون پہنچ سکتا ہے ان تک جو زبردست قوت کے سائے اور حفاظت میں سو رہے ہیں؟ ہاں۔ میں بھی نہیں پہنچ سکتی۔"

اور ایک بار پھر وہ اپنی نامقدس رسومات ادا کرنے لگی۔

جب وہ دوبارہ جنم لے تو اس پر لعنت پڑے۔ لعنتی پیدا ہوا ہو وہ۔

"اپنے لیے جنم سے لے کر اس وقت تک اس پر لعنت پڑتی رہے جب تک ایک بار پھر لمبی اور بڑی نیند اسے نہیں آ لیتی۔

ہاں پھر بھی وہ لعنتی رہے کیونکہ اس کے بعد ہی میں اس سے اپنا انتقام لوں گی اور اسے پوری طرح سے تباہ و برباد کروں گی۔"

اور یوں ہی وہ چیختی اور لعنتیں بھیجتی رہی۔ شعلہ بلند ہوتا اور بیٹھتا رہا۔ ایشہ کی آنکھوں میں روحانی کرب کی چمک بڑھتی رہی اور اس کی بلند آواز اور پھنکاریں غار کی دیواروں سے ٹکراتی رہیں۔ ان آوازوں کی خوفناک اور لرزہ خیزی کو الفاظ بیان نہیں کر سکتے۔ یہ آوازیں گونج پیدا کر کے ڈوبتی رہیں اور سفید بھیانک شعلہ طاق میں پتھر کی سل پر لیٹی ہوئی اور سفید چادر سے ڈھکی ہوئی شے کو بھیانک طور پر نمایاں اور دھندلا کرتا۔

لیکن آخرکار ایشہ، معلوم ہوتا ہے، تھک کر خاموش ہو گئی۔ وہ غار کے چٹانی فرش پر بیٹھ گئی۔ سر کے ایک جھٹکے کے ساتھ اپنے گھٹاؤں جیسے بال اپنے چہرے اور برہنہ سینے پر ڈال لیے اور پتھر کا جگر چیر دینے والے غم کے عالم میں رونے لگی اور ہچکیاں لینے لگی۔

"دو ہزار سال" اس نے روتے ہوئے اور کراہتے ہوئے کہا۔ "دو ہزار سال سے میں انتظار کر رہی ہوں۔ دو ہزار سال سے میں یہ اذیت برداشت کر رہی ہوں، دو ہزار سال سے صبر کر رہی ہوں۔



حالانکہ صدیوں پر صدیاں گزر گئی ہیں، وقت نے وقت کو کھا لیا ہے لیکن یاد کے ڈنک کی سوزش کم نہیں ہوئی ہے اور امید کی جوت جس طرح جل رہی تھی اسی طرح جل رہی ہے۔ اس میں نہ کمی ہوئی ہے نہ بیشی۔ ہائے! کوئی کیا جانے کہ دو ہزار سال تک جینا کیسا ہوتا ہے وہ بھی اس عالم میں کہ جذبات میرا کلیجہ نوچ رہے ہوں۔ ہائے! کوئی کیا جانے کہ اس کی حالت کیسی ہوتی ہے جس کی قسمت میں بس انتظار ہی انتظار ہو اور جس کی یادوں پر طویل زندگی پردہ نہ ڈال سکتی ہو۔ ہائے! یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہو گا۔"

"میرے محبوب! میرے محبوب! میرے محبوب! اس اجنبی نے مجھے تمہاری یاد اس طرح کیوں دلوائی؟ وہ تمہیں اس طرح واپس میرے پاس کیوں لے آیا؟ پانچ طویل صدیوں میں، میں اتنی بے قرار نہ ہوئی تھی جتنی کہ آج ہوں۔ ہائے! اگر میں نے تمہارا گناہ کیا تھا مگر میں تمہاری گنہگار ہوں تو کیا میں اس کا خمیازہ نہیں بھگت رہی ہوں؟ تم کب آؤ گے میرے پاس؟ میرے پاس سب کچھ ہے لیکن تمہارے بغیر میری زندگی ایک مسلسل عذاب ہے، خاک دھواں ہے میں کیا کروں؟ کیا کر سکتی ہوں؟ ہاں۔ کیا؟ کیا؟ کیا؟ اور شاید وہ ...وہ مصری اس جگہ تمہارے ساتھ ہے جہاں تم ہو اور مجھ پر ہنس رہی ہے۔ ہائے! میں کیوں نہ مر سکی تمہارے ساتھ ہے ہاں۔ میں، جس نے تمہیں قتل کر دیا۔ افسوس! میں مر نہیں سکتی۔ افسوس! افسوس! افسوس!"

اور وہ غار کے فرش پر اوندھے منہ لیٹ گئی اور رونے لگی۔ وہ یوں بے تحاشہ روئی کہ میں سمجھا کہ اس کا دل پھٹ جائے گا۔

دفعتاً وہ خاموش ہو گئی۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے اپنا لباس ٹھیک کیا۔ سر کے ایک جھٹکے کے ساتھ اپنے بال کو چہرے پر سے ہٹا کر پشت پر ڈال لیے اور لپک کر اس طاق کے قریب پہنچی جس کی سل پر لاش رکھی ہوئی تھی۔

"اے قالی قریطا!" ایشہ نے چیخ کر کہا اور یہ نام سن کر میں کانپ گیا "میں تیری صورت دیکھوں گی چاہے مجھے کتنی ہی روحانی تکلیف کیوں نہ ہو، چاہے میرا دل پھٹ ہی کیوں نہ جائے۔ ایک زمانہ گزر گیا صورت دیکھے۔ ہاں تیری صورت جسے میں نے اپنے ان ہاتھوں سے قتل کیا تھا۔"

پھر کانپتی انگلیوں سے اس نے سفید چادر یا کفن کا ایک کونا اٹھایا۔ اور وہاں لیٹے ہوئے مردے کی صورت دیکھتی رہی۔ چند ثانیوں کے بعد جب وہ دوبارہ بولی تو سرگوشی میں بول رہی تھی۔ یہ خیال خود اس کے لیے بھی بھیانک تھا۔

''زندہ کردوں تجھے۔''اس نے لاش کو مخاطب کیا۔''تاکہ تو پہلے کی طرح میرے سامنے کھڑا رہے؟ بے شک میں تجھے زندہ کر سکتی ہوں۔''

اور اس نے اپنے دونوں ہاتھ لاش پر پھیلا دیئے۔اس کا جسم تن کر بھیانک سا بن گیا اور اس کی آنکھیں پتھرا سی گئیں۔میں خوف سے لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا اور پردے کے پیچھے دبک گیا۔میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔میں کہہ نہیں سکتا کہ وہ حقیقت تھی کہ میرا وہم لیکن میں نے دیکھا کہ چادر کے نیچے اس لاش نے جنبش کی اور چادر اوپر اٹھنے لگی بالکل اسی طرح جس طرح کوئی سویا ہوا شخص بیدار ہونے کے بعد بستر ہی سے نکلنے کے لیے کمبل ہٹاتا ہے۔

یکا یک ایشہ نے اپنے پھیلے ہوئے ہاتھ ہٹا لیے اور لاش بے حرکت ہو گئی۔کم سے کم مجھے تو ایسا ہی معلوم ہوا۔

لیکن کیوں؟اس سے کیا فائدہ؟''ایشہ نے بھاری آواز میں کہا۔''صرف جسم کو،صرف خول کو کھڑا کرنے سے کیا فائدہ؟جب وہ میں اس میں روح داخل نہیں کر سکتی؟!اگر تم میرے سامنے کھڑے ہو بھی گئے تب بھی مجھے پہچان نہ سکو گے اور وہی کرو گے جو میں کہوں گی۔تمہارے جسم میں جو حیات ہوگی وہ میری حیات ہوگی قالی قریط!نہ کہ خود تمہاری''

ایک لمحہ تک وہ اسی طرح خاموش اور کسی سوچ میں کھڑی رہی۔پھر وہ لاش کے قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔اور پھر میں نے دیکھا کہ وہ لاش پر پڑی ہوئی چادر کو چوم چوم کر رو رہی تھی۔

اس عورت کی ان حرکتوں میں،دوزخ میں پھنسی ہوئی اس بے چین روح کے یوں ماتم کرنے اور مردے کے سامنے بیٹھ کر بین کرنے میں کوئی خاص بات تھی میں یہ منظر کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکا۔ چنانچہ میں پلٹا اور دبے پاؤں واپس چل پڑا بلکہ یوں کہیے کہ رینگنے لگا۔

میں سر سے پیر تک کانپ رہا تھا اور اندھیری سرنگ میں کانپتا ہوا ٹٹول کر آگے بڑھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ میں نے حقیقت میں اس روح کو دیکھا ہے جو دوزخ میں عذاب پا رہی ہے۔

میں لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھتا رہا۔یقین کیجیے میں خود نہیں جانتا کہ میری ٹانگوں نے کس طرح میرا جسم سنبھال رکھا تھا اور کس طرح مجھے آگے بڑھا رہی تھیں۔دو دفعہ میں گر بھی پڑا۔ایک دفعہ میں دوسری سرنگ میں گھس گیا لیکن شکر ہے کہ چند قدم بعد ہی مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔کوئی بیس منٹ تک میں اسی طرح اندھیرے میں رینگتا رہا یہاں تک کہ مجھے احساس ہوا کہ میں یقیناً اس



زینے سے آگے بڑھ گیا ہوں جو اتر کر میں نیچے آیا تھا۔چنانچہ بری طرح نڈھال اور بے حد خوفزدہ ہو کر میں اسی جگہ سرنگ کے فرش پر ڈھے گیا اور مجھ پر غشی طاری ہو گئی۔

جب مجھے ہوش آیا تو مجھے اپنے عقب میں روشنی کی لکیر نظر آئی۔میں اٹھ کر اس طرف چل دیا۔وہاں پہنچا تو دیکھا کہ صبح کا ذب چھوٹے زینہ کے ذریعہ چوروں کی طرح اندر اتر آئی تھی۔

میں زینہ چڑھ کر آخر کار اپنے حجرے میں پہنچ گیا۔میں نے اپنے آپ کو بستر پر ڈال دیا۔ کچھ ہی دیر بعد میں گہری نیند سو رہا تھا یا خدا جانے مجھ پر غشی طاری ہو گئی تھی۔

☆☆

# پندرہواں باب

# عائشہ کا انصاف

دوسری بات جو مجھے یاد ہے وہ یہ ہے کہ میں نے آنکھیں کھولیں تو سب سے پہلے جوب کے دیدار ہوئے جس کا بخار رخصت ہو گیا تھا اور جو اب پہلے ہی کی طرح تندرست تھا۔ وہ ٹھیک اسی جگہ کھڑا ہوا تھا جہاں دن کی روشنی روشندان میں سے اندر آ رہی تھی۔ وہ میرے کپڑے جھٹک رہا تھا کہ حسب عادت انھیں برش کر دے لیکن یہ بات یہاں ممکن نہ تھی کیونکہ یہاں برش نہ تھا۔ پھر اس نے کپڑے تہہ کر کے میرے تکیں کاؤچ کے پائنتی احتیاط سے رکھ دیئے۔ یہ کر چکا تو اس نے سفری تھیلے میں سے میرا چرمی ڈریسنگ کیس نکالا اور اسے کھول کر میرے استعمال کے لیے تیار رکھ دیا۔ پہلے تو اس نے اسے بھی تکیں کاؤچ پر پائنتی رکھ دیا لیکن پھر شاید اس خوف سے کہ کہیں نیند میں لات چلا کر اسے پھینک نہ دوں اس نے کیس اٹھا کر فرش پر بچھی ہوئی چیتے کی کھال پر رکھ دیا۔

اس کے بعد وہ اپنے اس عمل کا حسن دیکھنے کے لیے ایک دو قدم پیچھے ہٹ گیا تا کہ اسے اطمینان نہ ہوا۔ چنانچہ وہ پھر آگے بڑھا۔ تھیلا بند کر کے کاؤچ کے پہلو سے لگا کر کھڑا کر دیا اور ڈریسنگ کیس اس پر رکھ دیا۔ اب اس نے ان برتنوں کی طرف دیکھا جن میں ہمارے منہ ہاتھ دھونے کے لیے پانی بھرا ہوا تھا۔

''ہم۔م۔'' میں نے اسے بڑبڑاتے سنا۔ ''اس واہیات جگہ میں گرم پانی کا کوئی انتظام نہیں اور اگر یہ وحشی کبھی پانی گرم کرتے بھی ہوں گے تو ایک دوسرے کو اس میں ابالنے کی غرض سے۔''

اور اس نے ایک ٹھنڈا سانس لیا۔

''کیا بات ہے جوب؟'' میں نے کہا۔

''معافی چاہتا ہوں جناب۔'' جوب نے بہ طور سلام اپنے بالوں کو چھو کر کہا۔ ''میرا خیال تھا کہ جناب سو رہے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ آپ کو نیند کی سخت ضرورت ہے۔ جناب کی صورت سے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ رات بھر یا تو جاگتے یا پھر بھیانک خواب دیکھتے رہے ہیں۔''

''جوب میں۔'' میں ہولے سے کراہا۔ ''میری رات واقعی پریشان گزری تھی اور میں دل ہی



دل میں کہہ رہا تھا کہ۔ ''ایک بار دیکھا ہے لیکن دوسری بار دیکھنے کا ہوش نہیں ہے۔'' میرے خدا! کبھی کسی کی رات ایسی نہ گزری ہوگی۔

''لیو کا کیا حال ہے جوب؟'' میں نے پوچھا۔

''بہت برا حال ہے۔ کوئی افاقہ نہیں ہوا ہے اور اگر کی حالت نہ سدھری تو پھر وہ نہ بچیں گے جناب۔ تو یہ حال ہے۔ حالانکہ یہ میں ضرور کہوں گا کہ وہ جنگلی استین بڑی تیمارداری کر رہی ہے ماسٹر لیو کی۔ وہ ماسٹر لیو کو ایک سیکنڈ کے لیے بھی نہیں چھوڑتی۔ اور اگر میں اس کی تیمارداری میں دخل دینے کی کوشش کرتا ہوں تو ہائے ہائے۔ پناہ بہ خدا! وہ بپھری ہوئی شیرنی کی طرح خوفناک بن جاتی ہے جناب! اس کے بال جیسے اس کے سر پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور جناب وہ اپنی کافرانہ زبان میں کوستی اور گالیاں بکتی ہے۔۔۔ کم سے کم میرا تو یہی خیال ہے کہ وہ کوستی ہی ہے۔''

''اچھا تو پھر تم کیا کرتے ہو؟''

''میں اس کے سامنے بڑے اخلاق اور بڑی شائستگی سے جھک جاتا ہوں اور کہتا ہوں'' بانو! تمہارا مرتبہ کیا ہے یہ تو میں سمجھ سکا ہوں اور نہ پہچان سکا ہوں البتہ یہ کہنے کی اجازت چاہوں گا کہ میں ایک نمک حلال خادم ہوں چنانچہ مجھ پر چند فرائض عائد ہوتے ہیں خصوصاً اس لیے کہ میرے آقا کو علالت نے کسی قابل نہیں رکھا ہے چنانچہ میں اپنے یہ فرائض اس وقت تک انجام دیتا رہوں گا جب تک کہ میں خود ناکارہ نہیں بن جاتا'' لیکن جناب۔ وہ تو کچھ سنتی ہی نہیں اور نہ سمجھتی ہے بس دے گالی پہ گالی اور دے کوسنے پر کوسنا۔ ابھی گزشتہ رات ہی اس نے شب خوابی کے قمیص کے، جو وہ پہنے رہتی ہے، گریبان میں ہاتھ ڈال دیا اور وہاں سے یہ بڑا چاقو نکال لیا اور جس کا پھل ہلالی تھا۔ میں نے بھی جناب پھرتی سے اپنا پستول نکال لیا اور پھر جناب ہم پینترے بدلنے لگے، یہاں تک کہ وہ ہنس پڑی جناب! کسی بھی عیسائی کے لیے یہ بڑی شرم کی بات ہے کہ وہ بے دین وحشی سے شکست کھا جائے پھر چاہے وہ عورت ہی کیوں نہ ہو اور کتنی ہی حسین کیوں نہ ہو۔ لیکن کیا کریں کہ ہم مردا تنے ہی احمق ہوتے ہیں۔۔۔'' اس نے احمق پر زور دیا تھا۔۔۔ ''کہ ایسی جگہ آ جاتے ہیں اور وہ بھی ان باتوں کی تلاش میں جنھیں کوئی شریف آدمی دیکھنا اور سننا پسند نہیں کرتا۔ جناب! میرا تو یہ خیال بلکہ ایمان ہے کہ یہ ہماری آزمائش ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہوں گا کہ اس سے پہلے کہ یہ آزمائش پوری ہو ہم خود پورے ہو چکے ہوں گے کیونکہ ہم اس واہیات مقام میں اور خبیث روحوں اور بھوتوں کے درمیان مقیم ہیں۔ اچھا

جناب! اب میں جا کر ماسٹر لیو کے لیے دلیہ تیار کرتا ہوں اگر وہ وحشی ملکی اجازت دے تو انھیں کھلا آتا ہوں اور اب شاید آپ بستر سے نکل آئیں گے کیوں کہ نو بج چکے ہیں۔"

جوب نے جو کچھ کہا وہ اس کے لیے قطعی مضحکہ خیز نہ تھا جو گزشتہ رات ہی ایک لرزہ خیز منظر دیکھ چکا ہو اور سب سے بڑی بات تو یہ کہ جوب نے جو کچھ کہا تھا اس میں حقیقت کچھ زیادہ ہی تھی۔ ایک سے دوسرے واقعہ کو جوڑا اور یوں واقعات کی زنجیر تیار کی تو صاف نظر آیا کہ یہاں سے ہمارا فرار ناممکن تھا۔ بہ فرض محال اگر لیو روبہ صحت ہو گیا، بہ فرض محال اگر عائشہ نے اپنے جانے کی اجازت دے دی — جو شاید ممکن نہ تھا — اور اگر اس نے ہمیں غصے کی جھونک میں "جلا کر راکھ" نہ کر دیا اور اگر وحشی اماجروں نے ہمارے سروں پر "گرم برتن" نہ رکھے — مطلب یہ کہ اگر ہم ان سب سے بچ بھی گئے تب بھی ہم ان منحوس دلدلوں میں سے، جو میلوں تک پھیلی ہوئی تھیں اور جن میں خدا جانے کہاں کہاں اماجر کے "گھرانے" بکھرے پڑے تھے، راستہ تلاش کرنا اور انھیں عبور کر کے دوسری طرف پہنچنا قطعی ناممکن تھا چنانچہ اب ایک ہی راستہ رہ گیا تھا۔ جو کچھ ہو اس سے نمٹ لیں، اور میں اپنے متعلق کہتا ہوں کہ مجھے بے حد پراسرار داستان سے دلچسپی پیدا ہو گئی تھی اور میں بہرحال اس کا انجام دیکھنا چاہتا تھا۔ چاہے مجھے اس کی قیمت اپنی جان کی صورت میں ہی کیوں نہ ادا کرنی پڑے۔ کون ہوگا ایسا شخص جسے علم الانسان اور اس کے اعمال و افعال سے دلچسپی نہ ہو اور پھر وہ عائشہ جیسی ہستی کے مطالعہ سے باز رہے خصوصاً اس وقت جب قدرت نے اس کا موقع بھی عطا کیا ہو؟ خود اس کا مطالعہ بلکہ یوں کہیے کہ اس معمہ کو حل کرنے میں جو خطرہ پیش تھا وہ اس کے سحر اور دلچسپی میں اضافہ ہی کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ اس وقت میں غور کرتا ہوں تو پتہ چلتا ہے اس عورت عائشہ میں میرے لیے ایک خاص کشش تھی جسے میں سمجھ نہ سکا تھا۔ گزشتہ رات میں جو بھیانک اور رونگٹے کھڑے کر دینے والا منظر دیکھ چکا تھا وہ بھی مجھے اپنے اس احمقانہ اور خطرناک ارادے سے باز نہ رکھ سکا تھا۔ اور افسوس کے ساتھ میں کہتا ہوں کہ تب سے لے کر اب تک، جب کہ میں یہ الفاظ لکھ رہا ہوں، میں وہی عجیب کشش اور شوق محسوس کر رہا تھا۔

کپڑے پہننے کے بعد میں حجرۂ طعام بلکہ یوں کہیے کہ لاشوں کو حنوط کرنے کے حجرے میں پہنچا اور تھوڑا سا ناشتہ کیا جو حسب معمول گونگی اور بہری لڑکیوں نے لا کر رکھ دیا تھا۔ ناشتہ سے فارغ ہو کر لیو کے حجرے میں پہنچا۔ اس کی حالت جیسی رہی تھی ویسی ہی تھی۔ وہ بک رہا تھا اور مجھے پہچان نہ سکتا تھا۔ میں نے استین سے پوچھا کہ اس کے خیال میں لیو کی حالت بہتر تھی یا ہونے کی امید تھی۔ جواب میں



استین نے نفی میں سر ہلا دیا اور رونے لگی۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ اسے لیو کی زندگی کی امید نہ تھی۔ اگر اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ لیو کو فوراً اچھا کر دیتی۔ کم سے کم اس نے تو ایسا ہی کہا۔

میں لیو کے حجرے میں ہی تھا کہ بوڑھا بلالی آ گیا۔ اس نے بھی مایوسی سے سر ہلایا۔ "یہ رات کا اندھیرا اترنے تک مر جائے گا۔" اس نے کہا۔

"خدا نہ کرے میرے باپ" میں نے کہا، اور دل شکستہ ہو کر دوسری طرف گھوم گیا۔

"میرے لنگور! وہ جس کا حکم ماننا ضروری ہے نے تمہیں طلب کیا ہے۔" ہم حجرے کے دروازے پر پڑے ہوئے پردوں سے باہر آئے ہی تھے کہ بلالی نے کہا۔ "لیکن اے بیٹے! آج احتیاط سے کام لینا۔ گزشتہ کل تو مجھے یقین ہو گیا تھا کہ وہ تمہیں خاک کر دے گی کیونکہ تم اس کے روبرو اپنے پیٹ کے بل گرنے اور رینگنے کے بجائے کھڑے ہی رہے تھے۔ اس وقت وہ بڑے غار میں آ کر بیٹھے گی، اور جانتے ہو کیوں؟ ان گستاخوں کا انصاف کرنے جنھوں نے تم پر اور شیر پر حملہ کیا تھا۔ چلو بیٹے جلدی چلو۔"

چنانچہ میں پلٹ کر بلالی کے پیچھے چل دیا اور جب ہم مرکزی غار میں پہنچے تو دیکھا کہ بہت سے اماجر جن میں سے اکثر نے سفید چغے پہن رکھے تھے، لیکن بقیہ نے صرف چیتے کی کھال لپیٹ رکھی تھی، تیز تیز قدم اٹھاتے ایک طرف جا رہے تھے۔ ہم بھی اس سیلاب کے ساتھ اس زبردست اور تقریباً لامتناہی غار میں چل پڑے۔ اس کی تمام دیواروں پر تصویریں اور مورتیاں بنی ہوئی تھیں اور ہر بیس قدم کے فاصلے سے اس کی دیواروں میں دائیں بائیں راستے یا سرنگیں کھلی تھیں۔ بلالی نے بتایا کہ یہ سرنگیں ان مقبروں تک جاتی تھیں جو "گزرے ہوئے لوگوں" نے بنائے تھے۔ اس نے مزید کہا کہ اب ان مقبروں میں کوئی نہیں جاتا لیکن مجھے اعتراف ہے کہ میرا دل اس خیال سے ناچ اٹھا کہ میں ان مقبروں میں جاؤں گا اور اس کا معائنہ و مطالعہ کروں گا جو خدا جانے کتنے قدیم تھے۔

آخر کار ہم اس زبردست غار کے دوسرے سرے پر پہنچ گئے جہاں چٹان کا ایک پلیٹ فارم تھا جو تقریباً ایسا ہی تھا جیسا کہ بلالی کے "گھرانے" کے اس غار میں تھا جس پر ہمیں بٹھایا گیا تھا اور پھر ہم پر حملہ کیا گیا تھا۔ چنانچہ اس پلیٹ فارم کو دیکھ کر یہ حقیقت مجھ پر واضح ہو گئی کہ ان پلیٹ فارموں کو قربان گاہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہوگا۔ غالباً مذہبی رسومات کے موقع پر یا پھر اس پر وہ رسومات ادا کی جاتی ہوں گی جن کا تعلق مردے کی تجہیز و تکفین سے ہوتا ہوگا۔ یہ دوسری ہی بات زیادہ قرین قیاس تھی۔ اس پلیٹ فارم کے دائیں بائیں بھی سرنگی راستے تھے جو، بلالی نے بتایا، ان دوسرے غاروں تک جاتے تھے جو

مردوں سے بھرے ہوئے تھے۔

"سچ تو یہ ہے۔" اس نے کہا۔ "یہ پورا پہاڑ ہی مردوں سے بھرا ہوا ہے اور تمام مردے محفوظ اور اپنی اصلی حالت میں ہیں۔"

اس پلیٹ فارم کے سامنے لوگوں کا مجمع تھا۔ ان میں مرد تھے اور عورتیں بھی۔ وہ لوگ خاموش کھڑے اداس نظروں سے اپنے سامنے اور ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ پلیٹ فارم پر لکڑی کی بنی ہوئی، کالے رنگ کی اور بے ڈھنگی کرسی رکھی ہوئی تھی اس کرسی میں ہاتھی دانت کے ٹکڑوں سے نقش ونگار بنائے گئے تھے۔ اس کی بیٹھک ریشوں کی اور نرم تھی اور اس کے نیچے ایک چوبی تختہ جڑ کر پائیدان بنا دیا گیا تھا۔

دفعتاً "حیاہ حیاہ" کا شور بلند ہوا اور فوراً ہی وہاں موجود مرد اور عورتیں فرش پر اوندھے منہ لیٹ گئیں۔ پھر وہ سب کے سب یوں بے حرکت پڑے رہے جیسے مر گئے ہوں۔ تنہا میں کھڑا رہ گیا۔

عین اس وقت محافظوں کی قطار بائیں طرف کی سرنگ میں سے نکلی۔ پھر یہ محافظ پلیٹ فارم کے دائیں بائیں مستعد کھڑے ہو گئے۔ پھر گونگے اور بہرے مرد آئے ان کے بعد گونگی اور بہری لڑکیوں کا گروہ آیا۔ ان سب کے ہاتھوں میں چراغ تھے جو روشن تھے اور سب کے آخر میں سر سے پیر تک سفید لبادے میں لپٹی ہوئی ایک ہستی آئی جس کو میں نے پہچان لیا کہ ایشہ تھی۔

وہ پلیٹ فارم پر چڑھ کر اس سیاہ چوبی کرسی پر بیٹھ گئی جو وہاں رکھی ہوئی تھی اور تب اس نے مجھے یونانی زبان میں مخاطب کیا یقیناً اس لیے کہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ وہاں موجود اماہجر اس کی بات سمجھ لیں۔

"یہاں آؤ ہالی۔" اس نے کہا "اور یہاں میرے قدموں میں بیٹھ جاؤ اور دیکھو کہ میں ان لوگوں سے کیسا انصاف کرتی ہوں جو تمہیں قتل کر دینے والے تھے۔ اگر میری یونانی زبان صاف نہیں ہے اور ٹھہر ٹھہر کر بول رہی ہوں تو معافی چاہتی ہوں۔ صدیاں گزر گئیں کہ میں نے یہ زبان نہ سنی ہے اور نہ بولی ہے اس لیے زبان مڑتی نہیں۔"

چنانچہ میں پلیٹ فارم پر چڑھ کر اس کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

"میرے ہالی! نیند کیسی آئی رات کو؟" اس نے پوچھا۔

"نیند تو اچھی نہیں آئی ایشہ۔" میں نے پوری طرح سے سچ بولتے ہوئے جواب دیا۔ میرا دل اس خیال سے دھڑک رہا تھا کہ کہیں اسے پتہ نہ چل گیا ہو کہ میری آدھی رات کہاں اور کیسے گزری تھی۔

"اچھا بھلا۔" وہ ہنسی۔ "سچ تو یہ ہے کہ نیند مجھے بھی نہیں آئی۔ گزشتہ رات میں نے بہت سے



خواب دیکھے اور میرا خیال ہے کہ میرے ان خوابوں کا باعث تم تھے۔"

"کیا خواب دیکھے تم نے ایشہ؟" میں نے بے تعلقی سے اور انجان بن کر پوچھا۔

"میں نے۔" اس نے کہا۔ "اس کا خواب دیکھا جس سے میں نفرت کرتی ہوں اور اس کا جس سے میں محبت کرتی ہوں۔" اور پھر جیسے موضوع بدلنے کی غرض سے وہ محافظوں کے سردار کی طرف گھوم گئی اور عربی میں کہا۔ "ان مجلسوں کو ہمارے حضور پیش کرو۔"

سردار سینے پر ہاتھ رکھ کر جھک گیا کیونکہ محافظ اور ایشہ کے خاص خدمتگار جھکتے نہ تھے۔ سردار اپنے ماتحتوں کو لے کر اس سرنگ میں گھس گیا جو دائیں طرف کی تھی۔

پھر مکمل ترین خاموشی کا وقفہ رہا۔

ایشہ نے اپنا پٹیاں بندھا سر اپنے ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھا اور یوں کسی خیال میں غرق بیٹھ گئی۔ اماہجر بدستور اوندھے منہ لیٹے رہے اور بے حرکت پڑے رہے البتہ ہماری طرف دیکھنے کے لیے وہ کبھی کبھی سر اٹھا لیتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ ان کی ملکہ بہت کم باہر آتی تھی۔ چنانچہ وہ اس کو دیکھنے کے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے پھر اس کے لیے انھیں گھنٹوں تک یوں اوندھے منہ ہی کیوں نہ پڑے رہنا پڑے۔ لیکن یہ تکلیف برداشت کرنے کے باوجود وہ صرف اس کا لباس ہی دیکھ سکتے تھے کیونکہ اس کا چہرہ آج تک کسی نے نہ دیکھا تھا سوائے میرے۔

آخر کار دائیں طرف کی سرنگ میں لرزتی روشنی نظر آئی اور آگے بڑھتے قدموں کی چاپ سنائی دی اور مسلح محافظوں کا دستہ اندر آیا۔ اور ان کے درمیان وہ اماہجر تھے جو ہمیں مار کر کھا جانے والے تھے لیکن کامیاب نہ ہوئے تھے اور خود مرنے سے بچ گئے تھے۔ یہ تعداد میں بیس تھے۔ ان کے بشروں پر ان کی فطری اداسی کے ساتھ وہ خوف دہشت وکر بیاں تھا جسے یہ وحشی اپنے دل میں محسوس کر رہے تھے۔

ان لوگوں کو پلیٹ فارم کے سامنے ایک قطار میں کھڑا کر دیا گیا۔ یہ مجرم بھی دوسروں کی طرح اوندھے منہ لیٹ گئے ہوتے لیکن ایشہ نے انھیں ایسا کرنے سے روک دیا۔

"نہیں۔" اس نے بے حد نرم لہجے میں کہا۔ "تم لوگ کھڑے رہو۔ شاید وہ وقت بہت جلد آئے گا جب تم پڑے رہنے سے اکتا جاؤ گے۔"

اور وہ ہنسی۔

اور میں نے دیکھا کہ ایشہ کے ان الفاظ نے ان شیطانوں کو سہما دیا اور حالانکہ ان لوگوں نے

ہمیں قتل کر دیا ہوتا، گو کہ یہ لوگ سنگدل تھے لیکن مجھے اعتراف ہے کہ مجھے ان پر رحم آ گیا۔

چند منٹ، شاید دو یا تین منٹ تک، کچھ نہ ہوا سوائے اس کے کہ مکمل ترین خاموشی طاری رہی۔ اس عرصہ میں ایشہ ان مجرموں کا جائزہ لیتی رہی۔ اس کے چہرے پر تو سفید پٹیاں بندھی ہوئی تھیں لیکن اس کے سر کی جنبش سے پتہ چلتا تھا کہ وہ مجرموں کا جائزہ لے رہی تھی۔ آخر کار اس نے مجھے بے حد نیچی لیکن ٹھہری آواز میں مخاطب کیا:

"اے میرے معزز مہمان! تم پہچانتے ہو ان لوگوں کو؟"

"ہاں اے ملکہ! تقریباً ان سب کو پہچانتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔

میرے اس جواب پر مجرموں نے تیز نظروں سے میری طرف دیکھا۔

"چنانچہ میرے سامنے اور ان سب کے سامنے، جو یہاں موجود ہیں تفصیلات بیان کرو کہ کیا ہوا تھا حالانکہ میں خود اس کے متعلق سب کچھ سن چکی ہوں۔"

چنانچہ میں نے مختصر لفظوں میں ان آدم خوروں کے جشن اور عبداللہ کے انجام کے متعلق بیان کر دیا۔ میرے اس بیان کو ہر شخص، مجرم بھی اور ایشہ بھی، خاموشی سے سنتا رہا۔ جب میں خاموش ہوا تو ایشہ نے بالالی کو آواز دی۔ غار کے فرش پر اوندھے منہ لیٹے ہوئے بلالی نے اپنا سر اٹھایا اور کہا کہ میں نے جو کچھ کہا ہے سچ کہا ہے۔

اس کے بعد مزید ثبوت کی ضرورت نہ تھی۔

"سن لیا تم نے؟" آخر کار ایشہ نے صاف آواز لیکن ٹھنڈے لہجے میں کہا جو اس کے عام لہجے سے مختلف تھا۔ اس پراسرار عورت میں یہ بڑی حیرت انگیز بات تھی کہ موقع و محل کی مناسبت سے وہ اپنی آواز اور لہجہ بدل لیتی تھی۔ آواز اور لہجہ میں ایسا قابو کبھی کسی کا نہ رہا ہوگا۔

"سن لیا تم لوگوں نے؟" اس نے کہا۔ "اے باغی اور گستاخ بچو! اب کیا کہنا ہے تمہیں؟ کیوں نہ تم سے انتقام لیا جائے؟ کیوں نہ تمہیں اس سرکشی کی سزا دی جائے؟"

چند ثانیوں تک کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔

آخر کار ایک شخص نے لب کشائی کی جرأت کی۔ یہ شخص ادھیڑ عمر دہرے بدن کا اور عقاب کی چونچ جیسی ناک والا تھا اس نے کہا کہ انھیں جو حکم ملا یا جو حکم ان تک پہنچا تھا وہ صرف سفید فاموں کے متعلق تھا کہ انھیں کوئی گزند نہ پہنچایا جائے ان کے سیاہ فام ملازم کے متعلق اس حکم میں کچھ نہ کہا گیا تھا۔



چنانچہ اس عورت نے، جواب مر چکی ہے، اکسانے میں آ کر اس سیاہ فام کو "گرم برتن" دینے کی کوشش کی تھی کیونکہ یہ ان کے ملک کی قدیم اور باعزت رسم ہے۔ چنانچہ وہ چاہتے تھے کہ اس رسم کے مطابق اس کے سر پر گرم برتن رکھنے کے بعد اسے کھا لیں۔ رہا ہم پر حملہ تو اس شخص نے مزید صفائی پیش کرتے ہوئے کہا "وہ غصے کے اندھے پن میں کیا گیا تھا۔ چنانچہ اس کا ان سب کو بڑا افسوس تھا۔ آخر میں اس نے بڑے انکساری سے اور تقریباً گڑ گڑا کر درخواست کی کہ "وہ جس کا حکم ماننا ضروری ہے" ان پر رحم کرے اور اگر سزا ہی دینا چاہتی ہے تو انھیں جلاوطن کر کے دلدلوں کی طرف ہانک دے پھر اگر زندگی ہوئی تو وہ وہاں ذلت و خواری کے عالم میں رہیں گے یا پھر مر جائیں گے۔

اس شخص نے یوں کہا اور میں نے اس کے بشرے پر کے جذبات سے سمجھ لیا کہ اس کو رحم و کرم کی بہت کم امید تھی۔

اس کے بعد چند ثانیوں تک خاموشی کا وقفہ رہا اور اس غار میں حیرت انگیز سکوت، جو غیر ارضی معلوم ہوتا تھا، طاری رہا۔ وہاں جلتے ہوئے چراغوں کی ناکافی سی روشنی غار میں پھیلی ہوئی تھی اور چراغوں کے شعلوں کے مہیب سائے چٹانی دیواروں پر کانپ رہے تھے۔ یہ خاموشی اور یہ سارا منظر ایسا تھا کہ خود میرے دل پر بھی ہیبت طاری ہوگئی۔

آپ بھی ذرا اس منظر کو تصور میں لانے کی کوشش کیجئے۔

پلیٹ فارم کے سامنے اور غار کے ننگے فرش پر سیکڑوں انسان اوندھے منہ اور یوں بے حس و حرکت پڑے ہوئے تھے کہ مردے معلوم ہوتے تھے۔ ان اوندھے منہ پڑے ہوئے لوگوں کی قطاریں غار میں اتنی دور تک چلی گئی تھیں کہ وہ کچھ دور بعد تو نظر ہی نہ آتے تھے یا اگر نظر آتے تھے تو دھندلے دھندلے اوندھے منہ لیٹے ہوئے۔ حاضرین کے آگے مجرم ایک قطار میں بظاہر بے خوف کھڑے تھے لیکن ان کے بشروں سے خوف و ہراس ٹپک رہا تھا۔ دائیں اور بائیں خاموش محافظ بتوں کی طرح کھڑے ہوئے تھے۔ انھوں نے سفید چغے پہن رکھے تھے۔ ہاتھوں میں چوڑے پھلوں والے بھالے تھے اور کمر پر کے پٹکوں میں بلالی خنجر اڑسے ہوئے تھے۔ پھر گونگے اور بہرے مردوں اور عورتوں کی قطار تھی جو عجیب نظروں سے اس کارروائی کو دیکھ رہی تھی۔ پھر پلیٹ فارم پر اور کرسی میں "نقاب پوش" ایشہ تن کر بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے گرد کوئی غیبی قوت ہالہ کئے ہوئے تھی۔ یہ ہالہ بے شک دیکھا نہ جا سکتا تھا لیکن محسوس کیا جا سکتا تھا۔ پھر میں اس کے قدموں میں بیٹھا ہوا تھا اور مجھے اعتراف ہے کہ میں نے "نقاب

پوش ایشہ" کو کبھی ایسے خوفناک اور لرزہ خیز روپ میں نہ دیکھا تھا جیسا کہ اس وقت دیکھ رہا اور محسوس
کر رہا تھا جب کہ وہ اپنا غضب نازل کرنے والی تھی۔

آخر کار اس خاموشی کو ایشہ نے توڑا۔

"کتو! اور سانپو!" اس نے نیچی آواز میں کہنا شروع کیا لیکن جیسے جیسے وہ بولتی گئی اس کی آواز بلند ہوتی گئی اور اس میں گرج کی سی کیفیت پیدا ہوتی چلی گئی۔ "انسان کا گوشت کھانے والو! دو گناہ کیے ہیں تم نے۔ اوّل یہ کہ تم نے ان لوگوں پر حملہ کیا کیونکہ یہ سفید فام تھے اور تم نے ان کے ملازم کو قتل کر دیا ہوتا۔ تمہارا یہی ایک گناہ تمہیں سزائے موت دلوانے کے لیے کافی ہے، لیکن بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی تم نے میرے حکم سے سرتابی کی ہے۔ کیا میں نے اپنے خادم بلالی کے ذریعہ جو تمہارے گھرانے کا باپ ہے، تم تک اپنا حکم نہیں بھیجا تھا؟ کیا میں نے یہ ہدایت نہ بھیجی تھی کہ ان اجنبیوں کی خاطر مدارات کرو جنھیں تم نے قتل کر دینا چاہا؟ اور اگر یہ لوگ غیر معمولی طور پر بہادر اور جاں باز نہ ہوتے تو کیا تم انھیں زندہ چھوڑ دیتے؟ کیا تمہیں بچپن سے یہ تعلیم نہیں دی گئی کہ حیاہ کا قانون مستحکم اور حتمی اٹل ہے اور یہ کہ جو اس قانون کو توڑے اور اس کے حکم سے سرتابی کرنے کی ذرہ برابر بھی کوشش کرتا ہے وہ پھر کسی صورت میں زندہ نہیں رہ سکتا اور نہ رہتا ہے؟ اور کیا میرا ایک ہلکا سا اشارہ اور ادنیٰ سا لفظ قانون نہیں ہے؟ میں پوچھتی ہوں کیا تمہارے باپوں نے یہ بات تمہیں اس وقت سے بتانی نہیں شروع کی، جب تم گھٹنوں کے بل چلتے تھے؟ کیا تم نہیں جانتے کہ یہ غار تو صفحۂ ہستی سے مٹ سکتے ہیں، یہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل سکتا ہے اور سورج مشرق کے بجائے مغرب سے نکل سکتا ہے لیکن میرا حکم ٹالا نہیں جا سکتا؟ اے کتو! بے شک تم یہ سب باتیں جانتے ہو لیکن تم بدمعاش ہو، تمہارے دل کالے ہیں اور تمہارے جسموں میں شیطانیت یوں رہتی ہے جس طرح موسم باراں میں چشمے ابل پڑتے ہیں۔ اگر میں نہ ہوتی تو صدیوں پہلے تم نیست و نابود ہو چکے ہوتے۔ ہاں اگر میں نہ ہوتی تو تم لوگ آپس میں ہی لڑ بھڑ کر ختم ہو گئے ہوتے، لیکن اب چونکہ تم نے میرے مہمانوں کو قتل کرنے کی کوشش کی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میرے حکم سے سرتابی کی اس لیے اب میں تم پر موت نازل کرتی ہوں۔ میں حکم دیتی ہوں کہ تمہیں "غار عقوبت[1]" میں لے

[1] غار عقوبت:۔ بعد میں مجھے یہ بھیانک مقام دیکھنے کا اور اس کے ساتھ ہی "ترک" بھی دیکھنے کا موقع ملا جو کور کے ان باشندوں نے چھوڑا تھا جو قبل از تاریخ کے کسی دور میں یہاں آباد تھے۔ اس غار میں پتھر کی سلوں کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ لیکن مجرموں کو عذاب دینے میں سہولت کی غرض سے ان سلوں کو مختلف شکلوں میں تراشا گیا اور مختلف ترتیب سے رکھا گیا تھا۔ (بقیہ اگلے صفحے پر.....)



جایا جائے اور وہاں تمہیں عذاب دینے والوں کے سپرد کر دیا جائے اور یہ کہ تم میں سے جو بھی سخت جان نکل کے سورج غروب ہونے تک زندہ رہے اسے اسی طرح مار ا جائے جس طرح کہ تم نے میرے مہمانوں کے ملازم کو مار دیا ہوتا۔"

وہ خاموش ہو گئی اور غار میں خوف کی ہلکی سی بھنبھناہٹ پھیل گئی۔ رہے مجرم تو ان کا یہ ہے کہ جب انھیں اپنی اذیت ناک موت کا احساس ہوا اور یقین ہو گیا کہ اب انھیں کوئی نہیں بچا سکتا تو ان کا سارا ضبط، سارا استقلال اور اب تک کی ظاہری جرأت کوچ کر گئی اور وہ کانپ کر ایشہ کے قدموں پر گرے اور یوں رو رو کر رحم طلب کرنے لگے کہ پتھر کا جگر پانی ہو جائے۔ چنانچہ میرا دل بھی پسیج گیا۔ اور میں نے ایشہ کی طرف گھوم کر کہا کہ وہ انھیں بخش دے۔ اگر وہ یہ نہیں چاہتی تو کوئی ایسی موت تجویز کرے جو اتنی خوف ناک نہ ہو۔

لیکن وہ چٹان کی طرح سخت اور اٹل ثابت ہوئی۔

"میرے ہالی!" اس نے ایک بار پھر مجھے یونانی زبان[1] میں مخاطب کیا۔

"یہ نہیں ہو سکتا۔ اگر میں نے ان لوگوں پر ذرا بھی رحم کیا تو پھر دوسرے شیر ہو جائیں گے اور یہاں تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی جانیں خطرے میں پڑ جائیں گی۔ تم ان لوگوں کو نہیں جانتے ہالی۔ یہ لوگ پلنگ خون چشیدہ ہیں اور یقین کرو اس وقت بھی تمہیں دیکھ دیکھ کر ان کے منہ میں پانی بھر آ رہا ہوگا۔ تمہارے خیال میں، میں ان لوگوں پر کس طرح حکومت کرتی ہوں اور انھیں کس طرح اپنے قبضہ میں رکھتی ہوں؟ تم دیکھ ہی رہے ہو کہ میرے پاس محافظوں کا صرف ایک ہی دستہ ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ میں فوج سے اور فوجی قوت سے نہیں بلکہ ان پر خوف طاری کر کے اور ان میں خوف پھیلا کر میں ان پر حکومت کرتی ہوں۔ چنانچہ میری حکومت اسی پر قائم ہے۔ برسوں میں ایک دفعہ، صدیوں میں ایک دفعہ

(بقیہ پچھلے صفحے سے.....) یہ سلیں مسامدار پتھر کی تھیں اور زیادہ تر ان مجرموں کے خون سے سیاہ ہو گئی تھیں جنھیں قبل از تاریخ کے کسی دور میں ان پر لٹا کر مختلف اذیتوں میں مبتلا کیا گیا تھا۔ ان سلوں کے علاوہ غار کے عین بیچ میں اور فرش میں ایک بھٹی سی بنی ہوئی تھی جس کے بیچ میں ایک گڑھا تھا۔ یقیناً اس میں وہی تاریخی برتن گرم کیا جاتا تھا لیکن اس غار کی سب سے زیادہ لرزہ خیز خصوصیت یہ تھی کہ ہر سل کے اوپر دیوار میں عذاب کی وہ تفصیلی تصویریں کندہ کی گئی تھیں جو اس سل پر مجرم کو لٹا کر یا بٹھا کر پہنچایا جاتا تھا۔ یہ کندہ کی ہوئی تصویریں ایسی رونگٹے کھڑے کر دینے والی تھیں کہ میں ان کی تفصیلات بیان کر کے قارئین کو دہشت زدہ کرنا نہیں چاہتا۔

[1] حالانکہ میں یونانی زبان کا ماہر تھا اور دوسرا کوئی شخص میری طرح یہ زبان نہ تو بول سکتا تھا اور نہ سمجھ سکتا تھا تاہم مجھے ایشہ کی زبان سمجھنے میں دقتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا کیونکہ وہ جو زبان بولتی تھی وہ قدیم اور کلاسیکی یونانی تھی جب کہ ہمیں جو زبان پڑھائی جاتی تھی وہ جدید تھی اور تلفظ بھی تبدیل ہو گئے ہیں۔ ہوریس ہالی

مجھے ایسا کرنا پڑتا ہے جیسا کہ اب کر رہی ہوں۔ یعنی بہت سے لوگوں کو بیک وقت موت کے گھاٹ اتروا دیتی ہوں یعنی اذیت دلوا کر مروا دیتی ہوں۔ اس سے تمہیں یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ میں ظالم ہوں یا سنگ دل ہوں۔ نہیں۔ تم ہی کہو ان جنگلی بونوں سے انتقام لینا میرے شایانِ شان ہے؟ نہیں۔ اور اے میرے ہالی! ان لوگوں کے احساسات مر چکے ہوتے ہیں جو بہت زیادہ زندہ رہتے ہیں البتہ ان کی چند دلچسپیاں ہوتی ہیں اور بس۔ حالانکہ معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے کہ میں اس وقت قتل کرتی ہوں جب غصہ میں ہوتی ہوں یا مزاج بگڑا ہوا ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ تم نے دیکھا ہی ہوگا کہ آسمان میں بادلوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بے مقصد ادھر ادھر بھاگتے رہتے ہیں لیکن ان کے پیچھے زبردست ہوائیں چھپی ہیں جو انھیں بھگاتی رہتی ہیں۔ یہی حال میرا ہے۔ میرا مزاج اور میرے مزاج کی تبدیلیاں انہی بادلوں کی طرح ہیں کہ ان کے پیچھے میرے مقصد کی زبردست ہوائیں چھپی ہیں نہیں ہالی! ان لوگوں کو مرنا ہے اور اسی طرح مرنا ہے جس طرح کہ میں نے کہا ہے۔

دفعتہً وہ محافظوں کے سردار کی طرف گھوم گئی۔

''میرے حکم کی تعمیل ہو اور فوراً ہو۔''

☆☆



# سولہواں باب

## کور کے مقبرے

انھیں مجرموں کو لے جایا گیا تو ایشہ نے اپنا ایک ہاتھ ہلایا تو حاضرین ایک دم سے گھوم گئے اور خوفزدہ بھیڑیوں کی طرح بکھر کے رینگتے ہوئے غار کے دہانے کی طرف بڑھے۔ پلیٹ فارم سے کچھ دور پہنچنے کے بعد وہ اٹھے اور انسانوں کی طرح اپنی ٹانگوں پر چلنے لگے۔ اب غار میں ایشہ، گونگے بہرے مردوں عورتوں اور میرے علاوہ کوئی نہ تھا۔ ہاں چند محافظ اب بھی کھڑے رہ گئے تھے کیونکہ زیادہ تر محافظ مجرموں کو لے کر چلے گئے تھے۔

اس موقع کو غنیمت جان کر میں نے ایشہ کو لیو کی خطرناک حالت سے آگاہ کرتے ہوئے درخواست کی کہ وہ چل کر اسے دیکھ لے، لیکن اس نے اس وقت چلنے سے انکار کر دیا اور بڑے یقین سے کہا کہ وہ کم سے کم شام تک تو نہ مرے گا کیونکہ اس بخار میں جتنا اندھیرا ہونے سے پہلے یا پھر پو پھٹنے سے پہلے نہیں مرتے۔ اس کے علاوہ بہتر یہ ہوگا کہ بیماری اپنا سارا زور آزما کر کمزور پڑ جائے اس کے بعد ہی وہ لیو کو اچھا کرے گی۔ چنانچہ میں جانے کے لیے اٹھ ہی رہا تھا کہ ایشہ نے مجھے اپنے ساتھ آنے کو کہا کہ وہ مجھ سے باتیں کرنا اور مجھے غار کے عجائبات دکھانا چاہتی ہے۔

میں اس کے سحر کے جال میں اس بری طرح سے پھنس گیا تھا کہ انکار نہ کر سکا حالانکہ میں انکار کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ میں اپنی رضامندی ظاہر کرنے بلکہ یوں کہئے کرنے کے لیے کہ ''جو حکم'' ——اس کے سامنے جھک گیا۔ چنانچہ وہ کرسی پر سے اٹھی، گونگوں اور بہروں کی طرف دیکھ کر چند اشارے کیے اور پلیٹ فارم پر سے اتر آئی۔ فوراً ہی چار گونگی بہری لڑکیوں نے جلتے ہوئے چراغ اٹھائے۔ ان میں سے دو ہمارے پیچھے اور دو ہمارے آگے ہو گئیں۔ بقیہ لڑکیاں اور محافظ ایشہ کے سامنے جھکنے کے بعد رخصت ہوئے۔

''ہالی! اب تم یہاں کے چند عجائبات دیکھنا پسند کرو گے؟'' ایشہ نے کہا۔ ''پہلے اسی غار کو دیکھ لو۔ سچ کہنا تم نے کبھی اور کسی جگہ ایسا غار دیکھا ہے؟ اس کے باوجود یہ غار اور بہت سے غار ہزاروں سال

پہلے پہاڑ کھود کر اس قوم نے بنائے ہیں جو یہاں اور میدانوں میں آباد تھی۔ وہ لوگ کور کے باشندے بڑے زبردست اور پرقوت رہے ہوں گے۔ عظیم قوم ہوگی وہ، لیکن مصریوں کی طرح وہ لوگ بھی زندوں سے زیادہ مردوں کا خیال کرتے تھے۔ یہ غار اور یہ لاتعداد گزرگاہیں قلب کوہ میں بنانے کے لیے تمہارے خیال میں کتنے آدمیوں نے کتنے برسوں تک کام کیا ہوگا ہالی؟''

''سیکڑوں، ہزاروں۔'' میں نے جواب دیا۔

''خیر۔ تو ہالی! یہ قوم بڑی قدیم قوم تھی۔ مصریوں سے بہت پہلے۔ انھوں نے غاروں کی دیواروں پر جو کچھ تحریر کیا ہے وہ میں کچھ کچھ پڑھ لیتی ہوں کیونکہ اس کی کلید میرے ہاتھ آ گئی ہے۔ یہ غار کور والوں نے تمام غاروں کے آخر میں بنایا تھا۔

پھر پلیٹ فارم کی طرف گھوم کر اس نے لڑکیوں کو اشارہ کیا۔ لڑکیوں نے چراغ یوں اوپر اٹھائے کہ ان کی پوری روشنی دیوار پر پلیٹ فارم کے عین اوپر پڑی جہاں ایک بوڑھے کی تصویر کندہ کی ہوئی تھی۔ وہ اپنے ہاتھ میں ایک عصا لیے کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی صورت غور سے دیکھی تو میں چونکا کیونکہ اس کے چہرے کے نقوش ہو بہو وہی تھے جیسے کہ اس بوڑھے کے جس کو حنوط کرنے کی رسومات کی تصویریں اس حجرے کی دیوار پر تھیں جو ہمارا طعام خانہ تھا اور جہاں تاریخ کے کسی گزرے ہوئے دور میں لاشوں کو حنوط کیا جاتا ہوگا۔ اس کی تفصیل میں پچھلے کسی باب میں بیان کر چکا ہوں۔ اس کرسی کے نیچے — یہاں میں یہ بتا دوں کہ اس کرسی کی ساخت بالکل اس کرسی کی سی ہوگی تھی جو پلیٹ فارم پر رکھی ہوئی تھی اور جس میں بیٹھ کر ایشہ نے مجرموں کو موت کی سزا سنائی تھی — خیر تو کرسی کے نیچے کسی قسم کی بے حد قدیم زبان میں اور حیرت انگیز حروف میں ایک مختصر سی تحریر تھی۔ یہ دنیا کی کسی بھی زبان کی طرح نہ تھی البتہ ایک حد تک چینی تحریر سے مشابہ تھی۔

قدرے مشکل سے اور رک رک کر ایشہ نے یہ تحریر پڑھی اور اس کا ترجمہ سنانا شروع کیا۔ تحریر یوں تھی:۔

شاہی شہر کور کا سنگ بنیاد رکھنے کے چار ہزار دو سو انسٹھ سال
بعد یہ غار (یا تدفین کی جگہ) بنایا گیا اور اسے کور کے بادشاہ
تیسو نے مکمل کیا اور اس کے بنانے میں یہاں کے لوگ اور
غلام تین نسلوں تک مسلسل مزدوری کرتے رہے تاکہ یہ غار



تیار ہو اور اس میں ان کے بعد آنے والے معزز شہریوں کے
جسد رکھے جائیں اور یہ غار ان کی پرسکون آرام گاہ بنے۔
آسمانوں کے اوپر آسمان کی رحمتیں یہ غار بنانے والے پر
نازل ہوں اور تیسو کی، جس کی تصویر اوپر بنی ہوئی ہے، نیند
اس وقت تک گہری اور پرسکون رہے جب تک کہ اس کے
بیدار ہونے کا وقت نہیں آ جاتا کہ وہ ایک عظیم حکمراں تھا۔
اس کے غلاموں اور اس کے خاندان کے لوگوں اور اس کی
قوم کے لوگوں کی نیند بھی ایسی ہی گہری اور پرسکون ہو کہ وہ
تیسو کے بعد بیدار ہوں گے اور ایک بار پھر اس کے سامنے
سر جھکائیں گے جیسا کہ اس پہلی بیداری میں جھکاتے تھے۔

''دیکھا میرے ہالی!'' ایشہ نے تحریر پڑھ چکنے کے بعد کہا۔ ''ان لوگوں نے یہ شہر اس غار کے بنانے سے چار ہزار سال پہلے بسایا تھا اور شہر کے کھنڈر پہاڑ کی دوسری طرف کے میدان میں اب بھی موجود ہیں۔ بہرحال جب دو ہزار سال پہلے میں یہاں آئی اور میری آنکھوں نے اسے دیکھا تو اس وقت بھی یہ شہر ایسا ہی اجاڑ اور کھنڈر تھا جیسا کہ آج ہے۔ چنانچہ اب تم خود فیصلہ کر سکتے ہو کہ کور کس قدر قدیم رہا ہوگا۔ اچھا اب میرے ساتھ آؤ کہ میں تمہیں دکھاؤں کہ جب اس شہر کے زوال کا وقت قریب آیا تو یہاں کے لوگوں پر کیا گذری اور یہ کہ وہ زبردست قوم کس طرح مٹ گئی۔

یہ کہہ کر وہ مجھے غار کے عین بیچ میں لے آئی اور اس جگہ ٹھہر گئی جہاں فرش میں ایک گول پتھر ایک بڑی سی گٹر قسم کے سوراخ میں داخل کیا گیا تھا۔ پتھر ٹھیک سے سوراخ میں بیٹھ گیا اور فرش کی سطح کے برابر ہو گیا تھا جس طرح کہ آپ کے یہاں کے شہروں میں سڑکوں پر کے گٹروں پر رکھے ہوئے بڑے بڑے ڈھکن سڑک کی سطح کے برابر ہو جاتے ہیں۔

''دیکھا ہالی،'' ایشہ نے کہا۔ ''اب بتاؤ کہ یہ کیا ہے''

''میری تو عقل حیران ہے'' میں نے جواب دیا۔ ''چنانچہ میں نہیں جانتا کہ یہ کیا ہے۔''

---

یہ ایک مختصر سا حیرت انگیز ہے جس سے ان لوگوں کے یعنی کور والوں کے اس اعتقاد پر روشنی پڑتی ہے کہ وہ موت کے بعد دوسری زندگی، یعنی حیات بعد الموت یا دوسرے جنم پر یقین رکھتے تھے۔ (مؤلف)

اس پر وہ آگے بڑھ کر غار کے بائیں پہلو تک پہنچ گئی (یہ دیوار غار کے دہانے کے عین سامنے تھی) اور لڑکیوں کو اشارہ کیا۔ انھوں نے پھر چراغ اوپر اٹھا دیئے۔ یہاں دیوار پر بھی سرخ رنگ کی ایک تحریر تھی۔ حروف بالکل وہی تھے جن عظیم شاہ نیسو کو کرسی کے نیچے والی تحریر لکھی گئی تھی۔ حیرت ہے کہ یہ تحریر اس قدر صاف تھی کہ ابھی کل کی معلوم ہوتی تھی۔

یہ تحریر یوں تھی:-

"میں جونس ہوں۔ شہر کور کے عظیم معبد کا مہنت اور کاہن اور کور کی بنیاد رکھنے کے چار ہزار آٹھ سو تیرہ سال میں یہ تحریر مقبرے کی چٹان پر لکھ رہا ہوں۔ کور نہیں رہا۔ کور کا زوال ہوگیا۔ اب امرا کور کے محل میں جشن نہ منائیں گے، اب کور کی دنیا پر حکمرانی نہ ہوگی اور نہ ہی اب کور کے تجارتی بیڑے دنیا کی دور دراز بندرگاہوں کی طرف جائیں گے۔ کور تباہ ہوگیا اور اس کے عظیم محلات، مقدس مقامات اور اس کے شہر اور اس کی بندرگاہوں اور اس کی نہریں اب بھیڑیوں اور الوؤں اور جنگلی ہنسوں کی آرام گاہیں ہیں۔ ہاں کور کے شہروں میں بھیڑیے بھٹکتے ہیں اور الو بولتے ہیں اور نہروں میں ہنس بیٹ کرتے اور غلاظت پھیلاتے ہیں اور اب یہ شہر ان وحشیوں کے لیے خالی پڑے ہیں جو اَب آئیں گے۔ بیس اور پانچ سال پہلے ایک بادبا کور اور اس کے سو شہروں پر نازل ہوئی اور اس نے سب کو ختم کر دیا۔ مردوں اور عورتوں کو اور بوڑھوں اور بچوں کو اس نے کسی کو نہ چھوڑا۔ ایک ایک کا خاتمہ کر دیا۔ اس وبا سے کور والوں کے جسم سیاہ پڑ گئے اور مر گئے۔ امیر اور غریب، آقا اور غلام —— مرد اور عورت۔ سب مر گئے۔ وبا نے کسی کو نہ چھوڑا، کسی کو نہ بخشا۔ وہ مارتی رہی اور مارتی رہی۔ دن اور رات۔ رات اور دن، وبا نے



دم نہ لیا اور جو اس سے بچ گئے ان کا خاتمہ قحط نے کر دیا۔ اور ہاں اے کور! اب تیرے چہیتوں کے جسموں کو رسم قدیم کے مطابق محفوظ نہ کیا گیا کیونکہ مرنے والے لاتعداد تھے چنانچہ ان کی لاشوں کو اس بہت بڑے کھڈ میں پھینک دیا گیا جو اس غار کے نیچے ہے اور اس کھڈ کا دہانہ اس غار کے فرش پر بنا ہوا ہے اور آخرکار اس عظیم اور زبردست قوم کے بچے ہوئے لوگ، جو دنیا کی روشنی تھے، بحال تباہ لب بحر پہنچے اور جہاز پر سوار ہو کر شمال کی طرف چلے گئے۔ اور اب میں، کاہن جونس جو تحریر لکھ رہا ہے، اس عظیم شہر کا آخری اور تنہا انسان ہوں۔ میں یہ نہیں جانتا کہ کور کے دوسرے شہروں میں گنے چنے لوگ ہیں یا نہیں۔ مرنے سے پہلے اور اپنے دل میں زبردست غم لیے میں یہ سطور لکھ رہا ہوں کیونکہ عظیم کور نہیں رہا اور کیونکہ اس کے معبد ویران پڑے ہیں اور اس کے محلات میں الو بولتے اور بھیڑیے روتے ہیں اور اس کے شہزادے اس کے تاجر اور اس کے افسر اور اس کی خوبصورت عورتیں شمال کی طرف چلی گئیں۔ کور نہیں رہا۔ کور ویران ہوگیا۔ کور کا سقوط ہوگیا۔

میرے منہ سے حیرت و غم کی آہ نکل گئی۔ اس تحریر میں جونس کاہن نے تباہی، ویرانی اور تنہائی کی جو تصویر کھینچی تھی وہ متاثر کن تھی۔ اس عظیم قوم کے بچے ہوئے اس تنہا شخص کا تصور بھی غم انگیز اور بھیانک تھا جس نے مرنے سے پہلے یہ آخری تحریر لکھی تھی۔ اس تنہا شخص کے دل کی اس وقت کیا حالت رہی ہوگی جب وہ ایک چراغ کی ناکافی، کمزور اور لرزاں روشنی میں اس غار کی دیوار پر مختصر لفظوں میں اپنی قوم کے زوال کی یہ داستان لکھ رہا ہوگا؟ کسی معلم اخلاق یا رومان نگار یا کسی بھی حساس شخص کے لیے یہ مختصری تحریر کیسا زبردست اور اثر انگیز مواد فراہم کر سکتی ہے۔

خود میرے دل پر اس تحریر نے عجیب اثر کیا۔

"کیوں ہالی!" عائشہ نے آہستہ سے میرے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "کور کے وہ لوگ جو وہاں سے بچ کر شمال کی طرف چلے گئے تھے وہ تمہارے خیال میں قدیم مصریوں کے اجداد نہیں ہو سکتے؟"

"یہ میں کیسے کہہ سکتا ہوں؟" میں نے جواب دیا۔ "البتہ یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ دنیا بے حد پرانی ہے۔"

"پرانی؟ ہاں۔ بے شک بہت پرانی ہے یہ دنیا۔ قومیں ترقی کرتی رہیں، عروج حاصل کرتی رہیں، حکمرانی کرتی اور اپنی تہذیب کے جھنڈے گاڑتی رہیں اور پھر وقت آنے پر یوں مٹ گئیں کہ ان کا نام ونشان تک نہ رہا اور ان کی یاد تک باقی نہ رہی۔ یہ قوم، جو کور میں تھی، ہزاروں، لاکھوں میں سے ایک تھی۔ وقت انسان کی چھوڑی ہوئی یادگاروں کو کھالیتا ہے البتہ جب انسان، کور والوں کی طرح غار کھودتا ہے تو پھر اس کی یادگاریں باقی رہ جاتی ہیں۔ الا یہ کہ اس قسم کی یادگاروں کو سمندر بڑھ کر زیر آب کر دے یا زبردست زلزلے انھیں ڈھا دیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ روئے زمین پر کبھی کیا تھا اور آئندہ کیا ہوگا؟ زیر آفتاب کوئی نئی چیز نہیں ہے جیسا کہ زیرکی عبرانی نے بہت پہلے لکھا تھا۔ اس کے باوجود میرے خیال میں کور کی قوم پوری طرح سے تباہ نہیں ہوئی۔ چند لوگ دوسرے شہروں میں باقی رہ گئے تھے کیونکہ ان کے شہر بہت سے تھے، لیکن جنوب کی طرف کے وحشی یا شاید میری قوم کے لوگ، یعنی عرب ان پر آپڑے اور ان کی عورتوں کو اپنی زوجیت میں لے لیا۔ آج کے اماحجران ہی عربوں کے زمانے اور کور کی عظیم قوم کی عورتوں کے بطن سے ہیں چنانچہ یہ دوغلی نسل[1] ہے۔ اور دیکھو ہالی۔ یہ لوگ ان ہی غاروں میں رہتے ہیں جن میں ان کے اجداد کی ہڈیاں تھیں اور ہیں لیکن یہ میں یقین سے نہیں کہہ رہی۔ اور کون کہہ سکتا ہے؟ میرا علم وقت کے اندھیرے بطن کو نہیں چیر سکتا۔ بہرحال کور والے بڑے زبردست تھے۔ وہ فتح کرتے چلے گئے یہاں تک کہ کوئی قوم ان کی مفتوح بننے کے لیے باقی نہیں رہی اور پھر وہ اپنے اس پہاڑی قلعہ میں بیٹھے داد عیش دیتے رہے۔ اپنے ملازموں کے ساتھ۔ اپنی ملازماؤں کے ساتھ، اپنے مشیروں کے ساتھ، اپنے وزرا کے ساتھ، اپنی داشتاؤں کے ساتھ، اور وہ تجارت کرتے رہے اور جھگڑتے رہے اور انواع واقسام کی نعمتیں کھاتے رہے، شکار کرتے رہے، سوتے رہے اور مزے کرتے رہے یہاں تک کہ ان کی تباہی کا

1 اس قبیلے کا نام "اماحجر" بذات خود قوموں کے عجیب اختلاط کی طرف اشارہ کرتا ہے اور ایسا اختلاط زمباتی کے آس پاس ہونا قرین قیاس ہے۔ ماقبل "اما" زولو اور ان سے مختلف قبائل میں عام طور پر مستعمل ہے اور اس کے معنی ہیں "لوگ" جب کہ "اماحجر" عربی لفظ ہے۔ یعنی حجر۔ (مؤلف)



وقت آگیا۔ لیکن آؤ۔ میں تمہیں وہ زبردست کھنڈ دکھاؤں جس کے متعلق جونس کا ہن نے لکھا ہے کیونکہ یقین کرو اے ہالی کہ پھر کبھی تمہاری آنکھیں ایسا منظر نہ دیکھیں گی۔"

چنانچہ میں اس کے ساتھ اس بغلی گزرگاہ میں داخل ہوا جس کا دروازہ مرکزی غار میں تھا۔ چند قدموں کے بعد ہم بہت سی سیڑھیاں اتر کر ایک لمبی زیرزمین سرنگ میں پہنچے جو میرے اندازے کے مطابق کم سے کم ساٹھ فٹ لمبی رہی ہوگی۔ اس سرنگ میں جو چٹان کے نیچے تھے عجیب قسم کے سوراخوں سے ہوا آتی تھی میں معلوم نہ کر سکا کہ یہ سوراخ اور کہاں کھلتے تھے۔

دفعتاً یہ سرنگ ختم ہوگئی اور عائشہ چلتے چلتے رک گئی اور گونگی بہری لڑکیوں سے اشارہ کیا اور انھوں نے چراغوں والے ہاتھ اوپر اٹھا دیئے اور جیسا کہ عائشہ نے پیشین گوئی کی تھی، میں نے واقعی وہ منظر دیکھا جسے پھر کبھی نہ دیکھوں گا۔

ہم ایک زبردست کھنڈ میں کھڑے ہوئے تھے۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ اس کے کنارے پر کھڑے ہوئے تھے کیونکہ یہ بہت گہرائی تک میں نہیں جانتا کتنی گہرائی تک چلا گیا تھا اور جب چراغوں کی روشنی میں میں نے دیکھا تو پتہ چلا کہ یہ بہت بڑا اور بہت بڑا کھنڈ حقیقت میں چارنل ہاؤس[1] تھا اور صحیح معنوں میں ہزاروں انسانی ڈھانچوں سے بھرا ہوا تھا۔ ڈھانچوں کا اہرام سا تھا۔ لاشیں چونکہ اوپر سے پھینکی گئی تھیں اس لیے انھوں نے ادھر ادھر پھیل کر یہ اہرام بنا دیا تھا۔

آپ اس منظر کا تصور نہیں کر سکتے اور میں اسے بیان نہیں کر سکتا۔ ایک گزشتہ اور مٹی ہوئی عظیم قوم کے انسانوں کے بقایا کا ایسا منظر نہ تو میں نے کبھی دیکھا تھا اور نہ ہی اس کا تصور کر سکتا ہوں۔ اور بقایا بھی کیا؟ ڈھانچے اور لاشیں یہاں تک تو خیر ٹھیک تھا لیکن جو چیز اسے لرزہ خیز بنا رہی تھی وہ یہ تھی کہ یہاں کی خشک ہوا سے اکثر لاشیں اس طرح خشک ہوگئی تھیں کہ کھال ان پر جوں کی توں منڈھی رہ گئی تھی اور اب یہ لاشیں سفید ہڈیوں کے انبار میں سے اور یہاں وہاں سے یہ کھال منڈھے ڈھانچے خالی آنکھوں سے ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔ آپ تصور نہیں کر سکتے کہ یہ خشک جسد دل پر کیسی ہیبت طاری کر رہے تھے؟ کس طرح زبان حال سے انسانیت اور خود زندگی پر طنز کر رہے تھے؟

حیرت اور خوف کے عالم میں میرے منہ سے ایک چیخ نکل گئی اور اس بند جگہ میں یوں گونج گئی کہ اس کے دھکے سے ایک کھوپڑی، جو ہڈیوں کے انبار پر پڑی ہوئی تھی، نیچے لڑھک گئی اور ہمارے

1 چارنل ہاؤس۔ وہ خاص مکان جہاں لاشیں یا ہڈیاں رکھی جاتی ہیں۔ مترجم

طرف بیسے خوشی سے بھاگتی آئی۔وہ یوں لڑھکتی ہوئی آئی تو اس نے دوسرے ڈھانچوں کو بھی چھیڑ دیا چنانچہ پورے انبار میں ایک عام جنبش سی ہوئی ہڈیوں کا جیسے ایولنش سا گرنے لگا اور کھڑکھڑاہٹ کی آواز سے تھڈ پڑ ہو گیا اور مجھے یوں معلوم ہوا جیسے ہزاروں سال پرانے یہ انسانی ڈھانچے اپنی ہڈیاں چٹخاتے اور انگڑائیاں لیتے ہمارے استقبال کے لیے اٹھ رہے ہوں۔

"ایشہ! یہاں سے چلو۔" میں نے پوچھا۔

"یہ ان ہی لوگوں کی ہڈیاں ہیں نا جو اس فنا کر دینے والی وبا میں مر گئے تھے؟"

ہاں۔کوروالے ہمیشہ لاشوں کو حنوط کرتے تھے مصریوں کی طرح لیکن وہ اس معاملے میں مصریوں سے زیادہ ماہر تھے۔مصری لاشوں کے احشاء اور دماغ نکال لیتے تھے اور پھر مصالحہ بھرتے تھے اس کے برخلاف کوروالے ایک قسم کا عرق مردے کی رگوں میں بذریعہ پچکاری داخل کر دیتے تھے اور اس طرح یہ عرق جسم کے ہر اندرونی حصہ تک پہنچ جاتا تھا لیکن ٹھہرو۔تم خود دیکھ لو گے۔"

وہ چلتے چلتے ایک دم سے ایک دروازے کے سامنے رک گئی جو اس گزرگاہ کی دیوار میں تھا جس میں ہم آگے بڑھ رہے تھے۔اس نے گونگی بہری لڑکیوں کو روشنی دکھانے کا اشارہ کیا۔ہم جس حجرے میں داخل ہوئے وہ چھوٹا سا اور اس حجرے سے مشابہ تھا جس میں اس علاقے میں داخل ہوتے ہی پہلی رات سویا تھا۔فرق صرف اتنا تھا کہ اس حجرے میں ایک کے بجائے پتھر کی دو سلیں تھیں۔ان سلوں یا پتھر کے پلنگوں پر دو شبیہیں لیٹی ہوئی تھیں جن پر زرد رنگ کی چادر پڑی ہوئی تھی اور اس پر صدیوں کی مٹی کی باریک تہہ جمی ہوئی تھی۔سل پر رکھی ہوئی لاشوں کے دائیں بائیں اور سرہانے اور پائینتی کی طرف طاقچوں میں اور فرش پر بھی بہت سے رنگین اور منقش برتن اور صراحیاں رکھی ہوئی تھیں لیکن گہنوں اور ہتھیار کی قسم کی کوئی چیز نہ تھی۔سچ تو یہ ہے کہ مجھے کسی بھی مقبرے میں گہنے یا ہتھیار نظر نہ آئے یا اگر کسی مقبرے میں تھے بھی تو بہت کم۔

"ہالی! یہ چادر ہٹا دو" ایشہ نے کہا۔

چنانچہ میں نے چادر کھینچنے کے لیے ہاتھ بڑھایا، لیکن پھر فوراً ہی واپس کھینچ لیا۔مجھے یہ مردوں کی بے حرمتی معلوم ہوئی اور سچ ہی کیوں نہ کہہ دوں، اس مقام نے اس کے ماحول نے اور ہمارے سامنے چادر سے ڈھکی اور ابدی نیند سوئی ہوئی لاشوں کی موجودگی نے میرے دل پر ہیبت طاری کر دی تھی۔

میرا یہ خوف دیکھ کر ایشہ ہنسی اور اس نے خود ہاتھ بڑھا کر چادر گھسیٹ لی۔اس چادر کے نیچے



دوسرا کفن تھا جس میں سل لپٹی ہوئی لاشیں لپٹی ہوئی تھیں۔ایشہ نے یہ کفن بھی گھسیٹ لیا۔

ہزاروں سال بعد، خدا جانے کتنے ہزار سال بعد، کسی زندہ کی نظر نے سرد موت کو دیکھا۔

یہ ایک عورت کی ممی تھی۔عورت کی عمر پینتیس سال یا اس سے کم ہو گی اور اپنی زندگی میں یہ یقیناً خوبصورت رہی ہو گی۔حتیٰ کہ اب بھی اس کے چہرے کے نقوش، ہلالی بھوئیں اور لانبی لانبی پلکیں جن کے سائے چراغوں کی روشنی میں اس کے گورے چہرے پر پڑ رہے تھے حیرت انگیز طور پر دل لبھا رہے تھے۔وہ اس سل پر سفید لمبا چغہ پہنے، جس پر اس کے لانبے کالے بال آبشار کی طرح معلوم ہوتے تھے، اپنی آخری اور کبھی نہ ٹوٹنے والی نیند سو رہی تھی۔اور اس کے ایک بازو پر ایک گل گوتھنا بچہ اس طرح لیٹا ہوا تھا کہ اس کا سر عورت کے سینے پر ٹکا ہوا تھا۔یہ منظر بے حد بھیانک ہونے کے باوجود اس قدر اثر انگیز تھا کہ میں، مجھے اعتراف ہے میں اپنے آنسو نہ روک سکا۔

میرے تصور نے وقت کی طنابیں کھینچ لیں اور میں نے اس عورت کو آباد اور شاہی شہر کور کے ایک محل میں دیکھا جہاں وہ ہنستی، بولتی اور چہلیں کرتی تھی، جہاں اس سے پیار کیا گیا تھا اور جہاں اس نے پیار کیا تھا اور جہاں اسے آخر کار موت نے آلیا تھا اور وہ اپنی کوکھ کے آخری پھل کو لے کر اس مقبرے میں آسوئی تھی۔

اس وقت وہ دونوں، یعنی ماں اور بچہ، آخری اور ابدی نیند سو رہے تھے۔ایک زبردست قوم کی بے جان یادگار لیکن بے جان یادگار زبان حال سے وہ داستان سنا رہی تھی جسے کسی بھی تاریخ کے سیکڑوں صفحات بھی بیان نہ کر سکتے۔اس خیال سے کہ یہ ننھا سا پھول پوری طرح سے کھلنے سے پہلے ہی مرجھا گیا میں نے ایک آہ بھری اور ماں اور اس کے بچے پر دوبارہ کفن ڈال دیا۔

اب میں دوسری سل کی طرف گھوم گیا اور اس پر رکھی ہوئی لاش پر بصد احترام آہستہ سے اٹھایا۔

یہ ایک معمر مرد کی لاش تھی جس کی داڑھی چھدری اور بھوری تھی۔اس نے بھی سفید چغہ پہن رکھا تھا اور یہ مرد شاید اس بچہ والی عورت کا شوہر تھا جو دنیا میں اپنی زندگی کے دن پورے کرنے کے بعد

---

[1] اماحجر جو کپڑے پہنے تھے وہ سارے کے سارے مقبروں سے نکالے ہوئے اور لاشوں پر سے لئے ہوئے تھے۔یہی وجہ تھی کہ یہ کپڑا زردی مائل ہوتا تھا۔البتہ اگر اسے اچھی طرح سے دھویا جاتا اور بلیچ کیا جاتا تو یہ کپڑا بے حد سفید اور نرم ہو جاتا جیسا کہ اصل میں رہا ہو گا۔ایسا ملائم کپڑا آج کل کی فیکٹریاں نہیں بنا سکتیں۔ (ہوریس ہالی)

آخر کار اپنی بیاری کے ساتھ آ سویا تھا۔

ہم اس حجرے سے نکل آئے اور دوسرے حجروں کی سیر کرتے رہے۔

ان حجروں میں میں نے بہت سی چیزیں دیکھیں لیکن انھیں بیان کرنے کے لیے نہ صرف یہ کہ دفتر چاہئیں بلکہ پتھر کا دل بھی چاہیے۔ چنانچہ صرف اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ حجرے اور مقبرے بے شمار تھے اور ایک بھی مقبرہ خالی نہ تھا۔ یہ مقبرے بنانے کے بعد سے لے کر کور کے زوال تک جو عرصہ گزرا تھا اور اس عرصے میں جو موتیں ہوئی تھیں وہ ان بے شمار حجروں کو آباد کرنے کے لیے کافی تھیں۔

تقریباً ساری ہی لاشوں کو اس قدر مہارت سے حنوط کیا گیا تھا کہ وہ آج بھی ایسی ہی تازہ اور اجلی حالت پر تھیں جیسی کہ ہزاروں سال پہلے اپنی موت کے دن رہی ہوں گی تب سے لے کر اب تک انھیں کسی نے چھیڑا نہ تھا۔ موسموں کا ردوبدل، گرمی اور سردی اور نمی انھیں بگاڑ نہ سکی تھی کیونکہ یہ لاشیں پہاڑ کے قلب، اندھیرے اور خاموش گہرائیوں میں رکھی ہوئی تھیں اور سب سے بڑی بات ان لاشوں کے خراب نہ ہونے کی یہی تھی کہ انھیں حنوط کرنے کے لیے جو مسالے استعمال کئے گئے تھے ان کا اثر غالباً لافانی تھا۔ البتہ چند ممیوں میں معاملہ برعکس تھا۔ حالانکہ بظاہر وہ بھی دوسری ممیوں کی طرح ہی معلوم ہوتی تھیں لیکن جب میں نے انھیں چھوا تو وہ مٹی بن گئیں۔ ایشہ نے بتایا کہ ان لاشوں کو یا تو بڑی عجلت میں دفن کیا گیا تھا یا پھر ان کی رگوں میں عرق داخل کرنے کے بجائے انھیں اس تحفظی عرق میں صرف رکھا گیا تھا۔[1]

بہرحال ہم نے جو آخری مقبرہ دیکھا اس کے متعلق کچھ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کیونکہ اس میں جو کچھ تھا وہ کسی بھی دل پر گہرا اثر کر سکتا تھا۔

[1] بعد میں ایشہ نے مجھے وہ درخت بتایا تھا جس کے پتوں سے یہ قدیم اور حیرت انگیز عرق یا کیمیاوی سیال تیار کیا جاتا تھا۔ یہ چھوٹے قد کا اور جھاڑی نما درخت تھا جو اس وقت بھی پہاڑ کے پہلو پر واں ڈھلان پر جو پہاڑ تک جاتی ہے، حیرت انگیز طور پر زیادہ تعداد میں اگتا ہے۔ اس کے پتے لمبے اور چکنے ہوتے ہیں اور رنگ گہرا اور نیلا ہوتا ہے لیکن موسم خزاں میں یہی پتے لارل کی پتیوں کی طرح سرخ اور چمکدار بن جاتے ہیں۔ جب یہ پتیاں نیلی ہوتی ہیں تو ان میں سے ایک طرح کی بھینی بھینی بو چھوٹتی ہے لیکن جب انھیں ابالا جاتا ہے تو ان سے ایسی تیز بو نکلتی ہے کہ آدمی وہاں ٹھہر نہیں سکتا۔ لیکن بہترین عرق اس درخت کی جڑوں سے بنایا جاتا ہے ایک مقبرے پر کی تحریر پڑھ کر ایشہ نے مجھے بتایا کہ ان جڑوں کا عرق کور کے خاص اور بلند مرتبہ لوگوں کی لاشوں کو ہی ممی کرنے کے لیے بنایا جاتا تھا۔ دوسروں کے لئے اس عرق کا استعمال نہ کیا جاتا تھا اور اگر کوئی جڑوں کے عرق کا استعمال کر لیتا تھا تو اسے سخت سزا دی جاتی تھی۔ یہ پابندی یقیناً ان درختوں کو بچانے کے لیے لگائی گئی تھی کہ وہ ختم نہ ہو جائیں۔ ان درختوں کی پتیوں اور جڑوں کی فروخت صرف حکومت ہی کرتی تھی۔ یعنی یہ درخت سرکاری تھے۔ چنانچہ ان پتیوں اور جڑوں کی فروخت اور تجارت (بقیہ اگلے صفحے پر...)



اس مقبرے میں صرف دو لاشیں تھیں اور دونوں ایک ہی سل پر رکھی ہوئی تھیں۔ میں نے ان کا کفن اٹھایا تو دیکھا کہ ایک جوان اور ایک نوجوان لڑکی آپس میں لپٹے ہوئے ہیں۔ لڑکی کا سر لڑکے کے بازو پر لگا ہوا تھا اور لڑکے کے ہونٹ لڑکی کے ماتھے سے چپکے ہوئے تھے، آخری اور ابدی بوسہ۔

میں نے لڑکے کے چغے کا گریبان کھول کر دیکھا۔ اس کے سینے پر خنجر کا زخم تھا۔ لڑکی کے گورے سینے پر بھی خنجر کے وار کا زخم تھا اور اسی زخم سے اس کی جان نکلی ہوگی۔ اس سل کے سرہانے دیوار پر صرف سات الفاظ کی تحریر تھی۔ ایشہ نے اس کا ترجمہ سنایا:

''موت نے ان کی شادی کر دی''

ان کی داستانِ حیات کیا رہی ہوگی جو اپنی زندگی میں حقیقت میں حسین تھے اور جنھیں موت بھی ایک دوسرے سے الگ نہ کر سکی؟

میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور میرے تصور نے اس کلید سے ماضی پر پڑے ہوئے دروازے کھول دیئے اور میرے بند پپوٹوں پر جو تصویر ابھری وہ اس قدر واضح اور مفصل تھی کہ مجھے گمان گزرا کہ میں نے وقت کو اپنے قبضہ میں کر لیا ہے اور جس طرف چاہوں اس کی باگ موڑ سکتا ہوں اور یہ کہ میرے تصور نے ماضی کے اسرار کو چھید دیا ہے۔

میں نے اس لڑکی کو دیکھا۔ حسین اور جوانی سے بھرپور۔ اس کے سنہرے بال اس کے سفید براق لباس پر پڑے ہوئے تھے اور ابھرا ہوا سینہ اور گریبان میں سے نظر آتی ہوئی چھاتیوں کی دودھیا گولائیاں ان گہنوں کی چمک دمک بھی ماند کر رہی تھیں جو اس حسینہ نے پہن رکھے تھے اور اب مرکزی غار دکھ رہا تھا جو لوگوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور اس پلیٹ فارم پر جس پر بیٹھ کر ایشہ نے مجرموں کو سزا سنائی تھی۔ ایک داڑھی والا سفید پوش کھڑا تھا۔ یہ کاہن تھا کیونکہ اس کے دائیں بائیں اور پیچھے مذہبی علامتیں تھیں اور اب غار میں ایک شخص داخل ہوا جس نے سرخ لباس پہن رکھا تھا اور اس کے آگے اور پیچھے وزراء اور مشیر اور خوبصورت لڑکیاں چل رہی تھیں جو شادی کا گیت گا رہی تھیں اور قربان گاہ کے پس منظر میں وہ سفید فام حسینہ کھڑی ہوئی تھی جو وہاں موجود ہر عورت اور ہر لڑکی سے زیادہ حسین، کندن سے زیادہ پاک اور شبنم سے زیادہ سرد تھی کیونکہ اس کا دل سرد تھا۔ مرجھایا ہوا تھا۔ لیکن جب یہ سرخ لباس والا اس کے قریب پہنچا تو وہ کانپ گئی۔ دفعتہً بھیڑ میں ایک کالے بالوں والا نکل کر سامنے آیا۔ وہ قربان

(بقیہ پچھلے صفحے سے...) سے کور کے بادشاہوں کو خاصی آمدنی ہو جاتی تھی۔ (جوریس ہالی)

گاہ کی طرف لپکا۔ اس نے لڑکی کی کمر میں ہاتھ ڈال دیا۔ اس کا زرد چہرہ یہ بجو ما اور لڑکی کے زرد رخساریوں سرخ ہو گئے جیسے ان پر شفق کھل اٹھی ہو۔ دفعتہً غار میں ایک بڑا بوئنگ بج گئی۔ سپاہی آگے بڑھے، تلواریں بجلیوں کی طرح چمک گئیں اور انھوں نے نوجوان کو پکڑ کر اور گھسیٹ کر اور جبراً لڑکی سے الگ کیا اور اس کے سینہ پر خنجر مار دیا۔ لڑکی نے ایک چیخ کے ساتھ اپنے بسمل محبوب کے پہلو سے خنجر گھسیٹ کر اپنے مرمریں سینے میں اتار دیا۔ غار میں غم و یاس غصے اور مایوسی کی چیخیں بلند ہوئیں۔ ایک واویلا مچ گیا اور—اور یہاں ماضی نے اپنی کتاب میرے لیے بند کر دی۔

میں اپنے قارئین سے معافی چاہتا ہوں کہ اس داستان میں، جو نری حقیقت ہے، اپنا خواب بیان کر دیا۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہی ہے کہ میں نے یہ منظر اسی طرح دیکھا تھا یا میرے تصور نے مجھے دکھایا تھا اور بے حد واضح اور مفصل طور پر۔ اس کے علاوہ کون کہہ سکتا ہے کہ تصور ماضی، حال اور مستقبل کی جو تصویر دکھاتا ہے اس میں حقیقت نہیں ہوتی؟ اور تصور ہے کیا؟ غالباً ابھی ہوئی حقیقت کا سایہ، غائب روح کے خیالات۔

بہر حال میں نے تصور کی نظر سے یہ دیکھا۔ یہ تصویر گزر گئی اور میں چونکا کیونکہ ایشہ مجھے مخاطب کر رہی تھی۔

"دیکھو یہ ہے انسان کا انجام۔" نقاب پوش ایشہ نے نیچی اور کانپتی اور جذباتی آواز میں، جو میرے عذاب سے میل کھاتی تھی، کہا اور عاشق و معشوق کی لاشوں پر چادر کھینچ لی۔

"یہ ہے انجام۔" اس نے ویسی ہی آواز اور لہجے میں کہا۔ "ہاں۔ آخر کار وہ مقبرے میں جا لیٹتا ہے اور دنیا اسے بھلا دیتی ہے۔ کسی کی عمر کتنی ہی طویل کیوں نہ ہو وہ آخر کار اپنے مقبرے میں جا سوئے گا۔ ہاں۔ ہم سب کا یہی انجام ہوگا۔ ہاں میرا بھی آخر کار یہی انجام ہوگا حالانکہ میں ہزاروں سال سے زندہ اور جوان ہوں۔ ہاں۔ تم موت کے دروازے سے گزر کر دوسری طرف پہنچ جاؤ گے۔ اس کے بعد ہزاروں سال تک میں زندہ رہوں تب بھی ایک دن، ہزاروں سال بعد بھی میرا بھی یہی انجام ہوگا۔ ہاں ایک دن میں بھی مر جاؤں گی اور تمہاری طرح خاک بن جاؤں گی یا ان دونوں کی طرح صرف میرا جسم ہی جسم رہے گا۔ بے جان اور سرد۔ پتھر میں ہزاروں سال زندہ رہی بھی کیا اور موت پر عارضی طور پر قابو پا لیا اور اسے شکست دے دی تو اس سے کیا ہوا میرے ہالی! جب کہ آخر کار فتح اسی کی ہوگی؟ وقت کے دھارے میں دس ہزار یا دس گنے دس ہزار برسوں کی حیثیت ہی کیا ہے؟ کوئی حیثیت نہیں ہے۔ دس



ہزار سال یا دس لاکھ سال اس گاڑھی دھند کی طرح ہیں جسے آخر کار سورج کی کرنیں بکھیر دیتی ہیں اور ختم کر دیتی ہیں۔ ہاں وہ ختم ہو جاتا ہے جس طرح نیند ختم ہو جاتی ہے جب صبح ہوتی ہے۔ ہاں وہ ختم ہو جاتا ہے۔ جس طرح کہ موسم سرما کے بعد برف پگھل جاتی ہے۔ دیکھو یہ ہے انسان کا انجام۔ اور ہم سب کا انجام یہ ہونا ہے ایک دن ہم بھی اسی طرح اپنے مقبرے میں جا سوئیں گے۔ پھر یقیناً ہم بیدار ہوں گے اور پھر زندہ ہوں گے، پھر سو جائیں گے، پھر بیدار ہوں گے اور یہ سلسلہ جاری رہے گا، وقت کا چکر چلتا رہے گا، زمانہ کروٹیں بدلتا رہے گا، جگ پر جگ بیتے جائیں گے یہاں تک کہ خود دنیا کے ختم ہونے کا وقت آ جائے گا اور یہ دنیا ختم ہو جائے گی اور دوسری دنیائیں بھی ختم ہو جائیں گی اور کچھ باقی نہ رہے گا سوائے اس عظیم روح کے کہ وہ زندگی ہے اور جو قوت ہے لیکن ہم دونوں کے اور ان دونوں کے لیے وہ، وہ آخری چیز کیا ہوگی؟ زندگی یا موت؟ اب تک تو موت زندگی کی رات ہے لیکن اسی رات کے بعد، اس رات کے بطن سے کل پیدا ہوتی ہے۔ نیا جنم لیتا ہے اور پھر اس دن کی بھی رات ہو جاتی ہے لیکن جب رات اور دن کا، موت و زیست کا چکر اپنی گردشیں پوری کر لے گا تب ہمارا کیا ہوگا، اسے بولی؟ کون دیکھ سکتا ہے اتنے دور کے مستقبل میں؟ کم سے کم میں تو نہیں دیکھ سکتی۔"

دفعتاً اس نے اپنی آواز اور جذباتی لہجہ بدل کر اور میری طرف گھوم کر کہا:

"اے میرے اجنبی مہمان! تمہاری طبیعت سیر ہوگئی یا تم ان مقبروں کے، جو میرے محل کے کمرے ہیں، مزید عجائبات دیکھنا چاہتے ہو؟ اگر تم پسند کرو کہ میں تمہیں کور کے سب سے بڑے اور فاتح اور شجاع بادشاہ ٹیسنو کے مقبرے میں لے چلوں جس نے یہ غار بنوائے تھے اور جو اب اپنے مقبرے میں پورے شاہانہ کر و فر کے ساتھ پڑا دنیا کی بے ثباتی کا مذاق اڑا رہا ہے؟"

"نہیں ایشہ! میں نے بہت دیکھ لیا اور اب مزید دیکھنے کی تاب نہیں۔" میں نے جواب دیا "کیونکہ اس موجودہ موت نے، جو اس وقت ہمارے سامنے ہے، میرا دل الٹ دیا ہے۔ زندگی بڑی کمزور چیز ہے ایشہ جو موت کے مناظر دیکھ کر لرز اٹھتی ہے۔ یہاں سے چلو ایشہ، چلو۔"

☆☆

## سترھواں باب

# پانسہ پلٹتا ہے

گونگی اور بہری لڑکیوں کے چراغوں کی روشنی میں ہم آگے بڑھے۔ ان لڑکیوں نے چراغ اوپر اٹھا رکھے تھے چنانچہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ، یعنی چراغ یا ان کے شعلے ہوا میں معلق تیر رہے ہوں۔

دوسرے مقابر کی سیر کئے بغیر، کیونکہ اب اس کی تاب نہ تھی، ہم ایشہ کے اس "پیش کمرے" میں آ گئے جہاں سے گزشتہ کل بوڑھے بلالی نے چاروں ہاتھوں اور پیروں پر رینگنا شروع کیا تھا۔ یہاں میں نے ایشہ سے رخصت چاہی لیکن اس نے مجھے روک لیا۔

"نہیں ہالی" اس نے کہا "میرے ساتھ اندر آؤ۔ سچ تو یہ ہے کہ تمہاری باتیں نہ صرف بے حد دلچسپ ہیں بلکہ مجھے پسند بھی ہیں۔ ذرا خیال تو کرو ہالی کہ دو ہزار سال سے میں یا تو جاہل اور نیچ غلاموں سے گفتگو کرتی رہی ہوں یا پھر اپنی روح سے باتیں کر کے، سوچ سوچ کر میرا علم اور میری دانائی انتہا کو پہنچ گئی ہے اور بہت سے اسرار پر سے میں پردے اٹھانے میں کامیاب ہو گئی ہوں اس کے باوجود میں اپنے خیالات سے تھک گئی اور خود اپنی ہی صحبت سے اکتا گئی ہوں۔ کیونکہ تم جانو یادیں جو خوراک مہیا کرتی ہیں وہ کڑوی ہوتی ہیں اور محض امید کے دانتوں کی ہی وجہ سے ہم اسے چبا لیتے ہیں۔ حالانکہ اب میرا دماغ تر اور ذہن تازہ ہو گیا ہے اس شخص کا سا جس نے ابھی ابھی لڑکپن کو پیچھے چھوڑا ہو، تاہم یہ وہ دماغ ہے جو سوچ سکتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ تمہاری باتوں نے اور خود تم نے ایتھنس اور ملک عرب کے شہر "بکہ"[1] کے ان فلسفیوں کی یاد تازہ کر دی ہے جن سے کئی صدیوں پہلے میرے جھگڑے رہے تھے۔ کیونکہ تمہاری باتیں ایسی ہی سطحی ہیں کہ معلوم ہوتا ہے تم نے یونانی فلسفیوں کے وہ کرم خوردہ مسودے پڑھے تھے جن میں کہ قریب قریب ساری ہی باتیں غلط ہیں۔ خیر۔ تو یہ پردے ہٹاؤ اور یہاں میرے قریب بیٹھ جاؤ۔ ہم پھل کھائیں گے اور دلچسپی کی چیزوں کے متعلق باتیں کریں گے۔ لو میں ایک بار پھر تمہارے

[1] مکہ کو دور قدیم میں "بکہ" کہتے تھے۔ مصنف کی مراد غالباً اسی سے ہے۔



سامنے بے نقاب ہوتی ہوں۔ مجھے الزام نہ دینا ہالی کیونکہ یہ کلہاڑی خود تم نے اپنے پیروں پر ماری ہے۔ میں نے تمہیں پہلے ہی خبردار کر دیا تھا۔ اور تم مجھے حسین کہو گے جیسا کہ وہ دور قدیم کے فلسفی کہنا چاہتے تھے۔ افسوس ہے ان پر کہ وہ میرا حسن دیکھ کر اپنا فلسفہ بھول گئے تھے۔"

اس نے بلا جھجک اپنا کفن جیسا اوپری لباس اتار دیا اور اب وہ میرے سامنے بے نقاب کھڑی تھی اپنی تمام رعنائیوں اور اپنی تمام چمک دمک کے ساتھ، اس سانپ کی طرح جس نے اپنی کینچلی اتار پھینکی ہو۔ اور اپنی خوبصورت آنکھیں مجھ پر مرکوز کر دیں اور اس کی نظر باسلسک[1] والے سے زیادہ جان لیوا تھی۔ میری نظر خیرہ ہو گئی۔ اور اس کی نگاہ میری روح کو چھیدتی ہوئی انجانی گہرائیوں تک اتر گئی اور پھر ایشہ ہنسی تو فضا میں ہزاروں چاندی کی گھنٹیاں بج اٹھیں۔

اس کے مزاج میں تبدیلی ہوئی تھی۔ ایک نیا انداز اس پر طاری تھا اور اس انداز کے نیچے اس کی بے پناہ ذہانت اپنا رنگ تبدیل کر چکی تھی۔ اس وقت میرے سامنے جو ایشہ تھی وہ، وہ نہ تھی جسے میں گزشتہ رات دیکھ چکا تھا جو ایک لاش کو مخاطب کر رہی تھی، جو اپنی حریف پر لعنت بھیج رہی تھی، جو نفرت، حقارت اور غصے سے بھری ہوئی تھی، جو دوزخ میں جلتی ہوئی بے چین روح کی طرح تھی۔ نہ ہی یہ وہ سرد دل اور انتقام جو ایشہ تھی جس نے پلیٹ فارم کی کرسی پر بیٹھ کر گنہگاروں کو خوفناک موت کی سزا دی تھی اور ان گنہگاروں کے گڑگڑانے پر بھی اس کا دل نہ پسیجا تھا اور نہ ہی اب یہ وہ ایشہ تھی جو کور کے مقبروں کی مجھے سیر کرا رہی تھی۔ اداس، غمگین اور پرانی یادوں سے بھری۔

نہیں یہ ایک دوسری ہی ایشہ تھی۔ اس کا مزاج یکسر تبدیل ہو گیا تھا۔ وہ یونانیوں کی فاتح دیوی ایفروڈیٹ کی طرح معلوم ہوتی تھی محبت اور حسن کی دیوی۔ اس سے حیرت انگیز، چکا چوند پیدا کرنے والی اور وجد آفریں زندگی پھوٹ رہی تھی۔ اس نے ایک معطر سانس لی۔ آہستہ سے اور چاروں طرف سرعت سے دیکھا اور اپنے ہاتھ ہلائے۔ اس کے زریں لباس میں لہریں سی پیدا ہوئیں اور اس کی سلوٹوں میں سے مست کن خوشبو کے سوتے سے پھوٹ پڑے اور حجرے کی فضا معطر معطر ہو گئی۔ اس نے اپنا نازک پیر حجرے کے فرش پر آہستہ سے مارا اور پھر کوئی قدیم یونانی نغمہ گنگنانے لگی۔ اس کی ساری شاہانہ شان غائب ہو چکی تھی یا شاید حالیہ خوش گوار کھلنڈرے پن تلے دب چکی تھی اور اس ہنستی ہوئی آنکھوں میں بھی

[1] دور قدیم کے دیو مالائی افسانوں کا وہ سانپ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ مرغی کے انڈے سے پیدا ہوا تھا اور جس کی سانس اور آنکھوں میں بھسم کر دینے کی قوت تھی۔ مترجم

کبھی یوں چمک آجاتی تھی جس طرح گھور کے کالے بادلوں میں بجلی۔ اس کی آنکھوں میں کے خوفناک اور لپکتے ہوئے شعلے بجھ گئے تھے۔ اس نے سنجیدگی کا اور تکبر کا اور اداسی کا لبادہ اتار پھینکا تھا اور وہ ایک الہڑ دوشیزہ کی طرح میرے سامنے کھڑی تھی۔ سب سے زیادہ حسین، سب سے زیادہ معصوم اور سب سے زیادہ پاکباز۔

''ہالی! وہاں بیٹھو، میرے سامنے جہاں سے تم مجھے دیکھ سکو۔ یہ یاد رکھنا کہ میں محض تمہاری وجہ سے بے نقاب ہوئی ہوں۔ اب۔ تمہاری آرزو تھی۔ چنانچہ اب اگر میرا حسن تمہیں بھسم کردے یا تم میری آرزو میں گھٹ گھٹ کر مر جاؤ تو اس کا الزام مجھے پر نہ رکھنا۔ خیر۔ بیٹھو اور بتاؤ کہ کیا میں حسین نہیں ہوں؟ تم جانو اس وقت میں اپنی تعریف سننا چاہتی ہوں اور کون عورت ہوگی جو اپنی تعریف سننا پسند نہ کرے گی؟ ٹھہرو، ٹھہرو، جلدی نہ کرو اور میری بات سمجھو۔ میرے رنگ و روپ کو، میرے ناک نقشے کو الگ الگ دیکھو اور میرے قد کو، میرے بازوؤں کو، میرے پیروں کو، میرے بالوں کو، میری جلد کی سفیدی کو نہ بھولنا—— اور پھر سچ سچ کہنا کہ کبھی تم نے ایسی عورت دیکھی ہے جو حسن میں، چہرے مہرے کے حسن میں، قد و قامت میں اور سڈول پن میں میری ٹانگوں کی بھی برابری کر سکے؟ اور میری کمر دیکھی؟ تمہارے خیال میں میری کمر موٹی ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ دراصل یہ سنہرا سانپ موٹا ہے جو میں نے اپنی کمر پر لپیٹ رکھا ہے اور پھر یہ ٹھیک سے لپیٹا نہیں گیا دراصل اس کی ساخت ہی کچھ ایسی ہے کہ اسے ٹھیک سے، پٹکے کی طرح، کمر سے باندھا نہیں جا سکتا لیکن بہت عمدہ سانپ ہے یہ اور جانتا ہے کہ کس کی کمر پر بندھا ہوا ہے۔ لیکن دیکھو۔ اپنے ہاتھ لاؤ۔ میری کمر کے گرد حمائل کردو—— ہاں یوں۔ آہستہ سے، تمہاری انگلیاں میری کمر کو چھو رہی ہیں۔ اب۔ ہائے ہالی۔''

میں زیادہ برداشت نہ کر سکا۔ میں بے اختیار ہو گیا۔ آپ مجھے الزام نہ دیں۔ میں بھی آخر کو ایک مرد ہوں اور عائشہ نہ صرف عورت تھی بلکہ عورت سے بھی بڑھ کر تھی۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا تھی۔ میں بہرحال نہیں جانتا۔

میں اسی وقت اور اسی جگہ اس کے قدموں پر گر گیا اور خدا جانے کتنی زبانوں میں، کیونکہ آپ جانتے ایسے وقت دل و دماغ اور زبان تک بے قابو ہو جاتی ہے، اس سے کہا کہ میں اس کا دیوانہ ہوں اور اس کی ایسی پرستش کرتا ہوں کہ آج تک کسی مرد نے کسی عورت کی اور کسی پجاری نے کسی دیوی کی نہ کی ہوگی اور یہ کہ میں اس سے شادی کرنے کے لیے اپنی لافانی روح تک اس کے حوالہ کردوں گا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اگر وہ تیار ہو جاتی تو اس وقت میں یہ بھی کر گزرتا۔ آپ ہنسیں نہیں۔ میری جگہ اگر کوئی اور ہوتا،



کوئی ولی بھی ہوتا تو اس کی بھی یہی حالت ہو جاتی جو میری تھی۔

چند ثانیوں تک تو وہ دم بخودسی کھڑی رہی اور پھر وہ ہنسنے اور بچوں کی طرح تالیاں بجانے لگی۔

''آہا۔ میرے ہالی! اتنی جلد بے قابو ہو گئے!'' وہ بولی۔ ''میں سوچ رہی تھی کہ تمہیں اپنے قدموں پر جھکانے میں کتنے منت لگیں گے۔ صدیاں گزر گئیں کہ میں نے کسی مرد کو اپنے قدموں پر گرتے نہیں دیکھا اور یقین کرو ہالی کسی بھی عورت کے لیے یہ منظر بے حد خوش گوار ہوتا ہے۔ ہاں ہالی! اپنے علم، دانائی اور صدیوں کی گردشوں کے باوجود میں آج بھی وہی خوشی اور غرور محسوس کر رہی ہوں جو ایسے وقت ایک عورت ہی محسوس کر سکتی ہے۔

''لیکن یہ تم کیا کر رہے ہو ہالی؟ کیا کر رہے ہو؟ یہ حماقت ہے اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ میں نے کہا نہیں تھا کہ میں تمہارے لیے نہیں ہوں؟ میں صرف ایک مرد کو چاہتی ہوں اور وہ مرد تم نہیں ہو، ہالی، اپنی تمام تر دانائی اور عقل مندی کے باوجود تم عقلمند نہیں ہو، تم۔ ایک سائے کا تعاقب کر رہے ہو، حماقت کے پیچھے دوڑ رہے ہو۔ تم میری آنکھوں میں دیکھنا چاہتے ہو، مجھے چومنا چاہتے ہو، بہت اچھا اگر تم اسی میں خوش ہو تو لو دیکھو۔''

اور وہ مجھ پر جھک گئی اور اپنی خوبصورت آنکھیں میرے چہرے پر گاڑ دیں۔

''مجھے چومنا چاہتے ہو تو بے شک چوم لو کیونکہ بوسوں کا کوئی نشان ہونٹوں پر اور رخساروں پر باقی نہیں رہتا البتہ دل پر باقی رہ جاتا ہے جسے کوئی دیکھ نہیں سکتا لیکن یہ سن لو ہالی کہ اگر تم نے میرا بوسہ لیا تو پھر تم میری محبت میں بری طرح پھنس جاؤ گے اور پھر میری یاد میں تڑپ تڑپ کر جان دو گے۔''

وہ میری طرف اور بھی جھک گئی یہاں تک کہ اس کے ریشمی بال میرے ماتھے کو چھونے لگے اور اس کی معطر سانس میرے چہرے پر بکھرنے لگی اور مجھ پر وجد سا طاری ہونے لگا۔ میں بے اختیار ہو گیا اور ساتھ ہی میرے ہاتھ، پاؤں شل سے ہو گئے۔

لیکن جب میں نے بے اختیار ہو کر اسے آغوش میں لینے کے لیے اپنے بازو پھیلائے تو وہ دفعتاً سیدھی کھڑی ہو گئی۔ ایک بار پھر اس میں فوری تغیر ہوا اور اس نے اپنا ایک ہاتھ بڑھا کر میرے سر پہ رکھ دیا اور مجھے ایسا معلوم ہوا کہ کوئی بے حد سرد چیز اس ہاتھ سے نکل کر میرے جسم میں سرایت کر گئی اور مجھے اپنے ہوش میں لے آئی۔ آپ یقین کریں یا نہ کریں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ مجھے ہوش سا آ گیا۔

میری ساری بے اختیاری معدوم ہو گئی اور میری عقل و خرد، جو میرا ساتھ چھوڑ گئی تھی، عود کر آئی۔

''بس بھئی۔ بہت ہو چکا یہ واہیات ناٹک۔'' اس نے قدرے تختی سے کہا ''سنو ہالی! تم بہت اچھے، ایمان دار اور مخلص آدمی ہو چنانچہ میں تمہیں اپنے دل پر جبر کر کے بخش دیتی ہوں حالانکہ تم نہیں جانتے کہ کسی بھی مرد کو بخشنا اور اس پر رحم کرنا عورت کے لیے کس قدر مشکل ہوتا ہے۔ میں کہہ چکی ہوں کہ میں تمہارے لیے نہیں ہوں اس لیے مناسب ہوگا کہ تم اپنے خیالات میں مجھے بسنے نہ دو اور اپنے تصور کے غبار پر عقلمندی کا پانی چھڑک کر اسے بٹھا دو کہ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔ اگر اس کا تمہیں غم ہوتا ہے تو ہونے دو۔ اسے برداشت کرو۔ تم مجھے نہیں جانتے۔ ہالی۔ اگر تم نے مجھے اب سے صرف دس گھنٹے پہلے دیکھا ہوتا جب میرے جذبات نے مجھ پر قابو حاصل کر لیا تھا تو اے ہالی تم سہم جاتے، مجھ سے خوف کھاتے اور مجھ سے بھاگتے۔ میرا مزاج یکساں نہیں رہتا۔ میری طبیعت بدلتی رہتی ہے، جس طرح کہ پانی مختلف ساخت کے برتنوں میں گرنے کے بعد اپنی شکل تبدیل کر لیتا ہے۔ اور میں بہت سی باتوں کے متعلق سوچتی اور پھر ان کے مطابق ڈھل جاتی ہوں، لیکن وہ سب باتیں گزر جاتی ہیں اور بھلا دی جاتی ہیں لیکن پانی پانی ہی رہتا ہے اور میں، میں ہی رہتی ہوں۔ یہی خصوصیت پانی کو پانی بناتی اور مجھے ''میں'' بناتی ہے۔ میری صفت کو بدلا نہیں جا سکتا۔ چنانچہ میرا ظاہر نہ دیکھو، میں جیسی نظر آتی ہوں اور جو کچھ نظر آتی ہوں اس کی طرف توجہ نہ کرو کیونکہ تم مجھے جانتے نہیں میری اصلیت سے واقف نہیں۔ اب اگر تم نے مجھے کبھی بھی پریشان کیا تو میں اپنے چہرے پر نقاب ڈال لوں گی اور پھر کبھی تم میری صورت نہ دیکھ کو گے۔''

چنانچہ میں اٹھا اور ایشہ کے قریب گدے دار کاؤچ پر ڈھے سا گیا۔ شدت جذبات سے میں اب بھی ہانپ رہا تھا حالانکہ وہ دیوانگی جس نے مجھے بے قابو کر دیا تھا اور جس کی وجہ سے میں ایشہ کے قدموں پر گرا تھا، اب رخصت ہو چکی تھی۔ میں اسے یہ بتانے کی جرأت نہ کر سکا کہ میں اسے گزشتہ رات اس دوزخی اور جذباتی عالم میں دیکھ چکا ہوں جب وہ آگ کے سامنے کھڑی لعنتیں بھیج رہی تھی اور دوزخ میں جلتی ہوئی روح کی طرح بے قرار تھی۔

''تو میرے ہالی!'' اس نے کہا ''اب تم یہ ثمر کھاؤ اور عشق میں بے قرار رہو اور یقین کرو کسی بھی مرد کے لیے یہ بہترین ثمر ہے۔ اچھا۔ اب تم مجھے اس مسیحا اور اس کے فلسفہ کے متعلق بتاؤ جو یہودیوں میں میرے بعد آیا تھا اور جس کے ماننے والے آج، بہ قول تمہارے روم و یونان اور مصر پر حکومت کرتے ہیں۔ اس کا فلسفہ میرے خیال میں بے حد عجیب رہا ہوگا کیونکہ میرے زمانے میں تو لوگ



فلسفہ کے نام ہی سے بھڑکتے تھے۔ اس زمانے میں تو رقابتیں تھیں، شہوت رانی تھی، خون خرابے تھے، جنگیں تھیں اور لالچ تھے۔ میرے زمانے کے لوگوں کی بس یہی دنیا تھی۔''

اس عرصے میں میرے حواس قدرے بجا ہو گئے تھے اور میں نے جس بیقراری اور دیوانگی کا مظاہرہ کیا تھا اس پر شرمندگی محسوس کر رہا تھا۔ چنانچہ اب میں نے اسے حضرت عیسیٰ اور عیسائیت کے متعلق تفصیل سے بتایا۔ ساری باتیں تو وہ قدرے بے توجہی سے سنتی رہی لیکن جب میں نے دوزخ اور جنت کے عقیدے کا ذکر کیا تو وہ ان تفصیلات کو نمایاں دلچسپی سے سنتی رہی۔ میں نے اسے یہ بھی بتایا کہ اس کے ملک عرب اور اس کے لوگوں یعنی عربوں میں بھی ایک نبی ہوئے ہیں جن کا اسم مبارک حضرت محمدؐ ہے، جو نبی آخر الزماں کہلاتے ہیں اور آپ نے ایک نئے مذہب کی تبلیغ کی اور آپ کے لاکھوں پیرو آج پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔

''نیا مذہب؟'' ایشہ نے حیرت سے پوچھا۔ ''کیا نام ہے اس نبی آخر الزماں کے مذہب کا؟''

''اسلام اور اس کے ماننے والے مسلمان کہلاتے ہیں۔''

''اسلام! تم اسے نیا مذہب کہتے ہو ہالی؟ ارے یہ تو ابراہیم کا مذہب ہے اور بے حد قدیم ہے۔'' وہ بولی۔ ''تو میرے بعد یہ دو مذہب آئے۔ اسلام تو پرانا مذہب ہے لیکن یہ عیسائیت! اس کے متعلق میں کچھ نہیں جانتی۔ نہ ہی اسلام کے متعلق کچھ جانتی ہوں۔ خیر۔ انسان کو ہمیشہ نئے نئے آسمان کی تلاش رہتی ہے اور ان باتوں کی جو آسمانوں کے دوسری طرف ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ آج بھی دنیا میں نئے نئے مذاہب پیدا ہوتے ہوں گے اور اس کی بنیاد موت کے خوف پر ہے۔۔۔ یہی خوف ہے جو مذاہب کو جنم دیتا ہے۔ میری یہ بات شاید تمہیں مضحکہ خیز معلوم ہو رہی ہوگی لیکن اس سے تو تمہیں بھی انکار نہ ہوگا کہ ہر مذہب اپنے ماننے والوں کو مرنے کے بعد کی زندگی کا مژدہ سناتا ہے اور ان کو ڈراتا ہے اور برے انجام کی خبر دیتا ہے۔ مذاہب آتے ہیں، مذاہب جاتے ہیں، اور تہذیبیں آتی ہیں اور تہذیبیں بدلی جاتی ہیں۔ کچھ دیرپا نہیں ہے سوائے دنیا اور انسانی فطرت کے۔ کاش کہ انسان دیکھ اور سمجھ سکتا کہ تمام امیدیں خود اس میں ہیں اور باہر سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ کاش کہ اسے معلوم ہوتا کہ نجات کا راستہ وہ خود بنا سکتا ہے اور نجات حاصل کر سکتا ہے اور یہ کہ اس کے لیے اسے کسی نجات دہندہ کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ موجود ہے اور اس میں حیات کا سرچشمہ ہے اور اس میں اچھائی اور برائی کا علم ہے اور اسی میں اچھائی اور برائی ہے چنانچہ خود اسے اپنا اچھا یا برا کرنا ہے۔ خود وہ اپنے آپ کو عظیم

بنا سکتا ہے۔ اسے سیدھا اور تن کر کھڑا ہونا چاہیے اور کسی انجانے دیوتا کے سامنے جھکنا نہ چاہیے جسے خود اس نے اپنی مرضی کے مطابق اور اپنے وہم کی وجہ سے اور کسی خوف کی وجہ سے خود ہی بنایا ہے اور پیدا کیا ہے۔ انسان کا دماغ عظیم ہے جس سے وہ بڑا کام لے سکتا ہے اور اس کے بازو لمبے ہیں چنانچہ اس کی پہنچ بہت دور تک ہو سکتی ہے۔

ظاہر ہے کہ ایشہ کے یہ خیالات بے حد قدیم تھے اور کافرانہ تھے۔ وہ ظاہر ہے کہ مادہ پرست تھی اور میں ان سے قطعی متفق نہ تھا۔ تاہم میں نے اس موضوع پر اس سے بحث کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اول تو اس لیے کہ میں ابھی کچھ ہی دیر پہلے جن جذبات سے مغلوب تھا انھوں نے میرا دماغ تھکا دیا تھا اور دوم اس لیے کہ مجھے خوف تھا کہ اگر میں نے اس سے اختلاف کیا تو وہ غصہ ہو جائے گی اور پھر پتہ نہیں میرا انجام کیا ہو کیونکہ وہ کسی بھی قسم کے اور کسی بھی معاملے میں اختلاف کو برداشت نہ کر سکتی تھی۔

''تو میرے لوگوں میں بھی ایک نبی پیدا ہوا ہے جس کے پیرو تمہارے بقول ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں'' اس نے کہا۔ ''عربوں میں بھی یقیناً کسی نبی کو آنا ہی چاہیے تھا کیونکہ میرے زمانے وہ زبردست بت پرست تھے اور بہت سے جھوٹے دیوتا تھے ان کے جن کے سامنے وہ جھکتے تھے۔ لات، منات، عزا، یغوث، وداد، سیوا، افراو جانے کتنے دیوتا۔ اگر میں نے ان کے سامنے اپنے علم کا اظہار کیا ہوتا تو یقیناً میری قوم کے لوگ مجھے قتل کر دیتے، لیکن تم خاموش کیوں بیٹھے ہو میرے ہالی؟ بیزار ہو گئے ہو مجھ سے؟ کیونکہ تم جانو میرا اپنا ایک فلسفہ ہے اور میں اپنے طور پر بڑی فلسفی ہوں۔ تم ہی کہو کوئی بھی مبلغ اپنے فلسفہ کے بغیر کیا بن سکتا ہے؟ کچھ بھی نہیں، چنانچہ خیال رہے کہ تم مجھے زیادہ پریشان نہ کرنا اور نہ ہی زیادہ غصہ دلانا مبادا میں تمھیں اپنا فلسفہ سکھا دوں۔ پھر یقین کرو تم میرے مرید بن جاؤ گے اور ہم دونوں مل کر ایک مذہب بنائیں گے جو دوسرے تمام مذاہب کو نگل لیں گے۔ یاد کرو کہ ابھی کچھ دیر پہلے تم میرے قدموں میں پڑے تھے اور کہہ رہے تھے کہ تم مجھ سے پیار کرتے ہو۔ خیر جانے دو ان باتوں کو، تو اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ ہاں ٹھیک ہے۔ میں تمہارے ساتھ چل کر اس نوجوان کو دیکھوں گی جو تمہارے ساتھ آیا ہے جو بیمار ہے اور جسے بلالی ٹیر کہتا ہے۔ اس عرصے میں بخار اپنا تمام تر زور آزما چکا ہوگا اور اگر تمہارا یہ ساتھی مر رہا ہوگا تو میں اسے صحت یاب کر دوں گی۔ گھبراؤ نہیں میرے ہالی! میں کسی قسم کا کوئی جادو نہ آزماؤں گی۔ میں نے کہا نہیں تم سے کہ دنیا میں جادو جیسی کوئی چیز نہیں ہے؟ البتہ ایسا علم ہے جو فطرت کی چند خاص قوتوں کو اپنے اختیار



میں کر لیتا ہے۔ اچھا۔ اب تم جاؤ۔ جب میں دوا تیار کر لوں گی تو تمہارے ساتھ آؤں گی۔''[1]

چنانچہ میں ایشہ سے رخصت ہوا اور لیو کے حجرے کی طرف چلا۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ جوب اور استین بے حد پریشان تھے۔ انھوں نے مجھے مطلع کیا کہ لیو پر نزع کا عالم طاری ہے اور یہ کہ وہ دونوں مجھے ہر جگہ تلاش کرتے رہے تھے۔

میں گھبرا کر لیو کے کاؤچ کی طرف لپکا۔ پہلی ہی نظر میں پتہ چل گیا کہ جوب اور استین نے غلط نہ کہا تھا۔ لیو واقعی مر رہا تھا۔ وہ بے ہوش پڑا تھا اور سانس تیز چل رہی تھی، اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے اور تھوڑے تھوڑے وقفے سے اس کے پورے جسم پر تشنج کا شدید دورہ پڑ جاتا تھا۔ میں ڈاکٹر نہیں ہوں لیکن اتنا تو میں نے بھی سمجھ لیا کہ ایک ہی گھنٹہ بعد لیو کسی بھی قسم کی دنیوی مدد سے پرے پہنچ چکا ہوگا یا شاید ہو سکتا ہے کہ پانچ ہی منٹ بعد اس پر کوئی دوا اثر نہ کرے میں نے اپنے آپ پر لعنت بھیجی کہ میرا بچہ مر رہا ہے اور میں ایشہ کے قدموں میں لوٹ رہا تھا۔ افسوس! صد افسوس! ہم مرد کتنی آسانی سے عورت کا حسن اور اس کی آنکھوں کی چمک دیکھ کر سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ میں نرا احمق ہوں، گدھا ہوں، خود غرض ہوں کہ پچھلے آدھے گھنٹے تک، یعنی جب تک میں ایشہ کے ساتھ رہا، مجھے گھڑی بھر کے لیے بھی خیال نہ آیا۔ میں نے اسے یوں بھلا دیا گویا اس کا وجود ہی نہ تھا اور خیال رہے میں نے اسے بھلا دیا تھا جو بیس سال تک مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز اور میرا بہترین ساتھی تھا اور اسی کے لیے گویا میں زندہ تھا۔ افسوس! ہائے افسوس! مجھے اس کا خیال ہی نہ آیا اور اب شاید وقت گزر چکا تھا اور کوئی کچھ نہ کر سکتا تھا۔

انتہائی، ناامیدی سے میں اپنے ہاتھ ملنے لگا اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔

استین کاؤچ کے قریب بیٹھی تھی۔ اس کی آنکھوں میں مایوسی اور انتہائی ناامیدی کے گھنیرے بادل تھے۔ جوب ایک کونے میں کھڑا چپکے سے نہیں بلکہ آواز سے رو رہا تھا۔ افسوس ہے کہ مجھے اس کی انتہائی مایوسی ظاہر کرنے کے لیے ''رونے'' کے علاوہ کوئی مناسب لفظ نہیں مل رہا۔ مجھے اپنی طرف دیکھتا دیکھ کر وہ حجرے سے نکل گیا کہ گزرگاہ میں کھڑے ہو کر جی بھر کر رو لے۔

چنانچہ اب ہماری تمام تر امیدیں تنہا ایشہ سے وابستہ تھیں۔ ایشہ اور صرف ایشہ ہی اب لیو کو

[1] یہاں میں یہ بتا دوں کہ ایشہ بڑی ماہر کیمیادان تھی اور میں سمجھتا ہوں کہ علم کیمیا اور کیمیاگری ہی اس کا دلچسپ شغل تھا کیونکہ ان وحشیوں اور کور کے کھنڈروں میں اس کی کوئی اور دلچسپیاں ہو ہی نہ سکتی تھیں چنانچہ ایک غار با مجرو اس کی خاص تجربہ گاہ تھا اور حالانکہ اس کے وسائل محدود تھے لیکن وہ جو چیزیں اور دوا میں بناتی تھی ان کا اثر ...... اور حیرت انگیز ہوتا تھا جیسا کہ اس داستان کے پڑھنے والوں پر ظاہر ہو جائے گا۔ ہالی

بچا سکتی تھی بشرطیکہ وہ، وہ نہ ہو جو ظاہر کر رہی تھی یعنی جھوٹی نہ ہو اور میرے خیال میں وہ جھوٹی نہ تھی۔

"میں جا کر اسے اسی وقت بلا لاتا ہوں۔" میں نے دل میں کہا۔

میں اپنے اس فیصلے کو جامۂ عمل پہنانے کی غرض سے پلٹ کر ایک دو ہی قدم آگے بڑھا تھا کہ جوب بگولے کی طرح حجرے میں داخل ہوا۔ اس کے بال مارے خوف کے صحیح معنوں میں کھڑے ہو گئے تھے۔

"کیا بات ہے جوب؟" میں نے گھبرا کر پوچھا۔

"اب تو خدا ہی ہم پر رحم کرے۔" اس نے بے حد خوفزدہ آواز میں کہا۔ "ایک مردہ گزرگاہ میں تیرتا ہوا اس طرف آ رہا ہے۔"

لمحہ بھر کے لیے میں بھی چکرا گیا۔ لیکن دفعتاً مجھے خیال آیا کہ یہ یقیناً ایشہ ہے جو اپنا کفن جیسا لباس پہنے آ رہی ہے۔ اور اس کی بے حد خاموش اور سبک چال سے جوب نے یہ سمجھ لیا ہے کہ وہ گزرگاہ میں تیرتی ہوئی آ رہی ہے۔

اسی وقت اس سوال کا جواب مل گیا کیونکہ دوسرے ہی لمحہ ایشہ حجرے یا غار میں داخل ہوئی۔

جوب نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا اور چیخ پڑا۔

"آ گیا وہ مردہ"

پھر وہ بھاگ کر ایک کونے میں ہو رہا اور دیوار کی طرف گھوم کر منہ چھپا لیا۔

ادھر جب استین نے دیکھا کہ اس کے سامنے کون کھڑی ہوئی ہے تو وہ ہڑبڑا کر اٹھی اور ایشہ کے سامنے فرش پر اوندھے منہ لیٹ گئی۔

"عین وقت پر آئی ہو ایشہ۔" میں نے کہا۔ "کیونکہ میرا بیٹا مر رہا ہے۔"

"اوہو!" ایشہ نے کہا۔ "لیکن اگر اب تک یہ مرا نہیں ہے تو میں اسے نئی زندگی بخش سکتی ہوں۔ میرے ہالی۔ وہ جو کونے میں کھڑا ہے تمہارا خادم ہے اور کیا تمہارے ملک میں خادم اجنبیوں کا استقبال یوں پیٹھ پھیر کر کرتے ہیں؟"

"وہ دراصل تمہارے لباس سے خوفزدہ ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "کیونکہ تمہارا لباس ایسا ہے جیسا کہ کفن ہوتا ہے۔"

وہ ہنسی۔

"اور یہ لڑکی؟" اس نے پوچھا۔ "ہاں۔ یاد آیا۔ یہ وہی لڑکی ہے جس کے متعلق تم نے بتایا



تھا۔ اچھا اب تم ان دونوں سے کہو کہ یہاں سے ہٹ جائیں پھر ہم تمہارے اس بیمار شیر کو دیکھیں گے۔ مجھے یہ بات پسند نہیں کہ کم درجے کے لوگ میری کرامات دیکھ لیں۔"

چنانچہ میں نے استین سے عربی میں اور جوب سے انگریزی میں درخواست کی کہ وہ مجھے اور ایشہ کو لیو کے ساتھ تنہا چھوڑ دیں۔ میری اس درخواست کی، جو ایک طرح سے حکم ہی تھا، تعمیل جوب نے تو فوراً کی بلکہ مجھے یقین ہے کہ اس پر اس نے دل ہی دل میں تو خدا کا شکر ادا کیا ہوگا کیونکہ بے حد خوفزدہ تھا اور ایشہ کے سامنے سے ٹل جانے کے بہانے تلاش کر رہا تھا۔

لیکن استین کا معاملہ اس کے برعکس تھا۔

"کیا چاہتی ہے یہ؟" اس نے سرگوشی میں پوچھا۔ زبردست ملکہ کا خوف و رعب اور لیو کی محبت کے جذبات اس کے دل میں باہم دست و گریباں تھے۔ بیوی کو اس کا حق حاصل ہے کہ جب اس کا شوہر مر رہا ہو تو وہ اس کے قریب ہی رہے۔ یہ اس کا فرض بھی ہے۔ نہیں اے میرے آقا لنگور! میں نہیں جاؤں گی۔"

"ہالی! یہ لڑکی ابھی تک یہیں کیوں ہے؟ جاتی کیوں نہیں؟" ایشہ نے حجرے کے انتہائی سرے پر سے پوچھا۔ جہاں وہ کھڑی ہوئی تھی اور دیوار پر بنی ہوئی تصویریں دیکھ رہی تھی۔

"لیو کے قریب سے ہٹنے کے لیے تیار نہیں ہے۔" میں نے جواب دیا۔ کیونکہ نہ جانتا تھا کہ کیا جواب دوں۔

ایشہ ایک دم سے گھوم گئی اور اپنا بازو لمبا کر کے اور شہادت کی انگلی سے استین کی طرف اشارہ کر کے ایک لفظ کہا، صرف ایک لفظ۔ لیکن جس لہجے میں کہا گیا تھا اس کے لیے صرف یہ ایک لفظ کافی تھا۔

"جاؤ۔"

استین فوراً ہی اپنے ہاتھوں اور پیروں کے بل رینگتی ہوئی غار سے نکل گئی۔

"دیکھا ہالی۔" ایشہ نے ہنس کر کہا۔ "ان جاہلوں پر حکم چلانا اور فرمانبرداری سکھانا میرے لیے کس قدر ضروری ہے۔ یہ لڑکی میری حکم عدولی قریب قریب کر چکی تھی محض اس لیے کہ اس نے دیکھا نہیں کہ آج دوپہر کو میں ایسے گستاخوں کو کیسی سزا دے چکی ہوں۔ بہرحال وہ چلی گئی۔ اب میں معائنہ کرتی ہوں اس جوان کا۔"

وہ اپنی مخصوص چال سے چلتی ہوئی اس کاؤچ یا پتھر کی سل کے قریب پہنچی جس پر لیو بے سدھ پڑا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ اندھیرے میں تھا اور اس نے دیوار کی طرف کروٹ لے رکھی تھی۔

"عالی رتبہ معلوم ہوتا ہے اور ڈیل ڈول بھی شاندار ہے۔" ایشہ نے کہا۔ اور وہ اس کی صورت دیکھنے کے لیے لیو پر جھک گئی۔

دوسرے ہی لمحہ وہ ایک دم سے لڑکھڑا کر یوں پیچھے ہٹی جیسے کسی نے اسے گولی مار دی ہو یا اس کے سینے میں خنجر گھونپ دیا ہو۔

وہ اسی طرح لڑکھڑاتی ہوئی بے اختیار پیچھے ہٹتی چلی گئی یہاں تک کہ حجرے کی پوری لمبائی عبور کر کے دیوار سے جا ٹکرائی اور تب اس کے منہ سے ایک فلک شگاف، لرزہ خیز اور ایسی غیر ارضی سی چیخ نکلی کہ میں نے ایسی چیخ پہلے کبھی نہیں سنی تھی اور دعا کرتا ہوں کہ آئندہ کبھی نہ سنوں۔

"کیا بات ہے ایشہ؟" میں نے گھبرا کر پوچھا۔ "مر گیا میرا اپنا؟"

وہ گھوم گئی اور پھر اس نے بپھری ہوئی شیرنی کی طرح مجھ پہ چھلانگ لگا دی۔

"کتے۔ اس نے اپنی خوفناک سرگوشی میں کہا جو سانپ کی پھنکار کی طرح تھی۔ "تو نے مجھ سے یہ بات کیوں چھپائی؟"

اس نے اپنا ہاتھ یوں اٹھایا جیسے مجھے تھپڑ مارنے والی ہو۔

"کون سی بات؟" میں نے دہشت زدہ ہو کر پوچھا۔

"آ۔ ہاں۔ شاید تم نہیں جانتے۔ بے شک نہیں جانتے۔"

"کیا؟"

"جان لو میرے ہالی کہ یہ — یہ — میرا اقالی قریط ہے۔ میرا وہی محبوب جو دو ہزار سال پہلے مجھ سے بچھڑ گیا تھا۔ ہاں! میرا اقالی قریط واپس آ گیا ہے اور میں جانتی تھی کہ ایک دن وہ میرے پاس آئے گا۔ دیکھو۔ میرا اقالی قریط واپس آ گیا ہے۔"

اور وہ دیوانوں کی طرح بیک وقت ہنسنے اور رونے لگی۔

"میرا اقالی قریط! میرا اقالی قریط!" وہ ہچکیوں اور ہنسی کے درمیان کہتی رہی۔

"بکواس۔" میں نے دل میں کہا۔

لیکن یہ بات میں اس سے کہنے کی جرأت نہ کر سکا اور سچ تو یہی ہے کہ اس وقت مجھے لیو کی



زندگی کی زیادہ فکر تھی اور اپنی اس پریشانی میں میں ہر بات بھول گیا تھا اور اب جو دھڑکا مجھے لگ گیا تھا وہ یہ تھا کہ چونکہ ایشہ پر ایک دم سے ہسٹریا کا دورہ پڑ گیا ہے اور وہ اعصابی ہیجان میں بری طرح سے مبتلا ہو گئی ہے اس لیے اب لیو یقیناً مر جائے گا۔

"ایشہ اگر تم یوں بے قابو ہو گئیں اور کچھ کرنے کے قابل نہ رہیں۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "تو تمہارا اقالی قریط مر جائے گا اور پھر تم اور کوئی بھی اسے واپس نہ لا سکے گا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس وقت وہ آخری سانس لے رہا ہے۔"

"سچ کہتے ہو۔" اس نے ایک دم سے چونک کر کہا۔ "ہائے! میں جلد ہی کیوں نہ آ گئی؟ میرے اعصاب جھنجھنا گئے ہیں۔ میرے ہاتھ کانپ رہے ہیں — حیرت ہے کہ میرے ہاتھ کانپ رہے ہیں حالانکہ پہلے ایسا کبھی نہ ہوا تھا اور حالانکہ یہ بے حد آسان کام ہے۔ لو یہ شیشی لو۔" اس نے اپنے چغے کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر ایک چھوٹی سی صراحی نکالی۔ "لو اور اس میں کا عرق اس کے حلق میں انڈیل دو۔ اگر یہ مرا نہیں ہے تو یہ دوا اسے تندرست کر دے گی۔ جلدی کرو، ہاں، جلدی کرو، یہ مر رہا ہے۔"

میں نے لیو کی طرف دیکھا۔ ایشہ نے غلط نہ کہا تھا۔ لیو موت کے قریب بہت قریب، اور زندگی سے دور، بہت دور ہو چکا تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس کے چہرے پر موت کی زردی چھا گئی اور اس کا سانس اس کے حلق میں کھڑکھڑانے لگی، میں نے صراحی کے منہ میں لکڑی کے ٹکڑے کا کاگ کھولا تو عرق کے چند قطرے میری زبان پر پڑ گئے۔ اس کا ذائقہ میٹھا تھا اور بو نا خوشگوار نہ تھی، لیکن چند قطروں کا اثر یہ ہوا کہ لمحہ بھر کے لیے میرا سر چکرا گیا اور میری نظر کے سامنے دھندی چھا گئی لیکن خوش قسمتی سے یہ اثر اتنی ہی سرعت سے زائل ہو گیا جتنی سرعت سے طاری ہوا تھا۔

جب میں لیو کے قریب پہنچا تو موت اس کے سرہانے آ کھڑی ہوئی تھی۔ اس کا سر تکیے پر آہستہ آہستہ لڑھک رہا تھا اور منہ کھل گیا تھا۔ میں نے ایشہ کو آواز دے کر لیو کا سر پکڑنے کو کہا۔ اس نے آگے بڑھ کر لیو کا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا حالانکہ وہ خود خزاں رسیدہ پتے یا سہمے ہوئے گھوڑے کی طرح کانپ رہی تھی۔

میں نے اپنے ہاتھ کی دو انگلیاں لیو کے منہ میں ڈال کر — اسے ٹھیک سے کھولا اور صراحی کا کل عرق اس کے حلق میں انڈیل دیا۔ فوراً ہی عرق میں سے بھاپ سی نکلی لیکن اس نے میری امید میں، جو پہلے ہی سے بہت تھی، کوئی اضافہ نہ کیا۔ مجھے یقین تھا کہ یہ دوا بھی اب اثر نہ کرے گی۔

البتہ اتنا ضرور ہوا کہ دوا کے حلق سے نیچے اترتے ہی لیو کی موت کی تکلیف ختم ہو گئی غالباً اس لیے میں نے سوچا، اب وہ اس سے گزر چکا اور چشمۂ حیات کے اس پار، موت کے اندھیرے غاروں میں پہنچ چکا تھا۔

اس کے چہرے کا رنگ نیلگوں ہو گیا اور اس کے دل کی دھڑکن، جو پہلے ہی سے بے حد کمزور تھی، معلوم ہوا کہ تھم گئی البتہ صرف اس کی پلکیں نامعلوم طور پر کانپتی رہیں۔

میں نے مایوسی، شک اور بے اعتباری کے ملے جلے جذبات سے ایشہ کی طرف دیکھا جس کے سر پر کی پٹیاں یا نقاب اس وقت کھل گیا تھا جب وہ حیرت گھبراہٹ کے عالم میں لڑکھڑاتی ہوئی حجرے کی دیوار تک چلی گئی تھی۔ وہ اب بھی لیو کا سر تھامے ہوئے تھی اور خود اس کا رنگ بھی خوفناک حد تک زرد ہو رہا تھا بالکل ویسا ہی جیسا کہ چند لمحوں پہلے لیو کا تھا۔ اور اس کے بشرے سے امید و بیم کے جذبات عیاں تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ خود نہیں جانتی تھی کہ لیو بچ جائے گا یا مر جائے گا۔

پانچ منٹ، قیامت کے پانچ منٹ آہستہ آہستہ گزر گئے۔

میں نے دیکھا کہ ایشہ امید کا دامن چھوڑ چکی تھی۔ اس کا خوبصورت بیضوی چہرہ ایک دم سے جیسے لمبوترا ہو کر سُت گیا اور ناامیدی اور انتہائی مایوسی کے برش نے اس کے خوبصورت آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے بنا دیئے۔ اس کے ہونٹوں کے یاقوت بھی پگھل گئے اور وہ لیو کے چہرے کے رنگ کی طرح ہی سفید ہو گئے اور ان کے کونے کانپنے لگے۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر میرے دل کو ایک دھکا سا لگا حالانکہ خود میری حالت غم کے مارے غیر ہو رہی تھی۔

''وقت گزر چکا ایشہ؟'' میں نے پوچھا۔

اس نے دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپا لیا اور کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے بھی منہ دوسری طرف پھیر لیا، لیکن فوراً ہی میں نے ایک لمبے سانس کی آواز سنی اور گردن گھما کر دیکھا تو نظر آیا کہ لیو کے چہرے پر رنگ کی ایک لکیر رینگ رہی تھی۔ پھر دوسری اور تیسری لکیر رینگ آئی اور پھر دنیا کی سب سے زیادہ عجیب بات ہوئی۔

جس شخص کو ہم مردہ یقین کر چکے تھے اس نے کروٹ بدلی۔

''ایشہ دیکھا'' میں نے سرگوشی میں کہا۔

''ہاں دیکھ رہی ہوں۔'' اس نے پھٹی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ ''بچ گیا۔ میرا خیال تھا کہ



وقت گزر چکا۔ ایک لمحہ — صرف ایک لمحہ اور دیر ہو جاتی تو یہ ہمیں ہمیشہ کے لیے چھوڑ جاتا۔''

پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو اور منہ سے ہچکیاں ابل پڑیں۔

اب اس عالم میں بھی وہ بے حد حسین معلوم ہو رہی تھی۔

آخر کار وہ خاموش ہو گئی۔

''میری اس کمزوری کو معاف کرنا میرے ہالی!'' وہ بولی۔ ''تم جانو میں کچھ بھی ہوں بہرحال ہوں تو عورت ہی۔ تم نے صبح ہی ایک دارالعقوبت کا ذکر کیا تھا جس کا نام تم نے دوزخ یا جہنم بتایا تھا اور کہا تھا کہ وہاں گنہگاروں کو عذاب دیا جاتا ہے۔ انھیں آگ میں ڈالا جاتا ہے اور ان کے گناہ اور ان کے کرتوت اور ان کی یادیں اور ان کی غلطیاں مجسم ہو کر اور بھیانک صورت اختیار کر کے ان کے سامنے آتی اور انھیں ڈراتی ہیں۔ میرے ہالی! پورے دو ہزار سال تک کوئی ساتھ اور پچھلے نسلوں اور زمانوں سے، میں اسی دوزخ میں جی رہی ہوں اور میرے گناہوں اور جرائم کی یادیں بھیانک صورتیں اختیار کر کے مجھے ڈراتی اور میرا چین حرام کرتی رہی ہیں۔ شب و روز ناکام آرزوئیں مجھے تڑپاتی رہی ہیں۔ کوئی سنگی ساتھی نہیں، تنہا۔ بالکل تنہا، کوئی تسلی دینے والا نہیں، کوئی ڈھارس بندھانے والا نہیں — دو ہزار سال، پورے دو ہزار سال تک میں زندگی کی اس دلدل اور بھائیں بھائیں کرتے ہوئے راستے پر صرف ایک امید کے سہارے چلتی رہی ہوں — امید کا یہ ستارہ جو میرا راہبر تھا، بے حد مدھم تھا، کبھی لرز جاتا تھا، کبھی ٹمٹماتا تھا اور کبھی بجھ جاتا تھا اور کبھی ایک دم سے روشن ہو جاتا تھا۔ دو ہزار سال پورے دو ہزار سال تک میں راہِ حیات پر چلتی رہی کیونکہ میں مر نہ سکتی تھی کیونکہ میرا علم مجھے بتا رہا تھا اور یہ امید دلا رہا تھا ایک دن میرا نجات دہندہ میرے پاس آ جائے گا۔

''سنو ہالی! کہ ایسی عجیب داستان پھر تمہیں کبھی سننے کو نہ ملے گی اور نہ ہی کبھی ایسا منظر دیکھنے کو ملے گا۔ ہاں۔ کبھی نہیں۔ کبھی نہیں اگر میں تمہاری زندگی دس ہزار سال تک بڑھا دوں تب بھی نہیں اور اگر تم نے چاہا تو میں تمہاری زندگی دس ہزار سال تک بڑھا دوں گی اور یہ میرا معاوضہ ہوگا جو میں تمہیں خوش ہو کر دوں گی کیونکہ تم نے اپنے بیٹے کو یہاں لا کر میری بڑی خدمت انجام دی ہے۔ ہاں تو میرے ہالی سنو اور ذرا خیال تو کرو کہ آخر کار میرا آخر کار میرا نجات دہندہ میرے پاس آ گیا۔ ہاں۔ وہی جس کا انتظار میں دو ہزار سال سے کر رہی تھی۔ ہاں عین اس وقت، جو ہماری ملاقات کے لیے مقرر ہو چکا تھا، وہ میری تلاش میں یہاں، میرے پاس، آ گیا۔ جیسا کہ میں جانتی تھی کہ وہ آئے گا حالانکہ یہ نہ

جانتی تھی کہ کب اور کس طرح لیکن ضرور جانتی تھی کہ وہ آئے گا کیونکہ میرا علم یہی مجھ سے بتاتا تھا اور میرا علم غلط نہیں ہو سکتا تاہم دیکھو کس قدر ناواقف ہوں میں، کس قدر بے خبر ہوں میں، میرا علم کس قدر کم مایہ ہے، کس قدر حقیر ہے اور کس قدر کمزور ہے میری قوت کہ وہ کئی گھنٹوں تک یہاں، میرے قریب، موت کی دہلیز پر پڑا رہا اور مجھے پتہ تک نہ چلا—ہاں مجھے ایشہ کو جو دو ہزار سال سے اس کا انتظار کر رہی ہے، اور پھر آخر کار میں اسے دیکھتی ہوں۔ لیکن کب؟ جب وقت گزر چکا ہوتا ہے، جب اس کے اور موت کے درمیان صرف ایک سانس کا فاصلہ ہوتا ہے اور تم جانو موت کے جبڑوں سے میرا کوئی علم اور میری قوت اسے واپس نہیں کھینچ سکتی۔ اور اگر یہ مر گیا ہوتا تو ایک بار پھر مجھے جانے کتنے ہزار برس تک اسی دوزخ میں رہنا پڑتا۔ ایک بار پھر مجھے جانے کتنی صدیوں کا مقابلہ کرنا پڑتا اور کب تک، جانے کب تک انتظار، بس انتظار کرنا پڑتا۔ یہاں تک کہ ایک بار پھر میرے محبوب کے میرے پاس آ جانے کا وقت آ جاتا۔

"اور پھر اے ہالی۔ تم اسے دوا دیتے ہو۔ پانچ منٹ گزر جاتے ہیں اور ان پانچ منٹوں کے درمیان مایوسیاں—امیدوں کو شکست دینے لگتی ہیں کیونکہ میں نہیں جانتی کہ یہ زندہ رہے گا یا مر جائے گا۔

"اور یقین کر و ہالی! دو ہزار سال، جو گزر چکے، مجھے اتنے طویل معلوم نہ ہوئے تھے جتنے کہ یہ پانچ منٹ معلوم ہوئے۔"

"آخر کار یہ پانچ منٹ بھی گزر گئے اور پھر بھی اس کی زندگی کے کوئی آثار نظر نہ آئے اور جہاں تک میرے علم کا تعلق ہے میں جانتی تھی کہ دوا نے اگر ان پانچ منٹوں میں اثر نہ کیا تو پھر اس کا اثر زائل ہی رہے گا۔ اور پھر میں نے سوچا کہ ایک بار پھر میرا محبوب مر گیا اور گزرے ہوئے اور دو ہزار سال کا سارا انتظار اور ساری اذیتیں اور آنے والی جانے کتنی صدیوں کی اذیتیں سمٹ کر ایک خنجر بن گئیں اور یہ زہر میں بجھا ہوا خنجر میرے دل کے آر پار ہو گیا کیونکہ ایک بار پھر میں نے اپنے قالی قریط کو گنوا دیا تھا اور پھر جب دبیز مایوسیاں مجھے گھیر چکی تھیں تو دیکھو اس نے ایک لمبی سانس لی۔ اس نے کروٹ بدلی۔ اور میں نے دیکھا کہ وہ بچ گیا۔ اب، میرے ہالی! یہ زندہ رہے گا کیونکہ وہ نہیں مرتے جن پر یہ دوا اثر کر جاتی ہے۔ اے میرے ہالی! کس قدر عجیب بات ہوئی ہے یہ! ہائے کس قدر حیرت انگیز اور دل خوش کن بات! اب یہ بارہ گھنٹوں تک سوتا رہے گا اور پھر بیماری اسے چھوڑ جائے گی—زندگی کے لیے اور میرے لیے۔"

وہ خاموش ہو گئی۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ لیو کے سنہرے بالوں پر رکھ دیا اور پھر اس نے جھک کر، بے حد پیار سے شرما کر کسی عصمت مآب لڑکی کی طرح۔ اس کا ماتھا چوم لیا۔ اگر رشک و رقابت کا آرا میرے دل پر نہ چل گیا ہوتا تو یہ منظر مسحور کن تھا۔



## اٹھارہواں باب

# چلی جا! اے عورت

اس کے بعد کوئی ایک منٹ تک خاموشی کا وقفہ رہا۔ اس عرصہ میں اس کے فرشتوں کے سے، کیونکہ کبھی کبھی اس کا چہرہ فرشتوں کا سا معلوم ہوتا تھا، چہرے پر کے جذبات سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ بے حد خوش اور مطمئن تھی اور اس پر وجد کا سا عالم طاری تھا۔

دفعتاً اسے کچھ خیال آیا اور اس کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ اس حد تک کہ میں سہم گیا۔

"میں تو بھول ہی گئی تھی" اس نے آہستہ سے کہا۔

"کیا؟" میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا کہ خدا جانے اب کیا طوفان اٹھنے والا ہے۔

"وہ عورت استین۔ کیا ہے وہ قالی قریط کی؟ صرف ملازمہ یا......؟"

اس کی آواز کانپ گئی اور وہ خاموش ہو گئی۔

میں نے اپنے شانے اچکائے۔

"میرے خیال میں اماحجر کی رسم کے مطابق وہ اس کی بیوی بن چکی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

اس کا چہرہ طوفانی بادل کی طرح اندھیرا ہو گیا۔

ایشہ دو ہزار سال سے زندہ سہی لیکن وہ حسد پر فتح حاصل نہ کر سکتی تھی۔

"بس تو پھر یہ خاتمہ ہے۔" اس نے کہا۔ "استین کو بہر حال مرنا ہے اور اسی وقت۔"

"وہ کس جرم کی پاداش میں؟" میں نے خوفزدہ ہو کر پوچھا۔ "اس نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے اور اگر کوئی گناہ کیا ہے تو وہی جو تم بھی کر چکی ہو۔"

"مطلب؟"

"مطلب صاف ہے۔ اس نے ایک مرد سے محبت کی ہے اور اس مرد نے اس کی محبت قبول کر لی ہے۔ یہ کوئی گناہ، کوئی جرم نہ ہوا۔"

"بالی! تم حقیقت میں بیوقوف ہو۔" اس نے تقریباً بد دماغی سے کہا۔ "تم پوچھتے ہو اس کا جرم کیا ہے؟ اس کا جرم یہ ہے کہ وہ عورت میرے اور میری آرزوؤں کے درمیان روک بن کر کھڑی ہوئی۔ میں جانتی ہوں کہ میں قالی قریط کو اس سے چھین سکتی ہوں، کیونکہ تم جانو بالی! روئے زمین پر کون ایسا مرد ہے جو میری قوتوں کو برداشت کر سکے اور میرا حسن دیکھ کر آپے سے باہر نہ ہو جائے؟ مرد اسی وقت تک وفادار ہے جب تک کہ اسے ترغیب نہیں دلائی جاتی۔ لیکن اگر ترغیب زوردار ہے تو پھر مرد گھٹنوں کے بل آ رہے گا کیونکہ مضبوط سے مضبوط رسہ بھی ایک خاص کھنچاؤ کے بعد ٹوٹ جاتا ہے۔ مرد بھی اسی طرح زبردست ترغیب سے ٹوٹ جاتا ہے۔ تم جانو مرد کے لئے شہوانی جذبہ وہی کشش رکھتا ہے جو سونا اور اختیار عورت کے لئے۔ عورت کی کمزوری سونا اور اختیارات ہیں اسی طرح مرد کی کمزوری اس کا شہوانی جذبہ ہے یقین کرو بالی اس جنت میں جس کا ذکر تم نے کیا ہے، اگر روحیں حسین ہوئیں تو اس دنیا کی عورتوں کی حالت وہاں بہت بری ہوگی کیونکہ مرد ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں گے اور تمہاری وہ جنت ان عورتوں کے لئے دوزخ بن جائے گی۔ کیونکہ مرد کو عورت کے حسن سے خریدا جا سکتا ہے اور عورت کے حسن کو سونے سے بشرطیکہ سونا وافر ہو۔ میرے زمانے میں بھی ایسا ہی تھا اور دنیا کے خاتمے تک ایسا ہی رہے گا۔ یہ دنیا ایک بہت بڑی منڈی ہے جہاں ہر چیز بکتی ہے۔ ان چیزوں کو یا اپنی پسند کی چیز کو وہ انسان خرید سکتا ہے اور خرید لیتا ہے جو سب سے اونچی بولی بولتا اور سب سے زیادہ دام لگاتا ہے۔"

ایشہ کی یہ باتیں بڑی تلخ اور طنزیہ تھیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اس کی عمر کی اور اس جیسی تجربہ کار عورت سے اور توقع بھی کیا رکھی جا سکتی تھی تاہم مجھے اعتراف ہے کہ اس کی یہ باتیں مجھے بہت بری معلوم ہوئیں چنانچہ میں نے بھی بڑی تلخی سے جواب دیا کہ "ہماری جنت میں شادی وغیرہ جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔"

"اگر ایسا ہوتا یعنی شادی وغیرہ کے جھگڑے ہوتے تو وہ جنت نہ ہوتی یہی مطلب ہے نہ تمہارا؟" ایشہ نے کہا۔ "افسوس ہے تم پر اے بالی! کہ ہم عورتوں کے متعلق تمہارے خیالات اتنے اوچھے ہیں تو یہ شادی ہے جو تمہاری جنت اور دوزخ کے درمیان حد فاصل قائم کرتی ہے؟ خیر۔ ان باتوں کو چھوڑو۔ اپنا اپنا علم ایک دوسرے کے سامنے آزمانے کا یہ موقع نہیں ہے۔ تم میری مخالفت کیوں کرتے ہو؟ ہر دفعہ بحث پر کیوں اتر آتے ہو؟ کیا تم بھی زمانۂ حال کے کوئی فلسفی ہو؟ خیر تو آمدم بر سر مطلب — رہی یہ عورت استین۔ تو اسے بہرحال مرنا ہے۔ بے شک میں اس کے محبوب کو اپنا بنا سکتی ہوں لیکن استین



زندہ رہی تو قالی قریط کا دل اس کے خیال سے خالی نہ رہے گا۔ کبھی نہ کبھی وہ اس کے متعلق سوچے گا، اس کے متعلق نرم الفاظ کہے گا اور میں یہ برداشت نہیں کر سکتی۔ کوئی دوسری عورت میرے آقا کے خیالات میں نہیں بس سکتی۔ وہ میرا ہوگا اور میرا رہے گا۔ تنہا میرا۔ استین کی قسمت میں جتنی محبت تھی وہ اسے مل گئی۔ اسے اسی پر صبر و شکر کر لینا چاہئے کیونکہ محبت کا ایک دن تنہائی کے ہزاروں سال سے بہتر ہے۔ چنانچہ اب اندھیرا اس عورت کو نگل لے گا۔"

"نہیں نہیں" میں چیخ اٹھا۔ "یہ۔ یہ۔ بڑا سخت اور بیدردانہ جرم ہوگا اور جرم کا انجام برا ہوتا ہے۔ چنانچہ ایشہ! میں تمہاری بھلائی کے لئے کہتا ہوں کہ اپنے اس ارادے سے باز آؤ۔"

"بے وقوف انسان! اس روڑے کو، جو ہماری راہ میں ہو، راستے سے ہٹانا جرم ہے؟ اس روک کو جو ہمارے اور ہماری منزل کے درمیان ہو، توڑ دینا گناہ ہے؟ اگر ہاں تو پھر میرے بالی! خود ہماری زندگی ایک طویل جرم ہے کیونکہ ہم روزانہ کسی نہ کسی چیز کو مٹاتے اور نیست و نابود کرتے ہی رہتے ہیں تاکہ ہم زندہ رہیں۔ اس دنیا میں وہی زندہ رہ سکتا ہے جو پر قوت ہے۔ کمزوروں کے لئے مرنا اور ختم ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ دنیا اور اس کے عیش و آرام اور اس کی نعمتیں زیردستوں کے لئے نہیں ہر وہ درخت جو کمزور ہوتا ہے خشک ہو جاتا ہے کہ مضبوط درخت اس کی جگہ لے سکے۔ ہم شکست خوردہ اور مرنے والوں کی لاشوں پر سے ہی گزر کر بلند مقام اور بلند مرتبہ حاصل کر سکتے ہیں حالانکہ وہ خوراک، جو ہم کھاتے ہیں، بھوکے اور بلبلاتے ہوئے بچوں کے منہ سے ہی چھینتے ہیں۔ یہ دنیا کا دستور ہے۔ تم کہتے ہو کہ جرم کا انجام برا ہوتا ہے، لیکن تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ برے کا انجام اچھا اور اچھے کا انجام اکثر برا ہوتا ہے۔ کسی ظالم کی بے دردی اور مظالم اس کے بعد آنے والے ہزاروں کے لئے ایک نعمت بن سکتے ہیں اور کسی مقدس انسان کا رحم و کرم اس کی قوم کو غلام بنا سکتا ہے۔ انسان اپنے دل کی اچھائی یا برائی کی وجہ سے کرتا ہے لیکن جانتا نہیں کہ اس کی فہم اسے کس منزل کی طرف لے جا رہی ہے اور کہاں پہنچائے گی کیونکہ جب وہ وار کرتا ہے تو اندھا بن کے کرتا ہے اور جانتا نہیں کہ ضرب کہاں پڑتی ہے اور نہ ہی وہ ان دھاگوں کو شمار کر سکتا ہے جو واقعات کا تانا بانا بنتے ہیں۔ اچھائی اور برائی، محبت اور نفرت، رات اور دن، تلخ و شیریں، عورت اور مرد، اوپر آسمان اور نیچے دھرتی یہ ساری چیزیں ضروری ہیں۔ ایک دوسرے کے لیے ضروری ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا انجام کیا ہوگا یہ کون کہہ سکتا ہے؟ میں تو صرف یہ کہہ سکتی ہوں کہ قسمت کا ہاتھ انہیں بناتا اور بگاڑتا، گھڑتا اور توڑتا رہتا ہے اور ساری چیزیں اس ایک عظیم الشان

دھاگے میں پروئی ہوئی ہیں جسے "لازمہ" کہتے ہیں کیونکہ یہ تمام چیزیں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ چنانچہ ہمارے لئے یہ کہنا مناسب نہیں ہے کہ یہ چیز بری ہے اور وہ اچھی یا یہ کہ اندھیرا نفرت انگیز ہے اور روشنی پیاری کیونکہ کسی دوسری چیز کے لئے اندھیرا پیارا اور روشنی نفرت انگیز ہو سکتی ہے، برائی اچھائی اور اچھائی برائی ہو سکتی ہے۔ سن رہے ہو میرے ہالی!"

میں نے سوچا کہ اس قسم کی بحث کو، جو یقیناً سو فیصد فسطائی تھی، آگے بڑھانا سراسر خطرناک تھا کیونکہ اگر اس کا منطقی نتیجہ اخلاق پر بہت ہی خراب ظاہر ہو سکتا تھا لیکن یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ایشہ کی ان باتوں نے میرے دل میں ایک خوف اور نئی سنسنی طاری کر دی۔ کیونکہ ایسی ہستی سے، جو اچھائی اور برائی کو، گناہ اور ثواب کو ایک نئی اور عجیب نظر سے دیکھتی تھی، کچھ بعید نہ تھا۔ وہ کچھ بھی کر سکتی تھی۔ وہ انسانی ضوابط اور فطرت کے قوانین تک کی نفی کر لی تھی۔

اس کے باوجود میں استین کو بہرحال بچانا چاہتا تھا کیونکہ میں نہ صرف اس کا احترام کرتا تھا بلکہ اسے پسند بھی کرتا تھا۔ بے شک میں استین کو اس لرزہ خیز انجام سے بچانا چاہتا تھا جو اس کی زبردست رقیب کے ہاتھوں اس کا ہونے والا تھا۔

"ایشہ!" میں نے کہا۔ "تم میرے لئے بے حد پراسرار ہو اور تمہاری باتیں میری فہم سے بالاتر ہیں۔ لیکن خود تم نے مجھ سے کہا ہے کہ انسان کو خود اپنا قانون بنانا چاہئے، وہ خود اپنا منصف ہے، اور یہ کہ اسے وہی کرنا چاہئے جو اس کا دل کہے۔ ایشہ اب میں پوچھتا ہوں کہ کیا اس کے لئے تمہارے دل میں کوئی رحم نہیں ہے جس کی جگہ تم حاصل کرنا چاہتی ہو؟ اور یقیناً کر لو گی۔ ایشہ۔ اب ذرا سوچو کہ جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے حالانکہ میرے نزدیک یہ تو ناممکن ہے، کہ وہ، جس کا تم انتظار اور آرزو کر رہی تھیں، صدیوں کے بعد واپس آ گیا ہے اور اب خود تم نے، جیسا کہ تمہارا یہ بھی دعویٰ ہے اس کو موت کے پنجے سے چھڑا لیا ہے۔ تو کیا اب تم اپنے محبوب کی واپسی کا جشن اس ہستی کو قتل کر کے مناؤ گی جو تمہارے قالی قریط کو چاہتی ہے اور قالی قریط بھی ہو سکتا ہے کہ اسے چاہتا ہو؟ اور اگر یوں نہیں ہے پھر اس حقیقت سے تم بھی انکار نہیں کر سکتیں کہ استین ہی وہ لڑکی ہے جس نے تمہارے محبوب کی جان بچائی ہے کہ وہ تم تک پہنچ جائے۔ چنانچہ اس کا احسان ہے تم پر۔ اگر وہ نہ ہوتی تو تمہارے آدم خور غلاموں کے بھالے اس کا خاتمہ کر دیتے۔ تم نے یہ بھی کہا ہے کہ ماضی بعید میں تم نے اس شخص کا جسے تم قالی قریط کہتی ہو، ایک سخت گناہ کیا ہے۔ خود اپنے ہاتھوں سے تم نے اسے قتل کر دیا تھا، اور وہ بھی اس لئے کہ ایک مصری عورت آمنا



ارتاس اس کے ساتھ تھی جس سے وہ محبت کرتا تھا۔"

"یہ نام تمہیں کیسے معلوم ہوا؟ یہ نام تمہیں کیسے معلوم ہوا اجنبی؟ یہ نام میں نے تو تمہیں نہیں بتایا" اس نے چیخ کر کہا اور میرا بازو پکڑ لیا۔

"ہو سکتا ہے کہ میں نے ایسا ...کوئی خواب دیکھا ہو۔" میں نے جواب دیا۔ کور کے ان غاروں میں عجیب وغریب خواب منڈلاتے رہتے ہیں۔ اب معلوم ہوتا ہے، بلکہ یقیناً یہی بات ہے خوابوں کا حقیقت سے تعلق ہے اور گہرا تعلق ہے۔ ایشہ! تم نے حسد اور غصے کے اندھے پن میں جو جرم کیا تھا اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ دو ہزار سال کا طویل انتظار۔ ہے نا؟ اور اب ایک بار پھر کیا تم اسی تاریخ کو دہرانا چاہتی ہو؟ تم کچھ بھی کہو ایشہ لیکن میں تو یہی کہوں گا کہ برائی کا انجام برا ہی ہوتا ہے اور اچھائی کا نتیجہ اچھا ہی ہوتا ہے۔ یہی بات اس مسیحا نے کہی ہے جس کے متعلق میں تمہیں بتا چکا ہوں اور اس نے یہ سچ ہی کہا ہے چنانچہ افسوس ہے اس پر جو برائی کرے۔ تم جو بوؤ گے وہی کاٹو گے۔ یوں کہا ہے مسیحا نے۔ اگر تم نے اس بے گناہ لڑکی کو قتل کر دیا تو سن لو ایشہ کہ تم پر لعنت پڑے گی اور اپنی محبت کے بے حد قدیم درخت کا پھل تم توڑ نہ سکو گی۔ اس کے علاوہ یہ بھی تو خیال کرو کہ یہ شخص۔ تمہارا یہ محبوب کیا اس لڑکی کو قبول کرے گا جس کے ہاتھ اس لڑکی کے خون سے رنگے ہوئے ہوں، جس نے اس کی جان بچائی ہے اور جو اس کی تیمارداری کرتی رہی ہے؟"

"اس سوال کا جواب تو میں تمہیں دے چکی ہوں" ایشہ نے کہا۔ "اگر میں تمہیں اور اس لڑکی کو، یعنی تم دونوں کو یہیں قتل کر دوں تب بھی یہ قالی قریط مجھ سے محبت کرے گا۔ کیونکہ جس طرح تم اپنے آپ کو مجھ سے بچا نہیں سکتے اگر میں تمہیں قتل کرنا چاہوں، اسی طرح یہ بھی اپنے آپ کو میری محبت سے نہیں بچا سکتا لیکن تم نے جو کچھ کہا ہے، معلوم ہوتا ہے وہ سچ ہی ہے کیونکہ یہ باتیں میرے دل میں اتر گئی ہیں اور مجھے متاثر کر رہی ہیں۔ اگر ممکن ہوا تو میں اس لڑکی کی جان بخشی کر دوں گی کیونکہ میں تم سے کہہ چکی ہوں کہ میں ظالم نہیں ہوں اور ظلم برائے ظلم کی قائل نہیں ہوں۔ مجھے کسی کو اذیت دے کر خوشی حاصل نہیں ہوتی اور نہ ہی کسی کو اذیت میں دیکھنا مجھے پسند ہے۔ اچھا۔ اب اس لڑکی کو میرے سامنے لاؤ اور جلدی کرو مبادا میرا ارادہ بدل جائے۔"

اس نے جلدی سے اپنے چہرے پر نقاب ڈال لی بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ پٹیاں لپیٹ لیں۔

اپنی اس کامیابی پر، جو بے حد معمولی تھی، دل ہی دل میں خوش ہوتا ہوا میں گزرگاہ میں آ گیا اور استین کو آواز دی۔ وہ چند گز اور ایک چراغ کے عین نیچے گٹھری بنی بیٹھی تھی۔ غالباً میں کسی جگہ کہہ چکا ہوں کہ گزرگاہ میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چراغ رکھے ہوئے تھے۔

وہ اٹھی اور بھاگتے ہوئے میرے قریب آ گئی۔

"کیا ہوا؟ مر گیا میرا آقا؟ نہیں۔ نہیں۔ یہ کہنا کہ وہ مر گیا۔" استین نے کہا۔

اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا اور اس کے بشرے سے ایسا غم عیاں تھا کہ میرا دل پگھل گیا۔

"نہیں۔ وہ زندہ ہے" میں نے کہا۔ "وہ جس کا حکم ماننا ضروری ہے اس نے اسے بچا لیا۔"

استین نے ایک لمبی سانس لی، حجرے میں داخل ہوئی اور اماجر کی رسم کے مطابق ایشہ کے سامنے سجدہ ریز ہو گئی۔

"اٹھو" ایشہ نے بے حد سرد آواز میں حکم دیا۔ "اور میرے قریب آؤ۔"

استین اٹھی۔ آگے بڑھی اور اب وہ ایشہ کے سامنے سر جھکائے کھڑی تھی۔ خاموشی کا وقفہ رہا۔ پھر اس خاموشی کو ایشہ نے توڑا۔

"کون ہے یہ شخص؟" ایشہ نے بے خبر سوئے ہوئے لیو کی طرف اشارہ کر کے استین سے پوچھا۔

"میرا شوہر ہے۔" استین نے آہستہ سے جواب دیا۔

"کس نے اسے تمہیں بطور شوہر دیا ہے؟"

"اے ملکہ! میں نے اسے اپنے ملک کی رسم کے مطابق اپنا شوہر بنایا ہے۔"

"اے لڑکی۔ اس مرد کو، جو اجنبی ہے، اپنا شوہر بنا کر برا کیا ہے۔ یہ تمہارے قبیلے سے نہیں ہے اور نہ ہی تمہاری قوم سے ہے۔ چنانچہ یہاں قبیلہ کی رسم بیکار ثابت ہوتی ہے۔ سنو ہو سکتا ہے کہ یہ کام تم نے بے خبری میں یا بے سوچے سمجھے کیا ہو۔ چنانچہ میں تمہاری جان بخشی کرتی ہوں ورنہ میں تمہیں بھسم کر دیتی۔ سنو! تم یہاں سے اپنے لوگوں میں چلی جاؤ اور پھر کبھی اس مرد کو دیکھنے اور اس سے گفتگو کرنے کی کوشش نہ کرنا۔ یہ مرد تمہارے لئے نہیں ہے اور پھر سنو! اگر تم نے میرے حکم کی خلاف ورزی کی، یا ایسا کرنے کا خیال بھی کیا تو اسی وقت ماری جاؤ گی۔ اب جاؤ۔"

لیکن استین جہاں تھی وہیں کھڑی رہی۔



"چلی جا! اے عورت۔"

استین نے سر اٹھایا اور میں نے دیکھا کہ شدتِ جذبات سے اس کا چہرہ بگڑ گیا تھا۔

"نہیں۔ میں نہ جاؤں گی۔" اس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ "یہ مرد میرا شوہر ہے اور میں اسے چھوڑ کر نہ جاؤں گی۔ اپنے شوہر کو چھوڑ کر چلے جانے کا حکم دینے کا تمہیں کیا حق ہے؟"

میں نے دیکھا کہ ایشہ سر سے پیر تک لرز گئی۔ اسے غصہ سے یوں کانپتے دیکھ کر میں بھی کانپ گیا۔ میری یہ کپکپی خوف کی وجہ سے تھی۔

"رحم کر و ایشہ۔" میں نے لاطینی زبان میں کہا۔ "قصور اس لڑکی کا نہیں ہے۔ یہ قدرت کی کرشمہ سازی ہے۔"

"میں رحم ہی کر رہی ہوں ہالی!" ایشہ نے اپنی زبان میں جواب دیا۔ "اگر ایسا نہ ہوتا تو گستاخ اور بیوقوف عورت اب تک مر چکی ہوتی۔"

اب وہ استین کی طرف گھوم گئی۔

"اے عورت! اس سے پہلے کہ تم جہاں کھڑی ہو وہیں ڈھیر کر دوں چلی جاؤ۔"

"نہیں۔ میں نہ جاؤں گی۔ یہ میرا ہے اور میرا رہے گا۔" استین نے دردناک آواز میں چیخ کر کہا۔ "میں نے اسے اپنا شوہر بنایا اور اس کی جان بچائی ہے۔ اگر تمہارے میں ہمت ہے، اگر تم میرا خاتمہ کر سکتی ہو تو بے شک کر دو۔ لیکن میں اپنا شوہر تمہیں نہ دوں گی کبھی نہیں۔"

ایشہ نے یوں بجلی کی سی تیزی سے کچھ کیا کہ میں سمجھ نہ سکا کہ اس نے کیا کیا لیکن میرا خیال ہے اس نے اپنا ایک بازو بڑھا کر استین کے سر پر ہلکی سی چپت رسید کر دی۔

میں نے استین کی طرف دیکھا اور خوف سے لڑکھڑا کر بے اختیار پیچھے ہٹ گیا۔

استین کے سر پر، اس کے سنہرے بالوں میں تین انگلیوں کے نشانات پڑ گئے تھے اور یہ نشانات، برف کی طرح سفید تھے۔ رہی استین تو اس نے اپنا ایک ہاتھ اٹھا کر اپنے سر پر یوں رکھ لیا جیسے اسے چکر آ گیا ہو۔

"میرے خدا!" اس غیر انسانی ملکہ فوق الفطرت قوت کے مظاہرے سے سہم کر میں ایک دم سے چیخ اٹھا۔

ایشہ ہنسی۔

''بیوقوف جاہل لڑکی'' ایشہ نے دہشت زدہ استین سے کہا۔ ''تو سمجھتی ہے کہ تیرا خاتمہ کرنے کی قوت میں نہیں رکھتی۔ دیکھ لے وہ رہا آئینہ۔'' اس نے لیو کے اس دستی آئینے کی طرف اشارہ کیا جو جوب نے دوسری چیزوں کے سامان پر جا کر رکھ دیا تھا۔ ''ہالی! وہ آئینہ اس لڑکی کے ہاتھ میں دے دو اور پھر دیکھنے دو اسے کہ اس کے سر پر کیا ہے اور سمجھنے دو اسے کہ اس کا خاتمہ کرنے کی قوت ایشہ رکھتی ہے کہ نہیں۔''

میں نے آئینہ اٹھا کر استین کے سامنے پکڑے رکھا۔ اس نے آئینے میں دیکھا، اپنے سر پر ہاتھ پھیرا اور پھر ایک دبی ہوئی ہچکی کے ساتھ فرش پر بیٹھ گئی۔

''تم جاؤ گی یا میں دوسری ضرب لگاؤں؟'' ایشہ نے گویا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔ ''میں نے تیرے سر پر اپنی مہر لگا دی ہے تاکہ میں ہزاروں میں تجھے اس وقت تک پہچانتی رہوں جب تک کہ تیرے سر کے سارے بال میری مہر کی طرح سفید نہیں ہو جاتے۔ اب اگر میں نے تجھے یہاں دیکھا تو تیرے جسم کی تمام ہڈیاں میری ثبت کردہ اس مہر کی طرح سفید ہو جائیں گے۔''

پوری طرح سے مرعوب اور دہشت زدہ استین اٹھی اور اپنے سر پر ایشہ کی وہ خوفناک مہر لئے اور بے تحاشہ روتی اور ہچکیاں لیتی حجرے سے نکل گئی۔

''ہالی! یوں خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔'' استین کے چلے جانے کے بعد ایشہ نے کہا۔ ''میں کہہ چکی ہوں کہ میں کوئی جادو نہیں جانتی اور نہ ہی میں ساحرہ ہوں۔ جادو جیسی کوئی چیز ہے ہی نہیں۔ یہ ایک عمل ہے جسے تم سمجھ نہیں سکتے۔ میں نے اس کے سر پر یہ مہر محض اسے خوفزدہ کرنے کے لئے لگائی ہے ورنہ میں چاہتی تو جہاں وہ کھڑی تھی وہیں میں اس کی جان لے سکتی تھی۔''

میں خاموش رہا۔

''اچھا۔ اب میں اپنے خدمت گاروں سے کہتی ہوں کہ وہ میرے آقا قالی قریط کو اس حجرے میں لے آئیں جو میرے رہائش گاہ کے قریب ہے تاکہ میں اس کی تیمارداری کروں اور جب یہ بیدار ہو تو اس کا استقبال کروں اور ہالی! تم بھی اور تمہارا وہ سفید فام ملازم بھی وہیں آ جاؤ، لیکن ایک بات یاد رکھو ہالی! تم بھولے سے بھی قالی قریط کو یہ نہ بتاؤ گے کہ استین یہاں سے کس طرح رخصت ہوئی ہے اور میرے متعلق بھی حتی الامکان بہت کم اسے بتاؤ گے۔ خیال رہے میں نے تمہیں خبردار کر دیا ہے۔''

پھر وہ احکامات صادر کرنے کے بعد حجرے سے باہر چلی گئی اور مجھے اس قدر حیرت زدہ اور پریشان چھوڑ گئی کہ میں پہلے کبھی اتنا حیرت زدہ اور پریشان نہ رہا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ میں اتنا وحشت زدہ



تھا، میرے اعصاب یوں جھنجھنا رہے تھے اور میرا دماغ یوں چکرا رہا تھا کہ میں سمجھنے لگا کہ میں پاگل ہوا جا رہا ہوں، لیکن خوش قسمتی سے مجھے سوچنے اور سمجھنے کا زیادہ وقت نہ ملا کیونکہ فوراً ہی ایشہ کے گونگے اور بہرے خدمت گار سوتے ہوئے لیو اور ہمارے سامان کو نئے حجرے میں پہنچانے آ گئے۔

ہمارے نئے کمرے یا حجرے اس غار کے قریب تھے جو ایشہ کی رہائش گاہ یا خوابگاہ تھی۔ میرا مطلب پردوں پڑے اس مقام سے ہے جہاں میں پہلے دفعہ ایشہ کے حضور بلالی کے ساتھ آیا تھا۔ وہ سوتی کہاں تھی؟ یہ میں نہیں جانتا لیکن میرے اندازے کے مطابق اس کی خواب گاہ کو بھی کہیں اس کے قریب ہونا چاہئے۔

وہ رات میں نے لیو کے ساتھ اس کے حجرے میں گزاری۔ وہ رات بھر مردے کی طرح بے خبر اور بے حرکت پڑا رہا۔ میں بھی سو گیا اور سچ تو یہ ہے کہ مجھے نیند کی ضرورت تھی بھی لیکن میری نیند خوابوں سے پاک نہ تھی۔ میں وہ تمام بھیانک واقعات خواب میں دیکھتا رہا جو ہوئے تھے اور جن سے میں گزرا تھا۔ خصوصاً وہ خوفناک منظر تو مجھے بار بار گزرتا رہا جس میں ایشہ نے اپنی انگلیوں کے سفید نشانات استین کے بالوں میں چھوڑے تھے۔ اس کی اس حرکت میں کچھ ایسی پھرتی تھی اور کوئی ایسی خاص بات تھی اور کچھ اس طرح وہ تین لکیریں استین کے بالوں پر دفعتاً اجاگر ہو گئی تھیں کہ ان کا اثر استین پر چاہے جتنا لرزہ خیز رہا ہو، مجھ پر بھی اس کا اثر بے حد خوفناک رہا تھا۔ یقین کیجئے آج تک میں اس خوفناک منظر کو اکثر خواب میں دیکھتا ہوں اور یہ بھی دیکھتا ہوں کہ اس لاچار عورت نے، جسے داغا گیا تھا اور جو رو رہی تھی کس طرح آخری نظر اپنے محبوب پر ڈالی تھی اور کس طرح اپنی ملکہ کے سامنے سے روتی ہوئی چلی گئی تھی۔

دوسرا خواب جو نظر آیا وہ پنجروں اور ہڈیوں کے زبردست اہرام سے متعلق تھا۔ میں نے دیکھا کہ ان سب میں جان سی پڑ گئی تھی اور وہ ہزاروں اور لاکھوں انسانی پنجر دستہ در دستہ اور فوج در فوج میرے سامنے سے گزرنے لگے اور سورج کی روشنی ان کی پسلیوں کے آر پار گزرتی اور چمکتی رہی۔ پنجروں کی یہ فوج مارچ کرتی ہوئی کور کا میدان عبور کر گئی۔ میں نے خندق پر پل کو گرتے دیکھا کہ اور کور کی فصیل کے نیچے اور فصیل کے زبردست دروازے کے قریب ان پنجروں کی ہڈیوں کو کھڑکھڑاتے سنا وہ شہر میں داخل ہوئے۔ وہ کھلی سڑکوں پر سے اور چوکوں میں فواروں کے قریب سے گزرے اور عظیم الشان معبودوں کے سامنے سے گزرے، لیکن ان کے استقبال کے لئے یہاں کوئی انسان نہ تھا اور مکانات کی کھڑکیوں میں سے حسین عورتیں نہ جھانک رہی تھیں البتہ ایک آواز تھی جیسی کہ تانبے کے گھنٹے کی ہوتی

ہے، جو ان کے آگے آگے پکارتی جاتی تھی۔" شاہی کورکا زوال ہوگیا ــــ زوال ہوگیا ــــ زوال ہوگیا ــــ زوال ہوگیا۔"

وہ آگے بڑھتے رہے، ان کی ہڈیاں دھوپ میں سفید سفید چمکتی رہیں اوران کے استخوانی پیروں کی تڑتڑاتی ہوئی چاپ خاموش فضامیں گونجتی رہی۔

وہ پنجر شہر کی سب سے بڑی سڑک پر سے گزرے اور فصیل پر چڑھ گئے اوراس راستہ پر چلتے رہے جو فصیل پر بنا ہوا تھا یہاں تک کہ ایک بار پھر خندق پر کے پل پر تھے۔اور سورج غروب ہونے لگا۔ اور پنجر نیچے اترے اورغروب ہوتے ہوئے سورج کی روشنی ان کی آنکھوں کے کھنڈوں میں چمکنے لگی۔وہ میدان میں آئے، وہ مرکزی غار میں آئے اورفوج درفوج اور بڑی آواز کے ساتھ اس زبردست کھڈ میں گرے جو وہاں تھا اور جسے میں دیکھ چکا تھا۔

میں نے کانپ کر آنکھیں کھول دیں اور دیکھا کہ ایشہ حجرے سے سائے کی طرح نکل رہی تھی۔

اس کے بعد میں پھر سوگیا۔اوراب میں گہری نیند سویا یہاں تک کہ صبح ہوگئی اور جب میں بیدار ہوا تو تازہ دم اور قدرے بشاش تھا۔

آخرکار وہ وقت قریب آگیا جب ایشہ کے بقول لیو کو بیدار ہونا تھا۔

اسی وقت ایشہ بھی آگئی۔حسب معمول اس نے نقاب ڈال رکھی تھی۔

" بخار جاچکا۔" ایشہ نے کہا۔" اورتم دیکھو گے میرے ہالی کہ یہ بیدار ہوگا تو صحیح الدماغ ہوگا۔"

ابھی ایشہ نے یہ الفاظ کہے تھے کہ لیو نے کروٹ لی اوراپنے بازو اس کی گردن میں ڈال دیئے اوراسے، غالباً غلطی سے استین سمجھ کر، چوم لیا۔

بہرحال اس نے صاف آواز اور عربی زبان میں کہا۔

" کیابات ہے استین؟ تم نے اپنے چہرے اور سر پر یہ پٹیاں کیوں لپیٹ رکھی ہیں۔داڑھ میں درد ہے؟" اور پھر انگریزی میں کہا۔

" اُفوہ! میں تو بھیڑیئے کی طرح بھوکا ہوں۔ارے جوب! الّو کے پٹھے! یہ اب ہم کہاں پہنچ گئے ہیں؟"

" کاش کہ میں اس سوال کا صحیح جواب دے سکتا ماسٹر لیو۔" جوب نے ایشہ سے دور ہی دور



رہتے اور لیو کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔کیونکہ وہ اب بھی ایشہ سے ڈرتا تھا اور یہ فیصلہ نہیں کرپایا تھا کہ وہ زندہ ہے یا کوئی لاش ہے جو کسی طرح قبر سے نکل آئی ہے۔" لیکن ماسٹر لیو آپ کو زندہ نہ بولنا چاہئے آپ سخت بیمار تھے اور آپ کی وجہ سے ہم سب سخت متفکر اور پریشان تھے، اب اگر یہ خاتون۔" اس نے خوفزدہ نظروں سے ایشہ کی طرف دیکھا۔" راستہ چھوڑ دیں تو میں آپ کے لئے شوربہ لے آؤں۔"

جوب کے اشارے پر لیو اس خاتون کی طرف متوجہ ہوا جو قریب ہی خاموش کھڑی تھی۔

" یہ۔یہ۔" اس نے کہا۔" یہ تو استین نہیں ہے! استین کہاں گئی؟"

اب پہلی دفعہ ایشہ نے لیو کو مخاطب کیا اوراس کی یہ پہلی بات ایک کھلا ہوا جھوٹ تھی۔

" وہ کسی سے ملنے کی غرض سے یہاں سے چلی گئی ہے۔" اس نے کہا۔" اور دیکھو۔اس کی جگہ میں تمہاری خدمت کررہی ہوں۔"

ایشہ کی مسیحی اور شیریں آواز نے اور ساتھ ہی ساتھ اس کے جسم پر لپٹے ہوئے کفن نے جس کی وجہ سے وہ چلتی پھرتی لاش معلوم ہوتی تھی لیو کو معلوم ہوتا ہے کہ الجھن میں ڈال دیا ہے۔

بہرحال لیو نے کوئی جواب نہ دیا۔اس نے ندیدوں کی طرح شوربہ۔جو جوب لے آیا تھا، پیا اور پھر کروٹ لے کر سوگیا اور شام تک سوتا رہا۔

جب وہ دوسری دفعہ بیدار ہوا تو اس کی نظر مجھ پر پڑی۔اب وہ مجھ سے پوچھنے لگا کہ ہمارے ساتھ کیا واقعات ہوئے ہیں اور خود اسے کیا ہوگیا تھا،لیکن میں نے ٹال مٹول اور ہوں ہاں کرکے تمام باتیں دوسرے دن تک اٹھا رکھیں۔

دوسرے دن وہ بیدار ہوا تو معجزنما طور پر تندرست تھا۔اب میں نے اس کی علالت اوران واقعات کے متعلق بتایا جو ہمارے ساتھ ہوئے تھے۔چونکہ ایشہ وہیں موجود تھی اس لئے میں نے اسے اس کے متعلق کچھ زیادہ نہ بتایا۔سوائے اس کے کہ وہ اس علاقہ کی ملکہ ہے،ہم پر بہت مہربان ہے اور یہ کہ اپنے چہرے پر نقاب ڈالے رکھتی ہے۔حالانکہ میں انگریزی میں باتیں کررہا تھا تاہم ڈرتا تھا کہ اگر میں نے کوئی الٹی سیدھی بات کہی تو وہ ہمارے چہروں کے جذبات کے اتار چڑھاؤ سے مطلب سمجھ لے گی۔اس کے علاوہ میں یہ بھولا نہ تھا کہ ایشہ نے لیو کو کچھ نہ بتانے کے لئے خبردار کردیا تھا۔

دوسرے دن لیو تقریباً پوری طرح تندرست تھا۔اس کے پہلو میں بھالے کا جو زخم تھا وہ مندمل ہوچکا تھا۔اس کی وہ نقاہت، جو بخار کے بعد کا لازمی نتیجہ ہوتی ہے، دور ہوچکی تھی اور میرے خیال

میں یہ اس حیرت انگیز دوا کی وجہ سے تھا جو ایشہ نے تیار کی تھی۔

تندرستی کے ساتھ ہی اسے وہ ساری باتیں یاد آ گئیں جو ہمارے ساتھ ہوئی تھیں یا اس وقت تک کے سارے واقعات یاد آ گئے جب وہ بیہوش ہوا تھا اور غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ استین بھی اسے یاد آ گئی جس سے اسے، میں سمجھتا ہوں، بے حد انسیت ہو گئی تھی۔ سچ تو یہ کہ اس نے استین کے متعلق ایسے سوالات کی بوچھار کر دی جن کا جواب میں دے نہ سکتا تھا کیونکہ لیو کو جب پہلی دفعہ ہوش آیا تھا تو اس کے فوراً بعد ہی ایشہ نے مجھے بلا بھیجا تھا اور ایک بار پھر مجھے بڑی سنجیدگی سے خبردار کیا تھا کہ مجھے لیو کو کچھ نہ بتانا تھا۔ اس نے ڈھکے چھپے لفظوں میں یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اگر میں نے ایسا کیا تو میرے حق میں بہت برا ہو گا۔ اس نے دوسری دفعہ یہ بھی کہا کہ خود لیو کو خود ایشہ کے متعلق بھی کچھ زیادہ نہ بتانا تھا بلکہ صرف اتنا ہی بتانا تھا جتنا کہ ضروری ہو کیونکہ، اس نے کہا، وقت آنے پر وہ خود اسے سب کچھ بتا دے گی۔

حقیقت یہ ہے کہ ایشہ کے سارے ہی طور طریقے یکسر بدل گئے تھے۔ میں جہاں تک اس سے واقف تھا اور اس کی ضد اور خود مختاری دیکھ چکا تھا اس کے پیشِ نظر خیال تھا کہ وہ فوراً ہی لیو کو جو بقول اس کا پرانا محبوب تھا، اپنا بنانے کی نہ صرف کوشش کرے گی بلکہ بہرحال اپنا بنا لے گی لیکن کسی وجہ سے، جو اس وقت میری سمجھ میں نہ آئی اس نے ایسا نہ کیا اس نے صرف یہ کیا کہ وہ لیو کی خدمات خاموشی سے انجام دیتی رہی اور اس میں اس نے ایسی فرمانبرداری اور کنیزوں کی سی خاکساری کا ثبوت دیا کہ خود مجھے یقین نہ آتا تھا کہ یہ وہی ایشہ ہے جس سے نہ صرف اماحجر بلکہ میں بھی ڈرتا تھا۔ وہ لیو کا بہت زیادہ احترام بھی کرتی تھی حالانکہ اس نے کبھی کسی کا احترام کرنا نہ سیکھا تھا۔ خود پرست پراسرار اور لرزا دینے والی ایشہ ایک دم سے پگھل گئی تھی اس کا یہ نیا روپ اصل ایشہ سے کسی طرح میل نہ کھاتا تھا۔

غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ لیو کا تجسس اس پراسرار عورت کے متعلق اتنا ہی بڑھا ہوا تھا جتنا کہ کبھی میرا رہا تھا اور وہ بھی اس کی صورت دیکھنے کے لئے اتنا ہی بیقرار تھا جتنا کہ کبھی میں رہا تھا۔ میں نے تفصیلات سے گریز کر کے لیو کو یہ ضرور بتا دیا کہ ایشہ کی آواز جتنی خوبصورت اور قد و قامت جیسا دل لبھا لینے والا تھا اس کی صورت بھی ایسی ہی تھی۔ ایک عورت کے حسن کے متعلق یہ چند الفاظ کسی بھی نوجوان کے دل میں ایک طوفان برپا کرنے کے لئے کافی تھے۔ اب اگر لیو ابھی ابھی اپنی سخت بیماری سے نہ اٹھا ہوتا اور اگر استین کو فراموش کر گیا ہوتا تو ایشہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتی اور لیو فوراً ہی اس کی محبت میں گلے گلے تک دھنس جاتا۔



لیکن ایسا نہ ہوا کیونکہ وہ اب بھی استین کو یاد کر رہا تھا اور اس کی یاد میں کبھی کبھی وہ آہیں بھر لیتا تھا۔ چنانچہ یوں ہوا کہ وہ ایشہ کی صورت دیکھنے کے لئے صرف بے چین ہی تھا اور میری طرح اس سے قدرے خوفزدہ بھی تھا۔ اور اس کا یہ خوف بلاوجہ نہ تھا۔ نہ تو میں نے، اور نہ ہی خود ایشہ نے اپنی دو ہزار سال کی عمر کے متعلق اشارۃً کچھ کہا تھا تاہم لیو نے قدرتی طور پر نتیجہ اخذ کر لیا تھا کہ یہ پراسرار نقاب پوش وہی عورت ہے جس کا ذکر آمن ارتاس کے سفال پر کی تحریر میں موجود تھا۔

اس تیسری صبح جس کا ذکر میں کر رہا ہوں، لیو نے مجھ پر سوالات کی بوچھار کر دی کہ میرے لئے بچنا ممکن نہ رہا چنانچہ میں نے اعتراف کر لیا کہ میں نہیں جانتا کہ استین کہاں تھی چنانچہ جب وہ ناشتے سے فارغ ہوا تو ہم ایشہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہاں میں یہ بتا دوں کہ ایشہ نے اپنے گونگے اور بہرے خادموں اور خادماؤں کو ہدایت کر دی تھی کہ ہمیں نہ روکا جائے اور یہ کہ ہم جب چاہیں اور جس وقت چاہیں اس کی خدمت میں حاضر ہو سکتے ہیں۔

حسب معمول وہ اس جگہ بیٹھی ہوئی تھی جسے میں اپنی اور قارئین کی سہولت کی خاطر اس کی خلوت گاہ کہوں گا۔ پردے ہٹا کر ہم اندر داخل ہوئے تو وہ اپنے کاؤچ پر سے اٹھی اور اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر ہمارے بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ لیو کے استقبال کو آگے بڑھی کیونکہ قارئین نے سمجھ ہی لیا ہو گا کہ اب یہاں میری کوئی حیثیت اور اہمیت نہ رہ گئی تھی۔

آپ اس عجیب لیکن بے حد خوبصورت منظر کو تصور میں لانے کی کوشش کیجئے۔ سر سے پیر تک سفید پٹیوں میں لپٹی ہوئی ایشہ اپنے دونوں بازو پھیلائے اس انگریز نوجوان کی طرف بڑھ رہی تھی جو بھورے رنگ کے سوٹ میں ملبوس تھا۔ میں نے اسے "انگریز" کہا ہے حالانکہ وہ نصف یونانی تھا لیکن اگر اس کے بالوں کو نظرانداز کر دیا جائے تو وہ مکمل ترین انگریز ہی تھا۔ وہ یونانیوں کی طرح ناٹے قد کا نہ تھا حالانکہ اس کے چہرے کے دل آویز نقوش اسے اس کی یونانی ماں کی طرف سے ورثہ میں ملے تھے۔ وہ طویل القامت تھا اور اس کا سینہ چوڑا تھا لیکن یہ چوڑا سینہ اور بلند قامتی اسے بے ڈول نہ بنا رہی تھی۔ اس کی گردن لانبی تھی اور سر یوں سیدھا مغروروں کی طرح اکڑا ہوا رہتا تھا کہ اماحجر کا لقب "شیر" جو انھوں نے اسے دیا تھا، بے حد مناسب معلوم ہوتا تھا۔

"خوش آمدید میرے آقا اور میرے مہمان!" ایشہ نے بے حد شیریں آواز میں کہا۔ "جنہیں تندرست اور اپنی ٹانگوں پر اور سہارے کے بغیر کھڑا دیکھ کر مجھے بے حد خوشی حاصل ہوئی ہے۔ یقین کرو آقا اگر میں نے عین وقت پر تمہیں بچا نہ لیا ہوتا تو تم اپنی ٹانگوں پر کبھی کھڑے نہ ہو سکتے لیکن خطرہ ٹل

گیااوراب یہ میرا کام ہوگا۔" اوراس نے یہ الفاظ بڑی معنی خیزی سے کہے۔ کہ اس خطرے کو کبھی بھی تمہارے قریب نہ پھٹکنے دوں۔"

لیو نے کمر سے خم ہوکراس کا شکریہ ادا کیا۔ اوراپنی بہترین عربی میں کہا کہ وہ اس کا احسان کبھی فراموش نہ کرے گا کہ اس نے ایک اجنبی کی خدمت اور تیمارداری کی۔

"شکریہ کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی یہ میرا احسان ہے۔" عائشہ نے جواب دیا "افسوس ہے اس دنیا پر جو اس قسم کے جوان سے خالی ہو جائے کیونکہ اس دنیا میں حسن کمیاب ہے۔ میرا شکریہ ادا نہ کرو کیونکہ تمہاری آمد نے تو مجھے خوشی بخشی ہے۔"

"ہوں۔ ہوں۔ ہوں۔ بڑے میاں!" لیو نے نیچی آواز میں مجھ سے کہا۔ "یہ خاتون تو بڑی بلند اخلاق ہے۔ ہم تو معلوم ہوتا ہے کہ پھنس گئے ہیں۔ امید ہے کہ تم نے ان مواقع سے، جو اب تک تمہیں میسر آئے ہوں گے، پورا پورا فائدہ اٹھایا ہوگا۔ ہائے ہائے کیا غضب کے بازو ہیں۔!"

میں نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا کیونکہ مجھے عائشہ کی آنکھوں میں شک کی چمک نقاب کے آرپار نظر آ گئی تھی اور وہ میری طرف ہی دیکھ رہی تھی۔

"امید ہے۔" عائشہ نے کہا۔ "کہ میرے خادموں نے تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دی ہوگی۔ اس واہیات مقام میں اگر تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو کہو میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھوں گی۔ کچھ پوچھنا چاہتے ہو تم؟"

"ہاں۔" لیو نے جلدی سے کہا۔ وہ عورت کیا ہوئی جو میرے ساتھ تھی؟"

"وہ لڑکی!" عائشہ نے کہا۔ ٹھیک ہے میں ملی تھی اسے لیکن جانتی نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ اس نے صرف یہ کہا تھا کہ وہ جارہی ہے۔ کہاں؟ یہ اس نے نہیں بتایا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ واپس آجائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ واپس نہ آئے۔ تم جانو بیماری بڑا ہی بیزار کن کام ہے۔ اور یہ وحشی لوگ بڑے ہی ذلیل ہیں۔"

عائشہ کی اس بات نے لیو کو الجھا بھی دیا اور مایوس بھی کردیا۔

"یہ تو بہت واہیات بات کہی ہے اس نے۔" اس نے مجھ سے انگریزی میں کہا اور عائشہ کو عربی میں مخاطب کیا۔

"میں سمجھا نہیں بات یہ ہے کہ وہ لڑکی اور میں۔ میرا مطلب ہے۔ ہم دونوں کو — ایک دوسرے سے — اور — انسیت ہوگئی ہے۔"

عائشہ ہنسی اور اس نے موضوع بدل دیا۔



## انیسواں باب

# کالی بکری لاؤ

اس کے بعد کی گفتگو کچھ ایسی غیر مسلسل اور الٹی سیدھی تھی کہ مجھے وہ ٹھیک سے یاد نہیں، کسی خاص مقصد کے تحت، غالباً اپنی انفرادیت اور خصوصیات کو فی الحال چھپانے کی غرض سے، عائشہ آزادی سے اور کھل کر گفتگو نہ کررہی تھی جیسی کہ اس کی عادت تھی۔ بہرحال اس نے کچھ ہی دیر بعد لیو کو مطلع کیا کہ اس نے ہماری دلچسپی کے لئے اس رات ایک رقص کا انتظام کیا ہے۔ یہ سن کر مجھے تعجب ہوا کیونکہ جہاں تک میری معلومات کا تعلق تھا میں جانتا تھا کہ اماجر بڑے خشک مزاج تھے اور رقص وغیرہ سے انھیں دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ لیکن جیسا کہ قارئین کو جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ اماجر کا رقص دنیا کے کسی بھی ملک کے رقص سے قطعی مختلف تھا۔ اس کے بعد جب ہم نے رخصت کی اجازت چاہی تو عائشہ نے کہا کہ شاید لیو غاروں کے چند عجائبات دیکھنا پسند کرے گا۔ چنانچہ ہم یہ "عجائبات" دیکھنے چل دیئے۔ اس وقت ہمارے ساتھ جوب بھی تھا اور بوڑھا بلالی بھی۔

اپنی اس سیر کا ذکر یہاں کرنا ان تمام تفصیلات کو دہرانا ہے جو میں بیان کر چکا ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ اس دفعہ ہم نے جو مقبرے دیکھے وہ، وہ مقبرے نہ تھے جن کی سیر میں کر چکا تھا اور ان میں جو کچھ تھا وہ ان مقبروں سے جنھیں میں دیکھ چکا تھا، کچھ زیادہ مختلف نہ تھا۔ یہ پورا پہاڑ تنی شہد کی مکھیوں کے چھتے کی طرح مقبروں سے بھرا ہوا تھا۔ مقبروں کی سیر کے بعد ہم نے پنجروں اور ہڈیوں کا وہ انبار دیکھا جو خواب میں مجھے پریشان کرتا رہا تھا۔ یہاں سے ہم ایک لمبی گزرگاہ میں سے ہوکر ان بڑے مقبروں میں پہنچے جو کور کے غریبوں کی لاشوں کے لیے مخصوص تھے۔ یہاں جو لاشیں تھیں وہ امرا کی لاشوں کی طرح اچھی طرح سے ممی نہ کی گئی تھیں، چنانچہ محفوظ نہ رہی تھی۔ اکثر لاشوں پر کفن نہ تھا اس کے علاوہ پانچ سو سے لے کر ایک ہزار لاشوں کو ایک ہی بڑے مقبرے میں دفن کیا گیا تھا اور کئی جگہ تو لاشیں ایک دوسرے پر ڈھیر تھیں جیسی کہ میدان جنگ میں مقتولوں کی ہوتی ہیں۔

لیو کے لئے تو یہ بے مثال منظر جس کا کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا بے حد دلچسپ اور حیرت

انگیز تھا لیکن بچارے جوب کے لیے یہ منظر اتنا پرکشش اور دلچسپ نہ تھا۔ جب سے ہم اس عجیب ملک میں داخل ہوئے تھے تقریباً اسی وقت سے اس کے اعصاب جھنجھنا رہے تھے اس پر ہڈیوں اور پنجروں کے ان انبار نے گویا جلتے پر تیل ٹپکا دیا اور یوں رہی سہی کسر پوری ہو گئی۔ وہ غریب بے حد سہا ہوا تھا۔ بلالی نے اسے یہ کہہ کر تسلی دینے کی کوشش کی کہ اسے ان لاشوں سے یوں ڈرنا نہ چاہئے کیونکہ ایک دن وہ خود بھی ایسی ہی ایک لاش بن جائے گا۔ اس پر جوب نے بوڑھے بلالی کی طرف کچھ یوں دیکھا کہ اگر نظروں سے ہی کسی کی جان لینا ممکن ہوتا تو بلالی اسی جگہ ڈھیر ہو جاتا۔

میں نے بلالی کی اس بات کا ترجمہ جوب کو سنایا تو وہ بولا۔

"اس بڈھے بکرے نے یہ بڑی واہیات بات کہی لیکن ایک آدم خور وحشی سے کسی اچھی بات کی توقع بھی تو نہیں رکھی جا سکتی۔ تاہم اتنا ضرور کہوں گا کہ اس مردود نے غلط نہیں کہا۔ بے شک ہم سب کو وہ دن آنے ہیں۔"

اور اس نے ایک سرد آہ بھری۔

مقبروں کی سیر ختم کرنے کے بعد ہم واپس آئے اور کھانا کھایا کیونکہ اس وقت سہ پہر کے چار بج رہے تھے اور ہم سب کو عموماً اور لیو کو خصوصاً خوراک اور آرام کی سخت ضرورت تھی۔

شام کے چھ بجے ہم پھر الیشہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس نے غریب جوب کو حوض کے پانی میں تصویریں دکھا کر اور بھی زیادہ خوفزدہ کر دیا۔

الیشہ کو مجھ سے پتہ چل گیا کہ جوب اپنے باپ کے سترہ بچوں میں سے ایک تھا۔ چنانچہ اس نے جوب سے اپنے تمام بھائیوں اور بہنوں کا خیال کرنے کو کہا یا کم سے کم وہ اپنے باپ کے گھر کو بھی یاد کرے۔ پھر اس نے جوب سے پانی میں دیکھنے کو کہا اور پانی کے آئینے جیسی سطح پر کئی برسوں کا پرانا اور گزرا ہوا منظر نہایت صاف طور سے اور اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ ابھر آیا۔ چند صورتیں تو بے حد صاف تھیں لیکن چند قدرے دھندلی تھیں۔ سبب اس کا یہ تھا کہ خود جوب کو یہ صورتیں ٹھیک سے یاد نہ تھیں کیونکہ یہ پانی وہی عکس دکھاتا تھا جو ہمارے تصور میں ہوتا تھا۔ یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس معاملے میں الیشہ کی قوتیں یا علم محدود تھا چنانچہ وہ پانی کی سطح پر ان ہی تصویروں کو ابھارتی تھی جو ہمارے تصور یا دماغ میں ہوتی تھیں۔ البتہ اگر وہ گردوپیش یا ماحول سے ذاتی طور پر واقف ہوتی، جیسا کہ ہمارے اور ہماری کشتی کے معاملے میں ہوتا تھا، تو وہ اس کا عکس پانی کی سطح پر پیدا کر سکتی تھی اور ان خارجی واقعات کو بھی دکھا سکتی



تھی جو اس وقت اس ماحول یا گردوپیش میں ہو رہے ہوتے۔

بہرحال جوب کے نزدیک یہ کالا جادو تھا چنانچہ جب اس نے پانی کی سطح پر اپنے مردہ اور دنیا میں بکھرے ہوئے بھائی بہنوں کی تصویریں دیکھیں تو مارے خوف کے چیخ اٹھا۔ اس کی یہ چیخ میں کبھی فراموش نہ کر سکوں گا اور نہ ہی الیشہ کا وہ قہقہہ بھول سکوں گا جو اس نے جوب کے یوں چیخ اٹھنے پر لگایا تھا۔ خود لیو کو بھی یہ تماشا عجیب تو معلوم ہوا لیکن پسند نہ آیا کیونکہ، جیسا کہ اس نے کہا، اس سے میری ریڑھ کی ہڈی میں ٹھنڈک کی لہریں دوڑ گئی ہیں۔"

کوئی ایک گھنٹہ تک یہ کھیل جاری رہا تھا تبھی الیشہ کی گونگی اور بہری خادمہ نے آ کر اشاروں سے بتلایا کہ بلالی باریابی کی اجازت چاہتا ہے۔ الیشہ نے سر ہلا کر اسے آنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ بڑے میاں حسب معمول بڑے مضحکہ خیز انداز میں ہاتھوں اور پیروں کے بل رینگتے ہوئے آئے اور کہا کہ "رقص" کے انتظامات مکمل ہو چکے ہیں اور یہ کہ اگر ملکہ اور معزز مہمان تشریف لے چلیں تو رقص شروع کیا جائے۔

چنانچہ ہم سب اٹھے۔ الیشہ نے اپنے سفید لباس پر کالا لبادہ ڈال لیا۔ یہ وہی لبادہ تھا جو اس نے اس وقت پہن رکھا تھا جب میں نے اسے الاؤ کے سامنے کھڑے آمن ارتاس وغیرہ پر لعنت بھیجتے دیکھا تھا۔

ہم رقص گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

مرکزی غار کے سامنے ایک بلند اور کھلا میدان تھا، آپ اسے سطح مرتفع کہہ لیجئے۔ یہ رقص وہیں ہونے والا تھا۔ چنانچہ اسی طرف جا رہے تھے۔

غار کے دہانے سے کوئی پندرہ قدم کے فاصلے پر تین کرسیاں رکھی ہوئی تھیں، ہم بڑھ کر ان کرسیوں پر بیٹھ گئے اور انتظار کرنے لگے کیونکہ اب تک تو رقص کرنے والوں کا کہیں پتہ نہ تھا۔

چاند اب تک طلوع نہ ہوا تھا چنانچہ رات اندھیری تھی حالانکہ یہ اندھیرا وہ تھا جسے "گھپ اندھیرا" کہتے ہیں۔ تاہم ہم سوچ رہے تھے اور حیران تھے کہ اس اندھیرے میں ہم رقص کس طرح دیکھ سکیں گے!

جب لیو نے یہی سوال الیشہ سے پوچھا تو اس نے ہنس کر جواب دیا۔

"یہ تمہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔"

یہ الفاظ الیشہ کی زبان سے پوری طرح سے ادا بھی نہ ہوئے تھے کہ ہم نے دیکھا کہ ہر طرف سے کالے کالے سائے بھاگتے ہوئے آئے۔ ان میں سے ہر ایک کوئی سلگتی ہوئی چیز اٹھائے ہوئے تھا۔

ہم نے دور سے دیکھا تو سمجھا کہ یہ غیر معمولی طور پر بڑی جلتی ہوئی مشعلیں ہوں یا پھر اور یہ حقیقت ہے کہ وہ بڑی تیزی سے اور بقول کے دھڑا دھڑ جل رہی تھیں اور ان کے شعلے انھیں اٹھانے والوں کے پیچھے کوئی ایک گز تک لپک رہے تھے۔ یہ مشعل بردار، جو تعداد میں پچاس یا اس سے کچھ زیادہ تھے، اپنا اپنا سلگتا بوجھ اٹھائے بھاگتے ہوئے آئے جیسے دوزخی عفریت ہوں۔

سب سے پہلے لیو نے دیکھا کہ یہ مشعلیں کیا تھیں۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

"میرے خدا!" اس نے کہا۔ "یہ۔ یہ۔ تو لاشیں ہیں جلتی ہوئی۔"

میں نے آنکھیں مل کر دیکھا، بار بار دیکھا اور غور سے دیکھا۔ لیو نے غلط نہ کہا تھا۔

وہ مشعلیں جن کی روشنی میں ہماری دلچسپی کی خاطر رقص ہونے والا تھا انسانی ممیاں تھیں جنھیں غاروں میں سے نکالا گیا اور سلگایا گیا۔

جلتی لاشوں کو اٹھائے ہوئے اماجر بھاگتے ہوئے آئے، چاروں طرف سے آئے اور ہمارے سامنے اور ہم سے کوئی بیس قدم دور مل گئے اور یہاں انھوں نے جلتی ہوئی لاشیں ایک دوسرے پر آڑی ترچھی رکھ دیں اور یوں ایک الاؤ بنا دیا۔ ایسا خوفناک اور لرزہ خیز الاؤ نہ تو کبھی کسی نے روشن کیا ہوگا اور نہ ہی کبھی کسی نے دیکھا ہوگا۔

میرے خدا! کیا دھڑا دھڑ سلگ رہا تھا یہ الاؤ۔ کولتار کا پیپا بھی اس طرح نہیں سلگتا جس طرح یہ انسانی ممیاں سلگ رہی تھیں۔ بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔

میں نے دیکھا کہ ایک دیوقامت وحشی نے الاؤ میں سے ایک سلگتا ہوا انسانی بازو، جو کسی ممی کے جسم سے الگ ہو گیا تھا، گھسیٹ لیا اور اسے بلند کر کے اندھیرے میں دوڑ پڑا۔ دفعتاً وہ رک گیا اور ایک بلند شعلہ یکا یک ہوا میں اٹھتا چلا گیا۔ اس شخص نے سلگتے ہوئے بازو سے ایک دوسری مشعل جلا دی تھی۔ اس شعلہ نے اردگرد کی فضا کو اور خود مشعل کو بھی روشن اور نمایاں کر دیا۔

میں اس نئی مشعل کو دیکھ کر کانپ گیا۔

یہ ایک عورت کی ممی تھی جو وہاں چٹان پر گڑے ہوئے ایک ستون سے کھڑی کر کے باندھی گئی تھی۔ اس شخص نے عورت کی ممی کو سلگا دیا تھا۔ وہ شخص آگے بڑھا اور اس نے اسی طرح ستون سے بندھی ہوئی ایک دوسری اور پھر تیسری ممی کو سلگا دیا اور یوں وہ ممیوں کو سلگاتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ ہم تین طرف سے سلگتی ہوئی ممیوں میں گھر گئے۔ اب ہمارے تینوں طرف انسانی مشعلیں سلگ رہی تھیں۔ میں نے



کبھی کسی لکڑی اور کسی بھی چیز کو ایسی شدت سے سلگتے نہیں دیکھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جس مسالے سے ان لاشوں کو حنوط کیا گیا تھا وہ جلدی سے آگ پکڑ لینے والا اور شدت سے جلنے والا مادہ تھا چنانچہ ان ممیوں کے کانوں، ناک کے نتھنوں، آنکھوں اور منہ سے فٹ فٹ بھر کے شعلے آتشی زبانوں کی طرح لپک رہے تھے۔

روم کے ظالم بادشاہ نیرو نے اپنے باغوں میں اس طرح چراغاں کیا تھا کہ عیسائیوں کے جسموں پر کولتار لگا کر انھیں زندہ سلگا دیا تھا۔ نیرو کے بعد غالباً پہلی دفعہ ہمارے لئے ایسا ہی چراغاں کیا گیا تھا لیکن خوش قسمتی سے ہمارے چراغ زندہ انسان نہ تھے۔

یہ منظر اتنا بھیانک، ایسا گھناؤنا اور ایسا لرزہ خیز اور عبرت انگیز تھا کہ اسے بیان کرنا کم سے کم میری قوت سے باہر ہے اور اگر اسے پوری تفصیلات کے ساتھ بیان کرنا چاہوں تب بھی پوری طرح سے کامیاب نہیں ہو سکتا تاہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ منظر اخلاقی اور طبعی احساسات پر نہ صرف عجیب طرح سے اثر انداز ہو رہا تھا بلکہ انھیں جھنجھوڑ رہا تھا۔ ان قدیم مردوں کے جلنے میں کوئی خاص بات تھی جو بیک وقت بھیانک اور مسحور کن تھی۔ یہ مردے جل کر زندہ انسانوں کے لیے دلچسپی کا سامان مہیا کر رہے تھے۔ ان کی روشنی میں وحشیوں کا ایک وحشی رقص ہونے والا تھا۔ ان کے جسموں سے نکلتے ہوئے شعلے اور ایک ایک چنگاری دیکھنے والوں کے لیے باعث عبرت تھی۔ یہ جلتے ہوئے مردے گویا اپنی خاموش زبان میں کہہ رہے تھے کہ کیا اسی دن کے لیے ہم دنیا میں آئے تھے؟ کیا اس لیے ہماری لاشوں کو محفوظ کیا گیا تھا؟ ہم محلوں میں رہے تھے، ہم نے عیش و آرام میں زندگی بسر کی تھی، ہم نے شادیاں کر کے اولاد پیدا کی تھی کہ ہماری نسل قائم رہے! اور آج ہماری وہی نسل ہمیں اپنی آرام گاہوں سے نکال کر اور ہمیں جلا کر اپنی رقص گاہ کو روشن کر رہی تھی۔ کیا یہی انجام ہونا تھا ہمارا؟ کیا ہر انسان کا یہی انجام ہوتا ہے؟

یہ تو تھا اس منظر کا عبرت انگیز پہلو جو اخلاقی احساسات کو جھنجھوڑ رہا تھا۔ اب اس کے طبعی پہلو کو لیجیے۔ اس نظر سے دیکھا جائے تو یہ منظر جتنا زیادہ وحشت ناک تھا اتنا ہی زیادہ شاندار تھا۔ شہر کور کے یہ باشندے اتنی ہی تیزی، آسانی اور آزادی سے جل رہے تھے جتنی تیز، آسان اور آزادانہ زندگی انھوں نے اپنے دور میں بسر کی تھی جیسا کہ مقبروں کی دیواروں پر کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ان لاشوں کی کوئی کمی نہ تھی۔ جب کوئی ممی ٹخنوں تک جل کر راکھ ہو جاتی ——— اور ہر ممی زیادہ سے زیادہ بیس منٹ میں جل جاتی تھی ——— تو اس کے پیروں کو لات مار کر دور پھینک دیا جاتا اور اس کی جگہ دوسری ممی کو کھڑا کر کے سلگا دیا جاتا۔ الاؤ میں اسی طرح ممیاں ڈالی جاتیں، جس طرح کہ ہم الاؤ

میں لکڑیاں ڈالتے اور شعلوں کو پہنچاتے ہیں، اور الاؤ کے شعلے چٹاخوں اور پھنکاروں کی آوازوں کے ساتھ ہوا میں بیس بیس اور تیس تیس فٹ تک بلند ہوتے اور ان شعلوں کی سرخ روشنی اندھیرے کو دور دور تک اجال دیتی اور اس میں ابھرنے کالے کالے سائے دوزخی عفریت کی طرح حرکت کرتے دکھائی دیتے۔

ہم لوگ ہم بخود کھڑے یہ منظر دیکھتے رہے۔ خوفزدہ اور مسحور بلکہ مجھے تو یہ خوف تھا کہ کوئی دم میں دور حبس، جو بھی ان جسموں کو اپنے گھر بناتے ہوئے تھیں، پراسرار اندھیروں میں سے نکل آئیں گی اور غصے میں چیختی ہوئی ہم پر ٹوٹ پڑیں گی۔

"میرے ہالی! میں نے وعدہ کیا تھا کہ تمہیں ایک عجیب منظر دکھاؤں گی۔" ایشہ نے ہنس کر کہا۔ ہم سب میں تنہا وہی ایسی ہستی تھی جس کے اعصاب پر نظارہ اثر انداز نہ ہوا تھا۔ "او دیکھو میرا وعدہ جھوٹا نہ تھا۔ اس کے علاوہ یہ نظارہ ایک سبق بھی سکھا رہا تھا۔ جانتے ہو کیا ہے یہ سبق؟ مستقبل پر اعتبار نہ کرو کیونکہ کون جانے مستقبل کیا لائے تمہارے لئے۔ چنانچہ آج کے لئے زندہ رہو اور اس خاک سے بچنے کی کوشش میں جو انسان کا انجام ہے، آج کی خوشیاں بھی غارت نہ کر دو۔ اگر ان امرا کو ان معزز خواتین کو جنھیں زمانہ بھول چکا ہے اگر معلوم ہوتا کہ کبھی ان کی لاشوں سے مشعلوں کا کام لیا جائے گا تو تمہارے خیال میں وہ کیا محسوس کرتیں؟ لیکن دیکھو وہ سوانگ کرنے والے آ رہے ہیں — بے حد عجیب گروہ ہے۔ ہے کہ نہیں؟ اسٹیج روشن ہو چکا ہے اور اب ناٹک شروع ہو رہا ہے۔"

ایشہ کے توجہ دلانے پر ہم نے اس طرف دیکھا تو نظر آیا کہ انسانی الاؤ کی طرح انسانی سایوں کی دو قطاریں بڑھ رہی تھیں۔ ایک قطار مردوں کی تھی اور دوسری عورتوں کی۔ ان میں سے ہر ایک نے — مردوں اور عورتوں نے بھی — حسب معمول چیتے اور بھیڑ کی کھالیں پہن رکھی تھیں۔ ان کی تعداد سو کے قریب تھی۔

یہ دونوں قطاریں ہمارے سامنے اور الاؤں کے درمیان آ کر مل گئیں۔ اب وہ دوہری صف بنائے کھڑے تھے اور پھر وہ بھیانک شیطانی ناچ شروع ہوا۔ جس کو لفظوں میں بیان کرنا ناممکن ہے۔ حالانکہ اس میں ٹانگیں اچھالی جا رہی تھیں اور پیر پیچھے جا رہے تھے لیکن صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ رقص نہیں بلکہ ناٹک تھا۔ اس ناٹک کا موضوع ان وحشیوں کے مزاج کے مطابق تھا جو غاروں میں رہتے تھے انسانوں کا گوشت کھاتے تھے اور لاشوں کو بلا تکلف جلا کر روشنی کا انتظام کرتے تھے۔



پہلا ایکٹ تو ایک قتل عمد کے متعلق تھا اور پھر مجرم کو زندہ دفن کرنے اور اس کا دوبارہ قبر میں سے برآمد ہونے کا منظر پیش کیا گیا۔ اس وحشیانہ اور لرزہ خیز ڈرامے کا ہر منظر حیرت انگیز خاموشی سے پیش کیا جا رہا تھا۔ یہ خاموشی بذات خود لرزہ خیز تھی اور سچ تو یہ ہے کہ مجھے ٹھنڈے پسینے چھوٹ رہے تھے۔ ڈرامے کا ہر منظر مجرم یا شکار یا ہیرو کے گرد نہایت ہی پرزور اور جوشیلے رقص پر ختم ہوتا تھا لیکن یہ رقص بھی، خواہ کتنا ہی جوشیلا ہوتا، خاموش ہی ہوتا۔ مجرم کیفر کردار کو پہنچ کر انسانی الاؤ کے قریب زمین پر پڑا تڑپتا اور اس کے چاروں طرف رقاص ٹانگیں پھینک پھینک کر اور سر ہلا ہلا کر خاموشی سے ایک دائرے میں گردش کرتے۔

یکایک یہ رقص اور ناٹک ختم ہوا۔ کچھ گڑبڑ سی ہوئی اور دیو قامت اور مضبوط جسم والی عورت جسے میں رقص میں بڑے زور و شور سے حصہ لیتے دیکھ چکا تھا، رقاصوں کی صفوں کو چیر کر باہر آئی۔ وہ شرابیوں کی طرح جھوم رہی تھی اور آسیب زدہ کی طرح اپنا سر دھن رہی تھی۔ وہ اپنی موٹی اور برہنہ ٹانگیں ہوا میں اچھالتی ہماری طرف آئی۔ وہ ہماری طرف بڑھتے وقت چیخ رہی تھی۔

"کالی بکری لاؤ۔ مجھے کالی بکری چاہئے۔ مجھے کالی بکری کی ضرورت ہے۔ مجھے کالی بکری دو۔ کالی بکری لاؤ۔ کالی بکری لاؤ۔"

پھر وہ اوندھے منہ چٹانی فرش پر گری۔ اب اس کے منہ سے کف جاری تھا اس پر تشنج طاری تھا۔ وہ تڑپ رہی تھی اس کے اعضا اینٹھ رہے تھے اور وہ بھیانک آواز میں کالی بکری۔ کالی بکری چیخ رہی تھی۔ یہ منظر اتنا بھیانک اور گھناؤنا تھا کہ اسے تصور میں بھی لانا ممکن نہیں۔ فوراً ہی زیادہ تر رقاص سٹ کر اس عورت کے گرد جمع ہو گئے لیکن چند اب بھی پس منظر میں اچھل کود کرتے رہے۔

"اس میں شیطان گھس گیا ہے۔" کسی نے چیخ کر کہا۔ "دوڑ کر جاؤ اور بکری لے آؤ۔ ہاں بھئی شیطان۔ ایک ذرا صبر کرو۔ صبر کرو۔ کالی بکری مل جائے گی تمہیں اے شیطان! آدمی دوڑ گئے تمہارے لئے کالی بکری لانے۔

"مجھے کالی بکری چاہئے۔ مجھے کالی بکری کی ضرورت ہے۔ کالی بکری لاؤ۔" زمین پر لوٹتی اور منہ سے کف اڑاتی ہوئی عورت چلائی۔

"اچھا شیطان۔ اچھا شیطان۔ بکری کوئی دم میں آیا چاہتی ہے۔ ایک ذرا صبر و۔ بکری ایسی ہوگی جیسی تم چاہتے ہو۔ ذرا صبر کرو۔ بہت اچھے شیطان ہو تم۔ ایک ذرا صبر کرو۔"

یہ تماشا جاری رہا یہاں تک کہ قریبی کرال سے بکری پکڑ کر لائی گئی۔ اس ممیاتی ہوئی بکری کو سینگوں سے پکڑ کر زمین پر لوٹتی اور چیختی ہوئی عورت کے قریب لایا گیا۔

''لو بکری آ گئی۔''

''کالی بکری ہے یہ؟ کالی بکری ہے یہ؟'' اس عورت نے چیخ کر پوچھا جس میں شیطان گھس گیا تھا۔

''ہاں۔ ہاں بالکل کالی۔ اندھیری رات کی طرح کالی۔'' اور پھر ایک طرف ہٹ کر کہا گیا۔ اسے اپنے پیچھے رکھو تاکہ شیطان دیکھنے نہ پائے کہ اس کے پچھلے حصے پر ایک سفید داغ ہے اور دوسرا سفید داغ اس کے پیٹ پر ہے۔ ایک منٹ صبر کرو۔ میرے اچھے شیطان! ہاں اب گلا کاٹ دو اس کا۔ وہ طشتری کہاں ہے۔''

''بکری۔ بکری۔ مجھے کالی بکری کا خون دو۔ مجھے اس کے خون کی ضرورت ہے۔ تم لوگ دیکھ نہیں رہے کہ مجھے اس کے خون کی ضرورت ہے؟ ہائے۔ ہائے! کالی بکری کا خون لاؤ۔ خون لاؤ۔ خون لاؤ۔''

عین اس وقت ''میں۔ ایں۔ ایں'' کی چیخ نے گویا اعلان کر دیا کہ اس بیچاری بکری کو قربان کیا جا چکا ہے۔ فوراً ہی ایک عورت چوبی طشتری میں بکری کا خون لئے دوڑی آئی۔ زمین پر لوٹتی اور چیختی اور زمین پر سر دھنتی ہوئی آسیب زدہ عورت نے وہ طشتری دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر منہ سے لگائی اور ایک ہی وقت میں سارا کا سارا خون پی گئی۔ خون کے پیتے ہی اس میں گھسی ہوئی بدروح یا آسیب یا جن یا بھوت یا شیطان یا جو کچھ بھی وہ تھا اس کی تسکین ہو گئی۔ وہ اسے چھوڑ کر چلا گیا یا ماجر کے خیال کے مطابق اس کے جسم سے نکل گیا۔ اب وہ عورت اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے ایک انگڑائی لی، مسکرائی اور رقاصوں میں جا ملی اور تب وہ رقاص برابر دو قطاروں میں تقسیم ہو کر چلے گئے۔ اور اب ہمارے اور لاشوں کے الاؤ کے درمیان میدان خالی پڑا ہوا تھا۔

میں نے سوچا کہ اب یہ بھیانک کھیل، جس نے میری طبیعت مکدر کر دی تھی، ختم ہوا۔ چنانچہ میں رخصت کی اجازت لینے کے لئے ایشہ کی طرف گھومنے ہی والا تھا کہ ناگہاں اندھیرے میں سے ایک سایہ، جسے میں نے ابتدا میں بندر سمجھا، اچھلتا کودتا روشنی کے دائرے میں آ گیا۔ پھر دوسری طرف سے ایک شیر نکل آیا بلکہ یوں کہیے کہ ایک شخص آیا جس نے شیر کی کھال پہن رکھی تھی۔ پھر ایک



بھیڑ آئی۔ پھر ایک اور شخص آیا جس نے بیل کی کھال پہن رکھی تھی۔ وہ اپنے سینگ ہلا رہا تھا اس کے بعد ایک غزال آئی، ایک امپالا آیا، ایک بک آیا، ایک کوڈو آیا۔ پھر بہت سی بھیڑیں آئیں اور دوسرے بہت سے جانور آ گئے۔ ان میں ایک لڑکی بھی تھی جو چمکدار اژدہا بنی ہوئی تھی۔ جب یہ سارے بہروپئے آ گئے تو الاؤ کے گرد رقص کرنے لگے۔ ان میں سے ہر ایک اسی جانور کی آوازیں نکال رہا تھا جس کا بہروپ اس نے بھر رکھا تھا۔ یہاں تک کہ فضا بھیڑوں کے ممیانے، شیر کی دہاڑ سانپوں کی پھنکاروں اور دوسری مختلف قسم کی آوازوں سے پُر ہو گئی۔

یہ ہنگامہ بہت دیر تک جاری رہا یہاں تک کہ اس سے اکتا کر میں نے ایشہ سے کہا کہ اگر وہ اجازت دے تو میں اور لیو چل کر انسانی شعلوں کا معائنہ کر لیں۔ اس نے چونکہ اس پر کوئی اعتراض نہ کیا اس لیے ہم اٹھ کر بائیں طرف چل دیئے۔

ایک دو جلتی ہوئی لاشوں کے معائنے کے بعد ہمارے معدے الٹنے لگے چنانچہ ہم پلٹ کر جانے ہی والے تھے کہ ہماری نظر ایک رقاص پر پڑی۔ یہ ایک چیتا تھا یا یوں کہیے کہ وہ شخص تھا جس نے چیتے کی کھال پہن رکھی تھی۔ اس رقاص میں کوئی خاص بات تھی جس نے ہمیں اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ وہ دوسرے رقاص جانوروں سے الگ ہو کر ہمارے قریب آ گیا تھا اور ناچتا ہوا آہستہ آہستہ اس طرف بڑھ رہا تھا جہاں اندھیرا تھا یعنی دو سلگتی ہوئی ممیوں کے درمیان سے گزر کر ان کے پیچھے جا رہا تھا۔

چیتے کی اس غیر معمولی حرکت نے ہمارے شوق تجسس کو ہوا دی اور ہم بھی اس کے پیچھے چل دیئے۔ دفعتاً وہ چیتا بگولے کی طرح ہمارے قریب سے گزر کر اندھیرے میں پہنچ گیا اور اپنی ٹانگوں پر کھڑے ہو کر بولا:

''آؤ۔''

میں نے اور لیو نے اس آواز کو فوراً پہچان لیا۔ یہ استین تھی۔ مجھ سے کچھ بھی پوچھے یا مشورہ کئے بغیر لیو بے اختیار ہو کر استین کے پیچھے اندھیرے میں چل پڑا اور میں خوفزدہ ہو کر اس کے پیچھے لپکا۔ چیتا چاروں ہاتھوں اور پیروں پر چلتا ہوا کوئی بیس قدم آگے بڑھ گیا۔ اب وہ الاؤ اور لاشوں کے شعلوں کی روشنی کے حلقے سے باہر تھا اور یہاں لیو نے اس چیتے یا استین کو جا لیا۔

''ہائے میرے آقا۔'' میں نے استین کو سرگوشی میں کہتے ہوئے سنا۔ ''آخرکار میں نے تمہیں تلاش کر ہی لیا۔ سنو میرے آقا! وہ جس کا حکم ماننا ضروری ہے کی طرف سے میری جان کو خطرہ ہے۔ یقیناً

تمہارے ساتھ لنگور نے (یعنی میں نے، بالی نے) تمہیں بتا دیا ہوگا کہ اس نے یعنی ملکہ نے کس طرح مجھے تمہارے پاس سے ہٹا دیا تھا۔ میرے آقا! میں تم سے محبت کرتی ہوں اور اس علاقے اور ہمارے لوگوں کی رسم کے مطابق تم میرے شوہر ہو۔ میں نے تمہاری جان بچائی ہے۔ میں بھالوں کے سامنے تمہاری لیے سپر بن گئی تھی۔ لنگور اس کا گواہ ہے۔ اب تم مجھے نہیں چھوڑ سکتے میرے پیارے! میری جان!"

"کس نے کہا کہ میں تمہیں چھوڑ رہا ہوں؟" لیو نے کہا۔ "میں خود تمہیں تلاش کر رہا تھا۔ آؤ ہم چل کر ملکہ کو سب کچھ بتا دیں۔"

"نہیں۔ نہیں۔ وہ مجھے زندہ نہ چھوڑے گی۔ تم اس کی قوتوں سے واقف نہیں ہو۔ یہ لنگور البتہ واقف ہے کیونکہ یہ اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ چکا ہے۔ سنو! ہمارے لیے ایک ہی راستہ ہے، اگر تمہیں مجھ سے پیار ہے تو ہم اسی وقت بھاگ کر دلدلوں کے اس پار پہنچ جائیں گے اور پھر شاید ملکہ ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکے۔

"خدا کے لیے لیو—" میں نے کہنا شروع کیا لیکن اسٹین نے مجھے کچھ کہنے کا موقع ہی نہ دیا۔

"نہیں۔ اس کی بات نہ سنو۔" اس نے جلدی سے کہا۔ "جلدی کرو میرے آقا، جلدی کرو۔ ہم جس فضا میں سانس لے رہے ہیں اس میں بھی ہماری موت منڈلا رہی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت بھی ملکہ ہماری باتیں سن رہی ہیں اور ہمیں دیکھ رہی ہو، یہاں موت ہے۔ موت ہے۔"

اپنی درخواست کو اثر انداز بنانے کے لیے اس نے اپنی بانہیں لیو کی گردن میں ڈال دیں اور اس کے بازوؤں میں سمٹ گئی تب اس کے سر پر سے چیتے کا سر اس کے بالوں پر سے کھسک گیا اور میں نے اس کے بالوں پر ایشہ کے انگلیوں کے تین سفید نشان دیکھے جو تاروں کی روشنی میں دھندلے دھندلے نظر آ رہے تھے۔

نازک اور خطرناک صورت حال سے خوفزدہ ہو کر، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ لیو جذباتی جوان ہے، میں ایک بار پھر بولنے والا تھا کہ میں نے اپنے پیچھے سے ہنسی کی آواز سنی چاندی کی گھنٹیوں کی آواز۔

میں ایک دم سے گھوم گیا اور ساتھ ہی کانپ گیا۔

میرے پیچھے ایشہ کھڑی تھی۔ اس کے ساتھ بوڑھا بلالی تھا اور دو مرد گونگے بہرے خدمت گار بھی تھے۔

میں لڑکھڑا گیا، میرا اوپر کی سانس اوپر نیچے کی سانس نیچے رہ گئی اور میں بے ہوش ہوتے



ہوتے بچا کیونکہ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ اس صورت حال میں کوئی خوفناک المیہ یقیناً ہوگا اور المیہ کا پہلا شکار شاید میں ہی ہوں گا۔

رہی اسٹین تو اس نے اپنے محبوب کی آغوش سے الگ ہو کر اپنے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ لیے۔ اب رہا لیو تو چونکہ وہ صورت حال کی خوفناکی سے واقف نہ تھا اس لیے وہ صرف شرم سے سرخ ہو گیا اور اس شخص کی طرح بے وقوف نظر آنے لگا جو اپنی محبوبہ کے ساتھ بوس و کنار کرتا پکڑا جاتا ہے۔

☆☆

# بیسواں باب

## فتح

اس کے بعد خاموشی کا ایسا اذیت ناک وقفہ رہا کہ اس قسم کی اذیت اور بے چینی کا تجربہ مجھے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ اس خاموشی کو ایشہ نے توڑا جس نے کسی اور کو نہیں بلکہ براہ راست لیو کو مخاطب کیا۔

"نہیں نہیں۔ میرے آقا اور میرے مہمان!" اس نے بے حد نرم و شیریں آواز و لہجے میں کہا حالانکہ اب بھی اس لہجے میں کرختگی کی جھلک تھی۔ "یوں شرمندہ اور سرنگوں ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

یہ منظر بے حد خوبصورت تھا کہ شیر چیتے کو گلے لگائے ہوئے تھا۔

"اوہ۔ مارو گولی۔" لیو نے انگریزی میں کہا۔

"اور تم استین۔" ایشہ استین کی طرف گھوم گئی۔ "سچ تو یہ ہے کہ میں تمہیں نہ پہچانتی مگر بھلا ہو چاند کا اس نے عین وقت پر تمہارے سر پر کی تین سفید لکیروں کو اجاگر کر دیا۔" اس نے چاند کے گول کنارے کی طرف اشارہ کیا، جو افق سے ابھر رہا تھا۔ "ہوں۔ ہوں۔ رقص ختم ہوا۔ مشعلیں جل جلا کر ختم ہو گئیں۔ جس طرح کہ ہر چیز کا خاتمہ خاموشی اور راکھ پر ہوتا ہے جو چنانچہ تم نے سوچا کہ پیار کرنے کے لیے یہ بے حد مناسب وقت ہے۔ استین! میری کنیز! میرے تو خواب و خیال میں بھی نہ تھا کہ تم میری حکم عدولی کی جرأت کرو گی۔ میں تو سمجھے ہوئی تھی کہ اس وقت تک تم یہاں سے بہت دور پہنچ چکی ہو گی۔ لیکن آفریں ہے تمہیں۔"

"میرے ساتھ چوہے بلی کا کھیل نہ کھیلو۔" غریب استین نے کراہ کر کہا۔ "مار ڈالو مجھے اور یہ قصہ ختم کرو۔"

"نہیں نہیں۔ کیوں؟ محبت کے گرم لبوں سے اتنی جلد الگ ہو کر قبر کی سرد مٹی میں جانا اچھا نہیں۔"

پھر ایشہ نے اپنے گونگے بہرے خدمت گاروں کی طرف دیکھ کر اشارہ کیا۔
انھوں نے فوراً آگے بڑھ کر استین کو بازوؤں سے پکڑ لیا۔ ایک گالی کے ساتھ لیو جھپٹ پڑا



اور ایک گونگے بہرے کو باقاعدہ اٹھا کر پھینک دیا اور اس کے سینے پر ایک پیر رکھ کر اور گھونسہ تان کر تیار کھڑا رہا۔ اس کے بشرے سے مارنے مرنے والا ظلم عیاں تھا۔

ایشہ ہنسی۔ "خوب پھینکی دی ہے میرے معزز مہمان۔" وہ بولی۔ "بڑے طاقتور ہو تم حالانکہ ایک عرصے تک بیمار اور بستر سے لگے رہے ہو۔ لیکن میں درخواست کرتی ہوں کہ اس بیچارے پر رحم کرو، جان نہ لو اس کی اور میری سنو۔ یہ لڑکی کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔ رات کی ہوا سرد ہو چلی تھی اور میں اس لڑکی کو اپنی رہائش گاہ میں خوش آمدید کہتی ہوں کیونکہ جس چیز کو تم پسند کرو گے میں بھی اسے ہی پسند کروں گی۔ تمہاری خوشی میں میری خوشی ہے میرے آقا۔"

میں نے آگے بڑھ کر لیو کا بازو پکڑا اور اسے زمین پر پڑے ہوئے گونگے بہرے پر سے گھسیٹ لیا۔ لیو کچھ وحشت زدہ سا کچھ حیران سا میرے ساتھ گھسٹتا چلا آیا اور اس گونگے بہرے کی جان چھوٹی۔

اب ہم مرکزی غار کی طرف چل پڑے۔ میدان اب خالی پڑا تھا کیونکہ رقاص چلے گئے تھے اور اب اس میدان میں انسانی لاشوں کی، جو جل چکی تھیں، راکھ کے ڈھیروں کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔

چنانچہ ہم میدان اور پھر مرکزی غار عبور کر کے ایشہ کی خلوت گاہ میں پہنچ گئے اور مجھے یہ راستہ یعنی میدان سے خلوت گاہ تک کا بے حد مختصر معلوم ہوا غالباً اس لیے کہ جو کچھ ہونے والا تھا، اور کیا ہونے والا تھا، کے متعلق میں اپنے خیال میں غلطاں و پیچاں اور گرد و پیش سے بے خبر تھا۔

ایشہ اپنی مخصوص گدے دار کرسی میں بیٹھ گئی۔ اس نے بلالی اور جوب کو رخصت کیا۔ پھر گونگے اور بہرے خدمت گاروں کو اشارہ کیا کہ چراغ جلا کر وہ بھی چلے جائیں۔ البتہ ایک لڑکی کو جو ایشہ کی معتبر معلوم ہوتی تھی اس نے روک لیا۔ چنانچہ اب ہم تین اس کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ استین ہم سب سے قدرے بائیں طرف ہٹ کر کھڑی ہوئی تھی۔

"ہالی!" ایشہ نے کہا۔ "اب بتاؤ کہ یہ کیا بات ہوئی؟ خود تم نے سنا تھا کہ میں نے اس بدمعاش لڑکی کو۔" اور اس نے استین کی طرف اشارہ کیا۔ "یہاں سے چلے جانے کا اور فوراً چلے جانے کا حکم دیا تھا اور خود تمہاری درخواست پر اس کی جان بخشی کی تھی۔ پھر یہ کیا بات ہوئی کہ تم اس معاملے میں شریک تھے جو آج رات اور ابھی ابھی ہوا؟ جواب دو ہالی۔ اور سن لو کہ سچ بولنے میں ہی تمہاری بھلائی ہے کیونکہ اس معاملے میں نہ تو میں جھوٹ سننا چاہتی ہوں اور نہ ہی اسے برداشت کر سکوں گی۔"

"ایشہ! میں سچ کہتا ہوں کہ جو کچھ ہوا وہ ایک اتفاق تھا۔" میں نے جواب دیا۔

"شکر ہے کہ مجھے تمہاری سچائی کا یقین ہے۔ چنانچہ سارا قصور اس کا ہے اور گنہگار بھی یہ ہے۔" ایشہ نے کہا۔

"مجھے اس میں کوئی گناہ نظر نہیں آ رہا۔" لیو نے کہا۔ "یہ کسی اور کی بیوی نہیں ہے اور اس علاقے اور یہاں کے لوگوں کی رسم کے مطابق، معلوم ہوتا ہے کہ اس نے مجھ سے شادی کر لی ہے پھر کس کی حق تلفی ہوئی؟ کس سے بیوفائی کی اس نے؟ اور کس کو نقصان پہنچا؟ بہرحال خاتون! جو کچھ اس لڑکی نے کیا ہے وہی میں نے بھی کیا ہے چنانچہ اگر اسے سزا ملتی ہے تو مجھے بھی سزا ملنی چاہیے۔ اور یہ سن لو۔" لیو نے ایک دم سے غصہ ہو کر کہا۔ "کہ تمہارے کسی گونگے بہرے شیطان نے اس لڑکی کو انگلی بھی لگائی تو خدا کی قسم میں اس کے ٹکڑے اڑا دوں گا۔"

ایشہ نے لیو کی یہ تقریر اور غصیلی دھمکی سکون اور لرزا دینے والی خاموشی سے سنی اور کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ جب وہ خاموش ہوا تو اس نے اسٹین کو مخاطب کیا۔

"تمہیں کچھ کہنا ہے لڑکی؟ بیوقوف لڑکی! حقیر تنکے! بے حقیقت پر؟ حیرت ہے کہ تو نے میرے مقابل ہونے کی جرأت کی! تعجب ہے کہ ایک حقیر تنکے اور بے حقیقت پر نے میری قوت ارادی کو تیز و تند ہواؤں کے مد مقابل ہونے کی جرأت کی اور وہ بھی یہ جانتے ہوئے کہ اس کا انجام سوائے تباہی اور نیستی کے اور کچھ نہ ہوگا۔ بتاؤ۔ آخر میں بھی تو سنوں اور سمجھ سکوں کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟"

تب میں نے اخلاقی جرأت اور حیرت انگیز نڈر پن کی ایک ایسی مثال دیکھی جس کا بس تصور ہی کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس بے چاری اور مجبور لڑکی نے، جو جانتی تھی کہ اس خوفناک اور خودمختار ملکہ کے ہاتھوں اس کا انجام کیا ہوگا اور جو اس ملکہ کی لرزہ خیز قوتوں سے بھی نہ صرف واقف تھی بلکہ ان کا اسے تجربہ بھی ہو چکا تھا۔ ہاں۔ اس بے چاری اور مجبور لڑکی نے پتھر پگھلا دینے والی جرأت کا ثبوت دیا اور اپنی مایوسی اور ناامیدی کی گہرائیوں سے اس خودمختار اور فوق الفطرت قوتوں کی مالک ملکہ کے مقابلے میں ثابت قدم رہی۔

"میں نے یہ اس لیے کیا اے ملکہ!" اس نے تن کر کھڑے ہو کر اور چیتے کی کھال کو اپنے سر پر سے پیچھے پھینکتے ہوئے بے خوفی سے جواب دیا۔ "کہ میری محبت قبر سے زیادہ گہری ہے۔ میں نے ایسا اس لیے کیا کہ میری زندگی اس مرد کے بغیر، جسے میں نے اپنا شوہر منتخب کیا ہے موت سے بدتر ہوگی۔ چنانچہ میں نے اپنی جان کی پروا نہ کی، اور اب جب کہ میں جانتی ہوں کہ اس کی مجھے کیا سزا ملے گی لیکن



میں اس کے باوجود خوش اور مطمئن ہوں کیونکہ میرے شوہر نے مجھے گلے لگا لیا اور مجھ سے کہا کہ وہ اب بھی مجھ سے پیار کرتا ہے۔"

یہاں ایشہ اپنی کرسی پر سے ذرا سی اٹھی لیکن پھر بیٹھ گئی۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس وقت اس کے دل کی کیا حالت ہو رہی تھی۔

"میں نہ تو ساحرہ ہوں اور نہ ہی میرے پاس کوئی جادو ہے۔" اسٹین نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے بدستور بے خوفی سے کہا۔ "اور نہ تو میں ملکہ ہوں اور نہ ہی سالہا سال سے زندہ ہوں اور نہ ہمیشہ زندہ رہوں گی لیکن عورت کا دل اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ غرق نہیں ہوتا اور نظر اتنی تیز ہوتی ہے کہ وہ ہر چیز کے آر پار دیکھ سکتی ہے۔ حتیٰ کہ تمہارے نقاب کے آر پار بھی دیکھ سکتی ہے اے ملکہ۔"

"سنو اے ملکہ! میں جانتی ہوں اور اچھی طرح سے جانتی ہوں کہ تم خود اس جوان سے محبت کرتی ہو چنانچہ یقیناً تم میرا خاتمہ کر دو گی کیونکہ میں تمہارے اور تمہاری محبت کے درمیان حائل ہوں — ہاں، میں مر جاؤں گی، مر جاؤں گی، اندھیرے میں غائب ہو جاؤں گی لیکن نہیں جانتی کہ کہاں جاؤں گی لیکن اتنا ضرور جانتی ہوں کہ میرے دل میں ایک روشنی چمک رہی ہے اور اس روشنی میں جس طرح کہ چراغ جل رہا ہوں، میں حقیقت کو صاف دیکھ رہی ہوں اور وہ مستقبل جس میں میرا کوئی حصہ نہ ہوگا جس میں شریک نہ ہوں گی، میرے سامنے تہہ در تہہ کھلتا چلا جا رہا ہے۔ جب میں نے پہلی دفعہ اپنے آقا کو دیکھا۔" اور اس نے لیو کی طرف اشارہ کیا۔ "تو اسی وقت مجھے پتہ چل گیا تھا کہ اس کی طرف سے مجھے جو عروسی تحفہ ملے گا وہ موت ہی ہوگی۔ دفعتاً یہ حقیقت مجھ پر روشن ہو گئی تھی لیکن میں نہ گھبرائی نہ ہی میں نے قدم پیچھے ہٹائے اور میں اپنی محبت کی یہ قیمت ادا کرنے کے لیے یہ عروسی تحفہ حاصل کرنے کے لیے تیار ہو گئی اور دیکھو اب موت میرے سامنے اور بہت ہی قریب ہی ہے اور اس وقت جب کہ میں موت کی سرحد پر کھڑی ہوں، مجھ پر حقیقت روشن ہو رہی ہے کہ تم اپنے اس جرم سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکو گی، تمہیں وہ پھل نہ ملے گا جس کی طرف تم ایک بے گناہ کو کچلتی ہوئی بڑھ رہی ہو۔ یہ جوان میرا ہے اور حالانکہ تمہارا حسن تاروں میں چاند کی طرح چمک رہا ہے اور بے پناہ ہے اس کے باوجود یہ جوان میرا رہے گا۔ ہاں۔ اس دنیا میں یہ تمہاری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کبھی تمہیں اپنی بیوی نہ کہے گا۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ تمہارے دن ختم ہوئے تمہاری قسمت پر نہ ٹوٹنے والی مہر لگ گئی۔" اور اس کی آواز بلند ہو گئی اس ولیہ کی طرح جس پر مستقبل روشن ہو رہا ہو۔ "ہاں۔ میں دیکھ رہی ہوں کہ —

تب غصے اور خوف کی ایک چیخ سے غار کی چٹانی دیواریں لرز اٹھیں۔

میں نے گھوم کر دیکھا۔

الیشہ کرسی پر سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور اس نے اپنا ہاتھ بڑھا رکھا تھا اور استین کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ استین ایک دم سے یوں خاموش ہوگئی تھی جیسے اسے سانپ سونگھ گیا ہو۔

میں نے اس بے چاری لڑکی کی طرف دیکھا اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس کے بشرے پر وہی غمناک خوف اتر آیا جو میں نے اس وقت دیکھا تھا جس وقت اس نے بولنا شروع کیا تھا۔ اس کی آنکھیں پھیل گئیں، نتھنے پھیل گئے اور ہونٹ سفید ہو گئے۔

الیشہ نے کچھ نہ کہا۔ کوئی آواز نہ نکالی، وہ صرف اپنا قد کھینچ کر کھڑی رہی۔ اپنا بازو بڑھا کر استین کی طرف اشارہ کرتی رہی اور اس کا پورا قامت سفیدے کے پتے کی طرح تھر تھراتا رہا اور معلوم ہوا کہ اس کی نگاہیں اپنے شکار پر مرکوز تھیں۔

اور پھر کچھ ہوا۔

استین نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر اپنا سر تھام لیا، اس کے منہ سے ایک فلک شگاف چیخ نکلی، وہ لٹو کی طرح دو دفعہ پوری طرح سے گھوم گئی اور پھر ایک دھماکے کی آواز کے ساتھ غار کے سنگی فرش پر چت گری۔

میں اور لیو اس کی طرف لپکے۔

استین مر چکی تھی، اس کا جسم برفیلے پانی سے نکالے ہوئے پتھر کی طرح سرد تھا۔ کسی پر اسرار برقی قوت یا ناقابل برداشت قوت ارادی سے، جو اس کے اختیار میں نہ تھا، الیشہ نے استین کا خاتمہ کر دیا تھا۔

لمحہ بھر تو لیو کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا ہو گیا تھا لیکن جب اس کی سمجھ میں آیا تو اس کا چہرہ متغیر ہو کر خوفناک بن گیا۔ ایک گالی بک کر وہ استین کی لاش کے قریب سے اٹھا، گھوما اور اس نے صحیح معنوں میں الیشہ پر چھلانگ لگا دی۔

لیکن الیشہ دیکھ رہی تھی، وہ بے خبر نہ تھی، اس نے غصہ میں دیوانہ بنے ہوئے لیو کو اپنی طرف آتے دیکھا تو خاموشی سے اپنا بازو اس کی طرف لمبا کر دیا، بڑھتا ہوا لیو لڑکھڑا کر یوں پیچھے ہٹا جیسے کسی زبردست ہاتھ نے اسے پیچھے دھکیل دیا ہو۔ وہ مجھ سے ٹکرا گیا۔ اگر میں نے اسے تھام نہ لیا ہوتا تو وہ فرش



پر چت گرتا۔ بعد میں اس نے مجھے بتایا کہ اس نے یوں محسوس کیا تھا جیسے کسی نے اس کے سینے پر زبردست گھونسہ رسید کر دیا ہو اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ ایک دم سے بزدل بن گیا تھا جیسے اس کے جسم سے ساری مردانگی تحلیل ہو گئی ہو اور اس کے جسم میں کچھ نہ رہا ہو۔

تب الیشہ نے اپنی زبان کھولی۔

"میرے مہمان!" اس نے کہا۔ "اگر میں نے اپنے انصاف سے تمہیں صدمہ پہنچایا ہو تو مجھے معاف کر دو۔"

"معاف کر دوں! تجھے معاف کر دوں چڑیل!" لیو نے غصے میں غم اور مجبوری کے عالم میں ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "معاف کر دوں! تجھے! قاتلہ کو! خدا کی قسم اگر میرا بس چلا تو میں تیری جان لے لوں گا۔"

"نہیں نہیں۔" الیشہ نے ملائمت سے کہا۔ "تم سمجھتے نہیں۔ لیکن اب وقت آ گیا ہے کہ تم سب کچھ جان لو گے۔ سنو! تم میرا پیار ہو، تم میرے قالی قریط ہو، میری حیات ہو اور میری قوت ہو۔ قالی قریط! دو ہزار سال سے میں تمہارا انتظار کر رہی تھی اور اب تم آخر کار میرے پاس آ گئے ہو۔ رہی یہ عورت۔" اس نے استین کی لاش کی طرف اشارہ کیا۔ "تو یہ میرے اور تمہارے درمیان حائل تھی۔ چنانچہ اے قالی قریط! میں نے اسے خاک میں ملا دیا۔"

"کیا بکتی ہے تو! یہ جھوٹ ہے۔" لیو نے کہا۔ "میرا نام قالی قریط نہیں، میں لیو ہوں۔ لیو ونسی البتہ میرا جد امجد قریط تھا اور اس کا مجھے یقین ہے۔"

"ہاں۔ خود تم نے اپنی زبان سے اقرار کر لیا۔ تمہارا جد امجد قالی قریط تھا اور تم — تم بھی قالی قریط ہو۔ وہی قالی قریط۔ اس نے دوسرا جنم لیا ہے میرا بے حد پیارا آقا واپس آ گیا ہے۔"

"میں قالی قریط نہیں ہوں، رہا تمہارا آقا بننا یا تم سے واسطہ رکھنے کے بجائے میں کسی بھی دوزخی عفریت سے واسطہ رکھنا پسند کر دوں گا اور تم پر کسی بھی چڑیل کو ترجیح دوں گا۔"

"یہ تم کہہ رہے ہو؟ یہ تم کہہ رہے ہو قالی قریط؟ لیکن ٹھیک ہی ہے، تم نے مجھے صدیوں سے نہیں دیکھا ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ مجھے بھول گئے ہو گے۔ میں بے حد حسین ہوں قالی قریط۔"

"میں تم سے نفرت کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا۔ تمہارے حسن سے مجھے کوئی واسطہ نہیں۔"

"اس کے باوجود ایک ہی لمحہ بعد تم میرے قدموں میں پڑے قسمیں کھا رہے ہو گے کہ مجھ

سے محبت کرتے ہو۔" ایشہ نے دل لبھا لینے والی لیکن طنزیہ ہنسی ہنس کر جواب دیا۔ "آؤ اس سے بہتر موقع کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا، یہاں اس عورت کی لاش کے سامنے جو تمہاری محبت کا دم بھرتی تھی، ہم تمہارے دعوے کو آزمائے لیتے ہیں۔"

"قالی قریط! اب دیکھو میری طرف۔"

پھر اس نے ایک جھٹکے کے ساتھ اپنا اوپری سوتی لباس اتار پھینکا۔ اب وہ اپنے نیچے تک کے ہوئے اور ڈھیلے گریبان والے چغے میں ہمارے سامنے کھڑی تھی اور اس کی کمر پر بندھا ہوا سنہرا سانپ چمک رہا تھا۔ چکا چوند پیدا کر دینے والا اس کا حسن اور شاہانہ تمکنت و نزاکت۔ بجلیاں گرا رہی تھی وہ یوں کھڑی تھی۔ جیسے حسن کی دیوی وینس موجوں سے ابھی ابھی نکل کر آئی ہو یا جیسے کوئی حسین ترین روح مقبرے میں سے نکل آئی ہو۔

وہ بے حرکت کھڑی رہی اور اس نے اپنی آنکھیں لیو کی آنکھوں میں ڈال دیں اور میں نے دیکھا کہ اس کی بندھی ہوئی مٹھیاں یا گھونسے آہستہ آہستہ کھلتے گئے اور اس کے غصے سے کانپتے ہوئے ہونٹ اور پھڑکتے ہوئے نتھنے ساکت ہو گئے۔ میں نے اس کے غصہ پر حیرت کو اور حیرت پر پسندیدگی کو غالب آنے اور پھر پسندیدگی کو طلب میں تبدیل ہوتے دیکھا اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ لیو جتنا اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کر رہا تھا، ایشہ کا حسن اس سے دگنی قوت سے اسے اپنے اثر میں لے رہا تھا، اس کے دل و دماغ پر قبضہ کر رہا تھا، اسے بے خود کر رہا تھا اور اس کے دل کو شدت سے اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔

اس میں میرے لیے تعجب کی کوئی بات نہ تھی کیونکہ خود مجھے اس سحر کا تجربہ ہو چکا تھا، میں خود بے اختیار ہو چکا تھا۔ حالانکہ میری عمر لیو سے دگنی تھی اور سچ تو یہ ہے کہ اس وقت بھی میں اسی عمل سے گزر رہا تھا حالانکہ اس دفعہ ایشہ کی نظر میرے لیے نہ تھی، وہ میرے لیے بے نقاب نہ ہوئی تھی اور وہ مجھے نہ لبھا رہی تھی۔ میں نہایت افسوس کے ساتھ یہ اعتراف کر رہا ہوں کہ اس وقت میرا دل رشک و رقابت کی شدت سے پھٹا جا رہا تھا اور میں غصے اور حسد سے پاگل ہوا جا رہا تھا۔ اگر میرا بس چلتا تو اس وقت میں لیو پر ٹوٹ پڑتا اور اس کے ٹکڑے اڑا دیتا۔ یہ سطور لکھتے وقت میرا سر شرم سے جھک گیا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ میں ایسا ہی پاگل ہو رہا تھا۔ اس ساحرہ نے میری ساری سمجھ بوجھ، ساری شرافت اور سارے اخلاق کو جلا دیا تھا۔ اس میں میرا قصور نہ تھا۔ جو بھی اسے دیکھتا، اگرچہ پیر صد سالہ اسے دیکھتا تو اس کی بھی یہی حالت ہو جاتی جو میری ہو گئی تھی —— تو ایسا تھا اس کا ملکوتی حسن لیکن میں نہیں جانتا



کہ کس طرح۔ میں نے اپنے آپ پر قابو حاصل کیا اور المیہ کی انتہا دیکھنے کے لیے لیو کی طرف گھوم گیا۔

"میرے خدا!" لیو نے کہا۔ "کون ہو تم؟ عورت یا "

"عورت ہوں۔ حقیقت میں عورت ہوں، سو فیصد عورت ہوں۔" ایشہ نے جواب دیا۔" اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ خود تمہاری بیوی ہوں قالی قریط۔"

پھر وہ اپنے مرمریں بازو لیو کی طرف پھیلا کر یوں دل ربائی سے مسکرائی کہ دل بے قابو ہو گیا۔

لیو بت بنا اس کی طرف دیکھتا رہا، بس دیکھتا رہا اور پھر آہستہ آہستہ، جیسے بے اختیار ہو کر، اس کی طرف بڑھا۔ یکایک اس کی نظر استین کی لاش پر پڑی۔ وہ کانپ گیا اور اس کے قدم رک گئے۔

"یہ میں کیا کر رہا ہوں؟" اس نے بیٹھی ہوئی آواز میں کہا۔ "تم قاتلہ ہو، یہ لڑکی مجھ سے پیار کرتی تھی۔"

لیو نے کہا۔ "یہ لڑکی مجھ سے پیار کرتی تھی، یعنی وہ یہ بھول رہا تھا کہ خود بھی اس سے پیار کرتا تھا جس کا وہ اقرار کر چکا تھا۔

"یہ کوئی بات نہیں ہے۔" ایشہ نے آہستہ سے کہا اور اس کی آواز ایسی تھی جیسے رات کی ہوا پتوں میں سے گزر رہی ہو۔ "یہ کوئی اہم بات نہیں ہے، اگر میں نے گناہ کیا ہے تو میرے حسن کو اس کا کفارہ ادا کرنے دو، اگر تمہارا دل زخمی ہوا ہے تو میرا حسن اس پر پھاہا رکھ دے گا اور اگر میں نے گناہ کیا ہے تو تمہاری محبت میں کیا ہے چنانچہ اے قالی قریط! میرے گناہ کو بھول جاؤ کہ کوئی گناہ نہیں ہے کیونکہ جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز ہے۔"

ایک بار پھر اس نے اپنے دونوں بازو پھیلا دیئے اور سرگوشی میں کہا۔

"آؤ۔"

چند لمحوں میں ہی یہ قصہ انجام تک پہنچ چکا تھا۔

میں نے لیو کو اپنے آپ سے جدوجہد کرتے دیکھا حتیٰ کہ میں نے اسے فرار ہونے کی غرض سے گھومتے دیکھا لیکن ایشہ کی نظروں کی پکڑ آہنی بندھنوں سے بھی زیادہ مضبوط تھی۔ وہ اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی اور ایشہ کے حسن کا سحر، اس کی نظروں کا اثر اور اس کا جذبہ لیو میں سرایت کر کے اسے بے بس کر رہا تھا اور وہ بے اختیار اس کی طرف کھنچا جا رہا تھا، اس جگہ بھی جہاں اس کی لاش پڑی ہوئی تھی

جو اس پر سے قربان ہو گئی تھی۔

آپ کو لیو کی یہ حرکت خود غرضانہ اور خوفناک معلوم ہوتی ہوگی لیکن یقین کیجئے کہ لیو بے قصور تھا، وہ کسی بھی الزام سے بری تھا اور یقین کیجئے اس کے گناہ گارانہ جذبے نے اسے دبوچ لیا تھا۔ وہ ساحرہ جو اسے گرد و پیش سے بے خبر اور بےخود کر رہی تھی وہ فوق الفطرت قوتوں کی مالک تھی، فوق البشر تھی اور اس کا حسن انسان کی بنی سے سو گنا، ہزار گنا بڑھ کر تھا۔

میں نے پھر دیکھا۔

اب عائشہ کا سڈول اور حسین جسم لیو کی آغوش میں تھا اور اس کے ہونٹ لیو کے ہونٹوں سے چسپاں تھے۔ یوں لیو ونسی نے اپنی مری ہوئی محبوبہ کی قربان گاہ بنا کر اور اس کی لاش کے سامنے پراسرار ساحرہ عائشہ سے پیمانِ وفا باندھ لیا— اور یہ پیمان وفا ہمیشہ کے لیے تھا کیونکہ وہ لوگ جو اپنی عزت و آبرو یوں داؤں پر لگا دیتے ہیں، یوں اپنے آپ کو فروخت کر دیتے ہیں اور بے قابو ہو کر اپنی روح کو پلڑے میں پھینک دیتے ہیں اور اسے اپنے شہوانی جذبہ کی سطح تک جھکا دیتے ہیں پھر اس کی نجات مشکل ہوتی ہے۔ پھر وہ اس سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتے۔ وہ ایک بیج ڈالتے ہیں اور اس کے پھل بس توڑتے رہتے، توڑتے ہی رہتے ہیں اور اس وقت بھی جب ان کے لگائے ہوئے پودے کے پھول ان کے ہاتھوں میں مرجھا جاتے ہیں اور ان کے ثمر تلخ ہو جاتے ہیں۔ ہاں تب بھی وہ چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتے، کوشش کے باوجود نہیں کر سکتے۔

دفعتہً وہ سانپ کی طرح بل کھا کر لیو کی آغوش سے جیسے پھسل کر نکل آئی اور ایک بار پھر وہ فتح مندی سے طنزیہ ہنسی اور استین کی لاش کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"میں نے نہیں کہا تھا کہ چند لمحوں بعد ہی تم میرے قدموں میں ہو گے قالی قریط اور دیکھو! میں نے غلط نہیں کہا تھا۔"

لیو شرم و خجالت سے کراہنے لگا حالانکہ وہ مدہوش تھا۔ وہ شکست کھا چکا تھا لیکن اس کے حواس ابھی بھی معطل نہ ہوئے تھے کہ وہ یہ نہ سمجھ سکتا کہ اس نے بڑی ذلیل حرکت کی تھی اور یہ کہ وہ ذلت کی انتہائی پستیوں میں جا پڑا تھا۔ اس کے برخلاف اس کی خودداری پوری طرح سے مسلح ہو کر اس کی ذلت کے دفاع کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھی جیسا کہ اس رات مجھے معلوم ہو جانے والا تھا۔

عائشہ تیسری دفعہ ہنسی اور پھر اپنے چہرے پر جلدی سے نقاب ڈال کر وہاں کھڑی ہوئی ایک گونگی



بہری لڑکی کو اشارہ کیا جو اس عجیب منظر کو حیرت اور دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ لڑکی فوراً پلٹ کر چلی گئی۔ چند ثانیوں بعد ہی وہ واپس آئی تو اس کے ساتھ دو گونگے بہرے مرد تھے۔ ان دونوں کی طرف دیکھ کر عائشہ نے پھر اشارہ کیا۔ اس پر وہ مرد اور لڑکی جھک کر استین کی لاش کے دونوں بازو پکڑ کر اسے کھینچتے ہوئے لے چلے۔ لیو اس کی طرف کچھ دیر تک دیکھتا رہا اور پھر دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھک لیا— استین کی بے نور آنکھیں بھی جیسے ہماری طرف دیکھ رہی تھیں۔ کم سے کم مجھے تو ایسا ہی معلوم ہوا۔

"او! مردہ ماضی رخصت ہوا۔" جب لاش کو خلوت گاہ سے باہر لے جایا جا چکا اور پردے واپس گر گئے تو عائشہ نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

پھر اسی وحشت انگیز مزاج کی تبدیلی سے، جس کا ذکر میں کر چکا ہوں، اس نے ایک بار پھر نقاب اتار پھینکی اور عرب کے قدیم بدوؤں کی رسم کے مطابق ایک نغمہ فتح یا نغمہ خوشی تحت اللفظ میں کہا جو بے حد اثر انگیز تھا اور اس میں ایسی غنائیت اور رز ور تھا کہ اسے ترجمہ کرنا مشکل ہے۔ یہ تو گانے اور سننے سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ اس نغمہ کے دو حصے تھے، ایک بیانیاتی تھا اور دوسرا ازاتیاتی۔ جہاں تک مجھے یاد ہے وہ یوں تھا۔

"محبت صحرا میں کھلے ہوئے پھول کی طرح ہے
یہ عرب کے ایلوے (درخت) کی طرح ہے جو صرف
ایک دفعہ
مہکتا ہے اور پھر مر جاتا ہے
یہ کھلتا ہے اور مہکتا ہے زندگی کے شور ویرانے میں
اور اس کے حسن کی دمک زندگی کے خالی پن کو یوں للکار دیتی ہے
جس طرح طوفانی اندھیرے کو صرف ایک تارہ دمکا دیتا ہے
اور اس کے اوپر ایک سورج ہے جو روح ہے
اور اس کے گرداگرد تقدس کی ہوا چھلکتی ہے۔
قدم کی چاپ سے محبت کا پھول کھل اٹھتا ہے
اور میں کہتی ہوں، ہاں میں کہتی ہوں کہ محبت مہکتی ہے
اور اپنا حسن اس کے سامنے جھکا دیتی ہے جو قریب سے گزرتا ہے

اور گزرنے والا اسے توڑ لیتا ہے

ہاں محبت کے اس پیالے کو اٹھا لیتا ہے جو شہد سے بھرا ہے

اور پھر وہ محبت کے اس پھول کو سونگھتا رہتا ہے

شہد کی اس مٹھاس کو اپنے جسم اور اپنی روح میں سموتا رہتا ہے

اور اسے لے کر وہ چلتا رہتا ہے، بے بس بے خود اور مست، چلتا رہتا ہے

یہاں تک کہ صحرا پیچھے چھوٹ جاتا ہے، یہاں تک کہ ویرانیاں بہت پیچھے رہ جاتی ہیں

ہاں! زندگی کے ویرانے میں صرف ایک پھول مکمل ہے اور حسین ہے۔

— محبت کا پھول ہے وہ

زندگی کی آوارہ گردیوں میں اور دھندلکوں میں صرف ایک روشنی ہے

محبت کی روشنی ہے وہ

زندگی کی اندھیرے اور مایوس رات میں صرف ایک امید ہے جو ہمیں سہارا دیے ہوئے ہے

وہ امید ہے محبت

باقی سب جو ہے جھوٹ ہے، فریب ہے، بیکار ہے

سایہ ہے جو پانی پر حرکت کرتا ہے، گزر جاتا ہے

ہوا ہے جو خلاؤں میں بہتی ہے

محبت ہے جو کچھ ہے، باقی سب بے حقیقت ہے، حقیر ہے

کون کہہ سکتا ہے کہ محبت کیا ہے؟

وہ گوشت پوست سے جنم لیتی ہے

لیکن روح میں رہتی اور بالیدگی بخشتی ہے

اور دونوں

جسم اور روح

اس سے سکون حاصل کرتے ہیں

کیونکہ حسن تارے کی طرح ہے

اور بہت سے روپ ہیں اس کے



لیکن ہر روپ حسین ہے

اور کوئی نہیں جانتا کہ یہ تارہ کہاں سے طلوع ہوا

اور نہ ہی کوئی اس افق سے واقف ہے جہاں یہ غروب ہوگا

اب ایشہ لیو کی طرف گھوم گئی، اپنا ایک ہاتھ اس کے شانے پر رکھا اور اب وہ جو کہہ رہی تھی لیو کو مخاطب کر کے وہ نثر اور نظم کے درمیان کوئی چیز تھی جس کے جملے نپے تلے اور مرصع تھے اور اب ایشہ کی آواز بھی زیادہ بلند تھی اور لہجہ بھی زیادہ فتحمندانہ تھا۔

"اے میرے پیار! میں صدیوں سے تجھ سے محبت کرتی ہوں

لیکن میری محبت کی شدت جوں کی توں قائم ہے، کوئی فرق نہیں آیا اس میں

میں صدیوں تک انتظار کرتی رہی ہوں تیرا اور دیکھ اس کا پھل مجھے مل گیا

کہ تو میرے سامنے ہے

بہت پہلے میں نے تجھے دیکھا تھا اور اس وقت تجھ کو مجھ سے چھین لیا گیا تھا

اور پھر میں نے قبر میں صبر کا بیج بویا اور اس پر امید کے سورج کو چمکایا

اور اسے افسوس اور کفارے کے آنسوؤں کا پانی پلایا

اور اس پر اپنے علم کی ہوائیں چلائیں

ہاں اس طرح میں نے اسے سینچا

اور دیکھو! اس کا پودا پھوٹا اور وہ پھل لے آیا۔

دیکھو! وہ جڑ سے پیدا ہوا

ہاں دیکھو! وہ موت کی خشک ہڈیوں اور راکھ میں سے نکل آیا

میں نے انتظار کیا اور اس کا انعام مجھے مل گیا

میں نے موت پر اختیار حاصل کیا

اور موت میرے لیے وہ تحفہ لے آئی جو لے گئی تھی

اس لیے میں خوش ہوں کہ مستقبل درخشاں ہے

وہ راستہ شاداب ہے جو ہم لامتناہی ہریالی میں طے کریں گے

رات اندھیری اور گہری وادیوں میں اتر گئی اور صبح طلوع ہو رہی ہے

صبح پہاڑوں کا ماتھا چوم رہی ہے

اے میرے پیارے! ہمارے سروں پر پیار و محبت کے تاج ہوں گے
ہمارے سروں پر دنیا کے حیرت زدہ لوگ تاج رکھیں گے
اور ہمارے سامنے سر جھکائیں گے
ہماری عظمت اور ہمارا حسن ان کی نظر کو خیرہ کردے گی
وقت گزرتا جائے گا اور اس کے ساتھ ہماری عظمت بڑھتی رہے گی
ہماری زندگی کا خاتمہ نہ ہوگا
اور ہم فتح کی خوشی میں ہنستے کھیلتے زندگی کے لامتناہی میدانوں میں
چلتے رہیں گے اور ہنستے رہیں گے
اور ایک کے بعد ایک کامیابی ہمارے قدم چومتی رہے گی
اور زبردست قوتیں ہمیں اختیار ہوتی رہیں گی
ہم نہ تھکیں گے، بس آگے بڑھتے رہیں گے اور بوڑھا وقت
اور ظالم زمانہ اور دنیا کی گردشیں ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گی
یہاں تک کہ ہماری خوشیاں مکمل ہو جائیں گی
اور رات اندھیری اور گہری وادیوں میں ہمیشہ کے لیے اتر جائے گی۔

پھر وہ خاموش ہوگئی۔ اس نے اپنا اثر انگیز اور سنسنی خیز نغمہ بند کیا اور لیو سے کہا:

"قالی قریط! شاید تم میری باتوں پر یقین نہیں کر رہے ہو۔ شاید تم سمجھ رہے ہو کہ میں تمہیں سبز باغ دکھا رہی ہوں۔ تم سوچ رہے ہو کہ میں دو ہزار سال سے زندہ نہیں ہوں اور یہ کہ تم نے دوسرا جنم نہیں لیا ہے۔ نہیں یوں نہ دیکھو۔ میری طرف سے تمہارے دل میں شک ہے تو اسے نکال پھینکو۔ اور یقین کرو کیونکہ یہاں شک اپنے قدم نہیں جما سکتا۔ قالی قریط! سورج مغرب سے نکل سکتا ہے اور ابابیل اپنا گھونسلہ بھول سکتی ہے لیکن یہ ممکن نہیں کہ میں جھوٹ کہوں اور تمہیں ورغلاؤں۔ میرے قالی قریط! مجھے اندھا کردو، میری آنکھیں نکال لو، میری دنیا اندھیری بن جائے اس کے بعد بھی میں تمہاری بھولی ہوئی آواز کو پہچان لوں گی۔ میرے کان بھی بند کردو، قالی قریط! لیکن اپنی ہوا میرے ماتھے سے چھونے دو اور میں ہزاروں میں تمہیں پہچان لوں گی۔ ہاں مجھے ہر حسن سے محروم کردو۔ نہ میں دیکھ سکوں، نہ سن سکوں، نہ



بول سکوں اور نہ محسوس کر سکوں۔ اس کے بعد بھی میری روح میرے دل میں ہوشیار اور تیز بچے کی طرح اچھل کود کر کے کہے گی "دیکھو وہ کھڑا ہے قالی قریط! دیکھو اسے انتظار کرنے والی تیرے انتظار کی اداسی اور تمہاری راتیں ختم ہوگئیں۔ دیکھو کہ تو رات کے اندھیرے میں بھٹکتی رہی ہے اب تیرے لیے ستارۂ صبح طلوع ہو گیا ہے۔"

وہ خاموش ہوگئی اور چند ثانیوں بعد پھر بولی۔

"شاید اب بھی تمہیں میری باتوں پر یقین نہیں آ رہا ہے۔ شاید اس کا تم کوئی ظاہری ثبوت چاہتے ہو، بہت اچھا میرے قالی قریط! میں ثبوت تمہیں دکھاؤں گی اور تمہیں ہالی! تاکہ تمہارے شکوک دور ہو جائیں اور تم دونوں جان لو کہ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں اس میں جھوٹ کا شائبہ تک نہیں۔ تم دونوں ایک ایک چراغ اٹھالو اور میرے پیچھے آؤ۔"

چنانچہ یہ تک سوچے بغیر کہ وہ ہمیں کہاں لے جانا چاہتی ہے یا کیا دکھانا چاہتی ہے ہم دونوں نے ایک ایک چراغ اٹھالیا۔ میں اپنے متعلق کہتا ہوں کہ میری سمجھ بوجھ اور پیش اندیشی پر حیرت اور شوق تجسس غالب آ گیا تھا۔

ہم ائشہ کے پیچھے چل دیئے۔ اس نے ایک پردہ اٹھایا تو اس کے دوسری طرف ایک تنگ زینہ تھا جو ان زینوں سے مختلف نہ تھا جو کور کے غاروں میں پائے جاتے تھے۔ جب ہم یہ زینہ اتر رہے تھے تو میں نے خصوصیت سے ایک بات دیکھی۔ یعنی یہ کہ زینے کی سیڑھیاں بیچ میں سے ساڑھے تین انچ تک گھس گئی تھیں حالانکہ ان کی بلندی بھی میرے اندازے کے مطابق، ساڑھے سات انچ تک رہی ہوگی اس کے مقابلے میں دوسرے غاروں میں جو زینے تھے ان کی سیڑھیاں ذرا بھی گھسی ہوئی نہ تھیں کیونکہ ان زینوں پر کی آمدورفت صرف انہی لوگوں تک محدود رہی تھی جو لاشوں کو اٹھا کر مقبروں میں رکھتے تھے۔ اس کے بعد کوئی یہ زینے نہ اترا تھا۔ اس لیے ان سیڑھیوں کا گھس جانا مجھے عجیب معلوم ہوا۔

چنانچہ یہ زینہ اترنے کے بعد ان کے قدموں میں کھڑے ہو کر میں نے سیڑھیوں کی طرف حیرت سے دیکھا تو ائشہ میری طرف گھوم گئی۔

"میرے ہالی۔" اس نے کہا۔ "تم سوچ رہے ہو گے کہ کس کے قدموں نے ان سیڑھیوں کو گھس دیا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں یہاں آئی تھی تو یہ سیڑھیاں گھسی ہوئی نہ تھیں اور اپنی اصلی حالت پر تھیں، لیکن دو ہزار سال سے میں یہ سیڑھیاں ہر دن اترتی اور چڑھتی رہی ہوں اور میرے پائے تابوں

نے انہیں گھس دیا ہے۔"

میں نے کوئی جواب نہ دیا لیکن مجھے یاد ہے کہ پہلے کسی بات نے مجھے یقین نہ دلایا تھا کہ ایشہ دو ہزار سال سے زندہ ہے لیکن ان گھسی ہوئی سیڑھیوں نے اس کے اس دعوے کی تصدیق مکمل طور پر نہ سہی بہت حد تک ضرور کر دی اور میں یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ دو ہزار برسوں میں یہ پراسرار عورت کتنی ہزار دفعہ یہ زینہ اتری اور چڑھی ہوگی۔

زینے کے بعد ایک سرنگ تھی اور اس کے دہانے سے چند قدم آگے ایک پردہ پڑا ہوا تھا۔ پہلی ہی نظر میں میں نے اسے پہچان لیا۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں میں نے ایک رات ایشہ کو الاؤ کے سامنے کھڑے اور کسی مردے پر لعنت بھیجتے دیکھا تھا۔ مجھے پردوں کی ساخت یاد تھی۔ چنانچہ مجھے وہ بھیانک اور وہ لرزہ خیز منظر یاد آ گیا اور مجھے اعتراف ہے کہ میں کانپ گیا۔

ایشہ مقبرے میں داخل ہوگئی — کیونکہ یہ مقبرہ ہی تھا — اور ہم اس کے پیچھے تھے۔ میں اپنے متعلق کہتا ہوں کہ میں خوش تھا کہ اس مقبرے کے اسرار اب مجھ پر ظاہر ہونے والے تھے لیکن ساتھ ہی ساتھ خوفزدہ بھی تھا کہ خدا جانے کیا ہو۔

☆☆



## اکیسواں باب

# ایک مردہ، ایک زندہ

"دیکھو! یہ ہے میری خواب گاہ۔ پچھلے دو ہزار سال سے میں اسی جگہ سوتی آئی ہوں۔" ایشہ نے کہا۔

پھر اس نے لیو کے ہاتھ سے چراغ لے کر اسے اوپر اٹھایا اور اس کی روشنی فرش میں بنے ہوئے کھڈ پر پڑی جس میں، اس بھیانک رات، میں نے اس الاؤ کو جلتے دیکھا تھا جس کے شعلے ایشہ کے بازو اوپر اٹھانے اور پھر نیچے لانے سے بڑی فرماں برداری سے اوپر کی طرف لپک جاتے اور بیٹھ جاتے تھے۔

اس چراغ کی روشنی اس شبیہ پر بھی پڑی جو سفید چادر میں لپٹی ایک لمبے طاق میں پتھر کی سل پر لیٹی ہوئی تھی۔ اس چراغ کی روشنی نے ان تصویروں کو بھی روشن کر دیا جو مقبرے کی چٹانی دیواروں پر بنی ہوئی تھیں اور اس دوسرے لمبے طاق کو بھی نمایاں کر دیا جو پہلے طاق کے، جس پر سفید چادر سے ڈھکی ہوئی شبیہ تھی، عین مقابل تھا اور اس میں بھی پتھر کی سل تھی۔

"یہاں"۔ ایشہ نے دوسرے طاق کی خاص سل پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"میں صرف ایک لبادے میں اپنے آپ کو لپیٹ کر صدیوں سے سوتی رہی ہوں۔ میں نرم بستر پر کیسے سو سکتی ہوں جب کہ میرا محبوب۔" اور اس نے دوسرے طاق میں لیٹی ہوئی بے حس و حرکت شبیہ کی طرف اشارہ کیا۔ موت کی نیند میں سخت اور اکڑا ہوا سو رہا ہو۔ ہاں۔ دو ہزار سال سے میں یہاں اپنے مردہ محبوب کے ساتھ سوتی رہی ہوں اور بیقراری سے کروٹیں بدلتی رہی ہوں۔ چنانچہ تم دیکھ سکتے ہو۔ زینے کی سیڑھیوں کی طرح پتھر کی یہ سل بھی میری بیقرار کروٹوں سے گھس گئی ہے۔ قالی قریط! دیکھو۔ تم مر گئے تھے لیکن میں تمہاری وفادار رہی ہوں۔ اس کا ثبوت یہ گھسی ہوئی سل ہے۔ کبھی کوئی عورت اپنے محبوب کی ایسی وفادار نہ رہی ہوگی جیسی کہ میں رہی ہوں۔ اور اب میرے سرتاج! تم ایک عجوبہ دیکھو گے۔ تم زندہ ہو، تاہم تم اپنا مردہ جسم دیکھو گے کیونکہ۔ قالی قریط! میں دو ہزار برسوں سے تمہاری لاش کی

خبر گیری اور حفاظت کرتی رہی ہوں۔ تو تیار ہو تم؟"

ہم نے کوئی جواب نہ دیا البتہ ایک دوسرے کی طرف خوفزدہ نظروں سے دیکھا کیونکہ یہ منظر دہشت ناک تھا اور جو کچھ ہونے والا تھا وہ اہم تھا۔

ایشہ نے آگے بڑھ کر طاق میں لپٹی ہوئی شبیہ کے کفن کے کونے پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا۔

"ڈرو نہیں۔" وہ ہم سے مخاطب تھی۔" حالانکہ یہ معاملہ تمہیں حیرت انگیز اور ناقابل یقین معلوم ہوگا، لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ ہم جس طرح آج زندہ ہیں اسی طرح پہلے بھی کبھی زندہ تھے اور اسی شکل وصورت میں زندہ تھے البتہ اس سے ہم واقف نہیں کیونکہ یادکوئی تحریری یادداشت نہیں رکھتی اور مٹی اسی مٹی میں مل جاتی ہے جس سے ہم بنائے گئے ہیں، کیونکہ ہمیں اور ہماری عظمت کو قبر سے کوئی بچا نہیں سکتا، لیکن میں اپنے علم اور شہر کور کے مرے ہوؤں کے علم سے، جو میں نے یہاں سیکھا ہے، تمہیں دوبارہ زندہ دیکھ رہی ہوں۔ قالی قریط ہاں، ایک بار پھر تم اسی وضع وصورت میں اور اپنے اسی مردانہ حسن کے ساتھ خاک سے دوبارہ اٹھ کر میرے پاس آگئے ہو اور میں تمہیں اس لیے بھولی نہیں ہوں کہ تمہاری پہلی موت کے بعد سے لے کر اب تک تمہاری دوبارہ حیات ہونے تک زندہ رہتی ہوں۔ میں وہ نیند نہیں سوئی ہوں جسے موت کہتے ہیں اور جو پچھلی تمام یادداشتوں کو یکسر مٹا دیتی ہے۔ میں زندہ رہی، چنانچہ تمہیں نہ بھولی۔ تم موت کی طویل نیند سونے کے بعد بیدار ہوئے۔ چنانچہ مجھے بھول گئے۔

"تو اب دیکھو قالی قریط کہ زندہ اور مردہ کی ملاقات ہوتی ہے۔ وقت کی وسیع خلیج درمیان میں حائل ہے اس کے باوجود دونوں ایک ہیں۔ وقت انفرادیت کو مٹا دینے کی طاقت نہیں رکھتا البتہ طویل نیند یادوں کی لوح کو صاف کر دیتی ہے اور ان تکالیف اور غموں پر نہ ٹوٹنے والی مہر لگا دیتی ہے جو ہم نے اپنی زندگی میں برداشت کیے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ان تکلیفوں اور غموں کی یاد ہمیں ہر حیات نو میں آسیب بن کر پریشان کرتی اور یہاں تک پریشان کرتی کہ آخرکار ہمارا دماغ اپنے مرکز سے ہٹ جاتا اور ہم پاگل ہو جاتے چنانچہ وہ طویل نیند جسے موت کہتے ہیں اس صورت میں ہمارے لیے رحمت ہے۔

"ڈرو نہیں قالی قریط! اور اپنا دل مضبوط کرو۔ ہاں اس وقت بھی خوفزدہ نہ ہونا جب کہ تم جو زندہ ہو اور اس زمانے میں اور چند برسوں پہلے پیدا ہوئے ہو، اپنی لاش کو دیکھو گے، ہاں اپنے اس روپ کو دیکھو گے جو دو ہزار برس پہلے تمہاری طرح ہی زندہ تھا اور اسی دنیا میں سانس لے رہا تھا۔ میں تمہاری کتاب وجود کا صرف ایک ورق الٹ رہی ہوں اور دکھا رہی ہوں کہ اس پر کیا لکھا ہے۔



"اور دیکھو۔"

پھر اس نے ایک جھٹکے سے سل پر لیٹی ہوئی شبیہ پر سے کفن کھینچ لیا اور اپنے چراغ والے ہاتھ کو یوں بلند کیا کہ اس چراغ کی پوری روشنی اس پر پڑی جو کفن کے نیچے تھا۔

میں نے دیکھا اور بے اختیار لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا۔

کیونکہ میں نے جو کچھ دیکھا وہ بھیانک اور حیرت انگیز تھا۔ ایشہ نے جو کچھ کہا تھا وہ میری فہم سے بالاتر تھا۔ زندگی اور وجود اور نئے جنم وغیرہ کا اس کا فلسفہ میری سمجھ میں نہ آتا تھا لیکن اس کے فلسفے کی صداقت کا لرزہ خیز اور خون منجمد کر دینے والا ثبوت ہمارے سامنے تھا۔ ہمارے سامنے سل پر سفید کپڑوں میں لپٹی ہوئی اور پوری طرح سے محفوظ اور اپنے اصلی روپ میں لیو ونسی کی لاش رکھی ہوئی تھی۔

میں نے اس لیو کی طرف دیکھا جو میرے قریب کھڑا تھا، اور پھر اس لیو کی طرف دیکھا جو پتھر کی سل پر مردہ پڑا ہوا تھا۔ زندہ لیو اور مردہ لیو میں سرمو فرق نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ مردہ لیو کی عمر کچھ زیادہ معلوم ہوتی تھی۔ دونوں میں کوئی فرق نہ تھا۔ وہی نقوش، وہی قد، وہی اعضا حتیٰ کہ سر کے بال میں گھنگھریالے اور سنہرے۔ بلکہ مجھے تو یہاں تک نظر آیا کہ مردہ لیو کے بشرے پر وہی معصومیت تھی جو میں زندہ لیو کے بشرے پر اس وقت دیکھ چکا تھا جب وہ گہری اور بے خبر نیند سو رہا تھا۔ ان دونوں کی مشابہت کے متعلق میں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کبھی دو جڑواں بھائی بھی صورت میں اتنے یکساں نہ رہے ہوں گے جتنے کہ زندہ اور مردہ لیو تھے۔

میں لیو کی طرف گھوم گیا یہ دیکھنے کے لیے کہ خود اپنا مردہ دیکھ کر اس پر کیا اثر ہوا ہے۔ وہ بت بن گیا تھا۔ دو یا تین منٹ تک وہ اسی طرح کھڑا اور اپنے ہی مردے کو دیکھتا رہا اور جب وہ بولا تو اس نے لڑکھڑاتی زبان میں صرف اتنا کہا

"ڈھک دو اسے، اور مجھے یہاں سے لے چلو۔"

"نہیں۔ ٹھہرو قالی قریط!" ایشہ نے کہا۔

اس وقت وہ عورت سے زیادہ ایک ایسی کاہنہ معلوم ہوتی تھی جس میں کوئی پیش گو روح حلول کر گئی ہو۔ وہ چراغ والا ہاتھ بلند کیے کھڑی تھی، چراغ کی روشنی لاش پر پڑ رہی تھی، خود ایشہ کا خیرہ کن حسن دمک رہا تھا اور وہ بڑی شان اور تمکنت سے ایک ایک لفظ ادا کر رہی تھی، اس کی اس وقت کی عظمت کو بیان کرنا میرے اختیار سے باہر ہے۔

''ٹھہرو میں تمہیں کچھ اور بھی دکھاتی ہوں تاکہ میرا کوئی گناہ، کوئی جرم خواہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو — تم سے پوشیدہ نہ رہے۔ ہاں! آگے آؤ اور لاش کا گریبان کھول کر اس کا سینہ برہنہ کردو۔ یہ کام میں تم سے کرنے کو اس لیے کہہ رہی ہوں کہ میرا آقا خود اپنے ہی مردے کو چھونا شاید پسند نہ کرے گا۔ آگے آؤ ہالی۔''

میں نے ایشہ کے حکم کی تعمیل کانپتی انگلیوں اور دھڑکتے ہوئے دل سے کی۔ اس وقت میرے دل کی جو حالت ہو رہی تھی اس کا اندازہ لگانا ممکن نہیں۔ بڑی حیرت انگیز، توہین آمیز اور نامبارک بلکہ حقیقت یہ تھی کہ میں اس شخص کی لاش کو چھو رہا تھا جو میرے قریب زندہ کھڑا تھا۔ آخر کار لاش کا سرد سینہ برہنہ تھا۔

اور لاش کے سینہ پر اور عین اس جگہ پر جہاں آدمی کا دل ہوتا ہے ایک گہرا زخم تھا۔ یہ زخم بھالے یا خنجر کا معلوم ہوتا تھا۔

''دیکھا تم نے قالی قریطا؟'' ایشہ نے کہا۔ چنانچہ یہ بھی جان لو کہ وہ میں ہی تھی جس نے تمہارا خون کیا تھا۔ ہاں میں نے تمہیں زندگی دینے کے بجائے موت دی تھی۔ میں نے تمہیں اس مصری عورت کی وجہ سے قتل کیا تھا جس کا نام آمن ارتاس تھا کیونکہ تم اس سے محبت کرتے تھے کیونکہ اس نے اپنے سحر سے تمہارا دل اپنے قبضہ میں کر رکھا تھا اور میں اس کا، آمن ارتاس کا خاتمہ نہ کر سکتی تھی، جس طرح میں نے اس عورت کا خاتمہ کر دیا ہے جو تمہارے ساتھ یہاں آئی تھی جو اپنے آپ کو تمہاری بیوی کہتی تھی اور جس کا نام استین تھا ہاں۔ میں آمن ارتاس کا خاتمہ نہ کر سکی کیونکہ اس کی قوتیں میری قوتوں سے بڑھ کر تھیں۔''

''چنانچہ میں نے اپنی جلد بازی میں، رقابت میں اور شدید غصے میں تمہیں قتل کر دیا اور پورے دو ہزار سال تک اپنے اس جرم پر افسوس کرتی، تمہارا ماتم کرتی اور تمہاری آمد کا انتظار کرتی رہی۔ اور آخر کار تم آ گئے۔ میرے انتظار کا دور ختم ہوا۔ اور اب میرے اور تمہارے درمیان کوئی چیز، کوئی ہستی کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہے اور اب میں موت کے عوض تمہیں زندگی عطا کروں گی۔ بیشک یہ ہمیشہ قائم رہنے والی زندگی نہ ہوگی کیونکہ وہ تو کوئی بھی نہیں دے سکتا، لیکن ایسی زندگی اور ایسی جوانی جو ہزاروں سال تک قائم رہے گی اور اس زندگی اور اس جوانی کے ساتھ اختیارات، زبردست قوتیں، عیش و آرام، بےفکری، بے انتہا دولت اور ساری چیزیں دوں گی جو اچھی اور خوبصورت ہوں گی۔ ہاں وہ سب چیزیں



جن کی انسان آرزو کرتا ہے اور جن کے پیچھے بھاگتا ہے۔ دو ہزار سال تک یہ سرد اور بے حس لاش تنہا میری ساتھی رہی ہے لیکن اب مجھے اس کی ضرورت نہیں کیونکہ مجھے تمہارا زندہ وجود مل گیا ہے۔ ہاں مجھے زندہ ساتھی مل گیا ہے، گرم زندگی سے بھرپور ساتھی چنانچہ اب اس لاش کی ضرورت نہیں کیونکہ اگر یہ موجود رہتی تو میری ان یادوں کو اجاگر کرتی رہے گی جنہیں بھول جانا ہی بہتر ہے۔ چنانچہ اسے اسی خاک میں جانے دو جس سے میں نے اسے آج تک بچا رکھا ہے۔

دیکھو! میں نے اس مبارک گھڑی کے لیے اتنی ساری تیاریاں کر رکھی تھیں۔

پھر ایشہ نے اس دوسرے طاق کی اس سِل پر سے جس پر وہ دو ہزار سال سے سوتی آئی ہے۔ ایک بڑی سی دو دستوں والی صراحی اٹھائی جس کا منہ ایک ڈھکنی سے بند تھا۔ اس نے یہ ڈھکنی کھول کر الگ پھینک دی۔ جھک کر لاش کے سرد ماتھے کو بوسہ دیا اور پھر اس صراحی میں جو کچھ تھا اسے بڑی احتیاط سے لاش پر چھڑکنے لگی۔ کوئی سیال شے تھی۔ میں نے دیکھا کہ وہ اس بات کی بڑی احتیاط برت رہی تھی کہ اس سیال شے کا کوئی قطرہ خود اس پر اور ہم پر نہ گرنے پائے۔ اس نے اس سیال کا آخری قطرہ لاش کے سر اور سینے پر چھڑک دیا۔

دفعتاً گاڑھے سفید ابخرات اٹھنے لگے اور پورا مقبرہ ان گاڑھے ابخرات سے یوں بھر گیا کہ ہمیں کچھ نظر نہ آیا اور ان ابخرات کے دبیز پردے میں وہ سیال شے، جو میرے خیال میں کسی قسم کا سب سے زیادہ تیز تیزاب تھا، اپنا کام کرتی رہی۔

اس طاق میں سے، جہاں وہ لاش تھی، سنسناہٹ اور چٹخنے کی آوازیں سنائی دیں۔ بہرحال ابخرات کے بادل چھٹنے سے پہلے یہ آوازیں آنا بند ہو گئیں۔

آخر کار ابخرات غائب ہو گئے البتہ ان کا ایک چھوٹا سا بادل اب بھی لاش پر منڈلا رہا تھا۔

دو تین منٹ میں یہ بادل بھی معدوم ہو گیا۔

اور اب، یہ بات چاہے کتنی ہی حیرت انگیز اور ناقابل یقین کیوں نہ معلوم ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس سِل پر، جہاں قدیم قالی قریطا کا جسد خاکی پڑا ہوا تھا، کچھ نہ تھا سوائے مٹھی بھر دھواں اگلنے والے سفید سفوف کے۔ تیزاب نے لاش کو پوری طرح سے تلف کر دیا تھا صرف یہی نہیں بلکہ اس تیزاب نے جگہ جگہ سے پتھر کی سِل کو بھی چاٹ لیا تھا۔

ایشہ نے جھک کر لاش کا وہ سفوف مٹھی میں بھر لیا اور اسے ہوا میں اچھال دیا اور بے حد گمبھیر

آواز میں کہا:

"""مٹی میں مٹی، خاک میں خاک، ماضی میں ماضی گزر رہا ہوا گزر رہا ہوئے میں — قالی قریطا مر گیا۔ اور قالی قریطا زندہ ہو گیا۔ اس نے دوسرا جنم لیا۔"

مردہ قالی قریطا کی راکھ فضا میں بکھرتی رہی اور پھر مقبرے کے سنگین فرش پر گری اور ہم دم بخود کھڑے اسے فضا میں بکھرتے اور فرش پر گرتے دیکھتے رہے۔ اس وقت ہمارے دلوں کی حالت کچھ ایسی ہو رہی تھی کہ ہماری زبانیں گنگ ہو گئی تھیں۔

"اب تم لوگ جاؤ۔" ایشہ نے کہا۔ "اور اگر ہو سکے تو نیند لے لو۔ میں جاگوں گی اور واقعات پر غور کروں گی۔ کل ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے اور اس راستہ پر چلیں گے جو صدیوں سے میرے قدموں کی چاپ سے محروم رہا ہے۔ عرصہ ہوا جب میں اس راستے سے گئی تھی۔"

چنانچہ ہم نے خاموشی سے اسے سلام کیا اور اسے وہیں چھوڑ کر چلے گئے۔

جب ہم اپنے حجروں کی طرف جا رہے تھے تو میں نے جھانک کر جوب کے حجرے میں دیکھا محض یہ معلوم کرنے کے لیے کہ اس کا کیا حال ہے اماجر کے وحشیانہ جشن و رقص کو دیکھ کر وہ ایسا خوفزدہ اور متنفر ہوا تھا کہ وہیں سے اٹھ کر اپنے حجرے میں چلا گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد ہی مرحوم استین سے جو چیتے کی کھال پہنے ہوئے تھی، ہماری ملاقات ہوئی تھی۔ چنانچہ بعد کے واقعات سے وہ واقف نہ تھا۔

وہ بڑا گہری نیند سو رہا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے اس دن کے خوفناک ڈرامے کے آخری لرزہ خیز مناظر نہ دیکھے تھے، وہ مناظر جنھیں دیکھنا ہمارا مقدر تھا اور جنھوں نے ہمارا خون صحیح معنوں میں منجمد کر دیا تھا۔ اگر وہ یہ مناظر — یعنی استین کی موت، لیو ونسی یا قالی قریطا کی لاش اور پھر اس کا راکھ بنتا دیکھتا تو خدا جانے اس کی کیا حالت ہو جاتی کیونکہ اس کے اعصاب بے حد کمزور تھے۔

آخرکار ہم اپنے حجروں میں داخل ہوئے اور یہاں لیو، جس پر اس وقت سے، جب اس نے خود اپنی لاش دیکھی تھی، سناٹا طاری تھا ڈھے گیا اور ایک دم سے پھٹ پڑا۔ اب چونکہ وہ خوفناک ایشہ کے سامنے نہ تھا اس لیے اس کی عقل دخرد عود کر آئی تھی اور جو کچھ ہوا تھا اس کی دہشت تاکی اس پر پوری طرح سے واضح ہوئی تھی۔ خصوصاً بے چاری اور مجبور استین کی موت جس سے لیو وابستہ ہوئی تھی اور جس سے وہ بندھن میں بندھ گیا تھا۔ یہ واقعات اس پر طوفان کی طرح پھٹ پڑے اور اس پر گویا بجلی کے کوڑے برسانے لگے۔ چنانچہ مارے غم اور خوف کے وہ یوں چلانے لگا اور اس کی ایسی حالت ہو گئی کہ میں تڑپ گیا۔



اس نے اپنے آپ پر لعنت بھیجی، اس نے اس دن اور اس گھڑی پر لعنت بھیجی جب اس نے پہلی دفعہ ٹھال پر کی تحریر دیکھی تھی جو اب اتنے خوفناک طریقے سے صحیح ثابت ہوئی تھی اور اس نے اپنے شوق تجسس اور اپنی کمزوری پر لعنت بھیجی۔ البتہ ایشہ پر لعنت بھیجنے کی جرأت نہ کر سکا اور اس میں تعجب کی بات نہ تھی۔ ایسی پراسرار عورت پر کون لعنت بھیج سکتا یا اسے برا بھلا کہنے کی جرأت کر سکتا ہے جو کیا پتہ اب بھی ہمیں دیکھ رہی اور ہماری باتیں سن رہی ہو؟

"اب میں کیا کروں بڑے میاں؟" اس نے انتہائی غم سے نڈھال ہو کر اپنا سر میرے شانے پر رکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے استین کو مرنے دیا؟ — یہ بات نہیں کہ میں اسے بچا سکتا تھا لیکن — لیکن — پانچ ہی منٹ بعد اور اس کی لاش کے سامنے اس کی قاتلہ کو چوم رہا تھا — میں تمھارے اور کسی کے بھی نزدیک ایک ظالم، ذلیل اور خودغرض شخص سہی، لیکن میں —" اور یہاں اس کی آواز سرگوشی میں تبدیل ہو گئی۔ "اسے — اس ساحرہ کے حسن کو برداشت نہ کر سکا اور میں جانتا ہوں کہ میں کل بھی ایسا کروں گا۔ میں اس کے اختیار میں ہوں۔ اس نے مجھے اپنا غلام بنا لیا ہے۔ اور ہمیشہ کے لیے غلام بنا لیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اگر میں پھر کبھی اسے نہ بھی دیکھوں تب بھی میں جب تک رہوں گا کسی عورت کی طرف متوجہ ہونا تو دور کی بات کسی دوسری عورت کے متعلق سوچ بھی نہ سکوں گا۔ ہاں بڑے میاں! میں اس کے پیچھے یوں کھنچتا رہوں گا جس طرح کہ مقناطیس کے پیچھے سوئی کھنچی چلی جاتی ہے۔ یہ میرے لیے مقدر ہو چکا ہے۔ اب اگر میں یہاں سے جانا بھی چاہوں تو نہیں جا سکتا، میں اسے نہیں چھوڑ سکتا، میری ٹانگیں یہاں سے نہ لے جا سکیں گی — لیکن میرا دماغ صاف ہے اور میں ذہنی طور پر اس ساحرہ سے نفرت کرتا ہوں، کم سے کم میرا تو یہی خیال ہے۔ میرے خدا! کس قدر خوفناک تھا وہ سب کچھ — اور وہ مردہ — کیا کہہ سکتے ہو اس کے متعلق؟ بیشک وہ میں تھا — وہ میری لاش تھا — بڑے میاں! میں بک گیا ہوں۔ اس نے میرا جسم خرید لیا تھا اور اس کی حفاظت کرتی رہی تھی اور اب وہ اس کے عوض میری روح حاصل کرے گی۔ ہاں بڑے میاں! میں جسمانی اور روحانی طور پر اس کے ہاتھوں بک گیا ہوں۔ میری روح اس نے خرید لی ہے اور یوں اس نے اپنے دو ہزار سال کے طویل انتظار کی قیمت وصول کی ہے۔ ہائے میں کیا کروں؟ کیا کروں؟"

تب میں نے پہلی دفعہ لیو کے سامنے اقرار کیا کہ خود میری حالت اس سے بہتر نہ تھی اور مجھے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ وہ خود اپنی خراب حالت کے باوجود مجھ سے ہمدردی کا اظہار کرنے لگا۔ یہ اس کی

بلند اخلاقی اور شرافت کا ثبوت تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ مجھے رشک و رقابت کے قابل سمجھ ہی نہ سکتا تھا اور جہاں تک ایشہ کا تعلق ہے سو اس طرف سے وہ مطمئن تھا کہ وہ ساحرہ میری طرف تو مائل ہو ہی نہیں سکتی۔

بہرحال میں نے یہ تجویز پیش کی کہ ہمیں یہاں سے فرار ہو جانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ لیکن تھوڑی سی بحث کے بعد ہی ہم نے یہ تجویز رد کر دی کیونکہ اس پر عمل کرنا ممکن ہی نہ تھا اور اگر ممکن ہوتا بھی تو میں سچ ہی کیوں نہ کہہ دوں ہم دونوں میں سے کوئی ایک بھی ایشہ کو چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھا۔ حتیٰ کہ اگر کوئی غیبی قوت ہماری مدد کو آتی اور یہ ہمیں ان غاروں میں سے نکال کر چشم زدن میں پہنچا دینے کے لیے تیار ہو جاتی تب بھی نہیں۔ ایک پروانہ اس روشنی کو نہیں چھوڑ سکتا جو آخر کار اسے جلا کر خاک کر دیتی ہے۔ اسی طرح ہم بھی ایشہ کو چھوڑ نہیں سکتے تھے۔ ہم لوگ عادی افیمچیوں کی طرح تھے جو افیون کے جان لیوا اثر سے واقف ہوتے ہوئے بھی اسے ترک نہیں کر سکتے۔ ہم بھی جانتے تھے کہ ہم برے پھنسے ہیں تاہم اس خوفناک اور سنسنی خیزی میں جو لطف تھا ہم اسے ترک کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔

میں تو یہاں تک کہنے کو تیار ہوں کہ کوئی بھی شخص، جس نے ایک دفعہ ایشہ کو بے نقاب دیکھ لیا ہو، اس کی آواز کی شیرینی کا مزا چکھ لیا ہو اور اس کی دانائی کے لبریز پیالے سے ایک چسکی لے لی ہو، وہ شخص دنیا کی تمام تر لذتوں کے عوض بھی اسے چھوڑنے کے لیے تیار نہ ہو سکتا ہے اور نہ چھوڑ سکتا ہے۔ مجھے تو خیر جانے دیجئے لیکن ذرا خیال کیجئے کہ لیو کی کیا حالت ہوگی جب اس پُراسرار عورت نے اس کے سامنے اپنی لافانی محبت کا اظہار کیا اور ثبوت کے طور پر اسے وہ لاش دکھائی جسے اس نے پورے دو ہزار سال سے محفوظ رکھا تھا اور پھر وہ لاش زندہ لیو کی تھی۔ اب آپ سوچ سکتے ہیں کہ لیو کے دل کی حالت کیا ہو گئی ہوگی اور وہ کس قسم کی بندھنوں میں بندھ گیا ہوگا۔ چنانچہ وہ اگر ایشہ کی محبت میں گرفتار ہو چکا تھا، وہ اس سے والہانہ محبت کرنے لگا تھا اور کسی صورت اسے چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھا تو ظاہر ہے اس کا کوئی قصور نہ تھا۔

بے شک ایشہ شیطان کی خالہ تھی اور بیشک اس نے اسٹین کی جان لی تھی کیونکہ وہ اس کے اور لیو کے درمیان حائل تھی لیکن ساتھ ہی ساتھ مجھے یہ بھی اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ وہ بے حد وفادار بھی تھی اور مرد فطرتاً عورت کے جرائم پر زیادہ غور نہیں کرتا خصوصاً اس وقت تو وہ اسے معاف بھی کر دیتا ہے جب ایک عورت نے یہ جرائم اس کی محبت کے خاطر کیے ہوں۔

رہیں دوسری باتیں تو ان کا تو یہ ہے کہ ایسا نادر موقع کبھی بھی کسی مرد کو نہ مل سکتا تھا جو اب لیو کو میسر تھا۔ چنانچہ اس موقع سے فائدہ نہ اٹھانا حماقت تھی۔ یہ سچ ہے کہ اپنا رشتہ اس پراسرار عورت سے جوڑ کر



اپنی زندگی اس عورت کی مٹھی میں دے رہا تھا جس کا رجحان بدی کی طرف تھا[1] اور اس طرح وہ عمر بھر کا عذاب مول لے رہا تھا لیکن اس کے برخلاف، اگر وہ کسی عام عورت سے شادی کرتا تو ہو سکتا ہے کہ اسے ازدواجی سکون نہ ملتا اور اس کی زندگی ایک مسلسل عذاب بن جاتی۔ آپ ہی کہئے ہم میں سے کتنوں کی ازدواجی زندگی کامیاب اور کتنوں کی ایک عذاب بنی ہے؟ میرے خیال میں بہت کم ایسے خوش نصیب ہوں گے جو کامیاب ازدواجی زندگی کے مزے لوٹ رہے ہوں گے۔ دوسری طرف معمولی شادی سے اسے ایسا وحشت ناک —— کیونکہ یہی لفظ ایشہ کے حسن کا کچھ اندازہ دلا سکتا ہے، ایسا حسن نہ مل سکتا تھا، نہ ہی اسے ایسی مقدس وفاداری، ایسی دانائی مل سکتی تھی۔ کسی بھی عورت میں یہ خوبیاں ظاہر ہے کہ نہ تھیں۔ اس کے علاوہ ایشہ نے قدرت کے اسرار پر اختیار حاصل کر لیا تھا اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ وہ لیو کو زبردست قوتیں اور اختیارات بلکہ دنیا کی بادشاہت بخش سکتی تھی۔ یہاں تک بھی خیر ٹھیک تھا لیکن انتہا یہ تھی کہ وہ اسے نہ صرف ہزاروں سال کی زندگی بلکہ جوانی بھی، لافانی جوانی بھی دے سکتی تھی۔ بشرطیکہ اس کا یہ دعویٰ صحیح ہو، چنانچہ اب آپ ہی سوچئے کون ایسی عورت کو اپنی بیوی بنانا نہ چاہے گا؟

---

1۔ چند صفحوں کے غور و خوض کے بعد مجھے یہ اعتراف کرنا پڑ رہا ہے کہ ایشہ کے متعلق میرا یہ فتویٰ غلط ہے۔ اس سے تو یہ انکار نہیں کہ ایشہ نے اسٹین کا بڑی ہی بے رحمی اور ظالمانہ طور سے خاتمہ کر دیا تھا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہمیں بھی ایسی قوتیں حاصل ہوتیں جو ایشہ کو حاصل تھیں اور اگر ہماری بھی ایسی زبردست خواہش کی راہ میں کوئی ہستی حائل ہوتی تو یقیناً ہم بھی وہی کرتے جو ایشہ نے کیا۔ میرا مطلب ہے ہم بھی وہی کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے کیونکہ یہ خود ہماری زیست اور دلچسپی کا سوال ہوتا۔ اس کے علاوہ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ایشہ نے اسٹین کی جان اس لیے لی تھی کہ اس نے اس کے سامنے گستاخی کی تھی اور نافرماں برداری کا ثبوت دیا تھا۔ ایشہ کے نزدیک اور دنیا کے کسی بھی حکمراں کے نزدیک گستاخی اور نافرماں برداری کی سزا موت ہی ہو سکتی ہے۔ اب اگر اسٹین کی موت کے سوال کو چھوڑ دیا جائے تو ایشہ کی برائیاں یا ظلم اس کے نقطہ نظر اور اس کے اصولوں کے عین مطابق تھا اور اس کا نقطہ نظر اور اس کے اصول ہم جدید اور مہذب لوگوں کے اصولوں وغیرہ سے نہایت مختلف تھے۔ چنانچہ پہلی نظر میں ہمیں اس کے یہ اصول ظالمانہ معلوم ہوتے ہیں لیکن جب ایشہ کی طویل عمر کو مدنظر رکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بنیاد قنوطیت کے علاوہ اور کچھ نہیں کیونکہ آپ جانتے ہر بوڑھا شخص چڑچڑا اور قنوطی بن ہی جاتا ہے اور ایشہ تو کسی بھی بوڑھے سے زیادہ عمر کی تھی اور پھر اس کی دانائی کا تو کوئی پار نہ تھا۔ اور اس کی تمام تر دانائی کا نچوڑ یہ تھا کہ دنیا میں صرف ایک چیز کے لیے زندہ رہا جا سکتا ہے یعنی محبت کے لیے اور اس چیز کو یعنی محبت کو حاصل کرنے کے لیے راستے کے خس و خاشاک کو دور کرنے سے گریز کرنا چاہئے۔ بس یہی تھی اس کے ظلم یا برائی یا شیطنت کی بنیاد۔ اب یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ دوسری طرف اس میں وہ زبردست خوبیاں بھی تھیں اور اس انتہا کو پہنچی ہوئی تھیں جو نہ تو کسی مرد میں پائی جاتی ہیں اور نہ کسی عورت میں۔ مثال کے طور پر اس کا استقلال اور اس کی وفاداری۔ کون عورت ہوگی جو دو ہزار سال تک پاکباز اور اپنے محبوب کی وفادار رہی؟ حالانکہ اس کا محبوب مر چکا تھا؟ (ہورلیس ہالی)

چنانچہ لیو جو کچھ کر رہا تھا یا کر چکا تھا وہ نہ تو غلط تھا اور نہ حماقت تھی۔ یہ اور بات تھی کہ اپنے خیال سے یا اپنے دل کی اسی حالت سے وہ شرمندہ بھی تھا اور فرزدہ بھی جیسا کہ ہر شریف انسان اس صورت حال سے دوچار ہو کر ان ہی جذبات کو محسوس کرتا۔ اس کے باوجود وہ اس درخشاں اور حیرت انگیز مستقبل سے، جو اس کا منتظر تھا، پیٹھ موڑنے اور فرار ہونے کے لیے تیار نہ تھا۔

خود میرا خیال یہ ہے کہ اگر لیو فرار ہونے کے لیے تیار ہو جاتا تو میں یقیناً اسے پاگل سمجھتا۔ ظاہر ہے کہ کوئی پاگل ہی اپنے ایسے درخشاں مستقبل سے فرار ہو سکتا ہے۔ لیکن پھر، یہاں میں اعتراف کئے لیتا ہوں کہ میرے اس خیال کو ہی جذباتی تسلیم کر لیا گیا تو یہ بھی غلط نہ ہوگا کیونکہ میں خود ائشہ کا دیوانہ تھا اور آج تک اس کی محبت میں گرفتار ہوں۔ چنانچہ میں اس کی صرف ایک ہفتے کی محبت اور اعتماد پر دوسری کسی بھی عورت کی عمر بھر کی محبت کو قربان کر سکتا تھا۔ اب اگر کوئی میری اس بات کو میری حماقت پر محمول کر کے مجھ پر ہنسے یا یہ تحریر پڑھتے وقت ہنس رہا ہو تو میں صرف یہی کہوں گا کہ ہائے تو نے ائشہ کو بے نقاب ہوتے دیکھا ہی نہیں۔ ہر مرد کی وہی حالت ہو جاتی جو میری تھی اور اب تک ہے۔ میں نے یہاں صرف "مرد" کے متعلق کہا ہے کیونکہ ائشہ کے متعلق کسی عورت کی رائے معلوم کرنے کا ہمیں موقع ہی نہیں ملا، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ کوئی بھی عورت، جو ائشہ کو دیکھتی، بہت ممکن ہے کہ اسے پسند نہ کرتی۔ اور اپنی ناپسندیدگی کا اظہار اسی طرح کرتی جس طرح امتین نے کیا تھا اور پھر اسی کی طرح ماری جاتی۔

خیر تو آمدم برسر مطلب۔ پورے دو گھنٹے تک میں اور لیو جھنجھلاتے ہوئے اعصاب اور خوف سے پھٹی ہوئی آنکھیں لیے بیٹھے رہے اور ان حیرت انگیز واقعات کے متعلق باتیں کرتے رہے جن سے ہم گزر رہے تھے۔ یہ سارے واقعات حقیقت سے زیادہ پریوں کی داستان یا پھر ایک خواب معلوم ہوتے تھے۔ کون یقین کر سکتا تھا اس پر کہ سفال پر کی تحریر نہ صرف سچ تھی بلکہ ہم دونوں اس کی صداقت کا ثبوت اپنی آنکھوں سے دیکھنے والے اور اس عورت کے پاس پہنچنے والے تھے جو کور کے مقبروں میں دو ہزار سال سے ہماری انتظار کر رہی تھی؟ کون یقین کر سکتا تھا کہ اس پراسرار عورت کو لیو کے وجود میں اس کا وہی محبوب مل جائے گا جس کے جسد خاکی کو اس نے صدیوں سے سنبھال رکھا تھا اور جس کی آمد کی وہ صدیوں سے منتظر تھی؟ لیکن ہم نے دیکھا، خود اپنی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے پورے حواس کے ساتھ دیکھا کہ یہ حقیقت تھی۔ ائشہ نے جو کچھ کہا تھا وہ سچ تھا اور وہ لاش، جسے اس نے راکھ بنا دیا، کسی اور کی نہیں بلکہ لیو کی ہی تھی جس کا نام دو ہزار سال پہلے قالی قریٹیا تھا۔



یہ بڑی حیرت انگیز اور ناقابل یقین سی بات ہے تاہم اس پر ہمیں یقین کرنا ہی پڑا۔ اس حقیقت کو قبول کرنے کے لیے عقل تیار نہ تھی لیکن حقیقت بہرحال حقیقت تھی اور آپ جانئے بعض اوقات حقیقت افسانے سے زیادہ حیرت انگیز ہوتی ہے۔ چنانچہ اب اپنے آپ کو اور اپنی قسمت کو خدا کے سپرد کر کے جو کرے تو کرے میرے مولا۔ ہم دونوں آخر کار سو گئے۔

☆☆

# بائیسواں باب

## جوب کی پیشین گوئی

دوسرے دن صبح نو بجے جوب نے، جس کے اعصاب اب بھی ٹھکانے نہ آئے تھے اور جو اب بھی خوفزدہ اور پریشان نظر آتا تھا، میرے حجرے میں داخل ہوتے ہی اس نے بلند آواز میں خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کر کے اعلان کیا کہ ہمیں اپنے بستروں میں سوتا دیکھ کر اسے بے حد مسرت حاصل ہوئی کیونکہ اسے تو توقع ہی نہ تھی کہ ہمیں زندہ دیکھ سکے گا۔

جب میں نے اسے استین کے خوفناک انجام کے متعلق بتایا تو اس نے ایک بار پھر ہمارے زندہ ہونے پر خدا کا شکر ادا کیا اور ساتھ ہی ساتھ اس نے استین کی موت پر افسوس کا اظہار کیا حالانکہ وہ استین کو پسند نہ کرتا تھا اور استین بھی اسے پسند نہ کرتی تھی۔ استین اپنی جڑتی ہوئی عربی میں اسے "سور" کہتی تھی اور جوب اپنی صاف انگریزی میں "کتیا" کہتا تھا۔ پُراسرار اور خوفناک ملکہ کے ہاتھوں اس کا جو انجام ہوا تھا اس کے پیش نظر جوب نے اپنی اس ناپسندیدگی یا دشمنی کو بھلا دیا۔

"جناب! میں کوئی ایسی بات کہنا نہیں چاہتا جو آپ کی طبع نازک پر گراں گزرے۔" جب میں خاموش ہوا تو جوب نے گزشتہ رات کے واقعات پر حیرت و افسوس کا اظہار کرنے کے بعد اپنی مخصوص انگریزی میں کہا۔ "لیکن میری ناچیز رائے میں یہ کفن پوش عورت بذات خود شیطان ہے یا پھر اس کی بیوی ہے بشرطیکہ اس کی کوئی بیوی ہو۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کی بیوی ہے ہی کیونکہ بیوی کے بغیر وہ ایسا شیطان ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ عورت نہیں چڑیل ہے اور اس کا جادو کسی بھی ساحرہ سے بڑھا ہوا ہے حتیٰ کہ اینڈور کی ساحرہ[1] اس کی خاک پا کے برابر بھی نہیں۔ خدا آپ پر رحم کرے جناب! لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ کفن پوش ساحرہ ان غاروں کے سارے مردوں کو اگر چاہے تو زندہ کر سکتی ہے۔ یہ شیطانوں کا

[1] اینڈور فلسطین کا ایک گاؤں تھا جہاں دورِ قدیم میں ایک مشہور ساحرہ رہتی تھی بائبل میں اس ساحرہ کا ذکر موجود ہے اس کا نام معلوم نہ تھا۔ مترجم



ملک ہے جناب! اور وہ ان شیطانوں کی ملکہ ہے۔ اگر ہم یہاں سے زندہ نکل گئے تو یہ ہماری خوش قسمتی ہوگی بلکہ خلاف توقع بات ہوگی کیونکہ مجھے یہ توقع نہیں کہ ہم یہاں سے نکل سکیں گے۔ ہم تو جناب بری طرح سے اور پوری طرح سے پھنس گئے ہیں۔ اور یہ میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ وہ چڑیل مسٹر لیو جیسے حسین جوان کو یہاں سے کبھی جانے نہ دے گی۔"

"تاہم اس سے تو تمہیں بھی انکار نہ ہوگا کہ اسی نے لیو کی جان بچائی تھی۔" میں نے کہا۔

"ہاں لیکن اس کے عوض وہ ماسٹر لیو کی روح لے گی۔ وہ ماسٹر لیو کو بھی اپنی طرح شیطان بنا دے گی۔ میں سچ کہتا ہوں جناب! اس قسم کے لوگوں سے کسی بھی قسم کے تعلقات برے نتائج پیدا کرتے ہیں۔ گزشتہ رات میں جاگتا اور وہ جیبی انجیل پڑھتا رہا تھا جو میری والدہ نے مجھے دی تھی اور اس میں میں نے پڑھا کہ ساحراؤں اور ساحروں کا انجام کیا ہوتا ہے۔ یقین کیجئے جناب میرے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے اور ٹھنڈے پسینے چھوٹ گئے۔ ہائے جناب! اگر میری بڑی بی ہوتیں اور انہیں پتہ چل جاتا کہ ان کا لخت جگر جوب کہاں پھنس گیا ہے تو ان کی کیا حالت ہوتی۔"

"اس سے تو مجھے بھی انکار نہیں جوب کہ یہ واقعی عجیب ملک ہے اور عجیب لوگ ہیں۔" میں نے ایک آہ بھر کر جواب دیا۔

میں جوب کی طرح توہم پرست نہیں ہوں تاہم یہاں کچھ ایسے مافوق الفطرت واقعات ہوئے ہیں اور ہو رہے تھے کہ دل میں خوف بیٹھ جانا قدرتی بات تھی۔

"آپ سچ کہتے ہیں جناب" جوب نے کہا۔ "اور اگر آپ مجھے احمق اور گدھا نہ کہیں تو میں اس وقت آپ سے کچھ اور بھی کہنا چاہتا ہوں کیونکہ اس وقت ماسٹر لیو یہاں نہیں ہیں (لیو علی الصبح بیدار ہو کر باہر گھومنے چلا گیا تھا) اور وہ بات یہ ہے کہ میں جانتا ہوں کہ یہ منحوس ملک آخری ملک ہے جسے میں دنیا میں دیکھوں گا۔ گزشتہ رات میں نے ایک خواب دیکھا اور اس خواب میں اپنے بوڑھے باپ کو دیکھا۔ انہوں نے شب خوابی کا لباس کی قسم کا کوئی لباس پہن رکھا تھا، بالکل ایسا ہی لباس تھا وہ جیسا کہ یہاں کے لوگ اس وقت پہنتے ہیں جب وہ خصوصیت سے پورے لباس میں ہوں۔ وہ اپنے ہاتھوں میں گھاس کی پتیاں لیے ہوئے تھے۔ یہ وہی گھاس تھی جو یہاں کے بڑے غار کے دہانے سے کوئی سو گز آگے اگی ہوئی ہے۔

"جوب!" انہوں نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔ "اب وقت آ گیا ہے جوب، لیکن یہ تو میرے —

وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ تمہیں تلاش کرنے کی غرض سے مجھے اس واہیات ملک میں اور خونوں کے جھرمٹ میں آنا پڑے گا۔ لیکن مجھے آنا پڑا اور اس میں قصور تمہارا ہے کہ تم نے اپنے بوڑھے باپ کو یہاں تک دوڑا مارا۔ خصوصاً اس صورت میں کہ جب میں یہاں آیا تو کور کے واہیات اور برے لوگوں کی روحوں نے میرا مذاق اڑایا۔"

"یہ تو ان کی عادت ہے۔" میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے لیکن تمہاری وجہ سے مجھے یہ ذلت برداشت کرنی پڑی۔ خیر اب وہ وقت دور نہیں جب ہماری تمہاری ملاقات ہوگی۔ دنیا کے آب وگل میں میری اور تمہاری بنی نہیں لیکن دوسری دنیا میں دیکھو کیا ہوتا ہے۔ شاید یہاں بھی ہماری تین دنوں سے زیادہ نہ بنے۔ تاہم اس سے مفر ممکن نہیں۔"

جوب نے ایک آہ بھر کر کہا۔

"بڑے میاں نے یہ غلط نہ کہا تھا جناب! اس دنیا میں بیشک ہماری نہیں بنی اور میں سمجھتا ہوں کہ دوسری دنیا میں بھی ہم میں اختلاف ہی رہے گا۔"

"یہ کیا حماقت ہے جوب؟" میں نے کہا۔ "تمہیں ایسی باتوں پر یقین نہ کرنا چاہئے۔ تم اس لیے مر جاؤ گے کہ تم نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا ہے؟ اگر کوئی اس لیے ہی مر جاتا ہے کہ وہ اپنے باپ کو خواب میں دیکھتا ہے تو پھر تم اس شخص کے متعلق کیا کہتے ہو جو اپنی ساس کو خواب میں دیکھتا ہے؟"

"جناب! آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔" جوب نے اداس ہو کر کہا "لیکن آپ میرے والد سے واقف نہیں۔ اگر ان کی جگہ کوئی اور میرے خواب میں آیا ہوتا، مثلاً میری چچی، مامی، تو میں کوئی پرواہ نہ کرتا۔ لیکن میرے باپ تو اپنی مثال آپ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ایک نہ دو پورے سترہ بچوں کے باپ تھے۔ بڑے ضدی اور بہت ہٹ دھرم ہونے کے علاوہ پکے کاروباری تھے اور ہمیشہ اپنا مفاد پیش نظر رکھتے تھے۔ چنانچہ یقین کیجئے وہ یہاں محض سیر کرنے نہیں، بلکہ کاروبار کرنے آئے تھے۔ یعنی مجھے لے جانے۔ بہرحال میں کیا کر سکتا ہوں جناب۔ موت ہر ایک کو آنی ہے۔ کسی کو آج جانا ہے تو کسی کو کل۔ لیکن اس واہیات جگہ اور ان کافروں کے درمیان مرنے کا خیال ہی لرزہ خیز ہے کیونکہ یہاں مرنے والے کو ظاہر ہے کہ عیسائی رسم کے مطابق دفنایا نہیں جاتا۔ میں نے ایک اچھا انسان بننے اور اپنے فرائض کو خلوص سے ادا کرنے کی کوشش کی ہے لیکن گزشتہ رات میرے باپ نے جو باتیں کہی ہیں وہ یوں کچھ طنز سے کہی تھیں کہ میں بے چینی محسوس کرنے لگا ہوں۔ بہرحال میں آپ کا اور ماسٹر لیو کا وفادار خادم رہا ہوں۔ اب اگر آپ اس منحوس ملک سے صحیح سلامت نکل جائیں اور میرے خیال میں آپ یہاں سے صحیح سلامت نکل جائیں گے کیونکہ والد صاحب نے آپ دونوں میں سے کسی کا ذکر نہیں کیا، تو براہ کرم اپنے اس خادم کو دعائے خیر سے یاد کر لیا کیجئے۔ میں آپ سے یہ بھی درخواست کروں گا کہ آئندہ کبھی کسی قدیم [illegible] کی تحریر پر یقین کر کے اس کی صداقت پرکھنے کی کوشش نہ کیجئے کیونکہ آپ اس کا نتیجہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔"



"یہ کیا بچوں کی سی باتیں کر رہے ہو جوب۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "سب بکواس ہے اور تم جیسے سمجھدار آدمی کے دماغ میں ایسے خیالات نہ آنے چاہئیں جوب۔ ہمارے ساتھ اب تک بے حد عجیب اور بھیانک واقعات ہوئے ہیں لیکن ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ میرا مطلب ہے ہم زندہ رہے، اور یقیناً ہم آئندہ بھی زندہ رہیں گے۔"

"نہیں جناب!" جوب نے کچھ ایسی سنجیدگی اور یقین سے کہا کہ سچ مچ میرے اعصاب جھنجھنا اٹھے۔ "یہ بکواس نہیں ہے۔ میری قسمت میں موت لکھی جا چکی ہے۔ میری موت قریب ہے۔ میں اسے محسوس کر رہا ہوں اور یقین کیجئے جناب۔ یہ بڑا حیرت انگیز احساس ہے جو مجھے بے چین کیے دے رہا ہے خصوصاً اس لیے جبکہ ہم نہیں جانتے کہ ہماری موت کس طرح اور کن حالات میں ہوگی۔ اگر آپ انار [illegible] کا کھانا کھا رہے ہیں اور آپ زہر کے متعلق سوچتے ہیں تو پھر جناب آپ کا وہ کھانا زہر بن جاتا ہے اور آپ کا معدہ اسے قبول نہیں کرتا اور اگر آپ ان غاروں میں گھومتے پھرتے ہیں تو آپ کو خنجروں کا خیال آتا ہے اور سچ کہیے جناب آپ کی ریڑھ کی ہڈی میں ٹھنڈک کی لہریں نہیں دوڑ جاتیں، موت اگر فوری موت ہو اور تکلیف دہ نہ ہو تو ٹھیک ہے لیکن جناب مجھے اس لڑکی کا خیال آتا ہے — جس کی موت خود نہ ہوئی اور اسے پتہ بھی نہ چلا کہ کیا ہوا۔ حالانکہ مجھے وہ لڑکی پسند نہ تھی اور اس نے جس طرح ایک دم سے ماسٹر لیو سے شادی کر لی تھی تو اس کی وہ حرکت بھی مجھے پسند نہ تھی لیکن اس کی موت آسان ہوئی۔ اگر میری ایسی ہو تو مجھے پروا نہیں لیکن۔" اور جوب کانپ گیا اور اس کا رنگ ہلدی ہو گیا۔ "خدا کرے کہ میری موت گرم برتن سے نہ ہو۔"

"بکواس" میں نے غصے سے چیخ کر کہا۔ "نری بکواس۔"

"بہت اچھا جناب۔" جوب نے کہا۔ "آپ کہتے ہیں تو بکواس ہی سہی کیونکہ میں آپ سے بحث نہیں کر سکتا۔ یہ سراسر گستاخی ہے البتہ ایک درخواست ضرور کروں گا۔ اگر آپ کہیں جا رہے ہیں تو

مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلیے۔ آپ کا یہ احسان میں مرنے کے بعد بھی نہ بھولوں گا ۔۔۔ تاکہ جب میرا وقت آئے تو کم سے کم اتنا تو ہو کہ ایک دوستانہ چہرہ میری نظر کے سامنے ہو اور یوں میری موت آسان ہو۔ اور جناب! اب میں آپ کا ناشتہ لے آتا ہوں۔"

وہ مجھے ایک عجیب بے چینی کے عالم میں چھوڑ کر چلا گیا۔

مجھے جوب سے گہری انسیت ہو گئی تھی۔ وہ بے حد مخلص اور ایماندار آدمی تھا اور وہ میرے ملازم سے زیادہ میرا دوست تھا اور اس خیال سے ہی میرے حلق میں پھندا سا پڑ گیا کہ اگر خدانخواستہ اسے کچھ ہو گیا تو کیا ہوگا؟ اس نے جو کچھ کہا تھا وہ بظاہر مہمل اور مضحکہ خیز تھا۔ اسے یقین تھا کہ اسے کچھ ہو جانے والا تھا۔ اکثر دفعہ اس قسم کا یقین محض احمقانہ ثابت ہوتا ہے خصوصاً اس وقت جب اس قسم کے پُراسرار ماحول میں ہو جس میں ہم تھے، تاہم اس وقت میرے دل پر ایک خاص قسم کا خوف طاری ہو گیا اور میں نے رگ و ریشے میں عجیب سی ٹھٹھرا دینے والی ٹھنڈک محسوس کرنے لگا۔

چند ثانیوں بعد ہی ہمارا ناشتہ اور اس کے ساتھ لیو بھی آ گیا۔ جو، بقول اس کے الٹے سیدھے خیالات سے چھٹکارا حاصل کرنے کی غرض سے مرکزی غار کے باہر چہل قدمی کرنے گیا تھا۔ میں نے لیو اور ناشتے کو دیکھ کر اطمینان کی سانس لی کیونکہ اس طرح خود مجھے اپنے ان لرزہ خیز خیالات سے نجات مل گئی جو جوب کی باتوں نے پیدا کر دیے تھے۔

ناشتے سے فارغ ہو کر ہم پھر باہر آئے اور چند اماحجر کو دیکھا جو ایک قطعہ زمین پر اس دانے کی کاشت کر رہے تھے جس سے وہ شراب کشید کرتے تھے۔ ان کا طریقہ بے حد قدیم تھا۔ ایک شخص گلے میں کپڑے کا تھیلا لٹکائے اس قطعہ میں ادھر سے اُدھر چل رہا اور ساتھ ہی ساتھ وہ تھیلے میں سے مٹھیاں بھر بھر بیج نکال کر بکھیرتا جاتا تھا۔ آپ یقین نہیں کر سکتے کہ ان آدم خور وحشیوں کو ایسا انسانی کام کرتے دیکھ کر ہمیں کس قدر خوشی حاصل ہوئی۔ غالباً اس لیے کہ ان کا یہ کام ان کا رشتہ بقیہ بنی نوع انسان سے جوڑ رہا تھا۔

جب ہم واپس آ رہے تھے تو ہماری ملاقات بالی سے ہوئی۔ اس نے ہم کو مطلع کیا کہ ایشہ نے ہمیں طلب کیا ہے۔ چنانچہ اس کے خلوت خانے کی طرف چل دیئے۔ حسب معمول گونگے بہرے خدمت گاروں نے ہمیں اس کے حضور پہنچا دیا اور جب وہ چلے گئے تو ایشہ نے بے نقاب ہو کر لیو سے درخواست کی کہ وہ اسے آغوش میں لے لے۔ حالانکہ گزشتہ رات کے واقعات کے بعد لیو کا دل جلا ہوا



تھا تاہم لیو نے بڑی بیقراری سے اسے اپنے آغوش میں سمیٹ لیا۔ ایشہ نے اپنا مرمریں ہاتھ اس کے سر پر رکھ کر بڑے پیار سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"میرے قالی قریط!" اس نے کہا۔ "کیا تم سوچ رہے ہو کہ کب تم مجھے اپنی کہو گے اور کب ہم حقیقت میں ایک دوسرے کے ہو جائیں گے؟ میں بتاتی ہوں پہلے تو تمہیں میری طرح بننا ہے، لافانی نہیں کیونکہ میں خود لافانی نہیں ہوں البتہ تمہیں ایسا بننا ہے کہ وقت کے تیر تم پر اثر نہ کر سکیں اور تم جب تک زندہ رہو اسی طرح جوان اور پُرقوت رہو۔ فی الحال میں اپنے آپ کو تمہارے سپرد نہیں کر سکتی کیونکہ ہم دونوں مختلف ہیں۔ جو مجھ میں ہے تم میں نہیں ہے، چنانچہ میرے وجود کی تابناکی تمہیں جلا سکتی ہے بلکہ تمہارا خاتمہ بھی کر سکتی ہے۔ تم بہت دیر تک میری طرف دیکھ بھی نہیں سکتے۔ مبادا تمہاری آنکھیں درد کرنے اور سر چکرانے لگے اور تم غش کھا جاؤ۔ چنانچہ ۔۔۔" میں نے آہستہ سے سر ہلایا۔

"میں ایک بار پھر اپنے چہرے پر نقاب ڈال لوں گی۔ (لیکن اس نے ایسا بہرحال نہ کیا) نہیں۔ سنو۔ تمہیں میں بہت زیادہ نہ آزماؤں گی کیونکہ تم آزمائش کو برداشت نہ کر سکو گے۔ چنانچہ آج ہی شام کو، سورج غروب ہونے سے ایک گھنٹہ پہلے، ہم یہاں سے روانہ ہو جائیں گے اور اگر سب ٹھیک ٹھاک رہا اور اگر اتنے برسوں کے بعد میں راستہ نہ بھول گئی ہوں، اور امید ہے کہ میں نہیں بھولی ہوں تو کل اندھیرا اترتے ہم مقام حیات میں کھڑے ہوں گے اور وہاں تم آتش حیات میں غسل کر کے اور اتنے حسین اور عظیم بن کر باہر آؤ گے کہ کبھی کوئی انسان ایسا نہ رہا ہوگا اس کے بعد، اے قالی قریط تم مجھے اپنی بیوی کہو گے اور میں تمہیں اپنا شوہر کہہ سکوں گی۔"

ایشہ کی اس حیرت انگیز بات کے جواب میں لیو نے منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر کچھ کہا۔ میں نہیں جانتا کہ کیا کہا۔ البتہ ایشہ اس کی اس گھبراہٹ پر ہنسی اور سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے بولی۔

"اور رہے تم ہالی تو تمہیں بھی میں یہی انعام دوں گی۔ تم بھی آتش حیات میں غسل کر کے ہر دم جوان بنے رہو گے کیونکہ میں تم سے خوش ہوں اور تم انسانوں کی زیادہ تر اولاد کی طرح نرے احمق نہیں ہو اور اس لیے بھی کہ تمہارا اپنا ایک فلسفہ ہے جو دور قدیم کے داناؤں کے فلسفہ کی طرح بے بنیاد اور احمقانہ ہے اس کے باوجود تم عورت اور اس کی آنکھوں کی تعریف میں بڑی شاعرانہ بات کہنا جانتے ہو۔"

"واہ چچا۔" لیو نے بشاشت سے کہا۔ "تو کیا تم بھی اظہار محبت کر چکے ہو؟ تم سے اس کی توقع کم سے کم مجھے تو نہ تھی۔ تو تم بڑے چھپے رستم نکلے بھئی۔"

"تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں ایشہ۔" میں نے جہاں تک ممکن ہو سکا متانت سے کہا۔ "لیکن واقعی ایسی کوئی آگ ہے جس میں سے نکلنے کے بعد آدمی ہزاروں سال تک زندہ اور جوان رہ سکتا ہے اور موت نے اس ہاتھ کو جھٹک سکتا ہے جو اس کی طرف بڑھتا ہو تب بھی ایشہ میں اس آگ میں غسل نہ کروں گا۔ میں نہ تو ہر دم جوان رہنا چاہتا ہوں اور نہ ہی ہزاروں سال تک زندہ رہنے کی تمنا ہے کیونکہ ایشہ دنیا میرے لیے پھولوں کی سیج ثابت نہیں ہوئی ہے کہ میں بہت دیر تک اس پر لیٹے رہنے کی آرزو کروں۔ ہماری دھرتی بڑی سنگدل ماں ہے جو اپنے بچوں کو کھانے کے لیے پتھر دیتی ہے اور پینے کے لیے تلخ پانی لیکن فطرت ایسی بناتی ہے کہ وہ حسن کی تاب نہیں لا سکتی۔ کون بے وقوف ہوگا جو ایسی دنیا میں ہزاروں سال تک رہنے کی آرزو کرے اور کون ایسا انسان ہوگا جو ان باتوں کو صدیوں تک برداشت کرتا رہے؟ کون ہوگا جو گزری یادوں اور محبت اور اپنے ہم سائے کے دکھوں کا جنہیں وہ کم نہ کر سکا، بوجھ اپنے شانوں پر اٹھائے، کبھی ختم نہ ہونے کے راستے پر چلتا رہے۔ بے شک موت بری ہے کیونکہ ہمارا خون اس کے خوف سے منجمد ہو جاتا ہے اور رات کو ٹھنڈک کے خیال سے جسم سرد پڑ جاتا ہے کہ ہائے مرنے کے بعد حیات کی گرمی میسر نہ آئے گی، لیکن یہ خیال اس سے بھی زیادہ خوفناک ہے کہ ہم ہر دم جوان اور زندہ رہیں لیکن اس طرح کہ بظاہر تر و تازہ ہوں گے لیکن ہماری روح کو گزرے واقعات کی تلخ یادیں گھن لگا چکی ہوں گی اور سال بہ سال لگاتی رہیں گی، کون ایسا بیوقوف ہوگا جو اس طرح زندہ رہنا پسند کرے؟— کم سے کم میں تو اس طرح زندہ نہیں رہ سکتا۔"

"سوچ لو میرے ہالی" ایشہ نے کہا۔ "طویل عمر آدمی کو قوت و اختیار اور ساری چیزیں عطا کرتی ہے جو اسے عزیز ہیں۔"

"اور اے ملکہ!" میں نے جواب دیا۔ "وہ کیا چیزیں ہیں جو انسان کو عزیز ہیں؟ کیا وہ حباب نہیں ہیں؟ کیا جاہ طلبی ایسا لامتناہی زینہ نہیں ہے جس کی آخری سیڑھی تک پہنچنا ناممکن ہے؟ کیونکہ ایک کے بعد دوسری بلندی سامنے ہوتی ہے۔ اور ایک کے بعد دوسری سیڑھی آ جاتی ہے۔ یہاں تک کہ آخری بلندی کی کوئی حد ہی نہیں آتی۔ کیا دولت سے کبھی کسی کی سیری ہوئی ہے؟ کیا دولت سے کبھی کوئی پل بھر کی خوشی اور سکون خرید سکا ہے؟ اور کیا دانائی اور علم کا کوئی اور چھور ہے جسے ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ اگر ہم دس ہزار سال تک زندہ رہیں گے جو اجرام فلکی کا نظام قائم کئے ہوئے ہے؟ تو کیا ہمارا علم اور دانائی آنتیں کھاتی ہوئی شدید بھوک کی طرح نہ ہوگی جو ہر دم غذا طلب کرتی اور ہمیں بیقرار کرتی رہے گی؟ اور پھر کون سی وہ چیزیں ہیں جنہیں عمر کی طوالت سے حاصل کیا جا سکتا ہے؟"



"نہیں میرے ہالی۔ محبت ہے، محبت جو ہر چیز کو حسین بنا دیتی ہے اور خاک کے ہر اس ذرے کو تقدس بخش دیتی ہے جس پر ہمارا قدم پڑتا ہے۔ محبت کی وجہ سے زندگی صدی بہ صدی درخشاں بنتی جاتی ہے اس مسحور کن موسیقی کی طرح جس میں انسان کے دل پر وجد طاری کرنے کی قوت ہوتی ہے۔"

"ممکن ہے ایسا ہی ہو" میں نے جواب دیا۔ "لیکن اگر محبت ایسا تکلیف دہ منتر ثابت ہو جو ہماری دل میں اترتا چلا جائے اور اگر محبت محض بیکار ہی کی جائے تب؟ اگر آدمی پانی پر لکھ سکتا ہے تو کیا ضروری ہے کہ وہ اپنے دکھ پتھر پر کندہ کرنے کی زحمت گوارا کرے؟ نہیں ایشہ! میں تو اپنی نسل کے ساتھ رہوں گا، اسی کے ساتھ بوڑھا ہوں گا اور جب میرا وقت آئے گا مر رہوں گا اور پھر دنیا مجھے بھلا دے گی۔ یہ دنیا تو ایک سرائے ہے۔ یہاں کسی چیز کو ثبات نہیں۔ مجھے یہاں کی لافانیت نہیں چاہئے کیونکہ اس کا انجام بھی آخر فنا ہی ہے مجھے بے شک لافانیت چاہئے لیکن اس دنیا کی نہیں بلکہ اس دوسری دنیا کی جس کا وعدہ ہمارے مذہب نے کیا ہے کیونکہ وہ لافانیت ہر بند حسن سے آزاد ہوگی، وہاں پھر موت نہ ہوگی۔ وہاں سکون ہوگا اور روحانی سکون ہوگا کیونکہ جب گوشت و پوست ہے تب تک غم بھی ہے، برائی بھی ہے اور یہ چیزیں بچھو کے ڈنک کی طرح ہیں، لیکن جب گوشت و پوست جھڑ جائے گا تب روح لافانی تابنا کی سے منور ہو جائے گی اور تب اسے وہ مقام حاصل ہوگا جس میں سکون ہی سکون اور خوشیاں ہی خوشیاں ہوں گی، نہ کوئی غم ہوگا، نہ رنج ہوں گے، نہ دکھ ہوں گے، نہ برائی ہوگی، نہ گناہ ہوں گے اور نہ ہی جاہ طلبی کی بے قراری ہوگی۔"

"بہت اونچے اڑتے ہو تم ہالی!" ایشہ نے ہنس کر کہا "اور بگل کی طرح بڑی صاف آواز میں اور بڑے یقین سے تم کہتے ہو۔ پھر میرے خیال میں تم اس ان دیکھی دنیا کی بات کرتے ہو جس کے اور ہمارے درمیان تہہ در تہہ دبیز پردہ پڑا ہوا ہے۔ بہر حال تم شاید اپنے اعتقاد کی نظر سے دیکھتے ہو اور وہ بھی تصور کار نگین شیشہ اپنی نظر کے سامنے رکھ کر۔ مستقبل کی وہ عجیب تصویریں ہوتی ہیں جنہیں انسانیت اعتقاد کے برش اور تصور کے مختلف رنگوں سے بناتی ہے اور عجیب ترین بات تو یہ ہے کہ یہ تمام تصویریں ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہوتی ہیں۔ میں تمہیں بتا سکتی ہوں کہ — لیکن اس سے کیا فائدہ؟ البتہ اتنا ضرور کہوں گی کہ جب بڑھاپا آہستہ آہستہ تم پر حاوی ہونے لگے گا اور جب عمر کی کند چھری تمہارے دماغ میں ایک تکلیف دہ طوفان اٹھا رہی ہوگی اس وقت تم افسوس سے ہاتھ ملو گے کہ تم نے میرا عطیہ کیوں قبول نہ

گیا؟ لیکن اس میں تمہارا قصور نہیں۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ ہر اس چیز کو حاصل اور قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے جس تک اس کا ہاتھ آسانی سے پہنچ جائے۔ اگر اسے اندھیرے میں راستہ دکھانے کے لیے ایک چراغ بڑی اطاعت سے جل رہا ہو تو وہ اسے جھنجھلا کر پھینک دیتا ہے کہ چراغ تارہ نہیں ہے، خوشی اس سے صرف ایک قدم آگے رقص کرتی ہے لیکن وہ اس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتا کیونکہ اسے تو آگ پکڑنی ہے اور ستاروں پر کمندیں پھینکنی ہیں اور ماہتاب پر شب خون مارنا ہے۔ حسن اس کے لیے کچھ نہیں ہے کیونکہ اسے ایسے ہونٹوں کی تلاش ہے جو شہد سے زیادہ میٹھے ہوں۔ اور دولت غربت ہے کیونکہ دوسرے اسے اس سے بھی وزنی بیڑیاں پہنا سکتے ہیں۔ اور شہرت ایک خالی پن ہے کیونکہ دنیا میں اس سے بھی زیادہ عظیم دانا اور مشہور انسان ہوئے ہیں۔ یہی کہا تھا نا ہم نے، اور اب میں تمہارے ہی الفاظ تمہاری طرف لوٹا رہی ہوں۔ بہر حال تم سوچ رہے ہو گے کہ تم تارے کو اپنی مٹھی میں لے لو گے لیکن میں اس پر یقین نہیں رکھتی اور کہتی ہوں کہ تم بیوقوف ہو کیونکہ تم تارے کی امید میں اس چراغ کو پھینک رہے ہو جو تمہاری اندھیری راہوں کو روشن کر رہا ہے۔"

میں نے کوئی جواب نہ دیا کیونکہ میں اس سے یہ نہ کہہ سکا، خصوصاً لیو کی موجودگی میں کہ چونکہ میں اس کی صورت دیکھ چکا ہوں اس لیے اب وہ ہمیشہ میری نظر کے سامنے رہے گی اور یہ کہ اب میں اس زندگی کو طول دینا نہیں چاہتا جس میں اس کی یاد ہر دم زہر گھولتی ہے اور اسے زیادہ سے زیادہ تلخ بلکہ ناقابل برداشت بناتی رہے۔ میں بے شک ایشہ سے محبت کرتا تھا لیکن یہ میری ناکام محبت تھی اور افسوس ہمیشہ ناکام ہی رہنے والی تھی۔

"اچھا" اس نے لہجہ اور موضوع بھی بدل کر کہا۔ "اب، میرے قالی قریط! کہ تم مجھے تلاش کرتے ہوئے یہاں کیسے آئے؟ میں اس کے متعلق کچھ نہیں جانتی اور نہ ہی تم نے کچھ بتایا ہے۔ گزشتہ کل رات کو تم نے بے شک کہا تھا کہ وہ قالی قریط جس کی لاش تم دیکھ چکے ہو۔ تمہارا جد امجد تھا۔ یہ کیسے ہوا؟ بتاؤ مجھے، میرے قالی قریط مجھ سے سب کچھ بتا دو اور کچھ نہ چھپاؤ مجھ سے، تم تو بہت کم گو واقع ہوئے ہو میرے قالی قریط۔"

چنانچہ ایشہ کی اس التجا سے بے قرار ہو کر لیو نے اسے صندوق، سفال اور اس پر کی تحریر کی جو قالی قریط کی مصری بیوی آمن ارتاس نے لکھی تھی، حیرت انگیز داستان سنا دی اور بتایا کہ اسی تحریر نے ہماری راہبری کو رتک کی تھی۔



ایشہ غور اور خاموشی سے سنتی رہی اور جب وہ خاموش ہوا تو میری طرف گھوم کر کہا۔

"میرے ہالی! جب ہم اچھائی اور برائی پر بحث کر رہے تھے تو اس وقت میں نے تم سے کہا نہیں تھا۔ یعنی اس وقت جب میرا محبوب بستر علالت پر پڑا ہوا تھا ہاں اس وقت میں نے کہا نہیں تھا کہ اچھائی سے برائی اور برائی سے اچھائی جنم لیتی ہے اور یہ کہ وہ لوگ جو بوتے ہیں نہیں جانتے کہ کیا کاٹیں گے اور وہ جو ضرب لگاتے ہیں نہیں جانتے کہ یہ وار کہاں پڑیں گے؟ اب یہی دیکھو یہ مصری آمن ارتاس، نیل کی یہ شاہی بیٹی جو مجھ سے نفرت کرتی تھی اور جس سے میں اب بھی نفرت کرتی ہوں کیونکہ اس نے اپنی تحریر سے اپنی نسل کو مجھ سے دور رکھنے اور میری نفرت اپنی نسل کے دل میں ڈالنی چاہی ہے، ہاں وہی قابل نفرت مصری عورت اپنے عاشق کو مجھ تک پہنچانے کا باعث بنی۔ اسی کی وجہ سے میں نے قالی قریط کو قتل کیا تھا لیکن دیکھو اب اسی کے ذریعہ وہی قالی قریط مجھ تک پہنچ گیا۔ وہ مجھ سے برائی کر سکتی تھی اور کر چکی تھی تاکہ مجھے آنسو ہی ملیں لیکن دیکھو اس کے بجائے وہ مجھے وہ دے گئی جو ایک عالم مجھے نہ دے سکتا تھا اور نہ دے سکا تھا۔ چنانچہ دیکھو ہالی۔ یہ عجیب واقعہ ہے جسے تم اپنی اچھائی اور برائی کے دائرے کا مرکز بنا سکتے ہو۔"

چند ثانیوں کے توقف کے بعد اس نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "اس مصری عورت نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ اگر ممکن ہو تو وہ اپنے باپ کا انتقام لے اور میرا خاتمہ کر دے۔ اور تم، اے قالی قریط، وہی باپ ہو اور دوسری طرح سے اس کے بیٹے بھی ہو اور اب تم اے قالی قریط میرے اس گناہ کا بدلہ مجھ سے لو گے جو میں نے تمہاری ماں سے اور خود تم سے کیا تھا؟ لو۔"

پھر وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی اور اپنا مرمریں سینہ برہنہ کر دیا۔

"لو دیکھو یہاں دھڑکتا ہے میرا دل۔ اور یہ پڑا ہے خنجر۔ یہ خنجر لمبا، وزنی اور تیز ہے، اس خنجر سے تم اس گناہگار عورت کا خاتمہ کر سکتے ہو۔ اٹھاؤ یہ خنجر اور اپنی ماں کا اور اپنے باپ کا اور خود اپنا انتقام لے لو۔ اٹھاؤ یہ خنجر اور میرے سینے میں اتار دو۔ اس کے بعد ہی تمہارے انتقام کی آگ بجھے گی، اس کے بعد ہی تم اپنی ماں کی روح کو سکون بخش سکو گے، ہاں خاتمہ کر دو میرا قالی قریط اور تم اس دنیا میں خوش اور مطمئن رہو گے کیونکہ تم اس عورت سے انتقام لے چکے ہو گے جس نے صدیوں پہلے تمہارا ایک گناہ کیا تھا۔"

لیو خاموش کھڑا بہت دیر تک ایشہ کی طرف دیکھتا رہا جو اس کے سامنے اپنا سینہ کھولے سر جھکائے گھٹنوں پر جھکی ہوئی تھی۔

پھر اس نے اپنے ہاتھ بڑھائے اور عائشہ کو بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا اور ادا سے کہا:

''اٹھو عائشہ۔ تم بخوبی جانتی ہو کہ میں تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا، ہاں انتقام لینے کے لیے بھی نہیں جس کی جان تم نے گزشتہ رات ہی لی ہے۔ میں تمہارے اختیار میں ہوں۔ میں کیسے قتل کر سکتا ہوں تمہیں؟ اس سے تو بہتر ہے کہ میں اپنے آپ سینے میں خنجر گھونپ لوں''

''تو معلوم ہوا کہ تم مجھ سے محبت کرنے لگے ہو قالی قریط۔'' عائشہ نے مسکرا کر کہا۔ ''اچھا اب اپنے ملک کے متعلق مجھے بتاؤ۔ بڑا زبردست اور پرقوت قبیلہ ہے تمہارا۔ ہے نا؟ اور اس کی حکومت رومی حکومت کی طرح زبردست ہے۔ یقیناً تم اپنے لوگوں میں واپس جاؤ گے اور یہ اچھا ہی ہوگا کیونکہ میں خود نہیں چاہتی کہ تم کور کے ان غاروں میں رہو۔ ہاں جب تم آتش حیات میں غسل کرنے کے بعد میری طرح بن جاؤ گے تو ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔ گھبراؤ نہیں۔ راستہ میں تلاش کر لوں گی اور پھر ہم یہاں سے رخصت ہو کر تمہارے وطن انگلستان پہنچیں گے اور بڑی شان سے رہیں گے۔ دو ہزار برسوں سے، میں اس مبارک وقت کی منتظر تھی جب میں ان نفرت انگیز غاروں اور ان وحشی لوگوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رخصت ہو جاؤں گی۔ اور اب وہ مبارک وقت قریب ہے اور میرا دل اس بچے کے دل کی طرح خوشی سے قلابازیاں کھا رہا ہے جس کے مدرسے میں طویل تعطیلیں پڑنے والی ہوں کیونکہ تم، اے میرے قالی قریط! اس انگلستان کے حکمراں ہو گے۔''

''لیکن ہماری ایک ملکہ تو ہے ہی۔'' لیو نے جلدی سے کہا۔

''تو کیا ہوا؟ تو کیا ہوا؟ عائشہ نے کہا۔ ''اس کی حکومت کا تختہ الٹا جا سکتا ہے۔

اس پر لیو نے اور میں نے حیرت کا اظہار کر کے صدائے احتجاج بلند کی اور کہا کہ اس سے تو بہتر ہے کہ خود ہمارا ہی تختہ الٹ جائے۔

''واقعی تو عجیب اور ناقابل یقین بات ہے۔'' عائشہ نے حیرت سے کہا۔ ''ایک ملکہ اور اس سے اس کی رعایا پیار کرتی ہے! یقیناً دنیا بہت کچھ بدل گئی ہے۔''

ایک بار پھر ہم نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا کہ یہ حکمراں ہیں جن کے عادات و اطوار بدل گئے ہیں اور یہ کہ حکمراں محض نام کے ہوتے ہیں حکومت دراصل عوام کے نمائندے کرتے ہیں چنانچہ گویا عوامی حکومت ہوتی ہے۔''

''آ۔ ہاں۔ تو یہ کہو جمہوریت کا دور ہے۔ تو پھر یقیناً کوئی جابر اور ظالم حکمراں بھی ہوگا کیونکہ



میں دیکھ چکی ہوں کہ حکومت جمہوریہ میں بڑی گڑبڑ مچ جاتی ہے، لوگ ایک دوسرے سے اختلاف کرنے لگتے ہیں اور آخر کار کسی جابر اور خودمختار حکمراں کو تخت پر بٹھا کر اس کی پرستش شروع کر دیتے ہیں۔''

''بے شک'' میں نے کہا۔ ''ہمارے یہاں بھی ایسے خودمختار ہیں۔''

''بہر حال۔'' عائشہ نے کہا۔ ''ہم ان جابر حکمرانوں کا خاتمہ کر دیں گے اور پھر قالی قریط ملک کا حکمراں ہوگا۔''

چنانچہ میں نے عائشہ کو مطلع کیا کہ ہمارے یہاں ''بھسم کر دینا'' نہ تو دلچسپ کھیل ہے اور نہ ہی اسے تعریف کی نظر سے دیکھا جاتا ہے بلکہ اس ہستی کا انجام، جو کسی کی جان لے، قانوناً پھانسی کے تختے پر ہی ہوتا ہے۔''

''قانون''۔ وہ طنز سے ہنسی۔ ہونہہ! قانون — تو اب تک تم سمجھ نہیں سکے میرے ہالی۔ کہ میں ہر قانون سے بلند ہوں اور اسی طرح قالی قریط بھی ہر قانون سے بلند ہو جائے گا؟ سارے انسانی قانون ہمارے لیے ایسے ہی ہوں گے جیسے شمالی ہوائیں پہاڑ کے لیے۔ کیا ہوا پہاڑ کو جھکا سکتی ہے؟

''اچھا۔ اب تم جاؤ۔ اور تم بھی جاؤ میرے قالی قریط تاکہ میں اپنے سفر کی تیاری کر لوں اور تمہیں بھی چاہیے کہ تیاری کر لو اور تمہارا ملازم بھی تیاری کر لے۔ لیکن دیکھو زیادہ سامان اور بہت سے کپڑے وغیرہ اپنے ساتھ نہ لینا کیونکہ میرے خیال میں ہمارا یہ سفر صرف تین دنوں کا ہی ہوگا۔ تین دنوں میں ہم یہاں واپس آ جائیں گے اور پھر ہم کور کے ان غاروں اور یہاں کے وحشی لوگوں کو الوداع کہیں گے — ہاں۔ بیشک تم میرا ہاتھ چوم سکتے ہو۔''

چنانچہ ہم اس سے رخصت ہوئے۔ لیو کے متعلق تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا البتہ میں خود اس پیچیدہ مسئلہ پر غور کر رہا تھا جو ہمیں درپیش تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ عائشہ ہمارے ساتھ انگلستان جانے کا قطعی فیصلہ کر چکی تھی اور اس خیال سے ہی کانپ گیا کہ وہاں اس کی آمد کا کیا نتیجہ ظاہر ہوگا؟ میں اس کی زبردست اور فوق الفطرت قوتوں سے واقف تھا اور مجھے یقین تھا کہ وہاں وہ اپنی ان قوتوں کو پوری طرح سے بروئے کار لے آئے گی۔ اسے کچھ عرصے کے لیے روکے رکھنا تو بے شک ممکن تھا لیکن اس کی مغرور، جاہ طلب اور بیقرار روح آخر کار سارے بندھن تڑا لے گی اور پھر صدیوں کی طویل تنہائی کا انتقام لے گی۔ اگر ضروری ہوا اور اگر اس کا بے پناہ حسن اس کے مقصد برآری کے لیے ناکافی ثابت ہوا تو وہ اپنی قوتوں کے سہارے اس منزل کی طرف بڑھتی اور ہر رکاوٹ کا خاتمہ کرتی چلی جائے گی جو منزل اس

نے اپنے لیے منتخب کر لی ہوگی۔ چونکہ وہ نہ مر سکتی تھی اور نہ ہی اسے شاید قتل کیا جا سکتا تھا[1] چنانچہ اسے اپنے ارادے سے اور اپنی منزل تک پہنچنے اور اپنا مقصد حاصل کرنے سے کون یا کیا چیز روک سکتی تھی؟!

بہر حال مجھے یقین تھا کہ اگر وہ انگلستان پہنچ گئی تو نہ صرف انگلستان کو بلکہ پوری دنیا کو اپنے قبضہ میں کر لے گی۔ حالانکہ اس کا بھی مجھے یقین تھا کہ وہ ہماری حکومت ایسی عظیم اور شاندار بنائے گی کہ کبھی کوئی حکومت اس کی ثانی نہ رہی ہوگی اور نہ ہی قیامت تک اس جیسی کوئی حکومت ہوگی لیکن یہ حکومت زندگی کی بڑی بھیانک قربانی سے حاصل کی جائے گی۔

یہ پوری کہانی یا تو ایک خواب معلوم ہوتی ہے یا پھر کسی پاگل دماغ کی اختراع اس کے باوجود یہ حقیقت تھی۔ ٹھوس اور ناقابل تردید حقیقت۔ کیا مطلب تھا اس کا؟ کافی غور و خوض کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ حیرت انگیز ہستی جو صدیوں سے زندہ اور بے ضرر چلی آ رہی تھی۔ اس ہستی کو اب قدرت دنیا کا نظام بدلنے کے لیے استعمال کرنے والی تھی اور وہ قوتیں دینے والی تھی جسے کبھی کوئی نہ تو ہلا سکتا تھا اور نہ ہی جس سے کوئی دوسری بڑی سے بڑی قوت ٹکر لے سکتی تھی۔ چنانچہ میرے خیال میں قدرت ایشہ کو دنیا کا نظام بدلنے کے لیے استعمال کرنے والی تھی۔

☆☆

[1] مجھے افسوس ہے کہ میں یہ معلوم نہ کر سکا کہ زندگی کے معمولی اور غیر معمولی حادثات سے ہر انسان کا سابقہ پڑتا ہے، ایشہ کا خاتمہ کر سکتے تھے یا نہیں۔ میرے خیال میں نہیں۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہ دو ہزار سال سے زندہ نہ ہوتی۔ اس طویل مدت میں یقیناً وہ بے شمار حادثات سے دوچار ہوئی ہوگی۔ بے شک اس نے لیو سے کہا تھا کہ وہ خنجر اٹھائے اور اس کا خاتمہ کر دے لیکن میرے خیال میں اس طرح وہ لیو کے مزاج اور اس کی طرف سے لیو کی نفرت یا محبت کو آزمانا چاہتی تھی۔ جہاں تک میں ایشہ کو سمجھ سکا ہوں کہہ سکتا ہوں کہ وہ نہ تو جذباتی تھی اور نہ ہی کوئی بلا مقصد کام کرتی تھی۔ (ہوریس ہالی)



# تیئسواں باب

# سچّائی کا مندر

ہمیں کچھ زیادہ تیاریاں نہ کرنی تھیں چنانچہ زیادہ وقت ان کی نذر نہ ہوا۔ ہم نے ایک جوڑی صاف دھلے ہوئے کپڑے لیے اور اپنے ہینڈ بیگ میں جوتوں کا ایک زائد جوڑا بھی رکھ لیا اس کے علاوہ ہم نے اپنے پستول اور ایک ایک ایکسپریس رائفل بھی لے لی اور کافی مقدار میں بارود بھی رکھ لیا۔ یہ احتیاط اس لیے ضروری تھی کہ اب تک ہم بڑے خطرات سے گزر چکے تھے، خدا نے ہماری جانیں بچائی تھیں اور اب اس سفر میں پتہ نہیں کون سے خطرات ہمارے منتظر تھے۔ بقیہ سامان، جن میں وزنی بندوقیں بھی تھیں، ہم نے غار میں ہی چھوڑ دیا۔

مقررہ وقت سے چند منٹ پہلے ہی ہمیں ایشہ کی خلوت گاہ میں طلب کیا گیا۔ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہ بھی تیار تھی۔ اس نے اپنے کفن جیسے لباس پر سیاہ لبادہ ڈال لیا تھا۔

''تم اس عظیم مہم کے لیے تیار ہو؟'' اس نے پوچھا۔

''ہاں تیار ہیں۔'' میں نے جواب دیا۔ ''لیکن سچ کہوں ایشہ؟ مجھے اس پر یقین نہیں ہے۔''

''سچ تو یہ ہے ہالی۔'' اس نے کہا۔ ''کہ تمہارا حال قدیم یہودیوں کا سا ہے جن کی یاد مجھے اب بھی غصہ دلا دیتی ہے۔ وہ کم بخت بھی ایسے ہی دیکھتے تھے اور یقین نہ کرتے تھے، اور جب کوئی بات انھیں سمجھائی جاتی تھی تو وہ بہت دیر سے بڑی مشکل سے اسے قبول کرتے تھے، لیکن تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے اور اگر یہ آئینہ غلط نہیں کہہ رہا۔'' اور اس نے اس حوض کی طرف اشارہ کیا جس میں وہ پانی تھا جس میں وہ تصویریں نظر آتی تھیں، ''تو راستہ اب بھی اسی طرح کھلا ہے جس طرح کہ دور قدیم میں کھلا تھا۔ اچھا تو اب چلو۔ اس نئی زندگی کا آغاز کرنے، جو کون جانے کہاں ختم ہوگی۔''

''ہاں۔'' میں نے کہا۔ ''کون جانے کہاں ختم ہوگی۔''

پھر ہم بڑے مرکزی غار میں اور وہاں سے نکل کر باہر دن کی روشنی میں آ گئے۔ غار کے دہانے پر ایک ڈولی ہماری منتظر تھی جس کو چھ کہار اٹھانے والے تھے۔ یہ کہار بہرے گونگے تھے اور ان کے ساتھ

میں نے اپنے دوست جوب کو بھی منتظر پایا تو میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ اس شخص سے مجھے گہری انسیت ہو گئی تھی۔

معلوم ہوا کہ چند وجوہات کی بنا پر، جنھیں بیان کرنا اس نے ضروری نہ سمجھا تھا، صرف ایشہ کو ڈولی میں سوار ہونا تھا اور ہم سب کو اس کے ساتھ پیدل چلنا تھا۔ ہم نے اس پر کوئی اعتراض نہ کیا کیونکہ غاروں میں طویل اقامت کے بعد پیدل سفر ہمیں نعمت معلوم ہوا بلکہ میں تو یوں محسوس کر رہا تھا جیسے مجھے طویل قید کے بعد رہائی ملی ہو۔ غار مردوں کے لیے بہترین اور پرسکون آرام گاہیں تھیں لیکن آپ جانئے زندوں کے لیے وہ ایسے نہ تھے۔ یا تو اتفاقاً یا پھر خود ایشہ کے حکم سے غار کے سامنے والا وہ میدان، جہاں ہم نے وہ بھیانک رقص دیکھا تھا، اس وقت تماش بینوں سے یکسر خالی تھا۔ کہیں کوئی شخص نظر نہ آ رہا تھا۔ چنانچہ اس سے میں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ہماری روانگی مخفی رکھی گئی تھی کوئی اس بات سے واقف نہ تھا سوائے ایشہ کے گونگے بہرے خدمت گاروں کے اور وہ ایشہ کے رازدار تھے۔ وہ جو کچھ دیکھتے تھے اسے اپنے تک ہی رکھنے کے عادی تھے۔

چند منٹ بعد ہی ہم اس زبردست میدان یا خشک تالاب کو عبور کر رہے تھے، جہاں کاشت کی گئی تھی، اور اتنا قطعہ زمین بلند و بالا پہاڑوں کے درمیان انگوٹھی میں جڑے ہوئے زمرد کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ یہاں ایک بار پھر ہمیں اس بات پر حیرت ہوئی کہ کور والوں نے اپنے دارالسلطنت کے لیے کس قدر عمدہ مقام کا انتخاب کیا تھا اور کس قدر مہارت سے یہ زبردست تالاب خالی کیا تھا اور نہر کے ذریعہ اس کا پانی بہا دیا تھا جس نے یہاں سے نکل کر دلدلیں پیدا کر دی تھیں، عقل حیران تھی اور یقین نہیں آتا تھا کہ قبل از تاریخ بھی ایسے زبردست انجینئر موجود تھے جن کے اس کارنامے کے سامنے نہر سویز بنانے کا کارنامہ بھی حقیقت میں معمولی معلوم ہوتا تھا۔

ہم لوگ کوئی آدھے گھنٹے تک چلتے اور خوشگوار خنکی سے، جو ہر روز اس وقت کور کے میدانوں پر اترائی تھی، لطف اندوز ہوتے رہے، اور تب ہمیں وہ عمارتیں نظر آئیں جو در اصل، جیسا کہ بلالی نے ہمیں بتایا تھا، عظیم شہر کور کے کھنڈرات تھے۔

فاصلہ بہت زیادہ تھا اس کے باوجود ہم دیکھ سکتے تھے کہ وہ کھنڈر عظیم الشان اور حیرت انگیز تھے اور جیسے جیسے ہم آگے بڑھ رہے تھے ہمارے اندازے کی حقیقت واضح ہوتی جا رہی تھی۔

اگرچہ بابل، ایتھنس یا دورِ قدیم کے کسی دوسرے شہر کے مقابلے میں کور چھوٹا شہر رہا ہوگا۔ اس کی



بیرونی خندق صرف بارہ میل یا اس سے کچھ زیادہ مربع میل میں پھیلی ہوئی تھی۔ نہ ہی اس کی فصیل، جہاں تک ہم قریب پہنچنے کے بعد اندازہ لگا سکے، زیادہ بلند تھی۔ زیادہ سے زیادہ چالیس فٹ بلند تھی۔ یہ فصیل اب بھی جوں کی توں کھڑی تھی اور زمین کے بیٹھ جانے یا کسی اور وجہ سے کھنڈر بننے نہ پائی تھی۔ چونکہ کور کی قلعہ بندی قدرت نے پہاڑوں سے کر دی تھی اور کور والوں کو کسی بیرونی دشمن سے خطرہ لاحق نہ تھا میرے خیال میں، اسی لیے فصیل زیادہ بلند نہ بنائی تھی اور یہ فصیل بھی محض شہر کی حد بندی کے لیے بنائی گئی تھی، لیکن دوسری طرف یہ حیرت انگیز بات تھی کہ فصیل جتنی بلند تھی اتنی ہی زیادہ چوڑی یا موٹی تھی اور پوری کی پوری پتھر کی بنی ہوئی تھی اور میرے خیال میں یہ وہی پتھر تھے جو کور کے زبردست غاروں میں سے نکالے گئے تھے یا یوں کہیے کہ غار کاٹنے سے جو پتھر برآمد ہوئے تھے انھیں اس فصیل میں استعمال کیا گیا تھا۔ یہاں جو خندق تھی اس کی چوڑائی ساٹھ فٹ سے کم نہ تھی اور اس میں اب بھی اکثر جگہ پانی بھرا ہوا تھا۔

سورج غروب ہونے سے کوئی دس منٹ پہلے ہم آخر کار اس خندق کے قریب نہ صرف پہنچ چکے تھے بلکہ اس میں اتر کر پتھروں کے ایک انبار کے ذریعہ دوسرے کنارے پر چڑھ رہے تھے۔ کسی زمانے میں پتھروں کا یہ انبار خندق کا پل رہا ہوگا لیکن اب ڈھے گیا تھا۔ خندق سے نکل کر اور قدرے مشکل سے ہم فصیل پر چڑھ گئے۔

اب جو عظیم اور حیرت انگیز منظر ہمارے سامنے تھا اسے بیان کرنے کا یارا کاش میرے قلم میں ہوتا۔ ہمارے سامنے، غروب ہوتے ہوئے سورج کی سرخ روشنی میں میلوں تک کھنڈر پھیلے ہوئے تھے۔ معبد، قربان گاہوں، شاہی محلوں اور زبردست ستونوں کا ایک جنگل سا تھا جس کی چھتیں تو بے شک بیٹھ گئی تھیں لیکن دیواریں کھڑی تھیں[1]

ہمارے عین سامنے وہ وسیع و عریض سڑک تھی جو کور کی شاہراہ ہی ہوگی۔ اس سڑک پر بے شک

---

1۔ آپ کو غالباً حیرت ہوگی کہ کم سے کم چھ ہزار سال گزر لے کے بعد بھی شہر کی عمارتوں کی دیواریں اور زیادہ تر ستون اب بھی کھڑے تھے تو اس سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ کور کو کسی فاتح قوم نے نہ اجاڑا تھا اور نہ ہی اسے جلایا گیا تھا اور نہ ہی زلزلے نے اسے تباہ کیا تھا بلکہ یہاں ایک جان لیوا وبا پھیل گئی تھی چنانچہ کور کے باشندے اسے خالی کر کے چلے گئے تھے۔ اس کے علاوہ یہاں کی آب و ہوا بھی خشک تھی اور بہت کم بارشیں ہوتی تھیں اور ہوائیں چلتی تھیں چنانچہ ان قدیم عمارتوں کا صرف ایک دشمن تھا جس کا مقابلہ وہ کر رہی تھیں یعنی زمانہ اور زمانہ بڑا ہی سست واقع ہوا تھا خصوصاً ایسی زبردست اور مستحکم عمارتوں کو وہ جلد نہیں مٹا سکتا تھا۔

(ہوریس ہالی)

گھاس اور چھدری جھاڑیاں اُگ آئی تھیں لیکن، جیسا کہ بعد میں معائنے سے معلوم ہوا یہ شاہراہ اونچی نہ تھی کہ اس پر پتھر بچھے ہوئے تھے۔ یہ یقیناً وہی پتھر تھے جن کا استعمال عمارتوں میں کیا گیا تھا۔ البتہ شہر کے وہ حصے، جو کبھی عمدہ پارک اور باغات رہے ہوں گے، اب گھنے جنگلات میں تبدیل ہو گئے تھے۔

شاہراہ کے دونوں طرف زبردست کھنڈرات کا سلسلہ تھا اور ہر کھنڈر کے سامنے چھوٹے چھوٹے قطعات میں گھنی جھاڑیوں کے جھنڈ تھے۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ یہ قطعات کبھی عمارتوں کے پائیں باغ رہے ہوں گے۔ یہ تمام عمارتیں ایک ہی طرح اور ایک ہی رنگ کے پتھروں کی بنی ہوئی تھیں اور ہر عمارت میں موٹے موٹے ستون تھے جن پر کبھی چھت ٹکی ہوئی ہوگی۔ کور کی اس ویران شاہراہ پر، جس پر ہزاروں سال سے کسی انسان کے قدم نہ پڑے تھے، گزرتے ہوئے اور غروب ہوتے ہوئے سورج کی سمٹتی ہوئی روشنی میں ہم بس یہی کچھ دیکھ سکے۔

کچھ ہی دیر بعد ہم ملبے کے ایک زبردست انبار کے قریب پہنچ چکے تھے۔ اس انبار یا کھنڈر نے آٹھ ایکڑ زمین کو گھیر رکھا تھا۔ میں نے سوچا کہ یہ، کور کی آبادی کے زمانے میں مندر رہا ہوگا۔ میرا یہ خیال غلط نہ تھا۔ یہ مندر کئی رواقوں میں تقسیم تھا اور ان رواقوں کو، جو گویا رواق در رواق تھے، عظیم الشان ستون ایک دوسرے کو الگ کر رہے تھے۔ یہ سطور لکھتے وقت وہ پورا نقشہ میری نظر کے سامنے گھوم رہا ہے۔ چنانچہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں میں ان ستونوں کی ساخت بیان کر دوں۔ یہ ستون بیچ میں شاعروں کے معشوق کی کمر کی طرح بے حد پتلے تھے اور اوپر نیچے سے پھیلے ہوئے تھے۔ اس قسم اور ساخت کے ستون میں نے کبھی کسی جگہ نہیں دیکھے۔ میں نے سوچا کہ یہ ستون عورت کے جسم کو مدِ نظر رکھ کر بنائے گئے ہوں گے جیسا کہ دورِ قدیم کے معماروں کا خاصہ تھا، لیکن دوسرے دن جب ہم پہاڑوں کی ڈھلان چڑھے تو وہاں ہمیں کھجور کے درختوں کے جھنڈ نظر آئے جن کے تنے ان ستون کی طرح ہی تھے یعنی بیچ میں سے پتلے اور اوپر نیچے موٹے۔ چنانچہ میرا خیال غلط نہیں ہے کہ معماروں نے یہ ستون انہی کھجور کے تنوں کی ساخت کو ماڈل بنا کر تراشتے تھے، یا ہو سکتا ہے کہ کھجور کے وہ درخت، جو ان ستونوں کے ماڈل

---

[1] بلالی نے مجھے بتایا کہ اماجر کور کے کھنڈرات کو آسیب زدہ سمجھتے تھے چنانچہ کبھی بھولے سے بھی اس طرف نہ آتے تھے۔ خود بلالی کو بھی اس طرف آنا یا اس کے قریب سے گزرنا پسند نہ تھا لیکن چونکہ وہ بقول اس کے، براہ راست الیشہ کی حفاظت میں تھا لہٰذا آسیبوں سے محفوظ تھا۔ یہ بات واقعی حیرت انگیز تھی کہ وہی اماجر کور کے کھنڈرات کے قریب آتے ڈرتے تھے جو اس کے باشندوں کی لاشوں کے ساتھ بسرف غاروں میں بے خوفی کے ساتھ رہتے تھے بلکہ ان کی حنوط شدہ لاشوں کو بطور مشعلوں کے استعمال کرتے تھے۔ بہرحال یہ ایک قسم کی احتیاط سمجھا ہو تو ہم پر کیا تھی جس کے متعلق کچھ بھی کہنا فضول ہے۔ (ہوریس ہالی)



بنے تھے، حالیہ کھجوروں کے اجداد ہوں جو دس ہزار سال پہلے ان ڈھلانوں پر اُگ رہے تھے جو دراصل آتش فشانی تالاب کا کنارہ بناتی تھیں۔

اس عظیم الشان مندر کے پرسال میں ہمارا چھوٹا سا کارواں رک گیا۔ یہ پرسال یا مندر کا ''پیش'' تھیبس کے ان کرناک مندر کے جتنا وسیع و عریض ہوگا۔ یہاں الیشہ اپنی ڈولی سے اتر آئی اور لیو سے، جو سہارا دے کر اسے اتار رہا تھا، کہا:

''قالی کریٹا! یہاں ایک کمرہ ہے جہاں ہم رات گزار سکتے ہیں۔ دو ہزار سال پہلے تم، میں، اور وہ مصری ناگن اسی کمرے میں سوئے تھے لیکن اس رات کے بعد سے آج تک میں نے یہاں قدم نہیں رکھا۔ چنانچہ ہو سکتا ہے کہ اس کمرے کی چھت بھی گر گئی ہو۔ بہرحال آؤ۔''

چنانچہ وہ آگے اور ہم اس کے پیچھے چلے اور ایک ٹوٹا ہوا زینہ چڑھ کر مندر کے بیرونی حصے میں پہنچ گئے اور وہاں کھڑے ہو کر الیشہ نے بڑھتی اور دبیز ہوتی تاریکی میں چاروں طرف دیکھا۔ چند ثانیوں کے بعد ہی شاید اسے یاد آ گیا چنانچہ وہ بائیں طرف کی دیوار کے متوازی چند قدم آگے بڑی اور پھر ٹھہر گئی۔

''ہوں۔ وہ کمرہ اسی طرح ہے جس طرح کہ دو ہزار سال پہلے تھا۔'' اس نے کہا۔ اور پھر اس نے اپنے ان دو گونگے بہروں کو جو ہمارا سامان اٹھائے ہوئے تھے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ ان میں سے ایک آگے بڑھا۔ اپنے لباس میں سے چراغ برآمد کیا اور انگاروں سے اسے سلگایا۔ یہاں میں یہ بتا دوں کہ اماجر سفر میں دہکتے ہوئے انگاروں کا ایک چھوٹا سا طباق اپنے ساتھ رکھتے تھے کہ راستے میں آگ جلا سکیں۔ یہ انگارے حنوط شدہ لاشوں کے ٹوٹے ہوئے چھوٹے بڑے ٹکڑے ہوتے تھے جنہیں بڑی احتیاط سے پانی میں نم کر لیا جاتا تھا اور اگر یہ نمی یا اس کی مقدار ٹھیک ہوتی تو یہ انگارے کئی گھنٹوں تک سلگا کرتے تھے۔

جب چراغ جل چکا تو ہم اس کمرے میں داخل ہوئے جس کے سامنے الیشہ ٹھہر گئی تھی۔ معلوم ہوا کہ یہ ایک حجرہ تھا جسے خود دیوار کی موٹائی میں اور دیوار کاٹ کر بنایا گیا تھا۔ چونکہ اس میں ایک کافی بڑی سنگی میز تھی اس لیے میرے خیال میں یہ حجرہ مندر کے کسی کاہن یا دربان کی رہائش گاہ رہا ہوگا۔

اس حجرہ میں ہم نے قیام کر دیا۔ حجرے کی صفائی کرنے اور اسے حتی الامکان آرام دہ بنانے کے بعد ہم نے تھوڑا سا ٹھنڈا گوشت کھایا۔ یعنی میں نے، لیو نے اور جوب نے کیونکہ الیشہ، جیسا کہ میں

غالباً کسی جگہ بیان کر چکا ہوں، چپاتی، پھلوں اور پانی کے علاوہ کسی چیز کو چھوتی نہ تھی۔

ابھی ہم کھانا کھا ہی رہے تھے کہ چاند، جو پورا تھا پہاڑوں کی بلند اور سیاہ دیوار کے پیچھے سے ابھر آیا اور اس خاموش اور مہیب مقام میں اپنی چاندنی بکھیرنے لگا۔

"جانتے ہو میرے بالی! کہ میں آج رات تمہیں یہاں کیوں لائی ہوں؟"—ایشہ نے اپنی ٹھوڑی ہتھیلی پر ٹکا کر اور مندر کے عظیم الشان ستونوں پر بلند ہوتے ہوئے پورے چاند کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں یہاں تمہیں اس لیے لائی ہوں کہ— لیکن ہائے۔ عجیب اتفاق ہے یہ تو— جانتے ہو میرے قالی قریط کہ اس وقت تم ٹھیک اسی جگہ بیٹھے ہوئے ہو جہاں میں نے دو ہزار سال پہلے کے قالی قریط کی لاش اس وقت رکھی تھی جب میں اسے واپس کور کے غاروں کی طرف لے جا رہی تھی؟ وہ منظر اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ اس وقت میری نظروں کے سامنے یوں گھوم رہا ہے جیسے ابھی کل کا ہی واقعہ ہے۔ ہائے کس قدر بھیانک منظر ہے یہ۔"

اور وہ کانپ گئی۔

یہ سنتے ہی لیو ہڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے اپنی جگہ بدل لی۔ وہ منظر ایشہ کے لیے کتنا ہی بھیانک اور غم ناک کیوں نہ رہا ہو اس کی یاد دہانی خود لیو کے لیے بھی یقیناً اتنی ہی بھیانک تھی۔

"میں تمہیں یہاں اس لیے لائی ہوں۔" ایشہ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "کہ تم وہ حیرت انگیز منظر دیکھ سکو جسے کبھی کسی انسان نے نہ دیکھا ہو گا یعنی پورے چاند میں کور کے کھنڈرات کا منظر۔ جب تم کھانے سے فارغ ہو تو تو— ہاں قالی قریط! کاش کہ میں تمہیں صرف پھل کھا کر جینا سکھا سکتی۔ لیکن خیر آتشِ حیات میں غسل کرنے کے بعد میں تمہیں صرف پھل کھا کر جینا سکھا دوں گی۔ کبھی میں بھی جنگلیوں کی طرح گوشت کھایا کرتی تھی— ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ جب تم لوگ کھانے سے فارغ ہو لو تو پھر ہم باہر چلتے ہیں۔ پھر میں تمہیں اس عظیم مندر کی سیر کراؤں گی اور وہ دیوتا دکھاؤں گی جس کی کبھی پرستش کرتے تھے۔"

غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہم فوراً ہی اٹھ کھڑے ہوئے اور ایشہ کے ساتھ باہر آ گئے اور یہاں ایک بار پھر قلم میرا ساتھ نہیں دے رہا ہے۔ فرض کیجیے کہ میں اس منظر کو بیان کر سکتا تب بھی ایک ایک کھنڈر اور مندر کے مختلف حصوں کو بیان کرنا میرے لیے نہ صرف ناممکن بلکہ تھکا دینے والا ہوتا۔ میں نہیں جانتا کہ اس منظر کی لفظی تصویر کس طرح کھینچ دوں۔ منظر اپنی تمام تر ویرانی اور سراسر کھنڈر ہونے



کے باوجود اس قدر مسحور کن تھا کہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ایک کے بعد دوسرا اندھیرا دالان، ایک کے بعد ایک عظیم الشان ستونوں کی قطاریں جن میں کے چند ستون، خصوصاً دروازے کے پاس والے، منقش تھے اور ان میں اوپر سے نیچے تک بیل بوٹے اور بت بنے ہوئے تھے اور کے بعد دیگرے خالی، اندھیرے اور خاموش کمرے جو کسی بھی شہر کی شاہراہ کی گہما گہمی سے زیادہ مرعوب کر رہے تھے اور ان سب پر بالا ویرانی کی موت کی سی بلکہ خود موت کی خاموشی، مکمل ترین تنہائی کا احساس اور ماضی کا مہیب اور یہ : ول سایہ۔ کس قدر خوبصورت تھا یہ سب کچھ اور ساتھ ہی ساتھ کس قدر بھیانک بھی! ہم لوگ اونچی آواز میں بولنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے اور نہ کر رہے تھے خود ایشہ بھی اس قدامت کے روبرو لرزہ براندام تھی جس کے سامنے خود اس کی قدامت بھی ہیچ تھی۔

چاند کی دودھیا چاندنی ستونوں پر رینگ رہی اور دالانوں میں پھیل رہی تھی اور ہر چیز کو دودھیا کفن اڑھا کر اس کے عیوب چھپا رہی تھی۔ پورا چاند آسمان کی بلندیوں پر سے اور اس کی نیلاہٹوں میں سے جڑے ہوئے کور کے اس کھنڈر شدہ مندر کو دیکھ رہا تھا بڑا عجیب خیال تھا یہ اور بڑا عجیب تصور تھا کہ کتنی ہی صدیوں سے آسمان کا یہ ویران چاند اور دھرتی کا یہ ویران کور ایک دوسرے کی طرف خاموشی، حیرت اور حسرت سے دیکھ رہے ہیں اور اپنی زبان خاموش سے اپنی عظمت گزشتہ کی داستان ایک دوسرے کو سنا رہے ہیں۔

چاند کی روشنی بڑھی اور پھیلی۔ ستونوں اور دیواروں کے سائے سمٹتے چلے گئے اور پھر وہ گھاس اگے دالان میں مندر کے کاہنوں کی روحوں کی طرح رینگ آئی۔ زرد چاندنی بڑھتی اور پھیلتی گئی، اندھیرے سائے سمٹتے اور جگہ بدلتے رہے یہاں تک کہ اس منظر کا سحر، اس کی ویرانی، اس کی خاموشی اور اس کا سکوت جیسے ہماری روحوں میں اتر گیا، ہم سہم سے گئے اور ہماری سرگوشیاں بھی نہیں اور گستاخانہ معلوم ہوئیں۔

پتہ نہیں ہم کب تک اس منظر کو دیکھتے رہے اور مزید کہاں تک دیکھتے رہتے کہ ایشہ نے کہا:

"آؤ اب میں تمہیں وہ رنگین پھول دکھاؤں جو اپنے حسن میں بے مثال اور اس سارے منظر کا گویا سرتاج ہے۔ بشرطیکہ وہ عجوبہ اب بھی کھڑا ہوا ہو۔ وہ اب بھی اسی طرح کھڑا وقت کا مذاق اڑا رہا اور قدرت کے اسرار کے پردے اٹھانے کے لیے انسان کو بے قرار کر رہا ہو۔"

پھر ہمارے جواب کا انتظار کیے بغیر وہ آگے بڑھ گئی۔ ہم اس کے پیچھے چلے اور ستونوں والے مزید دو دالان عبور کر کے مندر کے اندرونی حصے میں پہنچے۔ مندر کے درمیانی دالان میں، جو نئی

مربع گز تھا اور اس کے عین بیچ میں فن بت تراشی کا ایسا اعلیٰ ترین نمونہ کھڑا ہوا تھا جو اپنی مثال آپ تھا۔ ایسا بے مثال شاہکار، جو ایک اشارہ بھی تھا کہ آج تک کوئی فنکار نہ پیش کر سکا ہے اور نہ قیامت تک پیش کر سکے گا۔

دالان کے عین بیچ میں پتھر کے ایک چوکور اور بلند پلیٹ فارم پر پتھر کا ایک بہت بڑا گولا رکھا ہوا تھا۔ اس گولے کا رنگ سیاہی مائل تھا اور اس کا قطر بیس فٹ سے کسی صورت کم نہ تھا۔ اس گولے پر بازوؤں والی ایک حسینہ کا بت کھڑا تھا جو چاند کی سیمیں روشنی میں اس قدر مسحور کن معلوم ہو رہا تھا کہ سچ مچ میرا دل اپنی دھڑکنیں بھول گیا۔

یہ بت سنگ مرمر سے تراشا گیا تھا اور اتنی صدیاں گزرنے کے بعد بھی اتنا سفید اور چکنا تھا کہ چاند کی روشنی میں چمک رہا تھا۔ موسموں کا ردو بدل نہ تو اسے سیاہ کر سکا تھا اور نہ ہی اس پر کائی کی تہ چڑھا سکا تھا۔ یہ میرے اندازے کے مطابق بیس فٹ بلند تھا، یہ ایک عورت کا بت تھا جس کے شانوں پر پتھر کے دو نہایت ہی نازک بازو لگے ہوئے تھے اور یہ پتھر کی عورت اس قدر حسین تھی کہ ایسی حسین اور متناسب الاعضا اور سڈول جسم والی ہر طرح سے مکمل ترین عورت کا تصور بھی ممکن نہیں۔ اپنی زبردست جسامت کے باوجود اس بت میں ایک ملکوتی نزاکت تھی کہ اسے بیان نہیں کیا جا سکتا صرف محسوس ہی کیا جا سکتا تھا۔

سنگ مرمر کی یہ حسینہ قدرے آگے کی طرف جھکی ہوئی تھی اور اس نے اپنے دونوں ہاتھ یوں آگے بڑھا رکھے تھے جیسے اپنی عزیز ترین چیز کو آغوش میں لینا چاہتی ہو۔ اور اس کے پورے انداز سے ایک التجا عیاں تھی۔ یہ بت برہنہ تھا — اور یہ حیران کن بات تھی — اس کے چہرے پر پتھر کی ہی باریک نقاب پڑی ہوئی تھی اور اس نقاب میں سے اس کے چہرے کے نقوش دھندلے نظر آ رہے تھے۔ اس نقاب کا ایک سنگیں کونہ اس کے سر پر سے گزر کر، اس کے گردن پر سے ہوتا ہوا اس کی بائیں چھاتی پر آ پڑا تھا اور دوسرا کونا سر کے پیچھے جیسے ہوا میں اڑ رہا ہو۔ یہ اڑتا ہوا کونا اندغف کے قریب ٹوٹ گیا تھا۔

"اندازہ نہیں لگا سکے کہ کون ہے؟" ایشہ نے کہا۔ "میرے ہالی تمہاری زیرکی اور تصور کو کیا ہوا؟ یہ سچائی ہے جو دنیا کے گولے پر کھڑی ہے اور دونوں ہاتھ پھیلا کر اپنے بچوں کو بلا رہی ہے کہ آؤ اور میری نقاب الٹ دو۔ دیکھو! کیا لکھا ہوا ہے اس پلیٹ فارم پر۔ یقیناً یہ کور کے لوگوں کی قدیم اور مقدس کتاب سے اقتباس ہے۔



پھر وہ ہمیں بت کے قدموں میں لے آئی اور وہاں پلیٹ فارم کے سامنے والے پہلو پر کور کی قدیم ہیلوڈرافی میں، جو چینی تحریر سے مشابہ تھی، ایک تحریر کندہ تھی جو اب بھی اتنی صاف تھی کہ کم سے کم ایشہ سے آسانی سے پڑھ سکتی تھی۔ ایشہ کے ترجمے کے مطابق یہ تحریر یوں تھی۔

"کیا کوئی مرد ایسا نہیں ہے جو میری نقاب اٹھا کر
میری صورت دیکھ سکے
میں بہت زیادہ حسین ہوں
اور میں اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دوں گی
جو میرے چہرے پر سے نقاب اٹھا دے گا۔
اور اسے علم اور اچھائی کی اولاد دوں گی
اور ایک غیبی آواز نے چیخ کر کہا
"ہر شخص حالانکہ تجھے تلاش کرتا ہے۔"
اور تیری آرزو کرتا ہے۔
لیکن دیکھ! تو کنواری ہے اور جب تک زمانہ ہے
اور اس کی گردشیں قائم ہیں،
تو کنواری ہی رہے گی
کسی عورت نے ایسا مرد نہیں جنا ہے جو
تیرے چہرے پر سے نقاب اٹھا دے اور پھر زندہ بھی رہے۔
اور نہ ہی آخر تک کسی عورت کے بطن سے ایسا مرد پیدا ہوگا
اے سچائی! مر کر ہی تیرے چہرے پر کی نقاب اٹھائی جا سکتی ہے
اور سچائی نے اپنے ہاتھ پھیلا دیئے اور رونے لگی
کیونکہ وہ جو اس کی آرزو کرتے ہیں
اسے حاصل نہیں کر سکتے
اور نہ ہی اس کی صورت دیکھ سکتے ہیں
وہ کنواری تھی، کنواری ہے اور کنواری رہے گی

ابدالاباد تک، ابدالاباد تک۔"

"دیکھا!" ایشہ نے جب ترجمہ کر چکی، تو کہا۔ "کور کے ان قدیم باشندوں کی سچائی تھی، اسی کے وہ مندر بنائے تھے اور اسی کے تلاش میں رہتے تھے حالانکہ جانتے تھے کہ وہ کبھی اسے نہ پا سکیں گے تاہم وہ اس کی تلاش میں تھے۔"

"اور اسی طرح۔" میں نے اداسی سے کہا۔ "انسان آج بھی اس دیوی کی تلاش میں سرگرداں ہے لیکن اسے پا نہیں رہا جیسا کہ کور کے لوگوں کی مقدس کتاب میں تحریر تھا۔ یہ بھی شاید سچ ہے کہ آدمی مر کر ہی سچائی کے چہرے پر نقاب اٹھا سکتا ہے اور اسے حاصل کر سکتا ہے۔"

ایک بار پھر ہم نے نقاب پوش اور روحانی حسینہ کی طرف دیکھا جو ایسی مکمل، ایسی شفاف اور پاک اور صاف تھی کہ ہمیں یا کم سے کم مجھے تو ایسا محسوس ہوا جیسے کہ روح حیات کی تابناکی اس سنگ مرمر میں نہ صرف قید ہے بلکہ اس کے آر پار چمک رہی ہے کہ انسان کے تصورات کو ابدیت اور بلندیاں بخش سکے۔ یہ مجسمہ شاعر کا ایک حسین ترین خواب تھا جو گویا منجمد ہو کر پتھر بن گیا۔ اور اسے میں عمر بھر نہ بھلا سکوں گا اور چاہوں تو اب تک بھی نہیں بھلا سکتا۔ سچائی کی وہ دیوی آج بھی مجھے یاد ہے اور ہمیشہ یاد رہے گی۔

خیر تو آمدم بر سر مطلب۔ سچائی دیوی پر ایک آخر نظر ڈالنے کے بعد ہم پلٹ پڑے اور ان دالانوں میں چلے دیئے جن کے سنگی فرش پر اب چاندنی بچھی ہوئی تھی۔

پھر میں دوبارہ سچائی کے اس مجسمے کو نہ دیکھ سکا جس کا مجھے آج تک افسوس ہے کیونکہ دنیا کے اس زبردست گولے پر، جس پر سچائی کی دیوی کھڑی ہوئی تھی بہت لکیریں کندہ تھیں۔ میرے خیال میں یہ دنیا کا نقشہ تھا جو ناکافی روشنی کی وجہ سے ہم دیکھ نہ سکے۔ اگر ہم وہ نقشہ دیکھ سکتے تو پتہ چلتا کہ کور کے باشندے دنیا کو کیسی سمجھتے تھے اور ان کے نزدیک دنیا کے مختلف ممالک یا حصوں کی ساخت کیسی تھی۔ بہرحال یہ بات بہت حیرت انگیز تھی کہ کور والے اس حقیقت سے واقف تھے کہ دنیا گول ہے چنانچہ سچائی کی دیوی دنیا کے گولے پر ہی کھڑی ہوئی تھی۔ کاش کہ میں دنیا کا وہ نقشہ دیکھ سکتا جو کور والوں نے بنایا تھا۔

☆☆



# چوبیسواں باب

## موت کا پُل

دوسرے دن گونگے بہرے خدمت گاروں نے ہمیں پو پھٹنے سے پہلے ہی جگا دیا۔ اپنی آنکھ سے نیند مل کر ہم اٹھ کھڑے ہوئے۔ بیرونی دالان کے عین بیچ میں سنگ مرمر کا ایک کافی بڑا حوض تھا جس میں اب بھی پانی بھرا ہوا تھا۔ معلوم ہوا کہ پانی سڑا ہوا نہ تھا اور نہ ہی گندہ تھا۔ سبب اس کا یہ تھا کہ ایک چشمہ، جو کہیں اوپر سے بہہ کر آتا تھا، صدیاں گزر جانے کے بعد اب بھی اس حوض کو بھر رہا تھا اور یہی پانی جب حوض بھر جاتا، دوسری طرف سے بہہ جاتا تھا۔

بہرحال جب ہم اس حوض کے پانی سے منہ ہاتھ دھو کر اور تازہ دم ہو کر باہر پہنچے تو ایشہ اپنی ڈولی کے قریب ہماری منتظر اور تیار کھڑی تھی۔ بوڑھا بلالی اور دو گونگے بہرے بار بردار سامان سمیٹنے میں مصروف تھے۔

ایشہ حسب معمول سچائی کی دیوی کی طرح نقاب پوش تھی اور اب پہلی دفعہ مجھے خیال آیا کہ اس نے اپنا حسن چھپانے کا خیال یقیناً سچائی کی دیوی کے مجسمے سے لیا تھا۔ میں نے اس وقت ایک بات خصوصیت سے دیکھی۔ یعنی یہ کہ اس وقت ایشہ بے حد افسردہ معلوم ہوتی تھی۔ اس کا وہ سارا تکبر، وہ شان اور وہ تیزی و خوش مزاجی رخصت ہو چکی تھی جو اسے دنیا کی ہر عورت سے بلند کرتی تھی اور جس کی وجہ سے وہ ہزاروں عورتوں میں الگ پہچانی جا سکتی تھی پھر وہ ہزاروں عورتیں اس کی طرح نقاب پوش ہی کیوں نہ ہوں۔

جب ہم قریب پہنچے تو اس نے سر اٹھا کر — کیونکہ وہ سر جھکائے کھڑی تھی — ہماری طرف دیکھا اور ہمیں خوش آمدید کہا۔ لیو نے اس سے پوچھا کہ اس کی رات کیسی گزری۔

"بہت بری میرے قالی قریط، بہت بری۔" ایشہ نے جواب دیا۔ "گزشتہ رات بڑے عجیب اور ڈراؤنے خواب مجھے نظر آئے اور میں نہیں جانتی کہ ان کی تعبیر کیا ہے۔ پہلے تو کبھی میں نے ایسے خواب نہ دیکھے تھے۔ چنانچہ میں محسوس کر رہی ہوں جیسے کوئی برا واقعہ ہونے والا ہے لیکن میرے ساتھ کیسے ہو سکتا ہے برا واقعہ اور اگر ہو بھی تو وہ میرا کیا بگاڑ سکتا ہے؟ اور اگر ایسا ہوا تو میں سوچتی ہوں میرے

قائی قریط کیا تم بھی صدیوں تک میرا انتظار کرو گے جس طرح کہ میں نے تمہارا انتظار کیا ہے، یہاں تک کہ میں دوبارہ واپس آ جاؤں؟"

اور ہمارے جواب کا انتظار کئے بغیر اس نے کہا: "اب ہمیں روانہ ہو جانا چاہئے کیونکہ ہمیں کافی دور جانا ہے اور اس سے پہلے کہ آسمان کی نیلاہٹوں میں دوسرا دن طلوع ہو ہمیں مقام حیات میں پہنچ جانا ہے۔"

پانچ منٹ بعد ہی ہم ایک بار پھر ویران اور خاموش کھنڈر میں کھڑے تھے اور پھٹتی ہوئی پو کی روشنی میں بہ یک وقت مرعوب کن اور مہیب معلوم ہو رہے تھے۔ جب سورج کی پہلی ترچھی کرن اس ویران شہر میں اتری تو اس وقت تک ہم کور کی بیرونی فصیل کے دروازے تک پہنچ چکے تھے۔ یہاں ہم نے گھوم کر ایک بار پھر ستونوں اور دیواروں کے اس سنگین اور خاموش جنگل کی طرف دیکھا اور ہم نے سوائے جوب کے جسے کھنڈروں سے کوئی دلچسپی نہ تھی اس پر افسوس کا اظہار کیا کہ اس شہر کی سیر کرنے اور اس کے عجائبات دیکھنے کا ہمیں موقع نہ ملا تھا۔ ویران کور پر یوں آخری نظر ڈال کر ہم آگے بڑھے اور خندق عبور کر کے کور کے میدانوں میں پہنچ گئے۔ سورج طلوع ہوا اور اس کے ساتھ ہی ایشہ کی افسردگی دور ہو گئی اور اس کا سبب اس نے یہ بتایا کہ وہ سچائی کے مندر میں سوئی تھی۔

"یہ وحشی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ کور آسیب زدہ ہے۔" اس نے کہا۔ "اور سچ تو یہ ہے کہ اب میں بھی ان کے اس اعتقاد پر یقین کرنے لگی ہوں کیونکہ کبھی میری کوئی رات ایسی نہ گزری تھی جیسی کہ گزشتہ رات گزری سوائے ایک رات کے اور وہ رات وہ تھی جو میں نے ٹھیک اس جگہ اس طرح گزاری تھی کہ تمہاری لاش، میرے قائی ریط، میرے قدموں میں پڑی ہوئی تھی۔ میں آئندہ کبھی یہاں نہیں آؤں گی کیونکہ یہ حقیقت میں بہت بری اور آسیب زدہ جگہ ہے۔"

ناشتہ کے لیے ایک جگہ مختصر قیام کرنے کے علاوہ ہم یوں مسلسل اور تیز رفتاری سے سفر کرتے رہے کہ دوپہر کے دو بجے ہم اس فلک بوس چٹانی دیوار کے قدموں میں تھے جو آتش فشاں کا گویا لب تھی۔ یہاں یہ چٹان عمودی تھی اور اس کی بلندی پندرہ سو یا دو ہزار فٹ تھی۔ یہاں ہم نے قیام کر دیا۔ غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ جب میں نے اس چٹان کی طرف دیکھا تو حیرت سے سوچنے لگا کہ یہاں سے آگے بڑھنے کی کیا صورت ہو گی۔

"اب یہاں سے۔" ایشہ نے اپنی ڈولی سے اترتے ہوئے کہا۔ "ہماری دقتوں کا آغاز



ہوتا ہے کیونکہ یہیں سے ہم اپنے آدمیوں سے رخصت ہو کر اکیلے روانہ ہوں گے چنانچہ سامان وغیرہ خود ہی ہمیں اٹھانا پڑے گا۔"

پھر وہ بالالی کی طرف گھوم گئی۔

"تم ان غلاموں کے ساتھ یہیں ٹھہرو اور ہمارا انتظار کرو کل دوپہر تک ہم واپس آ جائیں گے اور اگر نہ آئیں تو — تب بھی انتظار کرنا۔"

بوڑھا بالالی کمر سے خم ہو گیا اور بولا:

"وہ جس کا حکم ماننا ضروری ہے اس کے حکم کی تعمیل کی جائے گی چاہے ہمیں اس وقت تک انتظار کرنا پڑے جب تک کہ ہم یہیں بوڑھے ہو کر مر نہ جائیں۔"

"اور یہ شخص اے بالی۔" ایشہ نے جوب کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "بہتر ہو گا کہ یہ بھی ان غلاموں کے ساتھ یہیں ہماری واپسی کا انتظار کر لے، اگر اس کا دل مضبوط اور ہمت بلند نہیں ہے تو ہو سکتا ہے کہ اس پر کوئی آفت آ پڑے اس کے اس مقام کے اسرار جہاں ہم جا رہے ہیں، عام آدمیوں کی نظروں کے لیے نہیں ہیں۔"

جب میں نے ایشہ کے اس مشورے کا ترجمہ جوب کو سنایا تو اس نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اور بھرائی ہوئی آواز میں، محض دکھاوے کے لیے نہیں بلکہ خلوص دل سے درخواست کی کہ ہم اسے چھوڑ کر نہ جائیں۔ اس نے کہا کہ وہ اب تک جو کچھ دیکھ چکا ہے اس سے زیادہ بھیانک واقعات کا یقین ہے کہ اب نہ دیکھے گا اور یہ کہ ان "گھنے لوگوں" کے ساتھ اکیلے رہنے کا خیال ہی بڑا خوفناک تھا کیونکہ یہ لوگ اس کے خیال میں، اس موقع کی غنیمت جان کر اس کے سر پر "گرم برتن" رکھ دیں گے۔

جوب نے جو کچھ کہا تھا اس کا ترجمہ میں نے ایشہ کو سنایا تو اس نے شانہ اچکا کر جواب دیا۔

"بہت اچھا۔ اگر یہ ہمارے ساتھ چلنا ہی چاہتا ہے تو یونہی سہی۔ لیکن جو کچھ ہو گا اس کا ذمہ دار خود یہ ہو گا۔ پھر مجھے الزام نہ دینا۔ بہرحال اس کے ساتھ آنے سے ہمیں اتنا تو فائدہ ضرور ہو گا تمہارا خادم چراغ اور یہ سامان اٹھائے گا۔"

پھر اس نے اس چوبی تختے کی طرف اشارہ کیا جو چوڑائی میں تو بہت کم تھا لیکن اس کی لمبائی تقریباً سولہ فٹ تھی۔ یہ تختہ اس کی ڈولی کے ڈنڈے سے بندھا ہوا تھا۔ اب تک میں یہی سمجھے ہوئے تھا کہ یہ تختہ ڈولی کے پردوں کو پھیلانے کے لیے باندھا گیا تھا لیکن اب معلوم ہوا کہ اس کو کسی انجانے

مقصد کے لیے اور ہمارے اس حیرت انگیز سفر میں استعمال کیا جانے والا تھا۔

چنانچہ فوراً ہی یہ تختہ، جو مضبوط ہونے کے باوجود بے حد ہلکا تھا اور ایک چراغ جوب کو دے دیا گیا۔ دوسرا بجھا ہوا چراغ اور تیل کا ایک زائد کپا اپنی پشت پر ڈال لیا۔ لیو نے ہمارا سامان اور پانی جو مینڈھے کی کھال میں بھرا ہوا تھا، اٹھا لیا۔

جب ہم یوں تیار ہو گئے تو عائشہ نے بلالی سے کہا کہ وہ چھ گونگے بہرے خدمت گاروں کو لے کر جھاڑیوں اور درختوں کے اس جھنڈ کے پیچھے چلا جائے جو وہاں سے سو گز دور تھا اور اس وقت تک وہیں رہے جب تک ہم نظروں سے اوجھل نہیں ہو جاتے۔ عائشہ نے کہا کہ اگر ان میں سے کسی نے بھی اس حکم کے خلاف ورزی کرنے کی کوشش بھی کی تو وہ اس بدنصیب کو بھسم کر دے گی۔

بلالی اور چھوؤں گونگے بہرے خدمت گاروں نے عائشہ کے سامنے جھک کر سر ہلائے۔ گویا ایسا ہی ہوگا جیسا اس نے، یعنی عائشہ نے کہا تھا۔

رخصت ہوتے وقت بوڑھے بلالی نے بڑی گرم جوشی سے مجھ سے مصافحہ کیا اور کہا کہ کاش ایسا ہوتا کہ میرے بجائے وہ خود "وہ جس کا حکم ماننا ضروری ہے" کے ساتھ اس حیرت انگیز سفر پر جا رہا ہوتا اور سچ تو یہ ہے کہ اس وقت خود میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ کاش میری جگہ کوئی اور عائشہ کے ساتھ جا رہا ہوتا۔ اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس وقت میرے دل پر کیسی ہیبت طاری رہی ہوگی۔

دوسرے ہی منٹ بوڑھا بلالی ان باربرداروں کے ساتھ جھاڑیوں اور درختوں کے گنجان جھنڈ کی طرف جا چکا تھا۔

"تیار ہو؟" عائشہ نے پوچھا۔

اور جب ہم نے اثبات میں سر ہلائے تو عائشہ گھوم کر فلک بوس چٹان کی طرف دیکھنے لگی۔

"میرے خدا لیو!" میں نے کہا "ہمیں اس عمودی چٹان پر تو نہیں چڑھنا ہے!"

لیو نے، جو نیم مسحور اور نیم دم بخود سا کھڑا تھا، جواب میں اپنے شانے اچکائے، اور عین اس وقت یکا یک عائشہ نے ایک چھلانگ سی لگائی اور اس عمودی چٹان پر چڑھنے لگی۔ ظاہر ہے کہ ہم اس کے علاوہ کچھ اور نہ کر سکتے تھے کہ اس کی تقلید کریں اور یہی ہم نے کیا بھی۔

اسے ایک سے دوسرے پتھر پر چھلانگ لگاتے اور ایک کگر سے ٹیک لگا کر دوسری کگر پر کودتے دیکھنے میں جو لطف تھا اسے میں کبھی فراموش نہ کروں گا۔ وہ ہرنی کی سی پھرتی اور آسانی سے



چھلانگیں لگا رہی تھی اور ایک سے دوسری کگر تک پہنچ رہی تھی۔

چڑھائی اتنی مشکل نہ تھی جتنی کہ بادی النظر میں معلوم ہوتی تھی البتہ اس چڑھائی میں ایک دو مقامات ایسے ضرور آئے جہاں نیچے نگاہ اٹھا کر پیچھے دیکھنے سے سر چکرا جاتا تھا۔ یہاں چٹان ڈھلانی تھی اور ایسی عمودی نہ تھی جیسی کہ اوپر جا کر ہو گئی تھی۔

چنانچہ اس طرح اور بغیر مشکل کے — کیونکہ اگر کوئی مشکل تھی تو وہ یہ تھی کہ ہمیں بعض اوقات جوب اور اس تختے کو جسے وہ اٹھائے ہوئے تھا، سنبھالنا پڑ رہا تھا — ہم کوئی پچاس فٹ کی بلندی تک چڑھ گئے اور چونکہ یہاں کوئی راستہ نہ تھا اور ہم کیکڑے کی طرح ٹیڑھے ترچھے چلتے بلکہ یوں کہیے چھلانگتے اوپر چڑھے تھے اس لیے ہم اس مقام سے جہاں سے ہم نے چڑھنا شروع کیا تھا، کوئی ساٹھ ستر قدم دائیں طرف ہٹ گئے تھے۔

کچھ دیر بعد ہم ایک ایسی جگہ پہنچ چکے تھے جہاں چٹان کے پہلو میں سے ایک چھجہ سا باہر نکلا ہوا تھا۔ ہم اس چھجے پر چل پڑے۔ جو بے حد تنگ تھا۔ لیکن جیسے جیسے ہم آگے بڑھ رہے تھے یہ چھجہ پھیلتا جاتا تھا اس کے علاوہ یہ اندر کی طرف ڈھلواں تھا پھول کی پنکھڑی کی طرح۔ چنانچہ ہم رفتہ رفتہ ایک قسم کی لیک یا چٹان کی گہری سلوٹ میں اترتے جاتے تھے۔ یہ سلوٹ یا لیک زیادہ سے زیادہ گہری ہو کر آخر کار ایک گلیارے کی طرح بن گئی اور اس نے ہمیں ان لوگوں کی نظروں سے پوری طرح اوجھل کر دیا جو نیچے سے ہمیں دیکھ رہے تھے بشرطیکہ بلالی یا اس کے ساتھیوں میں سے کوئی ہمیں دیکھنے کی جرأت نہ کر رہا ہوں۔

یہ گلیارہ، جو قدرتی تھا، کوئی تیس چالیس گز تک اسی طرح چلا گیا تھا اور پھر یہ یکا یک ایک غار میں جا کر، جو زاویہ قائمہ بنا رہا تھا، ختم ہو گیا۔ یہ غار بھی قدرتی تھا۔ یہ غار کسی انسان نے نہ بنایا تھا اور یہ میں اس قدر یقین سے اس لیے کہہ رہا ہوں کہ یہ غار انگڑ دسا اور بے ڈھنگا تھا اور میرے خیال میں کسی قسم کی گیس نے پھٹ کر اس چٹان کا سینہ پھاڑ کر یہ غار بنا دیا تھا۔ اس کے برخلاف کور کے غار چونکہ انسانوں نے چٹان کاٹ کر بنائے تھے اس لیے ان کے طول و عرض اور بلندی میں بھی ایک خاص قسم کا تناسب تھا۔ اس غار میں ایسا تناسب کہیں کہیں نظر آتا تھا۔

اس غار کے دہانے کے سامنے عائشہ ٹھہر گئی اور ہم سے دونوں چراغ جلا دینے کو کہا۔ میں نے چراغ جلا لیے، ایک چراغ میں نے اپنے پاس رکھا اور دوسرا عائشہ کو دے دیا۔ پھر وہ ہمیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے غار میں داخل ہو گئی۔ وہ بڑی احتیاط سے اور سنبھل سنبھل کر ہر قدم اٹھا رہی تھی اور یہ

احتیاط ضروری بھی تھی کیونکہ غار کا فرش خطرناک حد تک ناہموار تھا۔ اس میں بڑے بڑے پتھر پڑے ہوئے تھے جیسے کسی خشک دریا کا پیندا ہو اس کے علاوہ اس میں جگہ جگہ ایسے گہرے کھڈ بھی تھے جس میں آدمی گر کر آسانی سے اپنے ہاتھ پیر توڑ سکتا تھا۔

اس غار میں ہم اس طرح سے کوئی بیس منٹ تک چلتے رہے۔ یہ غار کچھ زیادہ لمبا نہ تھا۔ میرے اندازے کے مطابق زیادہ سے زیادہ پاؤ میل لمبا رہا ہوگا۔ لیکن اس میں اتنے موڑ اور خم تھے اور فرش ایسا ناہموار تھا کہ اسے آسانی سے طے کرنا آسان نہ تھا۔

آخر کار ہم اس کے دوسرے سرے پر پہنچ گئے۔

ابھی میں وہاں کھڑا اس طرف کے باہر کے دھندلکے سے اپنی نظر کو مانوس کرنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ ہوا کا ایک زبردست جھونکا حقیقت میں سیٹی بجاتا آیا اور ہمارے چراغ بجھا گیا۔

ایشہ نے ہمیں آواز دی اور ہم ٹٹولتے اور ٹھکتے ہوئے اس کے قریب پہنچے کیونکہ وہ ہم سے آگے کھڑی ہوئی تھی۔ وہاں پہنچ کر ہماری نظریں جس منظر سے دوچار ہوئیں وہ اندھیرے پن اور لرزہ خیزی میں اپنی مثال آپ تھا۔

ہمارے سامنے ایک زبردست اور تاریک کھڈ تھا۔ دنیا کے کسی فراموش کردہ دور میں یہاں قدرت نے ایک کروٹ لی ہوگی اور اس موٹی چٹان میں یہ زبردست رخنہ ڈال دیا ہوگا۔ اس رخنے کی دیوار میں نکیلے کنگورے تھے، کرچیاں تھیں اور دندانے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے یہاں مسلسل بجلیاں گری تھیں۔ یہ رخنہ، جس کے چاروں طرف بلند چوٹیاں تھیں حالانکہ اس وقت ہم اندھیرے کی وجہ سے سامنے والی چوٹی نہ دیکھ سکتے تھے، دائیں بائیں تو پتہ نہیں کہاں تک چلا گیا تھا البتہ اس کی چوڑائی میرے اندازے کے مطابق زیادہ نہ تھی۔ اس کی ساخت یا نقشے کا اندازہ لگانا ناممکن تھا اور نہ ہی یہ معلوم کیا جاسکتا تھا کہ یہ کہاں تک چلا گیا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ جہاں ہم کھڑے ہوئے تھے وہ مقام اوپری چوٹی سے اتنی دور تھا، کم سے کم پندرہ سو یا دو ہزار فٹ، کہ ذرا سی ہی روشنی اوپر سے گزر کر اور جیسے بڑی کوششوں کے بعد اور بڑی مشکل سے ہم تک پہنچ رہی تھی۔

غار کے دہانے سے چٹان کا ایک عجیب شکل کا گول اور لمبا ٹکڑا آگے بڑھ کر زبردست اور اندھیرے رخنے پر کوئی پندرہ گز تک آگے بڑھ گیا تھا اور یوں ہوا میں جیسے معلق تھا۔ آگے بڑھ کر چٹان کا یہ ٹکڑا سوئی کی نوک کی طرح نکیلا بن گیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس چیز سے اس کو تشبیہ دوں کہ اس



چٹانی سوئی کا تصور آپ کر سکیں۔ ٹھیک ہے یہ چٹان مرغے کی ٹانگ کے خار کی شکل کی تھی یہ زبردست چٹانی خار اپنی دُم کی طرف سے چٹان میں جڑا ہوا تھا، بالکل اسی طرح جس طرح کہ مرغے کا خار اس کا ٹانگ سے جڑا ہوا ہوتا ہے، اس کے آگے خلا تھا اور یہ چٹانی خار اس خلا پر بے سہارا اور معلق تھا۔ ''اب اس پر سے ہمیں گزرنا ہے۔'' ایشہ نے اعلان کیا۔ ''اور دیکھو تمہیں بڑی احتیاط سے کام لینا ہے مبادا تیز ہوا تمہیں اٹھا کر کھڈ میں پھینک دے اور یہ سن لو اس کھڈ کی کوئی تھاہ نہیں ہے۔''

ہمیں سوچنے اور خوفزدہ ہونے کا ذرا سا بھی وقت دیئے بغیر وہ بے دھڑک اس چٹانی خار پر چل پڑی کہ ہم مجبوراً اور جس طرح ممکن ہو ہم اس کی تقلید کریں۔

میں ایشہ کے پیچھے تھا۔ میرے پیچھے جوب چوبی تختہ گھسیٹتا ہوا آرہا تھا اور سب کے آخر میں لیو تھا۔ اس دلیر عورت کا یوں بے خوفی اور سبک رفتاری سے اس لرزہ خیز جگہ چلنے کا منظر بڑا ہی حیرت انگیز تھا۔ رہا میں تو اپنے متعلق بغیر کسی شرم اور جھجک کے کہتا ہوں کہ چند گز آگے بڑھنے کے بعد ہی میری ہمت جواب دے گئی اور یہ خدشہ میرے دل میں پیدا ہو گیا کہ یا تو تیز ہوا مجھے اٹھا کر بے تھاہ کھڈ میں پھینک دے گی یا پھر میرا پیر اتفاقاً پھسل جائے گا۔ چنانچہ میں فوراً ہی اپنے گھٹنوں اور ہاتھوں پر جھک گیا اور اب میں چوپایوں کی طرح چاروں ہاتھوں اور ٹانگوں پر رینگ رہا تھا۔ جوب اور لیو نے میری تقلید کی۔

لیکن یوں چوپایوں کی طرح چلنا ایشہ کے شایانِ شان نہ تھا۔ چنانچہ وہ ہوا کے تیز جھونکوں کی پروا کیے بغیر اپنے نازک جسم کو سیدھا کیے بے خوفی سے چلتی رہی۔ نہ تو اسے چکر آئے اور نہ ہی وہ اپنا توازن گنوا کر ڈگمگائی۔

چند منٹوں بعد ہی ہم اس خوفناک پل پر کے کوئی بیس قدم کا فاصلہ طے کر چکے تھے اور ہر قدم کے بعد یہ بھیانک پل زیادہ سے زیادہ تنگ ہوتا جارہا تھا۔ دفعتہً کھڈ میں سے ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا۔ میں نے دیکھا اس کا مقابلہ کرنے کے لیے ایشہ نے اپنا جسم بیچ بیچ تان لیا۔ لیکن یہ جھونکا اس کے لبادے میں گھس گیا اور اس نے لبادے کو اس کے جسم پر سے گھسیٹ لیا اور لبادہ اس کے جسم سے الگ ہو کر کسی جناتی زخمی پرندے کی طرح پھڑپھڑاتا ہوا ہوا کے ساتھ اڑتا چلا گیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

میں اپنے اس تنگیں زین سے لپٹ گیا اور چاروں طرف دیکھا جبکہ یہ چٹانی خار کسی زندہ چیز کی طرح کانپ رہا تھا اور نیچے ہوا چیخ رہی تھی، سیٹیاں بجا رہی تھی اور بہتے ہوئے پانی کی سی آواز پیدا

کررہی تھی۔

نظارہ حقیقت میں خوفناک تھا۔ ہم لوگ ناکافی روشنی بلکہ اندھیرے میں اس چٹانی خار پر گویا آسمان وزمین کے درمیان معلق بیٹھے ہوئے تھے۔ ہمارے عین نیچے سیکڑوں اور ہزاروں فٹ کا خلا تھا جو رفتہ رفتہ اندھیرا ہوتا جارہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ نیچے جاکر گھپ اندھیرا ہوگیا تھا اور اس کا اختتام کتنی گہرائی میں ہوتا تھا اس کا اندازہ میں تو کیا میرے فرشتے بھی نہیں لگا سکتے تھے۔ یہ بے پناہ ہواؤں کا اور چکرا دینے والا خطہ تھا اور اوپر، بہت اوپر نیلے آسمان کی ایک دھجی دکھائی دے رہی تھی اور اس زبردست قصر میں، جس کے ایک کنگورے یا جس پر ہم بیٹھے ہوئے تھے، ہوا کے زبردست جھونکے چکر کاٹ رہے تھے اور گرج رہے تھے۔ بات یہیں ختم نہ ہوجاتی بلکہ ہوا کے یہ جھونکے اپنے ساتھ بادل اور دھند کے ابخرات بھی لارہے تھے یہاں تک کہ ہم تقریباً اندھے ہوکر گڑبڑا گئے۔

سچ سچ یہ صورت حال ایسی خوفناک، خطرناک اور یوں مکمل طور سے غیرارضی تھی کہ اس نے ہمارے احساس خوف کو تھپک تھپک کر سلادیا، لیکن حالت یہ ہے کہ آج بھی میں اس منظر کو اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ خواب میں دیکھتا ہوں اور لرز کر آنکھیں کھول دیتا ہوں تو اپنے آپ کو ٹھنڈے پسینے میں نہایا ہوا پاتا ہوں۔

"آگے بڑھو۔ آگے بڑھو۔" ہمارے آگے والے سفید سائے نے کہا کیونکہ اب اس کا لبادہ اڑگیا تھا اور وہ اپنے سفید لباس میں تھی اور عورت سے زیادہ وہ ایک ایسی روح معلوم ہوتی تھی جو ہوا پر سوار ہو۔ آگے بڑھو ورنہ تم کھڈ میں جاپڑو گے اور تمہاری ہڈیاں سرمہ بن جائیں گی۔ اپنی نظریں جھکائے رکھو۔ ادھر ادھر نہ دیکھو اور چٹان سے لپٹے رہو۔"

چنانچہ ہم نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور بڑی دقتوں سے اور جی کڑا کرکے اس کانپتے ہوئے چٹانی خار پر رینگنے لگے۔ ہوا تھی کہ اسے تھپیڑے دے رہی تھی اور لرزا رہی تھی اور وہ چٹانی خار ہوا کے تھپیڑوں کو برداشت نہ کرکے لرزتے ہوئے فولادی دست پناہ کی سی آواز پیدا کررہا تھا۔

ہم لوگ آگے بڑھتے رہے، میں نہیں جانتا کہ کتنی دیر تک اور جب ضروری ہوتا تو ادھر ادھر دیکھ بھی لیتے تھے یہاں تک کہ ہم نے دیکھا کہ ہم اس چٹانی خار کی نوک پر پہنچ گئے تھے۔ یہ پتھر کی ایک سل تھی جو معمولی میز سے کچھ بڑی تھی لیکن زیادہ بھری ہوئی بھاپ کے انجن کی طرح اچھل رہی تھی اور دھڑک رہی تھی۔



یہاں پہنچ کر ہم غار سے لپٹ کر ٹھہر گئے اور اپنے چاروں طرف دیکھنے لگے لیکن ایشہ اندھیری گہرائیوں سے قطعی بے پرواہوا کے تیز جھونکوں کے مدمقابل کھڑی رہی۔ ہوا اس کے لمبے کالے بال اڑارہی تھی اور خود ایشہ اپنا ایک ہاتھ لمبا کیے سامنے کی طرف اشارہ کررہی تھی۔

اب ہمیں معلوم ہوا کہ وہ چوبی تختہ کیوں لایا گیا تھا جسے میں اور جوب سنبھالتے ہوئے لائے تھے۔ سامنے اندھیرا خلا منہ پھاڑے ہوئے تھا اور اس کے دوسرے سرے پر اور ہمارے عین سامنے کوئی چیز تھی جسے ہم اس وقت دیکھ نہ سکے کہ کیا تھا وہ یا تو اس لیے کہ یہاں سامنے والی چٹان کا گہرا سایہ تھا یا کسی اور وجہ سے اس طرف اندھیرا تھا جیسا اس رات میں ہوتا ہے جب آسمان پر کالے طوفانی بادل چھائے ہوئے ہوتے ہیں۔

"یہاں ہم انتظار کریں گے۔" ایشہ نے کہا۔ "کیونکہ کچھ ہی دیر بعد یہاں روشنی پھیل جائے گی۔"

اس وقت میری سمجھ میں نہ آیا کہ ایشہ کا مطلب کیا تھا۔ اس بھیانک جگہ میں جتنی بھی روشنی تھی اس سے زیادہ بھلا کہاں سے آسکتی تھی؟

ابھی میں اس مسئلے پر غور ہی کررہا تھا کہ یکایک غروب ہوتے ہوئے سورج کی ایک موٹی سی کرن ایک زبردست آتشیں تلوار کی طرح اس عالم اسفل کے اندھیرے کو چیرتی ہوئی آئی اور ٹھیک اس جگہ گری جہاں ہم منتظر کھڑے تھے اور اس تاریخی روشنی میں نہاتی ہوئی ایشہ ایک غیرارضی ہستی معلوم ہوئی۔

کاش کہ میں آتشی تلوار کا وحشت انگیز اور عجیب حسن بیان کرسکتا جو اس اندھیرے غار میں دھنس آئی تھی اور گہرائیوں سے اٹھتی ہوئی دھند اور ابخرات کو درہم برہم کررہی تھی۔ یہ روشنی آتشی تلوار وہاں کیسے پہنچ گئی یہ میں آج تک سمجھ نہ سکا لیکن میرا خیال ہے کہ سامنے کی بلند چٹان میں کوئی رخنہ یا سوراخ تھا جس میں سے گزر کر یہ کرن اس اسفلی اندھیرے میں اس وقت اتر آئی تھی جب غروب ہوتے ہوئے سورج کا گولا اس سوراخ کے عین مقابل آجاتا تھا۔ میں تو صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ اس کا اثر بڑا ہی حیرت انگیز تھا۔ ایسا متاثر کن اور یادگار نظارہ میں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ وہ آتشی تلوار گھور اندھیرے کا دل چیرتی ہوئی نیچے آئی اور جہاں آکر وہ ٹھہری وہاں ایسی تیز روشنی پھیل گئی کہ ایسی تیز روشنی کا دنیا کے کسی اور حلقے میں ملنا یا دیکھا جانا سرے سے ممکن ہی نہیں۔ ایسی تھی

یہ روشنی کہ ہم چٹان کے ذرا تک دیکھ سکتے تھے اور اس روشنی کی حدود سے باہر — ہاں اس کے کنارے سے صرف چند انچ آگے — اندھیرے کے مہیب سائے تھے۔

اب اس موٹی کرن کے اجالے میں — جس کا انتظار ایشہ کر رہی تھی اور جس کے متعلق وہ جانتی تھی کہ ہزاروں سال سے ہر سال کے ایک خاص دن اور خاص وقت پر یہ کرن یہاں اتر آتی ہے اور اسی مناسبت سے ایشہ نے ہمارے روانگی اور سفر کا وقت مقرر کیا تھا کہ جب ہم یہاں پہنچیں تو وہ وہی وقت وہ جو اس کرن کو اندھیرے کو چیرنے کا وقت ہوتا ہے۔ ہاں اسی موٹی کرن کے اجالے میں ہم نے دیکھا کہ ہمارے سامنے کیا تھا۔

اس چٹانی غار کے، جس پر ہم کھڑے ہوئے تھے، نکیلے سرے کے عین سامنے اور کوئی گیارہ بارہ گز دور شکر کی ڈلی کی سی شکل کی ایک مخروطی چٹان کھڑی ہوئی تھی۔ یہ چٹان اندھیرے کھڈ کی گہرائیوں میں سے کہیں سے نکل آئی تھی اور اس کی چوٹی ہمارے عین مقابل تھی۔

لیکن اگر اس چٹان کی صرف چوٹی ہی چوٹی ہوتی تو ہمارے کسی کام کی نہ تھی۔ کیونکہ اس کے محیط کا نزدیک ترین کنارا بھی ہم سے کوئی چالیس فٹ دور تھا۔ چوٹی کے کنارے پر جو چپٹا اور دبا ہوا تھا، ایک زبردست چپٹا پتھر بلکہ یوں کہئے کہ پتھر کی سل پڑی ہوئی تھی۔ میرے خیال میں دنیا کے کسی بھولے بسرے دور میں اوپر کا سیلاب سنگ نیچے کے بے تھاہ کھڈ میں گرا ہوگا اور اسی میں کا ایک پتھر یہاں تک گیا ہوگا۔ بہرحال اس پتھر یا سل کے سامنے کا حصہ چھجے کی طرح گہرے کھڈ پر آگے بڑھا ہوا تھا اور ہم سے کوئی بارہ فٹ دور آ کر ختم ہو گیا تھا۔

یہ اور کچھ نہ تھی سوائے اس کے جسے ہم سنگ لرزاں کہتے ہیں۔ یہ کانپتی ہوئی سل چٹان کی چوٹی کے کنارے پر حیرت انگیز توازن سے جمی ہوئی تھی اس سکے کی طرح جسے شراب کے جام کے کنارے پر اس طرح تناسب و توازن سے رکھ دیا جاتا ہے کہ اس کا نصف حصہ جام کے باہر اور نصف اندر کی طرف رہتا ہے۔ ہم دیکھ رہے تھے کہ نیچے سے آتے ہوئے ہوا کے جھکڑوں کے تھپیڑوں سے یہ زبردست سل جھول رہی اور کانپ رہی تھی۔

"جلدی کرو۔" ایشہ نے کہا۔ "چوبی تختہ لاؤ۔ اس سے پہلے کہ روشنی چلی جائے ہمیں اس طرف پہنچ جانا ہے۔ یہ روشنی کوئی دم میں غائب ہو جائے گی۔ جلدی کرو۔"

میرے اشارے پر وہ لمبا چوبی تختہ میری طرف بڑھاتے ہوئے جوب نے کہا:



"میرے خدا، صاحب! اس عورت کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہمیں اس چوبی تختے پر چل کر یہاں سے وہاں پہنچنا ہے؟"

"یہی مطلب ہے ان کا۔" میں نے بظاہر بشاشت سے کہا حالانکہ اس تختے پر چل کر اتھاہ گہرائیوں کو عبور کرنے کے خیال سے ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔

میں نے تختہ ایشہ کو دے دیا اور اس نے اسے آگے دھکیل دیا اور اب تختے کا دوسرا سرا سنگ لرزاں پر ٹکا ہوا تھا اور اس طرف کا سرا کانپتے ہوئے چٹانی غار پر رکھا ہوا تھا اور یوں اس اندھیرے کھڈ پر، جس کی تھاہ و پتہ نہیں کہاں تھی ایک پل میرے نزدیک "موت کا پل" تیار ہو گیا۔

اب ایشہ نے ایک پیر اٹھا کر تختے پر رکھ دیا کہ ہوا کے جھکڑ اسے گھسیٹ نہ لے جائیں۔

پھر اس نے گردن گھما کر میری طرف دیکھا اور کہا:

"میرے ہالی! جب میں پچھلی دفعہ یہاں آئی تھی تب سے لے کر اب تک سامنے والا جھولتا پتھر یا اس کا سہارا کچھ کمزور ہو گیا ہے چنانچہ میں یقین سے کہہ نہیں سکتی کہ وہ ہمارا بوجھ برداشت کر سکے گا۔ چنانچہ سب سے پہلے میں جاتی ہوں کیونکہ مجھے نہ تو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے اور نہ میں مر سکتی ہوں۔"

پھر مزید کچھ کہے بغیر وہ احتیاط، تاہم تیزی سے اس موت کے پل پر چل پڑی اور ایک سیکنڈ بعد ہی جھولتے ہوئے پتھر پر پہنچ چکی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔" ایشہ نے دوسری کنارے پر سے کہا۔ "آ جاؤ تختہ پکڑ لو۔ اس طرف سے میں بھی اپنا پیر رکھے دیتی ہوں کہ یہ تمہارے بوجھ سے غیر متوازن نہ ہو جائے۔ اب جلدی کرو ہالی کیونکہ روشنی جلد ہی غائب ہو جائے گی۔"

میں بیٹھا ہوا تھا تو بہ وقت تمام گھٹنوں کے بل اٹھا اور اگر میں نے اپنی زندگی میں کبھی حقیقت خوف محسوس کیا ہے تو وہ اس وقت، میں بے جھجک کہتا ہوں کہ کشمکش و پیچ میں پڑ گیا اور جہاں تھا وہاں سے ایک انچ آگے نہ کھسکا۔

"یقیناً تم خوفزدہ نہیں ہو ہالی۔" اس عجیب عورت نے، جو سنگ لرزاں پر کسی پرندے کی سی بے خوفی سے کھڑی ہوئی تھی، ہوا کی سائیں سائیں میں چیخ کر کہا۔ "اگر خوفزدہ ہی ہو تو سامنے سے ہٹ جاؤ کہ لیو قریباً اس طرف آ سکے۔"

ایشہ کے اس جملے نے فیصلہ کر دیا۔

اس بے تھاہ کھڈ میں گر کر فنا ہو جانا بہتر تھا بہ نسبت اس کے کہ ایسی عورت میرا مذاق اڑائے۔ اسے میں برداشت نہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے اپنے دانت بھینچ لئے اور دوسرے لمحے میں اس پتلے تنگ اور لچکتے ہوئے تختے پر تھا اور میرے نیچے اور دائیں اور بائیں بے اور چھور خلا تھا جس میں ہوائیں چڑیلوں کی طرح چیخ رہی تھیں۔ مجھے شروع سے بلندیوں سے نفرت تھی لیکن اس سے پہلے مجھ پر بلندی کا خوف اتنی شدت سے طاری نہ ہوا تھا جیسا کہ اس وقت، اور نہ ہی مجھے پہلے کبھی یہ احساس ہوا تھا کہ بلندیاں کیا ہوتی ہیں اور ان کا خوف کیسا ہوتا ہے۔

میرے خدا دونوں طرف کے لرزتے، کانپتے اور جھکولے کھاتے ہوئے پتھروں پر ٹکے ہوئے اور میرے بوجھ تلے لچکتے ہوئے تختے کی سنسنی خیزی کا تصور بھی آپ نہیں کر سکتے، آپ کیا کوئی بھی نہیں کر سکتا۔

مجھے چکر آ گئے اور خیال ہوا کہ میں گرنے والا تھا۔ میری ریڑھ کی ہڈی برف کی لکیر بن گئی، مجھے یوں معلوم ہوا کہ میں گر رہا تھا اور میں گرا—— لیکن ہائے۔ آپ میری خوشی کا اندازہ نہیں لگا سکتے جب میں نے دیکھا اور محسوس بھی کیا کہ میں اس سنگ لرزاں پر چت پڑا ہوا تھا جو طوفان میں پھنسی ہوئی کشتی کی طرح جھکولے کھا رہا تھا۔ موت کے اس پل کو عبور کرنے کی تفصیلات بس مجھے اتنی ہی یاد ہیں البتہ یہ ضرور یاد آئے گا کہ اس سنگ لرزاں پر چت پڑے پڑے میں نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ اب تک اس نے میری حفاظت کی تھی اور دعائیں مانگیں کہ آئندہ بھی وہ مجھے حفظ و امان میں رکھے۔

اب لیو کی باری تھی اور حالانکہ اس کے چہرے کا رنگ سفید ہو رہا تھا تاہم وہ موت کے اس پل پر سرکس میں رسے چلنے والے کرتب باز کی طرح بھاگ پڑا۔ ایشہ نے اس کے ہاتھ پکڑنے کے لیے اپنے دونوں ہاتھ بڑھا دیئے اور پھر میں نے اسے کہتے سنا:

”شاباش میرے پیارے شاباش۔ اب بھی تم میں یونانی بہادروں کی روح موجود ہے۔“

اب کھڈ کے دوسرے کنارے پر بیچارہ جوب باقی رہ گیا تھا۔ وہ رینگ کر تختے کے قریب آیا اور چیخ کر بولا۔

”جناب! میں اس کو عبور نہیں کر سکتا۔ میں ان جہنمی گہرائیوں میں جا پڑوں گا۔“

”جوب! تمہیں اس طرف آنا ہی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میں نے بڑی سختی سے کہا تھا۔“ یہ تو مکھیاں پکڑنے کے کام کی طرح آسان ہے۔“



میرا خیال ہے کہ یہ تشبیہ میں نے خود اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے کے لیے دی تھی کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ دنیا میں مکھیاں پکڑنے سے زیادہ کوئی دوسرا مشکل کام ہے ہی نہیں، میرا مطلب ہے موسم گرما میں۔

”میں نہیں آ سکتا جناب، سچ مچ نہیں آ سکتا۔“

اب اس کو آنا ہے تو آ جائے نہیں تو اسے وہیں رہنے اور مرنے دو۔ دیکھو روشنی جا رہی ہے ایک ہی لمحے بعد یہ ختم ہو جائے گی۔“ ایشہ نے کہا۔

میں نے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایشہ نے غلط نہ کہا تھا۔ سورج چٹانی شگاف یا سوراخ کے سامنے سے ہٹ کر نیچے جھکنے لگا تھا۔

”اگر تم وہیں رکے رہے جوب تم مر جاؤ گے اور اکیلے مرو گے“ میں نے کہا ”روشنی جا رہی ہے۔“

”مرد بنو جوب۔“ لیو نے کہا۔ ”آ جاؤ بے حد آسان کام ہے یہ تو۔“

چنانچہ یوں مجبور ہو کر اور دل پر جبر کر کے بیچارہ جوب تختے پر اوندھے منہ اس طرح لیٹ گیا کہ اس کی ٹانگیں تختے کے دائیں بائیں لٹک رہی تھیں۔ اور اب وہ جھٹکوں کے ساتھ اپنے آپ کو آگے گھسیٹ رہا تھا۔

کمزور تختے پر اس کے ان جھٹکوں کی لرزش اس بڑے پتھر تک پہنچی جو چٹان کے عین کنارے پر ٹکا ہوا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ پتھر جسے میں نے سنگ لرزاں کہا ہے، بڑے خطرناک طریقے سے ہلنے لگا۔ یہاں تک تو خیر ٹھیک تھا لیکن صورت حال کو اور بھی خطرناک بنانے کے لیے عین اس وقت جب کہ جوب نصف تختہ طے کر چکا تھا روشنی کی لکیر دفعتہً غائب ہو گئی بالکل اس طرح جس طرح پردے پڑے ہوئے کمرے میں جلتے ہوئے چراغ کو بجھا دیا گیا ہو۔ اور وہاں، اس گرجتی اور چیختی ہوئی ہوا کے وحشت ناک مقام میں اندھیرا چھا گیا۔

”جوب! جلدی کرو۔ خدا کے لئے۔“ میں نے انتہائی خوف کے عالم میں چیخ کر کہا۔

ادھر سنگ لرزاں زیادہ سے زیادہ لرزنے لگا تھا یہاں تک کہ اس پر قدم جمائے رکھنا مشکل ہو گیا۔ حقیقت میں یہ بے حد خطرناک صورت حال تھی۔

”خدایا! رحم کر مجھ پر۔“ اندھیرے میں سے جوب کی آواز سنائی دی۔“ ہائے تختہ پھسل رہا ہے۔“

اور میں نے شدید جدوجہد کی آواز سنی اور سمجھ لیا کہ جوب گیا ہے تھاہ کھڈ میں۔

لیکن عین اس وقت اس کے آگے بڑھتے ہوئے بازو، جنھیں وہ مایوسی سے ہوا میں چلا رہا تھا، میرے آگے بڑھتے ہوئے بازوؤں سے ٹکرائے اور اس نے میرے ہاتھ پکڑ لئے اور میں نے اپنے جسم کی ساری قوت صرف کر کے اسے اپنی طرف کھینچا یہاں تک کہ جوب میرے قریب پتھر پر پڑا ہانپ رہا تھا اور میرے منہ سے خوشی کی چیخ نکل گئی۔

لیکن ہوتختہ — میں نے اسے پتھر پر سے پھسلتے محسوس کیا، پھر اسے ابھرے ہوئے پتھر سے ٹکراتے سنا اور پھر وہ کھڈ کی گہرائیوں میں غائب ہو چکا تھا۔

''میرے خدا!'' میں نے کہا۔ ہم واپس کیسے جائیں گے۔

''خدا ہی بہتر جانتا ہے'' لیو نے جواب دیا۔ ''بہرحال شکر ہے کہ میں اس طرف آ گیا۔''

لیکن ایشہ نے مجھے پکارا اور کہا میں اس کا ہاتھ پکڑ لوں اور اس کے پیچھے چل دوں۔

☆☆



# پچیسواں باب

# رُوحِ حیات

میں نے ایسا ہی کیا جیسا مجھ سے کہا گیا تھا اور خوف و ہراس سے کانپتا ہوا اور دل ہی دل میں خدا کو یاد کرتا ایشہ کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھا یہاں تک کہ پتھر کے کنارے پر تھا۔ اب جو میں نے قدم آگے بڑھایا تو وہاں کچھ نہ تھا۔

''میرے خدا! یہ تو میں گر جاؤں گا۔'' میں نے کہا۔

''اب اگر صورت حال پر غور کیا جائے تو پتہ چل سکتا ہے کہ یہ ایشہ مجھے زبردست آزمائش میں ڈال رہی تھی۔ چونکہ میں ایشہ کے مزاج سے واقف تھا اس لیے میں نے سمجھ لیا کہ وہ مجھے مار ڈالنا چاہتے تھے اور یہ موت بھی بڑی خوفناک تھی لیکن اس زندگی میں اکثر دفعہ ہمیں اپنے آپ کو عجیب و غریب حالات کے سپرد کرنا پڑتا ہے اور یہاں ویسا ہی معاملہ درپیش تھا۔

''ہاں۔ گرنے دو اپنے آپ کو۔'' ایشہ نے چیخ کر کہا۔

چونکہ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا میں نے ایشہ کے اس حکم کی تعمیل کی۔

پھر میں پتھر کی ڈھلانی پہلو پر ایک دو قدم تک پھسلتا چلا گیا اور میں ہوا میں تھا۔ اور یہ خیال بجلی کی سی تیزی سے میرے دماغ میں کوند گیا کہ بس قصہ ختم ہوا۔

لیکن نہیں، دوسرے ہی لمحے میرے پیر چٹانی فرش سے ٹکرائے اور میں نے سمجھ لیا کہ میں کسی ٹھوس چیز پر کھڑا ہوا تھا اور ہوا کی دست درازیوں سے محفوظ اور دور تھا۔ ہوا کہیں اور چنگھاڑ رہی تھی۔

میں وہاں کھڑا دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کر رہا تھا کہ دفعتہ سرسراہٹ کھڑکھڑاہٹ کی آوازیں سنائی دیں اور دوسرے ہی لمحے لیو میرے قریب کھڑا تھا۔

''کیوں بوڑھے میاں'' لیو نے کہا۔ ''کہاں ہو؟ واہ! بے حد دلچسپ ہے یہ تو، ہے نا؟''

عین اس وقت ایک خوفناک چیخ کے ساتھ جوب نے ہمارے سروں پر یوں نزول کیا کہ ہم دونوں یعنی میں اور لیو سنبھل نہ سکے اور گر ——— جب ہم اٹھ کر کھڑے ہوئے تو دیکھا کہ ایشہ ہمارے

درمیان کھڑی چراغ جلانے کو کہہ رہی تھی۔ خوش قسمتی سے چراغ سلامت تھے اور تیل کا برتن بھی۔

میں نے اپنی دیا سلائی نکالی اور تیلی جلائی تو اس اندھیرے اور بھیانک مقام میں بڑی آسانی سے جل اٹھی اور اس کے شعلے نے گھڑی بھر کے لیے چکا چوندھ پیدا کر دی۔

دوسرے ہی لمحے دونوں چراغ جل رہے اور ایک عجیب منظر کو روشن کر رہے تھے۔

ہم لوگ ایک چٹانی کمرے میں کھڑے ہوئے تھے جو دس مربع فٹ رہا ہوگا اور ہم سب کے سب بے حد خوفزدہ تھے سوائے ایشہ کے جو ہاتھ باندھے اطمینان سے کھڑی تھی اور چراغوں کے ٹھیک سے جلنے کا انتظار کر رہی تھی۔

یہ کمرہ نصف تو قدرتی تھا اور نصف آتش فشاں کے دہانے کا اوپری حصہ یا یوں کہیے کہ چھت کو کاٹ کر بنایا گیا تھا۔ سنگ لرزاں کمرے کی چھت کا قدرتی حصہ بناتا تھا اور پچھلا حصہ، جو ڈھلوانی تھا، چٹان کو کاٹ کر بنایا گیا تھا۔ یہ کمرہ گرم اور خشک تھا اور اوپر کی چکرا دینے والی چوٹی کے مقابلہ میں بے حد آرام دہ بلکہ جنت معلوم ہوتا تھا۔ میرا مطلب ہے اس چٹانی خار اور سنگ لرزاں پر سے آنے والوں کے لئے یہ کمرہ سکونی جنت تھا۔

"تو بھئی۔" ایشہ نے کہا۔ "ہم بحفاظت پہنچ گئے۔ حالانکہ ایک دفعہ خود مجھے بھی یہ خدشہ ہو گیا تھا کہ سنگ لرزاں تمہیں لے کر کھڈ میں جا پڑے گا اور تم جانو میں جانتی ہوں بلکہ مجھے یقین ہے کہ اس کھڈ کا کوئی پیندا نہیں ہے اور وہ بطن زمین تک چلا گیا ہے۔ اور اب چونکہ اس نے" اور میں نے جوب کی طرف اشارہ کیا جو فرش پر بیٹھا ماتھے سے پسینہ پونچھ رہا تھا۔ "جس کا نام بلالی نے ٹھیک ہی رکھا ہے کیونکہ یہ سور کی طرح سے بے وقوف ہے، ہاں تو اس نے تختہ پھینک دیا ہے اس لیے اب اس کھڈ کو عبور کرنا آسان نہیں رہا لیکن خیر میں اس کا بھی کوئی راستہ نکال لوں گی۔ اب تم ذرا اوپر یہاں آرام کرو اور اس جگہ کا معائنہ بھی کر لو۔ تمہارے خیال میں کیا جگہ ہے یہ؟"

"یہ ہم کیسے کہہ سکتے ہیں؟" میں نے جواب دیا۔

"اگر میں یہ کہوں تو تم یقین کرو گے اے ہالی کہ کسی زمانے میں ایک شخص نے اس مقام کو اپنی قیام گاہ بنایا تھا اور یہ کہ وہ یہاں برسوں تک رہا تھا اور بارہ دنوں میں صرف ایک دفعہ وہ غذا حاصل کرنے یہاں سے نکلتا اور یہ کہ لوگ اس کے لیے غلہ، پانی اور تیل لے کر یہاں آتے تھے۔ بارہ دنوں میں ایک دفعہ، اور بھینٹ کے طور پر اس غار کے دہانے پر رکھ جاتے تھے جس میں سے گزر کر ہم آئے ہیں۔؟"



میں نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو اس نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ میں سچ کہہ رہی ہوں ہالی۔ بیشک یہاں وہ شخص رہتا تھا جو اپنا نام نوت بتاتا تھا اور حالانکہ وہ بہت بعد میں آیا تھا تاہم کور کے لوگوں کی دانائی اور علم اس میں تھا۔ وہ ایک تارک الدنیا شخص تھا، ایک فلسفی تھا اور قدرت کے اسرار کا علم رکھتا تھا۔ یہی وہ شخص تھا جس نے اس آگ کی کھوج جسے میں تمہیں دکھاؤں گی جو قدرت کا خون اور حیات ہے اور وہ شخص جو اس آگ میں غسل کرتا ہے اور اسے اپنے پھیپھڑوں میں پہنچاتا ہے وہ اس وقت تک زندہ رہے گا جب تک قدرت موجود ہے، لیکن تمہاری ہی طرح اے ہالی اس نوت نے بھی اپنی اس کھوج سے فائدہ نہ اٹھایا۔ "انسان کے لیے" وہ کہتا۔ "زندہ رہنا بہت برا ہے کیونکہ انسان مرنے کے لیے پیدا ہوا ہے" اسی لیے اس نے آتش حیات کے راز سے کسی کو واقف نہ کیا۔ چنانچہ اس نے یہاں قیام کیا کہ زندگی کے متلاشی یہاں سے دور ہی دور رہیں اور آتشِ حیات کو نہ پا سکیں۔ اس دور کے امامجر اس نوت کو مقدس یقین کرتے تھے اور اس سے مرعوب تھے۔

"اب جب میں پہلی دفعہ اس علاقہ میں آئی — جانتے ہو قالی قریط میں یہاں کیسے پہنچی تھی؟ پھر کبھی بتا دوں گی۔ بے حد عجیب داستان ہے یہ بھی — خیر تو جب میں پہلی دفعہ اس علاقہ میں آئی تو میں نے اس فلسفی کا چرچا سنا اور غار کے دہانے پر اس وقت اس کا انتظار کرنے لگی جب وہ اپنے غذا لینے آنے والا تھا اور اسی کے ساتھ یہاں آ گئی حالانکہ میں اس زبردست اندھیرے کھڈ کو عبور کرتے ڈرتی تھی اور پھر میں نے اپنی ذہانت اور اپنے حسن سے اسے پھانس لیا اور اپنی شیریں بیانی سے اسے اپنا متوالا بنا لیا یہاں تک کہ وہ مجھے آتشِ حیات کے مقام تک لے گیا اور مجھے اس کا راز بتا دیا لیکن اس نے مجھے آتشِ حیات میں غسل کرنے کی اجازت نہ دی اور اس خوف سے کہ نوت مجھے قتل نہ کر دے میں خاموش ہو رہی اور میں نے اصرار نہ کیا کیونکہ میں جانتی تھی کہ نوت بہت بوڑھا ہے اور جلد ہی مر جائے گا چنانچہ میں واپس آ گئی لیکن روح عالم کے متعلق وہ جو کچھ جانتا تھا وہ سب باتیں میں نے اس سے معلوم کر لیں اور یہ میرے لیے کافی سے زیادہ تھا کیونکہ یہ شخص نوت بڑا ہی زیرک اور بہت زیادہ بوڑھا تھا اور اپنے کشف سے اور دل کی پاکی سے اس نے وہ پردہ اٹھا دیا تھا جو ہمارے لافانی حقیقت کے درمیان پڑا ہوا ہے۔ اور پھر — اس کے کچھ ہی دنوں بعد — اے قالی قریط میری تم سے ملاقات ہوئی اور تم اس خوبصورت مصری عورت آمن ارتاس کے ساتھ بھٹکتے ہوئے اس طرف آ گئے تھے۔ میں نے تمہیں دیکھا

اور تب میں نے تم سے پہلی اور آخری دفعہ محبت کرنا سیکھا اور میں نے تم سے پہلی اور آخری دفعہ محبت کی اور تب میں نے سوچا کہ تمہیں یہاں لے آؤں اور ہم دونوں آتش حیات میں غسل کر کے زندگی کا یہ امر تحفہ حاصل کر لیں۔ چنانچہ ہم یہاں آئے اور وہ مصری عورت آمن ارتاس بھی ہمارے ساتھ تھی کیونکہ ہم اسے چھوڑ کر نہ جا سکتے تھے۔ یہاں پہنچ کر ہم نے دیکھا کہ بوڑھا نوت ابدی نیند سو رہا تھا اور اسے مرے زیادہ عرصہ نہ ہوا تھا۔ وہ وہاں پڑا ہوا تھا۔ اور اس کی لانبی سفید داڑھی اس کے لیے کفن بن گئی تھی۔ دیکھو وہاں پڑا ہوا تھا وہ اس نے اس جگہ کی طرف اشارہ کیا جس کے قریب میں کھڑا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مدت ہوئی کہ اس کا جسم خاک بن گیا اور ہوا اس کی خاک اڑا لے گئی۔

یہ سن کر میں نے اپنا ایک ہاتھ بڑھایا اور دھول میں ٹٹولنے لگا اور دھول میں ایک سخت چیز میری انگلیوں سے ٹکرا گئی۔ یہ ایک انسانی دانت تھا جو بے حد زرد تھا لیکن مضبوط تھا۔ میں نے یہ دانت الیشہ کو دکھایا تو وہ ہنسی:

''ہاں۔'' اس نے کہا'' بیشک و شبہ یہ نوت کا ہی دانت ہے۔ دیکھو۔ نوت اور اس کے علم کی صرف یہ نشانی باقی رہ گئی ہے ایک دانت۔ حالانکہ اس شخص کے اختیار میں پوری زندگی تھی لیکن اپنے ضمیر کی خاطر اس نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا۔ خیر تو وہ اس جگہ مردہ پڑا تھا اور میں تمہیں اس جگہ لے گئی جہاں اس وقت لیے جا رہی ہوں اور پھر اپنی ساری ہمت سمیٹ کر اور سارا خوف اپنے دل سے دور کر کے اور موت سے سمجھوتہ کر کے شاید زندگی یہ تابناک تاج میرے سر پر رکھ دے۔ میں شعلوں میں گھس پڑی اور دیکھو وہ زندگی، جسے تم جان نہیں سکتے صرف محسوس کر سکتے ہو، میرے رگ و ریشے میں سرایت کر گئی اور میں لافانی بن کر ان شعلوں سے باہر آئی اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ میں تصور سے زیادہ حسین بن گئی اور تب میں نے اپنے دونوں بازو قالی قریطہ، تمہاری طرف بڑھا دیئے اور درخواست کی کہ اپنی اس لافانی دلہن کو قبول کر لو لیکن میرے برہنہ حسن نے تمہاری نظر خیرہ کر دی اور تم نے اپنا منہ میری طرف سے پھیر لیا اور اسے آمن ارتاس کے سینے پر چھپا لیا اور تب طوفانی غصے نے مجھ پر غلبہ حاصل کیا۔ میں پاگل ہو گئی اور وہ کٹار، جو تمہارے پاس تھی، میں نے گھسیٹ لی اور تمہارے سینے پر وار کر دیا۔ چنانچہ یوں ہوا کہ عین مقام حیات میں تم نے میرے قدموں پر گر کر اور کراہ کر دم توڑ دیا۔ اس وقت میں جانتی نہ تھی کہ میں اپنی آنکھوں سے اور اپنی قوت ارادی سے جان لینے کی طاقت رکھتی



ہوں چنانچہ میں نے پاگل پن میں تمہیں کٹار سے مار دیا۔ [1]

''اور پھر تم مر گئے اور تم نہیں جانتے قالی قریطہ کہ میں کس طرح پھوٹ پھوٹ کر روئی ہوں کیونکہ تم مر گئے تھے اور میں لافانی بن گئی تھی۔ وہاں، مقام حیات میں، میں اس طرح روئی کہ اگر میں لافانی نہ بن گئی ہوتی تو میرا دل ٹوٹ جاتا اور میں بھی اس وقت مر جاتی۔ اور رہی وہ — وہ ذلیل مصری عورت — تو اس نے اپنے دیوتاؤں کے نام لے لے کر مجھے بددعا دی۔ ہاں اس نے ازیرس کا نام لے کر اور دیوی ایزیس کا نام لے کر اور نفتھین کا نام لے کر اور انوبیس کا نام لے اور قلی کے مصر والی دیو ہت کا نام لے کر اور دیو قامت کا نام لے کر مجھے بددعا دی کہ میں جب تک رہوں تنہائی اور غم اور برائیاں میری زندگی کا حصہ ہوں۔ ہائے! آج بھی میں اس کا غصہ اور غم سے بگڑا ہوا چہرہ دیکھ رہی ہوں۔ اگر اس کا بس چلتا تو وہ اسی وقت میرا خاتمہ کر دیتی لیکن وہ ایسا نہ کر سکتی تھی کیونکہ میں لافانی بن گئی تھی۔ اور میں نہیں جانتی تھی کہ اپنی قوتوں سے میں اس کا خاتمہ کر سکتی تھی کیونکہ اس وقت میں نے اس کی کوشش کی ہی نہیں۔ چنانچہ ہم دونوں اپنے درمیان تمہاری لاش اٹھا کر یہاں سے لے گئے۔ بعد میں میں نے اس مصری عورت کو دلدلوں کے اس پار پہنچا دیا۔ اور اب معلوم ہوا کہ وہ زندہ رہی اور اس نے ایک لڑکے کو جنم دیا اور اپنی داستان لکھی اور وہی داستان تمہیں، خود اس کے شوہر سے، میرے پاس واپس لے آئی حالانکہ میں اس مصری کی رقیب اور تمہاری قاتلہ تھی۔

''تو ایسی ہے ہماری داستان میرے پیارے اور اب وہ وقت قریب آ گیا ہے جو اس داستان کو ابدیت بخش دے گا۔ روئے زمین کی ہر چیز کی طرح یہ بھی اچھائی اور برائی ہے قالی قریطہ۔ اور اب تمہاری آزمائش سے ایک بات اور — ہم موت کے سامنے جا رہے ہیں کیونکہ زندگی اور موت ایک دوسرے سے قریب ہیں، نہ جانے کیا ہو جائے؟ میں صرف ایک عورت ہوں، دیوی نہیں ہوں۔ چنانچہ مستقبل سے واقف نہیں ہوں اور نہ ہو سکتی ہوں۔ لیکن اتنا تو جانتی ہوں — کیونکہ یہ بات مجھے دانا نوت

---

[1] قالی قریطہ کی موت کے متعلق الیشہ کا بیان سنفال کی تحریر سے مختلف ہے۔ سنفال کی تحریر کہتی ہے کہ الیشہ نے اپنے جادو سے قالی قریطہ کی جان لی تھی لیکن لاش کے سینے پر ہم بھالے کا زخم دیکھ چکے تھے جو الیشہ کے بیان کی تصدیق کرتا ہے۔ ممکن ہے وہ زخم اس کے مرنے کے بعد لگایا گیا ہو۔ دوسری بات ہماری سمجھ میں نہ آئی وہ یہ ہے کہ کس طرح، یعنی الیشہ اور آمن ارتاس، اس شخص کی لاش کو جس سے دونوں پیار کرتی تھیں اٹھا کر اس زبردست کھڈ کے دوسری طرف اور وہاں سے کانپتے ہوئے چٹانی غار کے اس پار تک لے آئیں۔ اس وقت غم و اندوہ نے ان دونوں حسیناؤں کی کیا حالت کر دی ہوگی کہ وہ اپنے پیارے کی لاش لیے جا رہی تھیں۔ ہو سکتا ہے اس وقت یہ راستہ اتنا مشکل نہ رہا ہو۔ (ہوریس ہالی)

سے معلوم ہوئی تھی کہ میری زندگی طویل اور درخشاں کردی گئی ہے لیکن یہ ہمیشہ قائم نہ رہے گی۔ چنانچہ اس سے پہلے کہ ہم یہاں سے آگے بڑھیں تم مجھ سے یہ کہہ دو قالی قریط کہ تم نے مجھے خلوص دل سے معاف کر دیا ہے اور یہ کہ تم مجھے سچے دل سے چاہتے ہو۔ دیکھو قالی قریط! میں نے بہت سے گناہ کئے ہیں اور شاید یہ بھی میرا گناہ ہی ہے کہ صرف دو راتوں پہلے میں نے اس لڑکی کی جان لی جو تم سے پیار کرتی تھی، لیکن اس نے میری نافرمانی کر کے مجھے غصہ کر دیا تھا اور میرے برے انجام کی پیشین گوئی کی تھی اس لیے میں نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ چنانچہ ہوشیار رہنا میرے قالی قریط کہ، جب تمہیں اختیارات اور قوتیں حاصل ہو جائیں تم بھی اپنے غصے اور حسد میں اسی طرح لوگوں کی جان لینے لگ جاؤ کیونکہ ناقابل تسخیر قوت آدمی کے ہاتھ میں ایسا ہتھیار بن جاتی ہے جس کا وہ جا و بے جا طور پر استعمال کرتا ہے۔ ہاں میں نے گناہ کیا — شدید محبت سے پیدا شدہ تلخی سے بے قابو ہو کر میں نے گناہ کیا اس کے باوجود میں اچھے اور برے میں تمیز کر سکتی ہوں اور نہ ہی میرا دل پتھر کا بن چکا ہے، تمہاری محبت میرے قالی قریط، میرے لیے نجات کا ذریعہ ہوگی حالانکہ تمہاری ہی محبت تھی جس نے مجھے تلخی اور گناہوں کی راہ پر چلایا تھا، لیکن وہ تنہا میری محبت تھی۔ مجھے اپنی محبت کا جواب محبت سے نہ مل رہا تھا کیونکہ ایسی محبت، جس کی تکمیل نہ ہوئی ہو، ایک لعنت ہوتی ہے۔ لیکن ایسی محبت جس کا جواب دوسری طرف سے بھی مل رہا ہو محبت کرنے والوں کو تقدس کی بلندیوں تک پہنچا دیتی ہے۔ چنانچہ قالی قریط! میرا ہاتھ تھام لو اور میری نقاب یوں بے خوفی سے اٹھا دو جیسے میں ایک عام سی اور دیہاتی لڑکی ہوں نہ کہ اس دنیا کی دانا ترین اور حسین ترین عورت۔ اور پھر میری آنکھوں میں دیکھو اور کہو کہ تم نے مجھے خلوص دل سے معاف کر دیا اور یہ کہ تم سچے دل سے میری پرستش کرتے ہو!"

وہ خاموش ہو گئی اور اس کی آواز کی بے پناہ ملاحت ہماری آس پاس جیسے کسی مردے کی یاد کی طرح منڈلاتی رہی۔ مجھے آج تک اس کا اثر یاد ہے۔ اس میں اس قدر انسانیت تھی اور اس قدر نسائیت تھی کہ کسی کے دل کو بھی متاثر کر سکتی اور پگھلا سکتی تھی۔ لیو بھی عجیب طرح سے متاثر ہوا۔ اب تک وہ مسحور اور دم بخود تھا جس طرح کہ پرندہ سانپ کو دیکھ کر مسحور ہو جاتا ہے لیکن اب، میرے خیال میں، یہ اثر زائل ہو گیا اور اس پر دفعتاً یہ حقیقت ظاہر ہو گئی کہ وہ واقعی اس عجیب ہستی کو چاہتا ہے جس طرح کہ "ہائے افسوس" میں خود اسے چاہتا تھا۔ بہرحال میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھیں پرنم ہو گئیں۔ وہ آگے بڑھا، اس نے ہاتھ بڑھا کر ایشہ کی نقاب اٹھا دی اور اس کے حسین چہرے پر نظریں گاڑ کر بولا:



"ایشہ! میں جی جان سے تمہیں چاہتا ہوں اور جہاں تک معاف کرنا ممکن ہے میں اسٹین کا خون معاف کرتا ہوں۔ رہی دوسری باتیں تو ان کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ یہ معاملات تمہارے اور تمہارے پیدا کرنے والے کے درمیان ہیں۔ میں تو صرف اتنا جانتا ہوں کہ میں تم سے ایسی محبت کرتا ہوں کہ پہلے کبھی کسی سے نہ کی تھی اور میں آخر تک، قریب رہوں یا دور، تمہارا ہی رہوں گا۔"

"اب۔" ایشہ نے تکبرانہ خاکساری سے کہا۔ "اب جب کہ میرے آقا نے یوں میری محبت کو قبول کر لیا اور میرے گناہ معاف کر دیئے ہیں تو میرے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ میں اپنی طرف سے بھی کوتاہی نہ کروں۔ دیکھو۔" اور اس نے لیو کا ایک ہاتھ اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا اور یوں جھکی کہ اس کا ایک گھٹنا لمحہ بھر کے لیے فرش سے چھو گیا۔ "دیکھو! میں اطاعت کی علامت کے طور پر اپنے آقا کے سامنے اپنا سر جھکاتی ہوں اور دیکھو!" اور اس نے لیو کے ہونٹ چوم لئے۔ "اپنی بے پناہ اور شریک حیات کی محبت کی علامت کے طور میں اپنے آقا کے ہونٹ چومتی ہوں اور دیکھو۔" اس نے لیو کے دل پر اپنا مرمریں ہاتھ رکھ دیا" میں اپنے ان گناہوں کی جو میں نے کئے ہیں اور ان صدیوں کی جن میں میں نے صبر سے انتظار کیا ہے اور اپنی عظیم اور پاک محبت کی اور اس عظیم قوت کی، جو لافانی ہے جو زندگی بخشی ہے اور جس کی طرف آخر کار زندگی لوٹ جاتی ہے میں قسم کھاتی ہوں کہ:

"ہاں اپنی زندگی کی اس پہلی اور محبت بھری گھڑی میں قسم کھاتی ہوں کہ میں اچھائیاں کروں گی اور برائیاں ترک کر دوں گی۔ میں قسم کھاتی ہوں کہ آج سے میں تمہارے ہر حکم کی تعمیل کروں گی اور فرض کی سیدھی راہ پر چلوں گی۔ میں قسم کھاتی ہوں کہ جاہ طلبی سے باز رہوں گی اور اپنی طویل عمر میں عقل اور دانائی کو اپنی راہبر بناؤں گی تا کہ وہ مجھے سچائی اور اچھائی اور نیکی کی راہ دکھائے۔ میں یہ بھی قسم کھاتی ہوں کہ تمہاری فرماں بردار رہوں گی، تمہارا احترام کروں گی اور تمہیں خوشیاں بخشنے میں اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہ رکھوں گی کیونکہ اے قالی قریط مبارک ہے یہ زمانہ اور مبارک ہے یہ گھڑی جب کہ وقت کی موجیں تمہیں بہاتی ہوئی ایک بار پھر میری آغوش میں لے آئی ہیں اور اب اس وقت تک تم میرے پاس ہی رہو گے جب تک کہ موت تمہیں مجھ سے الگ نہیں کر دیتی۔ میں قسم کھاتی ہوں کہ — لیکن نہیں۔ اب میں قسمیں نہ کھاؤں گی کیونکہ ان الفاظ کی حقیقت ہی کیا ہے البتہ یہ تمہیں بہت جلد اور خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ ایشہ کی زبان جھوٹی نہیں ہے۔

چنانچہ یہ قسمیں میں نے کھائی ہیں اور میرے ہالی تم اس کے گواہ ہو۔ اور یہیں۔ اے میرے

سرتاج! ہم ایک دوسرے کے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بنے ہیں۔ اس چٹانی حجلۂ عروسی میں تم میرے دولہا بنے ہو اور میں تمہاری دلہن۔ جہاں ہم اپنے نکاح کے، ایک دوسرے کو اپنا بنانے کے دستخط بہتی ہوئی ہوا پر کر رہے ہیں۔ جو ہمارے دستخطوں کو آسمان تک لے جائے گی اور اس گھومتی ہوئی دنیا میں ابدالآباد تک گھاتی اور خوشی سے چیختی رہے گی۔

"اور تحفہ عروسی کے طور پر میں اپنے جگمگاتے حسن کا تاج تمہیں بخش رہی ہوں اور طویل زندگی اور بے پناہ علم و دانائی دے رہی ہوں اور ایسی دولت عطا کروں گی جسے کوئی شمار نہ کر سکے گا اور دیکھو! دنیا کی عظیم ترین ہستیاں تمہارے قدموں پر ناک رگڑنا فخر سمجھیں گی اور دنیا کی حسین ترین عورتیں تمہارے حسن کی تاب نہ لا کر اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیں گی اور تم لوگوں کے دلوں کا حال کھلی ہوئی کتاب کی طرح پڑھ لو گے اور تم اپنی مرضی کے مطابق انہیں جس طرف چاہو گے لے جاؤ گے۔ مصر کے قدیم ابوالہول کی طرح تم عظیم اور سربلند ہو کر بیٹھے رہو گے —— ہاں صدیوں تک بیٹھے رہو گے اور لوگ تمہاری عظمت اور تمہاری سدابہار جوانی کا راز معلوم کرنے کے لیے تمہارے سامنے گڑگڑاتے رہیں گے لیکن تم اپنی خاموش مسکراہٹ سے ان کا مضحکہ اڑاتے رہو گے۔"

"دیکھو! ایک بار پھر میں تمہیں چومتی ہوں اور بوسے کے ساتھ میں بحر و بر کی حکمرانی بخشتی ہوں، جھونپڑی میں بسے ہوئے کسان اور محلوں میں رہتے ہوئے شاہوں کا اور بڑے بڑے شہروں کی تمام مخلوق کا میں تمہیں حکمراں بناتی ہوں جہاں جہاں سورج اپنی کرنوں کے بھالے برساتا ہے، جہاں جہاں ویران پانی میں چاند اپنا عکس دیکھتا ہے، جہاں جہاں طوفان گرجتے ہیں، جہاں جہاں آسمان ست رنگی کمانیں پیدا کرتا ہے —— برفانی شمال سے لے کر دنیا کے مرکز تک اور وہاں سے شفاف پانی والے جنوب تک اور طلوع سورج کے مقام سے لے کر غروب سورج کے مقام تک تمہاری حکومت ہوگی اور نہ کوئی بیماری، نہ خوف کی سرد انگلیاں، نہ غم، نہ تفکرات اور نہ ہی جسم خشک اور بال سفید کر دینے والا بڑھیا اپنا سایہ تم پر ڈال سکے گا۔ تم دیوتا کی طرح ہو گے اور اچھائی اور برائی اور انسانوں کی قسمت اور بدقسمتی اور ان کی موت و حیات تمہاری مٹھی میں ہوگی اور میں، حتیٰ کہ میں بھی تمہارے سامنے سر جھکاؤں گی اور میری جگہ تمہارے قدموں میں ہوگی تو ایسی ہے محبت کی قوت اور ایسا ہے تحفۂ عروسی جو میں تمہیں دے رہی ہوں اے میرے قاتل قریط! اے میرے آقا اور اے آقائے جہاں!

"تو لو میری قسم پوری ہوئی اور میں تمہاری خاطر اپنی تنہائی اور کنوارپنے کی زندگی کو خیرباد کہتی ہوں۔ اب آندھی آئے یا جھکڑ چلے، اندھیرے آئیں یا اجالے جائیں، موت آئے یا زندگی جائے میں اپنی قسم سے نہ پھروں گی۔ جو ہو چکا بس ہو چکا۔ بس میں کہہ چکی اب چلو تاکہ ہر بات جیسی میں نے کہی ہے پوری ہو۔"



پھر ایک چراغ اٹھا کر وہ غار کے انتہائی سرے کی طرف بڑھی جس کی چھت وہ پتھر بناتا تھا جسے میں نے سنگ لرزاں کہا ہے۔ اور وہاں پہنچ کر وہ رک گئی۔

ہم بھی اس کے قریب پہنچے اور دیکھا کہ وہاں آتش فشانی مخروطے کی دیوار میں ایک زینہ تھا۔ بلکہ اگر زیادہ صحیح طور پر کہا جائے تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ دیوار میں پتھروں کی گرہیں سی ابھری ہوئی تھیں جو زینے کی غرض پوری کر رہی تھیں۔

ایشہ یہ قدرتی زینہ اترنے لگی۔ وہ ایک سے دوسری گرہ پر ہرنی کی طرح چھلانگیں لگا رہی تھیں۔ ہم اس کے پیچھے تھے اور ہم احتیاط سے اتر رہے تھے جب ہم کوئی پندرہ سولہ سیڑھیاں اتر چکے تو دیکھا کہ یہ سیڑھیاں ایک لمبی چٹانی ڈھلان پر جا کر ختم ہو گئی تھیں۔ یہ ڈھلان الٹے دودکش کی شکل کی تھی۔

یہ ڈھلان عمودی اور پھسلوان تھی لیکن کسی جگہ ایسی نہ تھی جہاں سے ہمیں اترنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ چنانچہ چراغوں کی روشنی میں ہم یہ ڈھلان اترنے لگے حالانکہ یوں نیم تاریکی میں اور آتش فشاں کے قلب میں اترنا آپ جانیے بڑا آزمائشی تھا خصوصاً اس صورت میں جب کہ ہم جانتے نہ تھے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔ میں راستہ کا نقشہ ذہن نشیں کرتا جا رہا تھا۔

بہت دیر تک، میرے اندازے کے مطابق کم سے کم آدھے گھنٹے تک ہم اسی طرح چلتے رہے یہاں تک کہ ہم کئی سو فٹ اتر گئے اور تب میں نے دیکھا کہ الٹے دودکش کے دوسرے سرے پر پہنچ گئے تھے اور یہاں اس دودکش کے عین سرے سے ایک دوسرا راستہ شروع ہو گیا تھا جو اس قدر تنگ اور نیچا تھا کہ جب ہم اس میں داخل ہوئے تو ہمیں کمر سے دوہرا ہو جانا پڑا۔

یوں جھکے جھکے ہم کوئی پچاس گز تک چلتے رہے ہوں گے کہ دفعتاً یہ تنگ راستہ پھیل کر غار بن گیا۔ جو اتنا بڑا تھا کہ ہمیں نہ تو اس کی چھت نظر آ رہی تھی اور نہ دیواریں۔ اگر یہاں کی فضا گھٹی ہوئی اور بوجھل نہ ہوتی اور ہمارے پیروں کی چاپ نہ گونجتی تو ہم سمجھ ہی نہ سکتے کہ یہ غار تھا۔ [1] برزخ کی

[1] یہاں مصنف نے لفظ "Hades" استعمال کیا ہے "Hades" یونانیوں کے اعتقاد کے مطابق تحت الارض میں تھا جہاں روحیں رہتی تھیں چنانچہ مجھے یہاں "عالم تحت الارض" کا لفظ استعمال کرنا چاہیے تھا لیکن اس سے مطلب واضح نہ ہوتا۔ مترجم

گہرائیوں میں بھٹکتی ہوئی روحوں کی طرح ہم خاموشی سے کئی منٹ تک چلتے رہے۔ ایشہ کا سفید سایہ
بھوت یا یوں کہیے کہ راہبر روح کی طرح ہمارے آگے چل رہا بلکہ تیر رہا تھا۔ یہ غار بھی ختم ہوا اور اب ہم
ایک دوسرے غار میں تھے جو اس پہلے غار سے نسبتاً چھوٹا تھا۔

ہم اس غار کے محرابی چھت اور دندانے دار دیواریں صاف طور سے دیکھ سکتے تھے اور دیواروں
کی اس حالت سے اندازہ لگا سکتے تھے کہ دنیا کے کسی دور میں پرقوت سنگینوں یا پھر لاوے نے پہاڑی کا
سینہ پھاڑ کر یہ غار بنا دیا تھا۔ آخر کار یہ غار بھی ایک تیسری سرنگ میں جا کر ختم ہو گیا جہاں دھندلی سی روشنی
کانپ رہی تھی۔ جب یہ روشنی۔ جو خدا جانے کہاں سے آ رہی تھی، ہمیں نظر آئی تو میں نے ایشہ کو اطمینان کا
سانس لیتے سنا۔

"بس ٹھیک ہے۔" وہ بولی۔ "اب بطن زمین میں داخل ہونے کے لیے تیار ہو جاؤ جہاں سے
دھرتی انسانوں اور جانوروں کو وہ زندگی دیتی ہے جو تمہیں روئے زمین پر نظر آتی ہے اور شجر و ثمر پیدا کرتی
ہے۔ تیار ہو جاؤ کہ یہاں تمہیں حیاتِ نو بخشی جانے کی۔"

وہ تیزی سے آگے بڑھی اور اس کے پیچھے ہم حتی الامکان احتیاط سے تاہم ٹھوکریں کھاتے،
چلے اور ہماری دلوں میں شوق تجسس اور خوف کے ملے جلے جذبات نے ایک طوفان بپا کر رکھا تھا، کیا
دیکھنے والے تھے ہم،

ہم سرنگ میں آگے بڑھے۔ روشنی زیادہ سے زیادہ تیز ہوتی چلی گئی جو اب ہم تک زبردست
جھپکاروں میں یوں پہنچ رہی تھی جیسے یہ روشنی کسی روشنی کے مینار سے آ رہی ہو۔ بات یہیں پر ختم نہیں
ہو جاتی تھی بلکہ روشنی کے ان جھپکاروں کے ساتھ روح کو لرزا دینے والی آواز بھی آ رہی تھی۔ یہ آواز ایسی
تھی جیسے تناور درخت گر رہے ہوں۔

پھر ہم سرنگ سے باہر تھے اور ـــ میرے خدا!!

ہم تیسرے غار میں تھے۔ جو پچاس فٹ لمبا تقریباً اتنا ہی بلند اور تیس فٹ چوڑا تھا۔ اس کے
فرش پر سفید اور مہین ریت کا قالین سا بچھا ہوا تھا اور اس کی دیواروں کو آگ یا شاید پانی نے گھس پٹ کر
چکنا، ہموار اور چمکدار کر دیا تھا۔ یہ غار دوسرے غاروں کی طرح اندھیرا نہ تھا بلکہ اس میں گلابی رنگ کی نرم
روشنی پھیلی ہوئی تھی جو اس قدر فرحت بخش اور خوبصورت تھی کہ اس دنیا میں اس کا تصور بھی نہیں کیا
جا سکتا۔ شروع میں تو ہمیں روشنی کے جھپکارے نظر نہ آئے اور وہ خوفناک آوازیں بھی اب سنائی نہ دیں



لیکن جب ہم مسحور اور دم بخود سے کھڑے یہ ناقابل یقین منظر دیکھ رہے تھے تو ایک پرجلال اور
خوبصورت بات ہوئی۔

غار کے انتہائی سرے سے ایک آواز گڑگڑاہٹ اور دھماکے کی آواز جو اتنی خوفناک تھی کہ
ہمارے دل لرز گئے اور جوب تو بیچ بیچ گھٹنوں کے بل گر پڑا، سنائی دی اور ساتھ ہی آگ بادل یا ستون
سا روشن ہو گیا جس میں دھنک کی طرح کئی رنگ تھے، جو بجلی کی طرح خیرہ کن تھا۔ چند ثانیوں تک، غالباً
چالیس سیکنڈ تک یہ آتشی ستون یونہی روشن رہا اور آہستہ آہستہ گھومتا رہا، بگولے کی طرح یہاں تک کہ وہ
گرجتی ہوئی آواز مدھم پڑ گئی اور اس آتشی ستون کے ساتھ وہ بھی غائب ہو گئی۔ میں نہیں جانتا کہ وہ آگ
کہاں چلی گئی۔ بہرحال ایک بار پھر غار میں میں وہی گلابی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔

"قریب آؤ۔ قریب آؤ" ایشہ نے انبساط سے جھوم کر اور چیخ کر کہا "دیکھو یہ ہے فوارۂ حیات،
یہ ہے قلب حیات جو اس زبردست دنیا کے سینے میں دھڑک رہا ہے۔ دیکھو یہ ہے وہ جوہر جس سے کل
اشیاء توانائی حاصل کرتی ہیں، ہاں یہ ہے کرۂ ارض کی روشن روح، جس کے بغیر دنیا قائم نہیں رہ سکتی۔
اگر یہ نہ ہو تو یہ دنیا بھی چاند کی طرح سرد اور مردہ ہو جائے۔ آگے بڑھو اور اسی عالم میں، آگ میں غسل
کرو اور اس کی گرمی کو، اس کی توانائی کو اور اس کی حیات کو اپنے ناتواں جسموں میں سمو لو۔"

چنانچہ ہم اس گلابی روشنی میں ایشہ کے پیچھے چلے اور غار کے انتہائی سرے پر پہنچ گئے یہاں
تک کہ ہم اس جگہ کھڑے ہوئے تھے جہاں نبضِ عالم دھڑک رہی تھی اور جہاں روحِ حیات روشن ہو رہی
تھی۔ میرا مطلب ہے اس جگہ جہاں سے وہ آتشی ستون گزرتا تھا۔

جب ہم آگے بڑھ رہے تھے تو ہمیں ایک عجیب شگفتگی کا احساس ہوا۔ قوت حیات کا اتنا شدید
اور ابدی احساس کہ اس کے مقابلے میں ہر قوت بے حقیقت اور ہیچ معلوم ہوئی۔ یہ اس آگ کا محض
بیرونی اثر تھا۔ وہ اثر یا ان عناصر کا اثر جنہیں وہ آتشی ستون غار کی فضا میں بکھیر گیا تھا اور عناصر یہ اثر
ہمارے جسم میں داخل ہو کر ہمیں دیو کی طرح طاقتور اور عقاب کی طرح پھرتیلا بنا رہا تھا۔

ہم غار کے سرے تک پہنچ گئے اور ہم نے گلابی روشنی میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر
خوش دلی سے ہنسنے لگے۔ ہمارے دل و دماغ ہلکے ہوئے تھے۔ ان پر کوئی بوجھ نہ تھا۔ حتیٰ کہ جوب بھی
ہنسنے لگا جو ایک ہفتے سے مسکرایا تک نہ تھا۔ مجھے اب تک یاد ہے کہ میں یوں محسوس کر رہا تھا کہ وہ ساری
ذہانت اور وہ سارا سکون، جس کی انسان تمنا کرتا ہے، مجھ پر اتر آیا تھا۔ میں چاہتا تو شیکسپیر کی سی نظم میں

باتیں کر سکتا تھا۔ بے حد حسین تصورات میرے دماغ میں منڈلا رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے میرے دنیوی بندھن ٹوٹ گئے ہیں اور میری روح آزاد ہو کر پرواز کر رہی تھی۔ جو سنسنی اور جو احساسات مجھ پر سرایت کر گئے تھے انہیں بیان کرنا ممکن نہیں۔ میں ایک دوسرا شخص تھا۔ میری شخصیت دوسری تھی۔ میرا وجود تبدیل ہو گیا تھا۔ اب میں عظیم اور درخشاں بن گیا تھا۔ تمام بنی نوع انسان سے بلند تر اور عظیم تر۔

جب میں اپنے نئے وجود سے محظوظ ہو رہا تھا تو دفعتاً کہیں دور سے خوفناک بڑبڑاہٹ کی آواز سنائی دی جو دم بہ دم شدت اختیار کرتی چلی گئی یہاں تک کہ وہ گڑگڑاہٹ اور گرج میں تبدیل ہو گئی جس میں دنیا کی ساری خوفناکی سما گئی تھی۔

یہ آواز قریب آتی چلی گئی — قریب — قریب — اور قریب — یہاں تک کہ وہ ہمارے بہت قریب تھی۔ بجلی کے جلو میں چیختی ہوئی گرج کی سی آواز — وہ قریب آئی اور اس کے ساتھ بہت سے رنگوں والی خیرہ کن روشنی کا بادل نظر آیا اور پھر یہ بادل ہمارے سامنے گھڑی بھر کے لیے تھم گیا۔ وہ آہستہ آہستہ گھومتا اور بل کھاتا رہا۔ کم سے کم ہمیں تو ایسا ہی معلوم ہوا۔ اور پھر — اپنی کٹھن گرج کی آوازوں کے ساتھ وہ روشن بادل رخصت ہوا۔ میں نہیں جانتا کہ کہاں چلا گیا۔

یہ عجیب منظر اس قدر حیرت انگیز اور مرعوب کن تھا کہ ہم سب، سوائے عائشہ کے، گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے۔ اور اپنے چہرے ہاتھوں میں چھپا لیے۔ عائشہ اپنے دونوں بازو اس عجیب آگ کی طرف پھیلائے کھڑی رہی۔

جب وہ آگ چلی گئی تو عائشہ نے زبان کھولی۔

"آخرکار۔ میرے قالی قریط! وہ مبارک گھڑی قریب آ گئی ہے۔" اس نے کہا۔ "یہ عظیم شعلہ اب آئے گا تو تم اس میں غسل کرو گے لیکن پہلے اپنے کپڑے اتار دو کیونکہ یہ شعلہ کپڑے جلا دے گا حالانکہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ جب تک تمہارے حواس برداشت کر سکیں تمہیں اس آگ میں کھڑے رہنا ہے اور جب یہ آگ تمہیں اپنی آغوش میں لے تم لمبے لمبے سانس لے کر اس کے جز کو اپنے دل میں پہنچاؤ گے اور شعلے کو اپنے ایک ایک عضو سے لپٹنے دو گے تاکہ اس کی حیات تمہارے ہر بن مو میں سرایت کر جائے۔ سن لیا تم نے میرے قالی قریط؟"

"ہاں۔ سنا عائشہ۔" لیو نے جواب دیا۔ "لیکن — حالانکہ میں بزدل نہیں ہوں — مجھے اس



آگ پر اعتبار نہیں ہے۔ اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ یہ شعلہ مجھے خاک نہ کر دے گا؟ کیسے یقین کر لوں کہ اس آگ میں داخل ہونے کے بعد میں اپنی زندگی کو اور اس کے ساتھ ہی ساتھ تمہیں بھی ہمیشہ کے لیے نہ گنوا بیٹھوں گا؟" اور پھر اس نے سر ہلا کر اضافہ کیا۔ اس کے باوجود میں ایسا ہی کروں گا جیسا تم کہتی ہو۔ تم کہتی ہو تو میں اس آگ میں غسل کروں گا۔ پھر جو ہونا ہو سو ہو۔"

عائشہ سر جھکا کر لمحہ بھر تک سوچتی رہی۔

"تمہارا یہ خوف اور شک بے جا نہیں ہے۔" اس نے کہا۔ "اچھا۔ اگر میں اس آگ میں کھڑی ہو جاؤں اور پھر باہر آ جاؤں اور تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو کہ اس نے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہے تو پھر تو تم اس میں غسل کرو گے نا؟"

"ہاں۔" لیو نے جواب دیا۔ "میں اس میں غسل کروں گا چاہے یہ آگ مجھے جلا کر راکھ ہی کیوں نہ کر دے۔ میں تو تمہارے حکم کی تعمیل میں اس وقت بھی اس آگ میں گھسنے کو تیار ہوں۔"

"اور میں بھی"۔ میں نے کہا۔

"ارے تم بھی ہالی!" عائشہ نے ہنس کر کہا۔ "تم نے تو کہا تھا کہ تم طویل زندگی نہیں چاہتے اور میرا خیال تھا کہ تم اپنے اس ارادے پر قائم ہو۔ اب یہ ایک دم سے کیا ہوا؟"

"کیا ہوا یہ تو میں بھی نہیں جانتا۔" میں نے جواب دیا۔ "لیکن میرا دل کہہ رہا ہے کہ مجھے اس آگ کا مزا چکھنا چاہئے۔"

"مبارک ہو۔" وہ بولی۔ "تم اتنے بے وقوف نہیں ہو جتنا میں نے تمہیں سمجھ رکھا تھا۔ اچھا اب میں دوسری دفعہ اس آتش حیات میں غسل کروں گی اور اپنے حسن اور اپنی زندگی کو اور بھی بڑھاؤں گی بشرطیکہ اور بڑھانا ممکن ہوا۔ اور اگر ایسا نہ ہوا تب بھی یہ آگ مجھے کوئی نقصان نہ پہنچائے گی۔"

"اس کے علاوہ۔" اس نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "اس آگ میں میرے دوبارہ غسل کرنے کی ایک اہم وجہ اور بھی ہے۔ جب میں نے پہلی دفعہ اس میں غسل کیا تھا تو اس وقت میرا دل اس مصری عورت آمن ارتاس کی نفرت سے پُر تھا اور حالانکہ میں اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی تھی، لیکن نہ کر سکی۔ جذبات اور نفرت کا لاوا میرے دل میں ابلتا رہا اور اس نے مجھے بے قرار رکھا۔ ہاں۔ اب تک میں اس سے چھٹکارا حاصل نہ کر سکی۔ لیکن اب حالات بدل چکے ہیں۔ اب مزاج بشاش ہے اور میرے دل و دماغ پاک اور مقدس جذبات سے پُر ہیں اور ہمیشہ اسی طرح رہیں گے۔ چنانچہ اب

قالی قریط میں ایک بار پھر اس آگ میں غسل کر کے اپنے آپ کو پاک صاف کروں گی تاکہ تمہارے قابل بن سکوں چنانچہ میرے بعد جب تم اس آتش حیات سے غسل کرو تو اپنے دل سے تمام برائیاں اور نفرت اور ایسے دوسرے جذبات نکال پھینکنا۔ اپنی روح کو بازو پھیلا دینا، اپنی ماں کے پیار بھرے بے لوث بوسے یاد کرنا اور اپنا دھیان دنیا کی ہر اچھائی کی طرف کر دینا کیونکہ اس وقت تمہارے دل میں جو بیج ہوگا وہی آگے چل کر تناور درخت بنے گا اور ویسے ہی پھل دے گا۔

''اچھا اب تیار ہو جاؤ قالی قریط — میں کہتی ہوں کہ تیار ہو جاؤ۔ ہاں یوں تیار ہو جاؤ اور یوں اچھا۔ دل ساری برائیوں سے پاک کر لو گویا تمہارا آخری وقت آ گیا ہے اور تم موت کے پھاٹک سے گزر کر سایوں کی دنیا میں جانے والے ہو نہ کہ حیاتِ نو حاصل کرنے، ہاں اپنے دل کو پاک و صاف کر لو اور تیار ہو جاؤ۔''

☆☆



# چھبیسواں باب

## ہم نے کیا دیکھا؟

اس کے بعد چند لمحوں تک خاموشی کا وقفہ رہا اور اس اثنا میں معلوم ہوتا ہے عائشہ اپنے آپ کو اس آتشیں آزمائش کے لیے تیار کرتی رہی۔ اور ہم ایک دوسرے سے لگے خاموش اور منتظر کھڑے رہے۔ آخر کار کہیں دور سے، بہت دور سے، بڑبڑاہٹ کی پہلی آواز سنائی دی وہ بڑھتی گئی اور شدت اختیار کرتی گئی یہاں تک کہ وہ کہیں دور پر گڑگڑانے اور گرجنے لگی۔

عائشہ نے یہ آواز سنی تو جلدی سے اپنے جسم پر کی سفید پٹیاں کھول کر پھینک دیں اور اپنی کمر پر بندھا ہوا سانپ کی شکل کا پٹکا بھی کھول دیا۔ اور پھر اس نے سر جھٹک کر اپنے ریشمی بال بکھرا دیے اور اس نے اس کے جسم کو لباس کی طرح ڈھک لیا۔ اور ان بالوں کے نیچے اس نے اپنا سفید چغہ اتار دیا جو اس کے قدموں میں آ پڑا۔ اور اب وہ اس نے سانپ کا پٹکا اپنی کمر پر اور بالوں پر باندھ لیا اور اب اس کے بال، لانبے اور کالے بال اس کی برہنگی کو چھپا رہے تھے۔ اور اب وہ ہمارے سامنے یوں کھڑی تھی جیسی کہ جنت میں اماں حوا آدم کے سامنے کھڑی رہی ہوں گی۔ اور وہ صرف اپنے بالوں کے ہی لباس میں ملبوس تھی جو اس کی کمر پر سانپ کے پٹکے سے بندھے ہوئے تھے چنانچہ بکھرنے نہ پاتے تھے اور یہ بتانے کے لئے مجھے الفاظ نہیں مل رہے کہ اس وقت وہ کتنی پیاری اور مقدس معلوم ہو رہی تھی۔

آگ کے گرجتے ہوئے اور لڑھکتے پہیئے زیادہ سے زیادہ قریب آتے جا رہے تھے اور تب اس نے اپنا ایک مرمریں بازو اپنے بالوں کے لباس سے باہر نکالا اور لیو کی گردن میں حمائل کر دیا۔

''ہائے میرے پیارے! میری جان!'' اس نے کہا ''تم کیا کبھی نہ جان سکو گے کہ مجھے تم سے کتنی محبت ہے؟''

پھر اس نے لیو کا ماتھا چوم لیا۔ گھومی، قدرے ہچکچائی جیسے امید و بیم کے عالم میں ہو، پھر آگے بڑھی اور آتش حیات کے راستے میں کھڑی ہو گئی۔

مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ عائشہ نے جو کچھ کہا تھا اس میں اور جس طرح اس نے لیو کا ماتھا

چوما تھا اس میں کوئی خاص بات تھی جس نے میرے دل پر اثر کیا تھا۔ اس کا بوسہ اس ماں کے بوسے کی طرح تھا جو اپنے جگر کے ٹکڑے کو رخصت کر رہی ہو اور ماتھا چوم کر برکت و حفاظت کی دعا دے رہی ہو۔

وہ لرزتی اور گرجتی اور سنسناتی ہوئی آواز قریب آتی چلی گئی اور یہ آواز ایسی تھی جیسے زبردست طوفان جنگل سے گزر رہا ہو اور تناور درختوں کو گراتا چلا جا رہا ہو۔

یہ آواز قریب سے قریب تر آتی چلی گئی اور اب روشنی کے جھپکاوے، ستون حیات کے نقیب، گلابی روشنی میں آتشی تیروں کی طرح دوڑنے لگے۔ اور اب خود آتشی ستون کا کنارا نظر آیا۔ عائشہ اس کی طرف گھوم گئی اور جیسے اسے قبول کرنے کے لیے اس نے اپنے دونوں بازو اس کی طرف پھیلا دیئے۔

وہ ستون گرجتا اور بل کھاتا ہوا آگے بڑھا اور اس نے عائشہ کو اپنی آغوش میں لے لیا اور میں نے اسے عائشہ کے جسم سے لپٹتے دیکھا اور دیکھا کہ عائشہ اسے دونوں ہاتھوں کے چلوؤں، جیسے وہ پانی ہو، اٹھا رہی اور اپنے جسم پر مل رہی تھی۔ اور اپنے سر پر انڈیل رہی تھی حتیٰ کہ میں نے یہ بھی دیکھا کہ وہ اپنا منہ کھول کر اور لمبے لمبے سانس لے کر اس آتش حیات کو اپنے پھیپھڑوں میں پہنچا رہی تھی۔ یہ منظر جتنا زیادہ حیرت انگیز تھا اتنا ہی زیادہ خوفناک بھی تھا۔

پھر وہ بے حرکت کھڑی ہو گئی اور اپنے دونوں بازو اوپر اٹھا دیئے۔ وہ بت کی طرح کھڑی رہی اور اس کے ہونٹوں پر ملکوتی تبسم تھا اور وہ خود مجسم روح آتش معلوم ہو رہی تھی۔

وہ پراسرار آگ عائشہ کے کالے اور ریشمی بالوں سے کھیل رہی تھی، سرخ دھاگوں کی طرح بالوں سے لپٹ کر بالوں میں داخل ہو کر اس کے برہنہ جسم کو چوم رہی تھی، اس کے مرمریں شانوں اور سینے پر چمک رہی تھی جہاں سے اس کے بال ایک طرف پھسل گئے تھے، وہ اس کی صراحی دار گردن کی بلائیں لے رہی تھی اور عائشہ کی آنکھیں اس وقت جلتے ہوئے ایتھر سے زیادہ چمک رہی تھیں۔

ہائے! اس آگ میں کس قدر حسین معلوم ہو رہی تھی! کوئی حور بھی اس کے حسن کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔ یہ سطور لکھتے وقت میں عائشہ کے بے پناہ حسن کو یاد کر کے بے قرار ہوا جا رہا تھا۔ برہنہ آگ میں برہنہ کھڑی ہوئی عائشہ ہمارے حیرت زدہ چہرے کی طرف دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ عائشہ کو اسی طرح دوبارہ دیکھنے کے لیے میں بقیہ زندگی دے ڈالنے کے لیے تیار ہوں۔

لیکن دفعتاً ــــ اس قدر فوری طور پر کہ میں کہہ نہیں سکتا ــــ اس کے نقوش میں ناقابل بیان تغیر ہوا۔ ایسا تغیر جس کی میں نہ تو تشریح کر سکتا ہوں اور نہ ہی جسے میں بیان کر سکتا ہوں۔ اس کے باوجود وہ



تغیر تھا۔ اس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی اور اس کی جگہ خشک کرختگی اس کے بشرے پر رینگ آئی۔ اس کا خوبصورت بیضوی چہرہ کھنچ گیا اور سکڑ گیا جیسے اسے کوئی روحانی اذیت پریشان کر رہی ہو حتیٰ کہ اس کی آنکھوں کی مسحور کن چمک بجھ گئی اور اس کی سرو قدی بھی اپنا اثر کھونے لگی۔

میں نے اپنی آنکھیں مل کر دیکھا کیونکہ میرا خیال تھا کہ میری نظر مجھے دھوکا دے رہی تھی لیکن نہیں۔ میں جو کچھ دیکھ رہا تھا وہ نظر کا دھوکا نہ تھا۔ ابھی میں حیرت سے سوچ ہی رہا تھا کہ یہ ایک دم سے کیا ہوا کہ گرجتا ہوا آتشی ستون رخصت ہوا اور جہاں سے آیا تھا وہیں واپس چلا گیا اور عائشہ جہاں تھی وہیں کھڑی رہ گئی۔

آتشی ستون کے رخصت ہوتے ہی عائشہ لیو کی طرف بڑھی اور مجھے ایسا معلوم ہوا کہ اس کی چال میں لچک اور سبک رفتاری نہ تھی۔ اس نے لیو کے شانے پر ہاتھ رکھنے کے لیے اپنا بازو اوپر اٹھایا۔ میں نے اس کے بازو کی طرف دیکھا۔ اس کی مرمریں خوبصورتی اور سڈول پن کہاں چلا گیا تھا۔ وہ تو بے حد پتلا اور خشک معلوم ہوتا تھا اور اس کا چہرہ ـــ میرے خدا! ـــ اس کا چہرہ میری نظر کے سامنے بوڑھا ہو رہا تھا۔ میرے خیال میں، لیو نے بھی یہ تغیر دیکھ لیا کیونکہ وہ بے اختیار پیچھے ہٹ گیا۔

"کیا بات ہے میرے قالی قریط؟" اس نے کہا۔

اور اس کی آواز؟ کیا ہو گیا تھا اس کی آواز کو وہ اپنی شیرینی کھو چکی تھی؟ اب وہ پھٹی ہوئی اور لڑکھڑاتی ہوئی تھی۔

"کیوں ـــ کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟ کیا بات ہے؟" عائشہ نے الجھ کر کہا "مجھے چکر سے آ رہے ہیں۔ یقیناً آتش حیات کی خصوصیت تو نہیں بدل گئی۔ بھلا زندگی کے اصول بدل سکتے ہیں؟ بتاؤ قالی قریط میری آنکھوں کو کیا ہو گیا ہے؟ مجھے صاف طور سے کچھ بھی نظر نہیں آ رہا ہے۔"

اور اس نے اپنا ہاتھ اٹھا کر سر پر رکھ لیا اور ـــ میں کانپ گیا۔ اس کے سارے بال جھڑ کر زمین پر جا پڑے۔

"دیکھو ـــ دیکھو ـــ دیکھو ـــ" جوب کی آواز انتہائی خوف سے بلند تھی اور اس کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں۔ اور اس کے ہونٹوں کے کونوں پر کف نمودار ہو گئے تھے۔ "دیکھو ـــ دیکھو ـــ دیکھو ـــ وہ سکڑ رہی، چھوٹی ہوتی جا رہی ہے، وہ ـــ وہ ـــ بندریا بنتی جا رہی ہے۔"

اور وہ دھپ سے گرا۔ اس پر کسی قسم کا دورہ پڑ گیا تھا اس کے دانت بند ہو گئے تھے اور منہ سے

کف جاری تھا۔

جوب نے یہ غلط نہ کہا تھا — یہ سطور لکھتے وقت اس منظر کی یاد سے خود مجھ پر غشی سی طاری ہونے لگی ہے — عائشہ سچ مچ سکڑ رہی تھی۔ سانپ کا وہ سنہرا پٹکا، جو اس کی کمر سے بندھا ہوا تھا، پھسل کر اس کے کولہوں پر آ گیا تھا اور پھر وہاں سے پھسل کر زمین پر آ پڑا۔

وہ زیادہ سے زیادہ چھوٹی ہوتی چلی گئی۔ اس کی جلد کا رنگ بدل گیا۔ وہ سفید کے بجائے زرد ہو گئی جیسے پرانا اور خشک چمڑا ہو۔ اس نے اپنا ہاتھ اٹھا کر سر کو چھوا۔ اور اب اس کا ہاتھ کچھ نہ تھا سوائے ایک گھناؤنے پنجے کے۔ ایک انسانی پنجہ جیسے کسی ٹھیک سے حنوط نہ کی ہوئی ممی کا ہوتا ہے۔ اور پھر دفعتہً اسے احساس ہوا کہ اس میں کسی قسم کا تغیر ہو رہا تھا اور وہ بھیانک آواز میں چلائی۔ وہ زمین پر لڑھک گئی اور چلائی۔

وہ بدستور چھوٹی ہوتی چلی گئی — چھوٹی سے چھوٹی، اور چھوٹی یہاں تک کہ اب وہ سچ مچ بندریا جیسی تھی — اور اب اس کی کھال لاکھوں، کروڑوں، جھریوں میں تقسیم ہو گئی اور اس کے چہرے پر صدیوں کی طویل عمر نے اپنے پنجے گاڑ دیے۔ میں نے ایسی کوئی چیز نہ دیکھی تھی۔ کسی نے بے پناہ عمر کے ایسے اثرات کسی چہرے پر کبھی نہ دیکھے ہوں گے جیسے کہ اس وقت میں اس گھناؤنے چہرے پر دیکھ رہا تھا اور یہ چہرہ اب سکڑ کر دو مہینے کے بچے کے چہرے جتنا رہ گیا تھا۔ حالانکہ کھوپڑی اپنی اصلی حالت پر ہی تھی۔ قارئین کو چاہئے کہ وہ خدا سے پناہ طلب کریں اور دعا کریں کہ وہ کبھی خواب میں بھی ایسا بھیانک اور گھناؤنا منظر نہ دیکھیں جیسا کہ اس وقت میں حقیقت میں دیکھ رہا تھا۔

آخر کار وہ زمین پر بے حرکت پڑی رہ گئی یا اگر وہ جنبش کر رہی تھی تو نامعلوم طور پر — وہ — جو ابھی دو منٹ پہلے دنیا کی حسین عورت تھی — اپنے کالے بالوں کے ڈھیر کے قریب پڑی ہوئی تھی۔ بندریا جتنی اور حد سے زیادہ گھناؤنی۔ اور اس کے باوجود خیال تو کیجئے — میں نے اس وقت بھی یہی سوچا تھا — کہ یہ عائشہ ہی تھی۔

وہ مر رہی تھی۔ اور ہم نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ مر رہی تھی کیونکہ جب تک وہ زندہ رہتی محسوس کرتی اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کیا محسوس کر رہی تھی اس وقت۔

اس نے اپنے استخوانی ہاتھوں کے سہارے اپنے آپ کو بدقت تمام اٹھایا اور اپنے بے نور آنکھوں سے چاروں طرف دیکھا۔ میرے خدا! وہ اندھی ہو گئی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ اپنا سر ادھر سے ادھر



گھمانے لگی۔ کچھوے کی طرح وہ دیکھ نہ سکتی تھی اس کی سفید آنکھوں پر صندلی پردہ سا پڑ گیا تھا۔ لیکن وہ اب بھی بول سکتی تھی۔

''قالی قریط'' اس نے کمزور، پھٹی ہوئی اور کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

''مجھے بھول نہ جانا۔ قالی قریط! مجھ پر رحم کرنا۔ میں مروں گی نہیں۔ میں مر نہیں رہی ہوں۔ میں مر نہیں سکتی۔ میں ایک بار پھر آؤں گی — ایک بار پھر حسین بن کر آؤں گی، یہ میں سچ کہہ رہی ہوں، قسم کھا کر کہہ رہی ہوں۔ آہ — آہ — آ — آ — ''

وہ اوندھے منہ گری اور بے حرکت پڑی رہ گئی۔

چنانچہ یوں ٹھیک اسی جگہ جہاں اس نے بیس صدیوں پہلے کاہن قالی قریط کا خون کیا تھا — ہاں ٹھیک اسی جگہ عائشہ اوندھے منہ گری اور مر گئی۔

انتہائی خوف اور سنسنی ہمارے اعصاب پر اثر انداز ہوئی۔ اور ہم بھی غار کے فرش پر گرے اور بے ہوش ہو گئے۔

میں نہیں جانتا کہ ہم کب تک بے ہوش رہے۔ میرے خیال میں کئی گھنٹوں تک اور جب مجھے ہوش آیا اور میں نے آنکھیں کھولیں تو لیو اور جوب زمین ہی پر پڑے ہوئے تھے۔ گلابی روشنی اب بھی شفق کی طرح پھیلی ہوئی تھی اور آتش حیات گرجتی اور سنسناتی بدستور اپنے راستے آ رہی اور جا رہی تھی کیونکہ جب میں نے آنکھیں کھولی تو آگ کا وہ ستون واپس لوٹ رہا تھا اور وہیں اس گھناؤنی بندریا کا ڈھانچہ پڑا ہوا تھا جس پر جھریاں پڑی، خشک اور زرد کھال ڈھیلی ڈھیلی منڈھی ہوئی تھی — کبھی یہ حسین ترین عورت عائشہ تھی۔ افسوس یہ خواب پریشاں نہ تھا بلکہ حقیقت تھی — ناقابل تردید اور ناقابل یقین مگر ٹھوس حقیقت —

کیا بات ہوئی تھی؟ کون سی چیز تھی جو اس خوفناک تبدیلی کا باعث بنی تھی؟ کیا حیات بخشنے والی آگ کی فطرت بدل گئی تھی یا ایک خاص عرصے میں بدل جاتی تھی؟ کیا ایسا تھا کہ یہی آگ کبھی کبھی، ایک مقررہ عرصے میں حیات کے بجائے موت عطا کرتی تھی؟ یا ایسا تھا کہ ایک دفعہ اس آگ میں جو انسان غسل کر لیتا تھا اس کا جسم دوبارہ اس آگ کے اثرات، حیات بخش اثرات برداشت نہ کر کے فنا ہو جاتا تھا، میرے خیال میں یہ آخری بات قرین قیاس تھی اور عائشہ کے لرزہ انگیز اور عبرت خیز انجام کا سبب یہی تھا یا ہو سکتا تھا اور پورے دو ہزار سال کی طویل عمر دفعتاً اس پر ٹوٹ پڑی تھی۔ میرے سامنے جو ڈھانچہ تھا وہ

بے شک شبہ اس عورت کا ہی ہو سکتا تھا جو کسی معجزے سے اپنی عمر بائیس صدیوں تک لمبا کرنے میں کامیاب ہو گئی ہو۔

لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ کیا ہوا تھا؟ بہرحال جو کچھ ہوا تھا وہ حقیقت تھی اور جو کچھ ہوا تھا وہ قدرت کا اٹل قانون تھا۔ بے شک ایشہ دو ہزار سال تک جوان رہی تھی، حیرت انگیز قوت حاصل کر چکی تھی، جوان اور دیوی کی طرح حسین رہی تھی اس کے باوجود قدرت کے قانون اور دنیا کے اصولوں کو نہ بدل سکی تھی اور آخرکار قدرت کے اسی اٹل قانون نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔

چند ثانیوں تک میں غار کے فرش پر پڑا ان باتوں پر غور کرتا رہا اور اس عرصے میں میری جسمانی طاقت عود کر آئی اور تب مجھے اپنے ساتھیوں کا خیال آیا میں بدقت تمام اٹھا کہ اگر ممکن ہو تو اپنے دونوں ساتھیوں کو بھی ہوش میں لے آؤں۔

پہلے میں نے ایشہ کا نقاب اور لبادہ، وہ نقاب جس کے ذریعہ وہ اپنا چکا چوند کر دینے والا حسن مردوں کی نظر سے چھپاتی تھی، اٹھایا اور اپنا دوسری طرف گھما کر کہ اس گھناؤنے ڈھانچے کی طرف دیکھ نہ سکوں، میں نے اس حسین ترین عورت کے مردہ اور گھناؤنے ڈھانچے کو ڈھک دیا۔ یہ کام میں نے بڑی عجلت میں کیا کیونکہ ڈرتا تھا کہ کہیں لیو کو ہوش آ جائے اور وہ اپنی محبوبہ کی یہ حالت دیکھ کر دیوانہ بن جائے۔

اس طرف سے فرصت پا کر ایشہ کے معطر بالوں کے ڈھیر کو، جو زمین پر پڑا ہوا تھا، پھلانگ کر میں جوب کے قریب پہنچا۔ وہ اوندھے منہ پڑا ہوا تھا۔ میں نے جھک کر آہستہ سے اسے سیدھا کر دیا۔ جب میں اسے سیدھا کر رہا تھا تو اس کا بازو بے جانی سے اور دھپ سے گرا کہ میں کانپ گیا۔ میں نے جلدی سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور ایک ہی نظر کافی تھی۔

ہمارا پرانا اور وفادار ملازم مر چکا تھا۔

جن خوفناک حالات سے وہ گزرا تھا اور جو بھیانک واقعات اس نے دیکھے تھے ان کی وجہ سے اس کے اعصاب پہلے ہی سے تن گئے تھے اور اس آخری واقعہ کی تاب نہ لا کر ایک جھٹکے سے وہ ٹوٹ گئے تھے اور اس طرح انتہائی خوف سے یا اس دورے کی وجہ سے جو خوف نے اس پر طاری کر دیا تھا، ہمارا ساتھی جوب مر گیا تھا۔

یہ دوسرا صدمہ تھا جو ہمیں پہنچا تھا۔ لیکن اس سے قارئین یہ اندازہ لگا سکتے ہیں، اور بہتر طور پر



لگا سکتے ہیں کہ ہمیں کس قدر لرزہ خیز تجربات ہوئے تھے۔ چنانچہ جوب کی موت ایک قدرتی بات تھی۔

دس منٹ بعد لیو نے ہولے سے کراہ کر جنبش کی اور نمایاں طور پر لرز کر آنکھیں کھول دیں اور جب میں نے اسے بتایا کہ جوب مر گیا تو اس نے صرف ایک لفظ کہا:

''اوہ!''

خیال رہے لیو نے یہ سنگدلی کی بنا پر نہ کہا تھا خصوصاً اس لیے کہ اس میں اور جوب میں انسیت بڑھ کر دوستی تک پہنچ گئی تھی اور اب بھی وہ اکثر دفعہ بڑے افسوس اور پیار کے ساتھ جوب کو یاد کرتا اور اس کا ذکر کرتا ہے اس وقت بہرحال وہ خود ایسے واقعات سے گزرا تھا اور اس کے دماغ پر ایسا بوجھ پڑا تھا کہ وہ مزید بوجھ برداشت نہ کر سکتا تھا۔

خیر۔ تو لیو کو ٹھیک سے ہوش میں لانے اور اسے سنبھالنے میں مصروف ہو گیا اور دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرتا اور خوش ہوتا رہا کہ وہ مرا نہ تھا۔ اور آخرکار، جیسا کہ میں نے کہا، میں اسے ہوش میں لانے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

تب میں نے ایک خوفناک بات دیکھی۔

جب ہم اس بھیانک مقام میں داخل ہوئے تھے تو لیو کے بال سنہرے تھے لیکن اب وہ بھورے ہو چلے تھے۔ اور جب ہم باہر کھلی فضا میں، پہنچے ہیں تو اس وقت تک وہ برف کی طرح سفید ہو چکے تھے اس کے علاوہ اس کی عمر بیس سال زیادہ معلوم ہوتی تھی۔

''اب کیا کیا جائے بڑے میاں؟'' جب اس کے حواس قدرے ٹھکانے آئے تو اس نے کھوکھلی آواز میں پوچھا۔

''میرے خیال میں تو اب ہمیں یہاں سے نکل جانے کی کوشش کرنی چاہیے۔'' میں نے جواب دیا۔ ''ہاں ــــ البتہ ــــ میرا مطلب ہے ــــ اگر تم اس میں غسل کرنا چاہتے ہو تو بات دوسری ہے۔''

اور میں نے اس آتشی ستون کی طرف اشارہ کیا جو بل کھاتا ہوا رخصت ہو رہا تھا۔

''میں اس میں ضرور غسل کرتا اگر مجھے یہ یقین ہو جاتا کہ یہ آگ میرا خاتمہ کر دے گی۔'' اس نے ہنس کر کہا۔ ''یہ میری لعنتی ہچکچاہٹ تھی جس کی وجہ سے وہ ہو گیا جو نہ ہونا چاہیے تھا اگر میں نہ ہچکچایا ہوتا، اگر میں نے شک کا اظہار نہ کیا ہوتا تو وہ مجھے اطمینان دلانے کے لیے اس میں غسل نہ کرتی۔ لیکن میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ آگ کا اثر مجھ پر الٹا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ یہ مجھے لافانی بنا دے

اور تم جانو، بڑے میاں، مجھ میں دو ہزار سال تک اس کی واپسی کا انتظار کرنے کی ہمت نہیں ہے جس طرح اس نے میرا انتظار کیا تھا اس سے بہتر تو یہی ہے کہ جب میرا وقت آئے اور میرے خیال میں وہ وقت دور نہیں ہے، تو مر جاؤں اور اپنے طور پر دوسری دنیا میں اسے تلاش کرتا رہوں البتہ اگر تم چاہو تو اس آگ میں غسل کر سکتے ہو۔"

لیکن میں نے خاموشی سے سر ہلا دیا۔ میرا سارا جوش اور شوق رخصت ہو چکا تھا اور طویل عمر کی ناپسندیدگی ایک بار پھر میرے دل پر حاوی تھی۔ میں اپنی اس بے کیف زندگی کو لمبا کرنا نہ چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ ہم دونوں میں سے کوئی نہ جانتا تھا کہ اس آگ کا اثر کیا ہوگا۔ بہرحال اس آگ کا جو اثر عائشہ پر ہوا تھا، وہ قطعی حوصلہ افزا نہ تھا۔ اور جو کچھ ہوا تھا اس کے سبب سے ہم ظاہر ہے کہ ناواقف تھے۔

"تو بیٹے۔ ہم اس وقت یہاں نہیں ٹھہر سکتے جب تک کہ ہم بھی ان دونوں سے جا ملیں۔" اور میں نے جوب اور عائشہ کی لاش کی طرف اشارہ کیا۔ "اب اگر ہمیں یہاں سے جانا ہے تو بہتر ہوگا کہ ہم اسی وقت روانہ ہو جائیں۔ اور ہاں۔ میں سمجھتا ہوں کہ چراغوں میں تیل ختم ہو گیا ہے اور وہ بجھ گئے ہیں۔"

میں نے ایک چراغ اٹھا کر دیکھا۔ میرا خیال غلط نہ تھا۔

"صراحی میں تھوڑا سا تیل ہے۔" لیو نے کہا۔ "بشرطیکہ وہ ٹوٹ نہ گئی ہو۔"

میں نے وہ برتن اٹھا کر دیکھا۔ وہ سلامت تھا۔ کانپتے ہاتھوں سے میں نے چراغوں میں تیل بھر لیا۔ خوش قسمتی سے کپڑے کی بنی ہوئی بتی پوری طرح سے جلی نہ تھی۔ میں نے اپنی تیلیوں سے دونوں چراغ جلائے۔

عین اسی وقت میں نے آتشی ستون کے گھن گرج کی آواز سنی۔ وہ اپنے کبھی ختم نہ ہونے والے چکر میں مصروف تھا بشرطیکہ یہ آگ کے ستون کی ہی آواز ہو۔

"آؤ لیو۔ اس ستون کو آخری دفعہ دیکھ لیں۔" میں نے کہا۔ "اس دنیا میں ایسی کوئی دوسری چیز ہمیں کبھی دیکھنے کو نہ ملے گی۔"

میرے خیال میں یہ بیکار اور بچگانہ شوق تھا تاہم میں خود اس شوق میں برابر کا شریک تھا۔ چنانچہ ہم انتظار کرنے لگے یہاں تک کہ خود اپنے طور پر گھومتا اور گرجتا ہوا وہ آتشی بادل آیا اور مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ میں نے اس وقت سوچا تھا کہ خدا جانے کب سے بطن زمین میں آگ کا یہ ستون یونہی آتا اور جاتا رہا ہے اور خدا جانے اور کب تک اسی طرح گرجتا ہوا آتا اور جاتا رہے گا اور میں



نے یہ بھی سوچا کیا کبھی کسی فانی انسان کی نظر اسے دیکھ سکے گی یا کیا کبھی کسی انسان کے کان اس کی سنسنی خیز آوازیں سن سکیں گے۔ میرے خیال میں نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم وہ آخری انسان ہیں جنھوں نے اس غیر ارضی آگ کو دیکھا ہے اور اس کی آواز سنی ہے۔

آتشی ستون رخصت ہوا اور ہم بھی جانے کے لیے گھوم گئے۔

لیکن جانے سے پہلے ہم دونوں نے جوب کا سرد ہاتھ، ہاتھوں میں لیا اور یوں اس سے آخری اور رخصتی مصافحہ کیا۔ یہ ظاہر ہے کہ بھیانک اور ساتھ ہی ساتھ غمناک رسم تھی، لیکن یہی ایک ایسا عمل تھا جس کے ذریعہ ہم اپنے مردہ ساتھی سے پیار اور احترام کا اظہار کر سکتے تھے۔

لبادے کے نیچے پڑے ہوئے ڈھیر کو ہم نے کھولا۔ البتہ ہم بالوں کے اس معطر انبار کے قریب جا کھڑے ہوئے جو گھناؤنی تبدیلی کے وقت اس کے سر سے جھڑ گئے تھے اور آپ جانیے یہ تغیر ہزاروں قدرتی اور طبعی موت سے بدتر تھا۔ میں نے اور لیو نے اس انبار میں سے بالوں کی ایک ایک لٹ اٹھالی۔ یہ لٹیں اب بھی ہمارے پاس ہیں۔ عائشہ کی، اس عائشہ کی جو جوان اور دنیا کی حسین ترین عورت تھی۔ آخری یادگار۔ لیو نے اس کے معطر بال اپنے ہونٹوں سے لگا لیے۔

"اس نے مجھ سے کہا کہ میں اسے بھول نہ جاؤں۔" لیو نے پھٹی ہوئی آواز میں کہا۔ "اور قسم کھائی تھی کہ ہم پھر ملیں گے۔ خدا کی قسم میں کبھی اسے نہ بھولوں گا اور یہاں میں قسم کھاتا ہوں کہ اگر ہم یہاں سے زندہ بچ کر نکل گئے تو پھر میں دنیا کی کسی دوسری عورت سے کوئی تعلق نہ رکھوں گا اور جہاں بھی جاؤں گا اس کا انتظار کروں گا، اتنی ہی وفاداری سے جتنی وفاداری سے اس نے میرا انتظار کیا تھا۔"

"ہاں" میں نے دل میں کہا۔ "ہاں اگر وہ اتنی ہی حسین بن کر آئی جتنی حسین ہم اسے دیکھ چکے ہیں لیکن اگر وہ ایسی بن کر، ایسی بڑھیا اور گھناؤنی بن کر آئی تو؟"

اور پھر ہم پلٹ کر چل دیئے۔

ہاں ہم دونوں کو بطن زمین میں، اس خفیہ کنوئیں میں اور ستون حیات کے مقام میں پڑے چھوڑ کر چل دیئے وہ دونوں وہاں پڑے ہوئے کس قدر تنہا معلوم ہو رہے تھے۔ ان کا کوئی ساتھی نہ تھا سوائے سرد اور خاموش موت کے۔

اور وہ تنہا سا ڈھیر دنیا کی حسین ترین، زیرک ترین اور معزز ترین ہستی رہی تھی اور وہ اپنے طور پر عیار بھی تھی اس کے باوجود وہ عظیم تھی۔

بچارا جوب! اس کی پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی تھی اور یہ اس کے افسانہ حیات کا اختتام تھا۔ عجیب مقام تھا جہاں وہ دفن ہوا تھا کبھی کسی کو ایسی قبر نہ ملی تھی اور نہ کبھی ملے گی۔

ہم نے آخری دفعہ ان دو لاشوں کی طرف دیکھا جو اس عجیب گلابی روشنی میں پڑی ہوئی تھیں۔ اور پھر ملول دل لیے وہاں سے اس حالت میں چل دیے کہ ہم دونوں سچ مچ ٹوٹ چکے تھے کیونکہ اب ہماری زندگی محض بے کار تھی۔ ہم چاہتے تو آتش حیات میں غسل کر کے اسے غیر معینہ عرصے تک لمبا کر سکتے تھے۔ لیکن ہم نے ایسا نہ کیا، ہم ایسا نہ کرنا چاہتے تھے کیونکہ زندگی بڑھانے کا مطلب تھا خود اپنے غم کو بڑھانا، اسے لافانی بنا کر کہ وہ سب کچھ، جو زندگی کو خوشگوار بناتا ہے، رخصت ہو چکا تھا۔ کیونکہ ہمیں —— ہم دونوں کو —— احساس تھا کہ عائشہ کو ایک دفعہ بے نقاب دیکھ لینے کے بعد ہم اسے کبھی نہ بھلا سکیں گے۔ ہاں اس وقت تک نہیں جب تک ہمارے حواس اور یادداشت قائم ہیں۔ ہم دونوں اس سے محبت کرتے تھے۔ اور اب ہماری یہ محبت لافانی بن گئی تھی اور اب کچھ زیادہ ہی شدت اختیار کر چکی تھی۔ اس نے ہمارے دلوں پر اپنی انمٹ مہر لگا دی تھی اور دنیا کی کوئی عورت اس مہر کو توڑ کر ہمارے دل پر قبضہ نہ جما سکتی تھی۔ جی ہاں کبھی نہیں۔

جی ہاں۔ یہ بھی اس سے محبت کرتا تھا۔ حالانکہ وہ مجھے صاف صاف لفظوں میں کہہ چکی تھی میرا اس سے یا اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔ وہ تو لیو کی تھی اور اسی کی رہے گی۔ ہائے یہ بھی میری زندگی کا ایک المیہ ہے۔ ایک کانٹا ہے جو میرے دل میں ہمیشہ کھٹکتا رہے گا۔

لیکن لیو کا معاملہ مختلف تھا۔ اور مجھے اعتراف ہے کہ اکثر دفعہ مجھے اس کی قسمت پر رشک آتا ہے۔ اگر عائشہ نے سچ کہا تھا، اگر اس کے علم نے اسے دھوکا نہیں دیا —— اور میرے خیال میں یقیناً نہیں دیا —— تو میرے خیال میں لیو کا مستقبل تاریک نہ تھا۔ کم سے کم ایک امید اس کی ڈھارس بندھا سکتی اور اس کی زندگی کو خوشگوار بنا سکتی تھی۔ یعنی یہ کہ عائشہ ایک دن واپس آئے گی جس کا اس نے وعدہ کیا تھا۔ اس امید کے سہارے لیو جی سکتا تھا —— لیکن میرے لیے —— عائشہ کی یاد، اس کے چند ہمدردانہ الفاظ اور لیو کی محبت اور دوستی —— بس مجھے ان ہی کے سہارے زندگی گذارنی تھی۔ خیر یہ بھی غنیمت ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ واقعی عائشہ اپنے وعدے کے مطابق واپس آتی ہے؟

اگر ہاں تو پھر سوال یہ تھا کہ کب اور کہاں؟

بہرحال ہمیں اس کی واپسی کا انتظار کرنا تھا اور بس۔

☆☆



# ستائیسواں باب

# چھلانگ

روانہ ہونے کے بعد ہمیں اس وقت دقتوں کا سامنا نہ کرنا پڑا جب تک کہ ہم درمیانی غاروں اور سرنگوں کو عبور نہ کر گئے اور جب ہم الٹے مینار کی ڈھلان پر پہنچے تو دو مشکلات درپیش تھیں۔ ان میں سے پہلی مشکل تھی چڑھائی جو قطعی آسان نہ تھی اور دوسری مشکل تھی راستہ تلاش کرنا۔ اگر میں نے مقام حیات تک جاتے وقت راستے کے پتھروں اور ان کی ساخت کو ذہن نشین نہ کر کے انھیں نشانِ راہ نہ بنا لیا ہوتا تو ہم اس آتش فشاں کے بطن میں عمر بھر بھٹکتے رہتے اور ہمیں راستہ نہ ملتا۔

بہرحال راستہ مجھے یاد تھا یا یوں کہیے کہ کچھ کچھ یاد تھا اس کے باوجود ہم کئی دفعہ راستہ بھول گئے اور ایک دفعہ بے تھاہ کھڈ میں گرتے گرتے بچے۔ اندھیرے میں رینگنا، ٹٹول ٹٹول کر آگے بڑھنا اور راستہ تلاش کرنا آپ جانیے بڑا ہی خوفناک اور آزمائشی کام تھا۔ ایک سے دوسرے پتھر پر چھلانگ لگانا اور چراغوں کی روشنی میں ان کا معائنہ کر کے انھیں پہچاننا آپ جانیے کار دارد اور اوپر سے مکمل ترین خاموشی اعصاب پر سوار ہوئی جا رہی تھی۔ ہم دونوں خاموش تھے یا اگر ضرورت ہوتی تو کبھی کبھار سرگوشی میں ایک دوسرے سے چند الفاظ کہہ دیتے۔

چنانچہ یوں ہم آگے بڑھ رہے تھے، قدم قدم پر ٹھوکریں کھا رہے تھے اور ہمارے ہاتھ پیر زخمی ہو رہے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے دل بوجھل ہو رہے تھے، غم اور مایوسی ہمارے وجود پر سایہ فگن تھی اور ہمیں گرنے پڑنے اور زخمی ہونے کی پرواہ نہ تھی۔ اس کے باوجود ہم ہاتھ پر ہاتھ دھرے کر بیٹھ جانے اور موت کا انتظار کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ جو ہونا ہے سو ہو۔ تاہم اپنے آپ کو بچانا اور کوشش کرنا ہمارا فرض تھا۔ غالباً یہ انسانی فطرت یا جبلت تھی جو ہمیں آگے ہی آگے دھکیل رہی تھی ورنہ زندگی سے ہمیں کوئی دلچسپی نہ رہ گئی تھی۔ کم سے کم میں تو یونہی محسوس کر رہا تھا۔

چنانچہ یونہی ٹھوکریں کھاتے اور راستہ ٹٹولتے ہم کوئی اپنے اندازے کے مطابق، تین چار گھنٹوں تک چلتے رہے۔ یہ میں نے اندازاً اس لیے کہا ہے کہ ہمارے پاس گھڑی نہ تھی کہ ٹھیک سے وقت "

معلوم کر سکتے۔ آخری دو گھنٹوں میں تو ہم پوری طرح بھٹک گئے اور میں نے سوچا کہ ہم کسی دوسری سرنگ میں داخل ہو گئے ہیں جہاں سے نکل نہ سکیں گے۔ دفعتاً میری نظر ایک بڑی سی چٹان پر پڑی اور مجھے یاد آیا کہ ایشہ کے ساتھ ڈھلان اترتے وقت میں نے یہ چٹان دیکھی تھی۔ یہ واقعی ایک عجوبہ بلکہ معجزہ تھا کہ میں نے اس چٹان کو پہچان لیا۔ سچ تو یہ ہے کہ — اس چٹان سے گزرتے وقت میں نے اس کی طرف دھیان نہ دیا تھا۔ ہم اس کے قریب سے نکلتے چلے گئے تھے کہ خدا جانے کیوں میں چند قدم آگے بڑھنے کے بعد پلٹ کر واپس آیا اور اس چٹان کو یونہی دیکھنے لگا اور یہ اتفاق ہماری نجات کا ذریعہ بن گیا کیونکہ اس چٹان کو دیکھتے ہی دیکھتے میرے دماغ کا دریچہ کھل گیا اور مجھے راستہ یاد آ گیا۔

اس کے بعد ہم بغیر کسی مشکل کے پتھروں کے قدرتی زینے تک پہنچ گئے اور کچھ ہی دیر بعد اس چھوٹے سے حجرے میں تھے جہاں تارک الدنیا نوت اپنی زندگی کی آخری گھڑی تک رہا اور مرا تھا۔

یہاں ایک نئی اور لرزہ خیز مشکل درپیش تھی۔ قارئین بھولے نہ ہوں گے کہ جوب کے خوف اور بے ڈھنگے پن کی وجہ سے وہ چوبی تختہ نیچے بے تھاہ کھڈ میں جا پڑا تھا جس کے ذریعہ ہم نے یہ کھڈ عبور کیا تھا یعنی اس طرح کہ اس تختے کا ایک سرا چٹانی غار اور دوسرا سنگ لرزاں پر رکھ دیا گیا تھا۔

اب سوال یہ تھا کہ اس تختے کے بغیر اس کھڈ کو کیسے عبور کیا جائے؟

کس طرح سنگ لرزاں پر سے چٹانی غار تک پہنچا جائے؟

ان سوالوں کا صرف ایک جواب تھا — ہم اس طرف سے اس طرف چھلانگ لگا دینی چاہئے — جی ہاں۔ اس کھڈ کو یا تو چھلانگ جانا چاہئے یا پھر ہم کو جہاں تھے وہیں مرنے کے لئے رک جانا چاہئے۔ فاصلہ تو کچھ زیادہ نہ تھا، میرے خیال میں گیارہ سے بارہ فٹ کے درمیان اور لیو نے کالج کے کھیل کود میں بیس بیس فٹ تک چھلانگ لگائی تھی۔ لیکن صورت حال؟ اس کا خود آپ تصور کیجئے — دو تھکے ہوئے اور دل شکستہ انسان جن میں سے ایک کی عمر چالیس سے تجاوز کر چکی تھی، ایک کانپتا ہوا پتھر جس پر کھڑے ہو کر چھلانگ لگانی تھی، دوسری طرف لرزتی ہوئی ایک چٹانی سوئی جس پر پہنچنا تھا۔ اور دونوں کے درمیان ایک اتھاہ کھڈ جس میں ہوا کے جھکڑ چنگھاڑ رہے تھے، آپ جانئے صورت حال بڑی نازک تھی لیکن جب میں نے لیو کے سامنے اپنے اندیشے ظاہر کئے تو اس نے صرف یہ کہا کہ صورت حال دونوں طرح ہی نازک تھی اگر ہم بزدلی کا ثبوت دے کر اس طرف ہی رک جائیں یا پھر ہمیں وہ دوسری اور فوری موت پسند کرنا تھی جو کھڈ میں گرنے سے ہمیں آ سکتی تھی۔



لیو نے جو کچھ کہا تھا غلط نہ کہا تھا۔ اس طرف رکنے میں تو موت بہر حال یقینی تھی البتہ چھلانگ لگانے میں بچ جانے کی امید تھی۔ موہوم سہی، لیکن امید تو بہر حال تھی۔ لیکن یہ بات بھی صاف تھی کہ ہم اندھیرے میں چھلانگ نہ لگا سکتے تھے۔ چنانچہ اب ہم صرف یہ کر سکتے تھے کہ سورج کی اس کرن کا انتظار کریں جو سورج کے غروب ہوتے وقت یہاں اتر آتی تھی۔ سورج غروب ہونے میں ابھی کتنی دیر تھی یا سورج غروب ہو چکا تھا یہ ہم دونوں میں سے کوئی نہ جانتا تھا البتہ ہم یہ ضرور جانتے تھے کہ جب روشنی اس اندھیرے غار میں اتر آئے گی تو پھر وہ دو منٹ سے زیادہ قائم نہ رہے گی چنانچہ ہمیں بہر حال تیار رہنا چاہئے۔

چنانچہ فوراً ہی ہم نے فیصلہ کیا کہ سنگ لرزاں پر چڑھ جائیں اور وہاں روشنی کی آمد کا انتظار کریں یہ فیصلہ بغیر کسی حجت کے اس لیے بھی کر لیا گیا کہ ہمارے چراغوں کا تیل ایک بار پھر ختم ہو رہا تھا۔ ایک چراغ تو بجھ چکا تھا اور دوسرے کا شعلہ بھڑک رہا تھا چنانچہ معلوم ہوا کہ اس کا تیل بھی اب قریب الختم تھا اور یہ چراغ بھی اب بجھنے والا تھا۔ چنانچہ اس چراغ کی بجھتی ہوئی روشنی میں ہم تیزی سے آگے بڑھے، نوت کے حجرے سے نکل آئے اور سنگ لرزاں پر چڑھنے لگے۔

اور عین اس وقت چراغ بجھ گیا۔

اب صورت حال یا ہماری حالت میں جو تبدیلی ہوئی وہ حیرت انگیز تھی — نیچے، نوت کے حجرے میں، تو ہم نے جھکڑوں کی چنگھاڑ اوپر سنی تھی اور اب یہاں، اس کانپتے ہوئے پتھر پر ہم اوندھے منہ پڑے ہوئے تھے اور چنگھاڑتے ہوئے جھکڑوں کے براہ راست ہدف بنے ہوئے تھے اور یہ جھکڑ کبھی ایک طرف سے آتے تھے اور کبھی دوسری طرف سے۔

ہم یوں ہی گھنٹوں تک خاموش بے حرکت اوندھے منہ پڑے رہے، پتھر کانپتا رہا اور اس کے ساتھ ہمارے دل بھی خوف سے لرزتے رہے اس وقت ہمارے دل و دماغ کی جو حالت ہو رہی تھی کم سے کم میں تو اسے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ بس یوں سمجھئے کہ یہ ایک بھیانک خواب پریشاں تھا۔ لیکن نہیں یہ بھی سچ نہیں ہے۔ کیونکہ کبھی کسی انسان نے ایسا بھیانک خواب نہ دیکھا ہو گا۔ خوش قسمتی سے ہوا کے یہ جھکڑ گرم تھے اگر کہیں یہ سرد ہوتے تو ہم اکڑ کر مر گئے ہوتے۔ اور جب ہم یوں پڑے ہوئے تھے تو ایک واقعہ ہوا یہ ایک اتفاق تھا لیکن اس نے ہمارے اعصاب کو ڈھیلا کرنے کے بجائے انہیں اور بھی شدت سے جھنجھنا دیا۔

قارئین بھولے نہ ہوں گے کہ یہاں آتے وقت ایشہ جب چٹانی غار کی نوک پر کھڑی ہوئی تھی

تو ہوا اس کے جسم پر سے اس کا چیغہ اڑا لے گئی تھی اور اسے لے کر کھڈ کی اندھیری گہرائیوں میں اتر گئی تھی اور اب، یہ واقعی بے حد عجیب اور ناقابلِ یقین سی بات تھی، جب ہم سنگ لرزاں پر اوندھے منہ پڑے ہوئے تھے تو الیشہ کا یہی چیغہ اندھیرے خلا میں سے اڑتا ہوا آیا اور لیو پر اس طرح آ پڑا کہ اس نے لیو کو سر سے پیر تک ڈھک دیا۔ ابتدا میں تو ہم سمجھ نہ سکے کہ یہ کیا بلا تھی اور جب ہم نے اسے دیکھا اور پہچانا تو اب پہلی دفعہ لیو پھوٹ پڑا اور میں اسے پتھر پر پڑا ہچکیاں لیتے سنتا رہا۔ میرے خیال میں یہ چیغہ کسی پتھر یا چٹان کی نوک سے الجھ گیا تھا اور اب ہوا اسے گھسیٹ کر لے آئی تھی۔ بہرحال بے حد عجیب اور اثر انگیز اتفاق تھا۔

اس واقعہ کے کچھ ہی دیر بعد بغیر کسی تمہید کے روشنی کی وہ سرخ تیغ دفعتاً چمکی اور اندھیرے کا دل چیر گئی۔ وہ اس سنگ لرزاں پر اتر آئی جس پر ہم لیٹے ہوئے تھے اور پھر چٹانی غار پر رینگ گئی جو ہمارے عین سامنے تھا۔

”ہاں بڑے میاں اب۔“ لیو نے کہا۔ ”اگر اس وقت ہم نے ہمت سے کام نہ لیا تو پھر کبھی دوسری طرف نہ پہنچ سکیں گے۔“

ہم دونوں جلدی سے اٹھ کھڑے ہوئے، ایک انگڑائی لی، روشنی کی اس موٹی لکیر کی طرف دیکھا جو اندھیرے کی چیر پھاڑ میں مصروف تھی، اس اندھیرے خلا کی طرف دیکھا جو سنگ لرزاں اور کانپتے ہوئے چٹانی غار کے درمیان منہ پھاڑے ہوئے تھا اور اپنے دلوں میں ناامیدی کا طوفان لئے مرنے کے لیے تیار ہو گئے کیونکہ مجھے یقین تھا کہ ہم دوسری طرف تو بہرحال نہ پہنچ پائیں گے۔

”کون چھلانگ لگاتا ہے پہلے؟“ میں نے پوچھا۔

”تم ہی کوشش کرو بڑے میاں“ لیو نے جواب دیا۔ ”میں پتھر کے دوسرے سرے پر جا بیٹھتا ہوں کہ یہ لرزنے نہ پائے تم جتنی لمبی دوڑ لگا سکتے ہو اتنی لمبی دوڑ لے کر ہوا میں اوپر چھلانگ لگا دو اور پھر —— جو خدا کو منظور۔“

میں نے خاموشی میں سر ہلا دیا۔ اور پھر میں نے وہ کیا جو اس وقت کیا تھا جب لیو بچہ تھا۔ میں نے گھوم کر لیو کی گردن میں بانہیں ڈال دیں اور اس کا ماتھا چوم لیا۔ میری یہ حرکت آپ کو بے حد جذباتی معلوم ہوئی ہوگی لیکن آپ جانتے ہیں میں اس شخص سے رخصت ہو رہا تھا جسے میں اتنا زیادہ چاہتا تھا کہ اگر خود میرا بیٹا ہوتا تب بھی میں اسے اس قدر نہ چاہتا۔

”خدا حافظ میرے بچے۔“ میں نے کہا۔ ”ہم کہیں بھی جائیں امید ہے کہ پھر ملیں گے۔“



سچ تو یہ ہے کہ مجھے یقین تھا کہ میری زندگی کی اب چند گھڑیاں ہی باقی رہ گئی ہیں۔

اب میں پیچھے ہٹتا ہوا سنگ لرزاں کے انتہائی سرے تک پہنچ گیا اور وہاں رک کر ہوا کے کسی ایک جھکڑ کا اپنے عین پیچھے آ جانے کا انتظار کرنے لگا۔ اور پھر میں نے دوڑ لگائی۔ میں پتھر کی پوری لمبائی جو تینتیس چونتیس فٹ رہی ہوگی پوری قوت سے دوڑ گیا۔ اور پھر میں نے اندھا دھند ہوا میں چھلانگ لگا دی۔

میرے خدا! اس وقت میرے دل کی جو حالت تھی اس کا اندازہ لگانا ممکن ہی نہیں اور پھر دفعتاً یہ انکشاف ہوا کہ میں نے چھلانگ ایسی کمزور لگائی تھی کہ میں کسی طرح چٹانی غار تک نہ پہنچ سکتا تھا۔ خون سرد ہونا کسے کہتے ہیں، اس کا تجربہ اب ہوا۔

لیکن اب تو میں چھلانگ لگا چکا تھا اور دوسری لمبی چھلانگ لگانے کے لیے واپس نہ لوٹ سکتا تھا۔ میرے پیروں نے چٹانی غار کو چھوا تک نہیں وہ تو نیچے اندھیرے خلا میں لٹک گئے البتہ میرا سینہ اور ہاتھ غار سے ٹکرا گئے۔ ایک چیخ کے ساتھ میں نے اسے پکڑ لیا لیکن میرا ایک ہاتھ اس پر سے پھسل گیا، میرا دوسرا ہاتھ اس چٹانی غار کو پکڑے ہوئے تھا لیکن اس ایک ہاتھ کی گرفت چونکہ غیر متوازی تھی اس لیے میں پوری طرح سے گھوم گیا اور اب میرا منہ اس پتھر کی طرف تھا جس پر سے میں نے چھلانگ لگائی تھی۔

انتہائی خوف اور مایوسی کے عالم میں میں نے اپنا بایاں ہاتھ چلایا اور اس دفعہ چٹان پر کا ایک گومڑا پکڑنے میں کامیاب ہو گیا اور اب میں چٹان سے اور اس تیز سرخ روشنی میں لٹک رہا تھا اور میرے نیچے ہزاروں فٹ کا خلا تھا جس میں ہوا دوزخی بلاؤں کی طرح چیخ رہی تھی۔ میرے ہاتھ چٹانی غار کو دونوں طرف سے پکڑے ہوئے تھے اور میرا سر اس کی نوک کو چھو رہا تھا۔ چنانچہ اگر میں ان دونوں بازوؤں میں اپنی ساری جسمانی طاقت سمیٹ کر اپنے آپ کو اوپر اٹھاتا تب بھی اپنے آپ کو گھسیٹ کر چٹانی غار تک نہ لا سکتا۔ چنانچہ اب میں صرف یہ کر سکتا تھا کہ زیادہ سے زیادہ ایک منٹ تک یوں ہی لٹکا رہوں اور پھر اپنے دونوں ہاتھ چھوڑ دوں اور بے تھاہ کھڈ میں جا پڑوں اگر کوئی صاحب اس سے زیادہ خوفناک اور مایوس کن حالت کا تصور کر سکتے ہیں انہیں اسے بیان کرنے بلکہ تصور کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ یقین کیجئے اس آدھے منٹ کے انتہائی خوف اور کرب نے میرا دماغ الٹ دیا۔

پھر میں نے دفعتاً لیو کا نعرہ سنا اور پھر دفعتاً میں نے اسے ہوا میں دیکھا وہ چھلانگ لگا چکا تھا۔ یہ بے حد عمدہ چھلانگ تھی جو اس نے انتہائی خوف اور امید و بیم کے عالم میں لگائی تھی۔ وہ بے تھاہ کھڈ کو یوں پھلانگ گیا جیسے یہ کوئی خاص بات نہ تھی۔ وہ چٹانی غار پر گرا اور اس خوف سے کہ اپنا توازن نہ بگاڑ

بیٹھے، فوراً ہی اوندھے منہ لیٹ گیا۔ لیو کے گرنے کے دھکے سے میں نے چٹانی غار کو کانپتے محسوس کیا اور اسی وقت میں نے ایک دوسری بات بھی دیکھی۔ سنگ لرزاں، جو لیو کی چھلانگ کے دباؤ سے بہت زیادہ آگے تک جھک گیا تھا، یوں ایک جھٹکے کے ساتھ اوپر اٹھا جیسے اس میں کمانیاں لگی ہوئی ہوں۔ اور پھر وہ، صدیوں کے بعد پہلی دفعہ، اپنا توازن کھو کر بڑی خوفناک آواز کے ساتھ پیچھے اس حجرے میں گرا جو کبھی فلسفی نوت کی قیام گاہ رہا تھا اور بے شک شبہ اس نے مقام حیات کا راستہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا۔

یہ سب کچھ صرف ایک سیکنڈ میں ہو گیا اور حالانکہ خود میری جان پر بنی تھی اور میں اپنی زندگی سے مایوس تھا اس کے باوجود میں نے یہ سب کچھ دیکھا ارادۃً شاید نہیں بلکہ غیر ارادی طور پر حتیٰ کہ، مجھے یاد ہے، میں نے یہ بھی سوچا تھا کہ چونکہ اب سنگ لرزاں الٹ کر پیچھے نوت کے حجرے میں جا پڑا ہے اس لئے اب کوئی انسان یہ خوفناک کھڈ کبھی عبور نہ کر سکے گا۔

دوسرے ہی لمحے لیو کے دونوں ہاتھوں کی مضبوط گرفت میں نے اپنی دائیں کلائی پر محسوس کی۔ چٹانی غار کے عین کنارے پر اوندھے منہ لیٹ کر وہ اپنے دونوں ہاتھ مجھ تک پہنچانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

"بڑے میاں اب پتھر چھوڑ کر الگ ہو جاؤ۔" اس نے بے حد پرسکون آواز میں کہا۔ "اور پھر میں تمہیں اوپر گھسیٹ لینے کی کوشش کروں گا یا پھر ہم دونوں ایک ساتھ کھڈ میں جا پڑیں گے۔ تو تیار ہو؟"

جواب میں میں نے یہ کیا کہ پہلے اپنے بائیں ہاتھ کی گرفت اور دائیں ہاتھ کی گرفت ڈھیلی کر کے آہستہ آہستہ چٹان چھوڑ دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اب میں رسی سے بندھے ہوئے چوہے کی طرح لٹک رہا تھا اور میرا سارا بوجھ لیو کے بازوؤں پر تھا۔ بڑی ہی خوفناک گھڑی تھی وہ۔ میں جانتا تھا کہ لیو پرقوت انسان تھا لیکن سوال یہ تھا کہ کیا وہ اپنی تمام تر قوت صرف کر کے مجھے اتنے اوپر تک کھینچ سکتا تھا کہ میں چٹانی غار کا اوپری حصہ پکڑ کر اپنے آپ کو اس پر گھسیٹ لوں خصوصاً اس لیے کہ خود وہ بے سہارا تھا اور ایک ذرا سی جگہ میں سینے کے بل لیٹا ہوا تھا؟

چند سیکنڈ تک میں جھولتا اور لٹکتا رہا، اس اثنا میں لیو اپنی قوت سمیٹتا رہا اور پھر میں نے اس کے پٹھوں کے کھنچنے کی ہلکی سی آواز سنی اور میں نے اپنے آپ کو اوپر اٹھتے محسوس کیا—وہ مجھے آہستہ آہستہ اوپر اٹھاتا چلا گیا یہاں تک کہ میں نے اپنا بایاں بازو چٹان پر لپیٹ لیا اور اب میرے جسم کو بھی اس کا سہارا مل گیا۔



اس کے بعد کا کام آسان تھا۔ دو تین سیکنڈ بعد ہی میں چٹانی غار پر تھا اور ہم دونوں ایک دوسری کے قریب پڑے ہانپ اور پتے کی طرح کانپ رہے تھے۔ اور ہمارے ایک ایک مسام میں سے خوف کا سرد پسینہ چھوٹ رہا تھا۔

اوپر پہلے کی ہی طرح روشنی دفعتاً غائب ہو گئی۔

کوئی آدھے گھنٹے تک ہم یوں خاموش پڑے اپنا دم درست کرتے رہے اور پھر آخر کار گھپ اندھیرے میں بڑی احتیاط سے اپنی کانپتی ہوئی چٹان پر رینگنے لگے۔ جیسے جیسے ہم اس چٹان کی طرف، جس سے یہ غار نکل آیا تھا بڑھ رہے تھے اندھیرا کم دبیز ہوتا جا رہا تھا۔ تاہم روشنی تو بہرحال نہ ہوئی کیونکہ بیرونی دنیا میں رات ہو چکی تھی۔

اس کے بعد ہوا کے جھکڑ اور ان کا زور کم ہو گیا اور ہماری رفتار اسی مناسبت سے قدرے تیز ہو گئی اور آخر کار ہم پہلے غار یا سرنگ کے دہانے پر پہنچ گئے۔

اب یہاں ایک نئی مشکل درپیش تھی۔ ہمارے پاس تیل نہ تھا اور اگر ہوتا بھی تو محض بیکار تھا کیونکہ چراغ نہ صرف کھڈ کے اس پار چھوٹ گئے تھے بلکہ سنگ لرزاں کے گرنے سے ان کا سرمہ بن گیا ہو گا۔ اس کے علاوہ ہمارے پاس پانی کا ایک قطرہ تک نہ تھا کہ اپنی پیاس بجھا سکتے۔

کچھ پانی بچ رہا تھا وہ ہم نے نوت کے حجرے میں پی لیا تھا۔ اب سوال یہ تھا کہ چٹانوں اور پتھروں سے بھرے ہوئے اس غار میں ہم کس طرح دیکھا اور راستہ معلوم کر سکتے تھے؟

صاف ظاہر تھا کہ اب ہمیں اپنی قوت لامسہ پر اعتبار کرنا اور گھپ اندھیرے میں ٹٹول ٹٹول کر آگے بڑھنا تھا۔

چنانچہ ہم خدا کا نام لے کر غار یا سرنگ میں داخل ہو گئے کیونکہ ہمیں خوف تھا کہ اگر ہم نے ذرا بھی تاخیر کی تو ہماری تھکن ہم پر حاوی ہو جائے گی اور پھر ہم کچھ نہ کر سکیں گے اور شاید اسی جگہ ہم لیٹ جائیں گے یہاں تک کہ موت ہمیں آ لے گی۔

ہائے؟ اس آخری سرنگ کی خوفناکی! اس میں چٹانیں اور پتھر بکھرے ہوئے تھے۔ چنانچہ ہم ہر قدم پر ٹھوکریں کھا رہے اور گر رہے تھے یہاں تک کہ ہمارے ہاتھ گھٹنے زخمی ہو گئے اور ان زخموں سے خون بہنے لگا۔

ہمارا کوئی راہبر نہ تھا سوائے غار کی دیوار کے جس کے ساتھ اور جس پر دونوں ہاتھ رکھ کر ہم

ٹٹولتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے اور اندھیرے میں ہم ایسے دہشت زدہ ہو گئے تھے کہ دماغی توازن قائم نہ رہا تھا اور پورے تین دفعہ اس خوفناک خیال نے ہمیں لرزا دیا کہ ہم موڑ مڑ گئے تھے اور الٹے راستے پر چڑھ کر کسی اور طرف جا رہے تھے۔

بہرحال ہم آگے بڑھتے رہے اور تھکن ہمارے اعضا کو زیادہ سے زیادہ شل کرتی رہی۔ گھنٹوں تک چلتے رہے اور ہر چند منٹ کے بعد حواس مجتمع کرنے اور دم درست کرنے کے لیے رکتے رہے۔ ایک دفعہ ہم سو گئے اور میرا خیال ہے کہ کئی گھنٹوں تک سوتے رہے کیونکہ جب ہم بیدار ہوئے تو ہمارے اعضا اکڑ گئے تھے اور ہمارے زخموں اور خراشوں سے رستا ہوا خون خشک ہو کر کھال کو کھینچنے لگا تھا۔

ہم پھر اپنی اکڑی ہوئی ٹانگوں پر اپنے نڈھال جسم کو گھسیٹتے آگے بڑھے اور آخرکار جب ہم پوری طرح مایوس ہو چکے تھے، ایک بار پھر ہمیں دن کی روشنی دکھائی دی اور پھر ہم اس چٹانی سلوٹ یا سرنگ میں تھے جو چٹان یا بیرونی چوٹی سے اندر آئی تھی۔

صبح کا وقت تھا یہ —— اور یہ ہم ہوا کے فرحت بخش جھونکوں سے اور نیلے آسمان کی طرف دیکھ کر کہہ سکتے تھے۔ جی ہاں۔ اس آسمان کی طرف جسے دوبارہ دیکھنے کی امید ہمارے دلوں میں دم توڑ چکی تھی۔ چنانچہ ظاہر ہوا کہ ہم رات بھر چلتے رہے تھے بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ کیونکہ سورج غروب ہوتے وقت ہم سرنگ میں داخل ہوئے تھے۔

''ایک کوشش اور لیو۔'' میں نے کہا۔ ''اور ہم اس ڈھلان پر پہنچ جائیں گے جہاں بلالی ہمارا منتظر ہے بشرطیکہ وہ چلا نہ گیا ہو۔ اٹھو بھائی۔ ہمت سے کام لو۔''

کیونکہ لیو نے اپنے آپ کو اوندھے منہ ڈال دیا تھا۔ وہ اٹھا۔ اور ہم ایک دوسرے کا سہارا لے کر لڑکھڑاتے قدموں سے اور ایک دوسرے کو سنبھالتے ہوئے وہ پچاس فٹ کا فاصلہ طے کر گئے۔ خدا جانے کس طرح کیونکہ میں تو نہیں جانتا البتہ صرف اتنا یاد ہے کہ ہم چوٹی کے قدموں میں ڈھیر ہو کے پڑے تھے۔

کچھ دیر بعد ایک بار پھر اپنے ہاتھوں اور گھٹنوں پر اس جھنڈ کی طرف بڑھ رہے تھے، جہاں ایشہ کے حکم کے مطابق بلالی کو ہونا چاہیے تھا۔

اس طرح ہم کوئی چالیس فٹ آگے بڑھے تھے کہ دفعتاً بائیں طرف کے درختوں میں سے ایک گونگا بہرا خدمت گار نکل آیا جہاں وہ میرے خیال میں صبح کی چہل قدمی کر رہا تھا اور پھر وہ یہ دیکھنے



کے لیے ہماری طرف دوڑا آیا کہ یہ کون سے عجیب جانور تھے اور کہاں سے نکل آئے تھے؟

وہ آنکھیں پھاڑ کر ہمیں دیکھتا رہا، بس دیکھتا رہا، پھر انتہائی خوف کے عالم میں اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے اور تقریباً غش کھا گیا اور پھر وہ اس جھنڈ کی طرف بے تحاشا بھاگا جا رہا تھا جو کوئی دو سو گز دور تھا۔ اگر وہ ہمیں دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا تھا تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہ تھی کیونکہ حقیقت میں ہماری حالت ہی کچھ ایسی ہو رہی تھی۔

پہلی بات تو یہ تھی کہ لیو کے گھنگھریالے سنہرے بال برف کی طرح سفید ہو گئے تھے۔ اس کا لباس جھیر جھیر تھا۔ چہرہ دست گیا تھا اور تقریباً پورا جسم زخمی تھا۔ بات یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ کھال پر جگہ جگہ خون کے چکتے جم گئے تھے اور وہ بڑی تکلیف کے عالم میں چاروں ہاتھوں پیروں پر اپنے آپ کو گھسیٹ رہا تھا اور ظاہر ہے کہ خود میری حالت بھی لیو سے بہتر نہ تھی۔ مجھے یاد ہے کہ دو دنوں بعد جب میں نے اپنا چہرہ پانی میں دیکھا تھا تو خود اپنے آپ کو پہچان نہ سکا تھا اور میرے چہرے پر ایک عجیب سا خوف جو کسی بھی شخص کے بشرے پر اس وقت دیکھا جا سکتا ہے جب وہ کوئی بھیانک خواب دیکھتے ہوئے گھبرا کر بیدار ہو گیا ہو۔ سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ ہم باہر آ گئے تھے اور ہمارے حواس بجا تھے۔ یعنی کمال ہے کہ ہم پاگل نہ ہو گئے تھے۔

کچھ ہی دیر بعد میں نے اپنے بوڑھے دوست بلالی کو تیز تیز قدم اٹھا کر اپنی طرف آتے دیکھا اور اطمینان کا طویل سانس لیا اور اس کے بشرے سے کچھ ایسے جذبات عیاں تھے کہ اس حالت میں مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

''ہائے میرے لنگور! میرے لنگور!'' بلالی نے کہا۔ ''میرے بیٹے! کیا یہ واقعی تم ہو اور یہ واقعی شیر ہے؟ لیکن یہ کیا بات ہوئی کہ اس کے بال جو پکے ہوئے دھان کی طرح سرخ تھے اب سفید ہیں! کہاں سے آئے ہو تم؟ اور وہ سور کہاں ہے؟ اور وہ جس کا حکم ماننا ضروری ہے کہاں ہے؟''

''مر گئے —— دونوں مر گئے'' میں نے جواب دیا۔ ''لیکن اس وقت کچھ نہ پوچھو۔ ہمیں اٹھاؤ ہمیں کھانا اور پانی دو، ورنہ یقین کرو ہم تمہاری نظر کے سامنے مر جائیں گے۔ دیکھ نہیں رہے ہو میرے باپ کہ پیاس کی وجہ سے ہماری زبانیں چرڑا ہو رہی ہیں؟ اس صورت میں ہم تمہارے سوالوں کا جواب کس طرح دے سکتے ہیں؟''

''مر گئی!'' بلالی نے بے یقینی سے کہا۔ ''ناممکن۔ وہ جو کبھی نہ مری تھی اور نہ مر سکتی تھی مر گئی! یہ

کیسے ہو سکتا ہے؟"

پھر غالباً یہ دیکھ کر کہ اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کو گونگے بہرے خدمت گار جو ہمارے قریب آ گئے تھے، دیکھ رہے ہیں۔ بلالی نے اپنے آپ کو سنبھالا اور انہیں اشارے سے حکم دیا کہ ہمیں اٹھا کر پڑاؤ میں لے جائیں۔

اس حکم کی فوراً تعمیل کی گئی۔

جب ہم پڑاؤ میں پہنچے ہیں تو خوش قسمتی سے کسی قسم کا دلیہ چولہے پر چڑھا ہوا تھا۔ بلالی نے اپنے ہاتھ سے ہمیں دلیہ کھلایا کیونکہ ہم اتنے نڈھال ہو رہے تھے کہ اپنے ہاتھ سے کھانا بھی نہ کھا سکتے تھے۔ اور میں سچ کہتا ہوں کہ اس طرح اس نے ہمیں مرنے سے بچا لیا۔

اس کے بعد اس کی ہدایت کے مطابق خدمت گاروں نے ہمارے جسم پر خون دھویا۔ ہمیں نہلایا اور پھر ہمیں نرم گھاس بچھا کر اس پر لٹا دیا اور ہم فوراً ہی گہری نیند سو رہے تھے۔

☆☆



# اٹھائیسواں باب

# خدا حافظ

دوسری بات جو مجھے یاد ہے وہ بے حد خوفناک اکڑن کا احساس ہے اور مجھے یاد ہے کہ میرے نیم بیدار دماغ نے سوچا تھا کہ میں پرانی شطرنجی ہوں جسے چھڑی سے بری طرح پیٹا اور جھاڑا گیا ہو۔

میں نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور سب سے پہلے میری نظر جس پر پڑی وہ نورانی صورت والا بوڑھا بلالی تھا جو میرے گھاس کے بستر کے قریب بیٹھا کسی سوچ کے عالم میں اپنی لمبی سفید داڑھی پر ہاتھ پھیر رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی مجھے وہ تمام واقعات اور خطرات یاد آ گئے جن سے ہم حال ہی میں گذرے تھے۔ میں سوچنے لگا کہ کیا وہ سب کچھ خواب تھا؟ نہیں۔ حقیقت تھی اور اس کا ثبوت لیو تھا جو قریب ہی بے سدھ پڑا تھا اور جس کا چہرہ خراشوں سے سیاہ ہو رہا تھا اور اس کے بال سفید[1] تھے۔ میں نے کراہ کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

"میرے لنگور! بہت لمبی نیند لی تم نے" بلالی نے کہا۔

"کتنی دیر سویا میرے باپ؟" میں نے پوچھا۔

"ایک سورج طلوع ہوا اور غروب ہوا اور پھر چاند طلوع ہوا اور غروب ہوا۔ چنانچہ تم ایک دن اور ایک رات سوئے اور شیر بھی اتنا ہی سویا وہ تو اب بھی سو رہا ہے۔"

"بڑی نعمت ہے نیند بھی۔" میں نے کہا۔ "کیونکہ یہ یادوں کو نگل لیتی ہے۔"

"اب بتاؤ۔" اس نے کہا۔ "کہ کیا واقعہ ہوا تمہارے ساتھ اور یہ اس کی موت کا کیا عجیب قصہ ہے جس کے لیے موت نہیں ہے، یاد کرو میرے بیٹے۔ اگر یہ سچ ہے، اگر وہ مر گئی ہے تو پھر تمہیں اور شیر کو سخت خطرہ ہے بلکہ یوں سمجھو اور یقین کرو کہ وہ برتن گرم ہے جو تمہارے سروں پر رکھا جائے گا اور ان لوگوں کی آنتیں بھوک سے بول رہی ہیں جو تمہیں کھائیں گے۔ تم جانتے نہیں میرے بیٹے کہ یہ

1۔ یہ عجیب بات ہے کہ پچھلے ایک عرصے سے لیو کے بال اپنے اصلی رنگ پر آنے لگے ہیں۔ وہ بہت حد تک آ چکے ہیں۔ یعنی اب ان کی سفیدی پر زردی غالب آ گئی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ رفتہ رفتہ اپنے اصلی رنگ پر آ کر سنہرے ہو جائیں گے۔ [illegible]

اما ھجر، یہ غاروں میں رہنے والے تم لوگوں سے نفرت کرتے ہیں؟ وہ تم سے اس لئے نفرت کرتے ہیں کہ تمہاری وجہ سے "اس" نے ان کے بھائیوں کو سزائے موت دی۔ یقین کرو کہ انھیں ایک دفعہ پتہ چل جائے کہ اب حیاہ سے اس سے جس کا حکم ماننا ضروری ہے، ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے تو یہ لوگ تمہیں گرم برتن سے مار دیں گے لیکن میرے لنگور! تم مجھے اپنی داستان سناؤ۔"

چنانچہ یوں مجبوراً میں نے اسے بتایا کہ ہمارے ساتھ کیا واقعہ ہوا تھا۔ غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ میں نے اسے سب کچھ نہ بتایا البتہ اتنا ضرور بتا دیا جتنا اس کی سمجھ میں آ سکتا تھا۔ عائشہ کے متعلق میں نے کہا کہ وہ اتفاقاً آتش فشاں کے دہانے میں گر پڑی اور یوں اس کی آگ میں جل گئی۔ اگر میں اسے حقیقت سے آگاہ کرتا تو وہ یا تو سمجھ نہ سکتا یا پھر مجھے پاگل یقین کر لیتا۔ لیکن میں نے دیکھا کہ اسے عائشہ کے مرنے کا یقین نہ تھا بلکہ وہ یوں سمجھ رہا تھا کہ ہمارے خیال میں وہ مر گئی تھی لیکن خود اس کا خیال بلکہ اسے یقین تھا کہ چند در چند وجوہات کی بنا پر عائشہ نے دنیا سے پردہ کر لیا تھا۔ اس نے کہا کہ پہلے بھی یعنی بلالی کے باپ کے زمانے میں، ایک دفعہ عائشہ بارہ سال کے لئے غائب ہو گئی تھی۔ اور اما ھجر میں تو یہ بات مشہور تھی کہ کئی صدیوں پہلے پورے ایک زمانے تک، یعنی پوری ایک نسل دور تک کسی نے عائشہ کو دیکھا نہ تھا اور پھر یکایک وہ ظاہر ہوئی اور اس عورت کا خاتمہ کر دیا جو اس علاقہ کی ملکہ بن بیٹھی تھی۔ میں نے کوئی جواب نہ دیا البتہ اداسی سے سر ہلا دیا۔ افسوس! میں جانتا تھا کہ اب عائشہ کبھی واپس نہ آئے گی یا کم سے کم یہ تو ضرور ہو گا کہ بلالی اسے دوبارہ نہ دیکھ سکے گا۔ ہم کسی دوسری جگہ، دنیا کے کسی اور حصے میں شاید اسے پا لیں لیکن اب وہ یہاں نہ آ سکتی تھی اور نہ آئے گی۔

اور اب بلالی نے کہا۔ "میرے لنگور! تمہارے کیا ارادے ہیں؟"

"میں کچھ نہیں جانتا میرے باپ!" میں نے جواب دیا۔ "کیا ہم اس ملک سے فرار نہیں ہو سکتے؟"

بلالی نے نفی میں سر ہلایا۔

"یہ بہت مشکل ہے۔ کور میں سے تو تم گزر نہیں سکتے کیونکہ تم دیکھ لئے جاؤ گے اور جب اما ھجر کو پتہ چلے گا کہ تم اکیلے ہو تو۔" اور معنی خیز انداز سے مسکرایا۔ اور اپنے ہاتھ یوں سر کی طرف اٹھائے جیسے سر پر ہیٹ رکھ رہا ہو۔ "لیکن پہاڑ میں وہ راستہ ہے جس کے متعلق میں نے تمہیں بتایا تھا، یعنی وہ راستہ جس کے ذریعے یہاں کے لوگ مویشیوں کو چراگاہ کی طرف لے جاتے ہیں۔ ان چراگاہوں کے بعد تین دنوں کی مسافت کی دلدلیں پھیلی ہوئی ہیں اور ان کے دوسری طرف کیا ہے میں نہیں جانتا، البتہ سنا



ہے کہ وہاں سے سات دنوں کی مسافت پر ایک بہت بڑا دریا پڑتا ہے جو بہتا ہوا کالے پانی میں جا ملتا ہے۔ اگر تم اس دریا تک پہنچ جاؤ تو شاید بچ جاؤ۔ لیکن سوال یہ ہے کہ تم وہاں تک کیسے پہنچ سکتے ہو؟"

"بلالی!" میں نے کہا۔ "تم جانتے ہی ہو کہ ایک دفعہ میں نے تمہاری جان بچائی تھی۔ اب میرے اس احسان کا بدلہ چکانے وقت آ گیا ہے۔ اب تم میری اور میرے بیٹے شیر کی جان بچاؤ۔ جب تمہارا آخری وقت آئے گا تو یہ ایک نیکی تمہیں تسلی بخشے گی اور تمہاری برائیوں کا کچھ بوجھ کم کر دے گی بشرطیکہ تم نے برائیاں کی ہوں۔ یا اس کے علاوہ اگر تمہارا خیال صحیح ہے اور واقعی عائشہ نے دنیا سے پردہ کر لیا ہے تو پھر دوبارہ واپس آ کر تمہیں اس سلوک کے عوض انعام دے گی۔"

"میرے بیٹے!" بلالی نے کہا۔ "میں احسان فراموش نہیں ہوں۔ مجھے یاد ہے کہ اس وقت میری جان تم نے کس طرح بچائی تھی جب وہ کتے مجھے گھسیٹنے کے لئے تیار کھڑے تھے، اور میں اس احسان کا بدلہ چکاؤں گا اور اگر تم اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے تو میں تمہیں بچاؤں گا۔ سنو۔ کل پو پھٹتے ہی تم تیار رہنا کیونکہ تمہیں یہاں سے لے جانے، پہاڑ کے اس پار اور پھر دلدلوں کے دوسری طرف پہنچا دینے کے لئے ڈولیاں آ جائیں گی۔ تم فکر نہ کرو۔ یہ کام ہو جائے گا کیونکہ میں کہوں گا کہ یہ اس کا حکم ہے جس کا حکم ماننا ضروری ہے اور یہ کہ جو اس کا حکم نہ مانے گا وہ لکڑ بگھے کی خوراک بن جائے گا اور دلدلیں عبور کرنے کے بعد تمہیں اپنے طور پر آگے روانہ ہونا ہے اور اگر قسمت نے تمہارا ساتھ دیا تو تم کالے پانی تک پہنچ جاؤ گے۔ اور اب دیکھو شیر بیدار ہو رہا ہے چنانچہ وہ کھانا کھا لو جو میں نے تمہارے لیے تیار کیا ہے۔"

لیو پوری طرح بیدار ہو گیا تو معلوم ہوا کہ اس کی حالت اتنی بری نہ تھی۔ جتنی ظاہری طور پر معلوم ہو رہی تھی۔ چنانچہ ہم نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ہمیں اس کی ضرورت بھی تھی۔ کھانے سے فارغ ہو کر ہم لنگڑاتے چشمے پر پہنچے، نہائے، واپس آئے اور سوئے تو شام تک سوتے رہے۔ بیدار ہو کر ایک بار پھر کھانا کھایا۔ بلالی دن بھر غائب رہا۔ یقیناً وہ ڈولیاں اور باربرداروں کا انتظام کرنے گیا تھا کیونکہ آدھی رات کے وقت پڑاؤ میں بہت سے آدمیوں کی آمد سے ہماری آنکھ کھل گئی۔

پو پھٹے بلالی خود بھی آ گیا اور ہمیں مطلع کیا کہ عائشہ کا نام لے کر وہ ضروری آدمیوں کو، حالانکہ قدرے مشکل سے، اپنے ساتھ لانے میں کامیاب ہو گیا تھا وہ دو راہبر بھی ساتھ لایا تھا جو ہمیں دلدلوں کے اس پار پہنچا دینے والے تھے۔ پھر اس نے کہا کہ ہمیں فوراً ہی روانہ ہونا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس نے ارادہ ظاہر کیا کہ وہ خود بھی ہمارے ساتھ چلے گا تاکہ ہمارے ساتھ فریب نہ کیا جائے۔ بلالی ہم دو

بے وطن مجبور اور بے سہارا انسانوں سے جس قسم کی محبت کا اظہار کر رہا تھا اس نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ ان خوفناک اور واہیات دلدلوں کا سفر، مع واپسی کے سفر کے، چھ دنوں کا اور وقت طلب تھا اور بلالی جیسے معمر شخص کے لئے تکلیف دہ بلکہ خطرناک ثابت ہو سکتا تھا، لیکن وہ ہماری حفاظت کی خاطر اس کے لئے بھی تیار ہو گیا تھا اور وہ بھی بادلِ ناخواستہ نہیں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آدم خور سنگدل اور وحشی اماجر میں رحم دل لوگ بھی تھے۔ بے شک اس راہ میں بلالی کے خیال میں خود اس کا بھلا تھا کیونکہ اسے یقین تھا کہ ایشہ ضرور واپس آئے گی اور یوں ہمیں بہ حفاظت دلدلوں کے دوسری طرف پہنچا دینے کی وجہ سے اس سے خوش ہو گی۔ بہر حال یہ حقیقت ہے کہ بلالی کا سلوک ہمارے ساتھ ایسا ”پدرانہ“ رہا تھا کہ جب تک میں زندہ رہوں گا اپنے اس بوڑھے اور منہ بولے باپ کو پیار اور احترام سے یاد کرتا رہوں گا۔

ناشتے سے فارغ ہو کر ہم ڈولیوں میں سوار ہو گئے۔ طویل آرام اور پر سکون نیند کے بعد ہماری جسمانی حالت تو اطمینان بخش تھی، رہی دماغی حالت تو اس کا اندازہ قارئین خود لگا سکتے ہیں۔

اب پہاڑ کا مشکل چڑھاؤ شروع ہوا۔ اکثر جگہ چڑھاؤ قدرتی اور نسبتاً آسان تھا، راستہ سانپ کی طرح بل کھاتا ہوا اور چڑھ رہا تھا جو کور کے باشندوں نے کسی زمانے میں بنایا ہو گا اور اگر اماجر کا کہنا صحیح تھا اور اپنے مویشی اسی راستے سے سال میں ایک دفعہ چراگاہوں کی طرف لے جاتے تھے تو یہ مویشی بے حد پھرتیلے اور چالاک ہوں گے۔ غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ یہاں ڈولیاں محض بیکار تھیں چنانچہ ہم پیدل چلنے پر مجبور ہو گئے۔

بہر حال دوپہر ہوتے ہوتے ہم اس عظیم الشان چٹانی دیوار کی چپٹی چوٹی پر پہنچ گئے اور یہاں سے نیچے کا منظر مسحور کن تھا۔ تقریباً حدِ نظر تک کور کے میدان پھیلے ہوئے تھے جن کے عین بیچ میں ایک طرف سچائی کی دیوی کے مندر کے ستون صاف نظر آ رہے تھے اور دوسری طرف دلدلیں پھیلتی چلی گئی تھیں۔ چٹان کی یہ دیوار جو یقیناً کسی زمانے میں آتش فشانی دہانے کا لب رہی ہو گی ڈیڑھ میل موٹی تھی اور اس پر اب بھی باہر جڑے ہوئے ہوئے پتھروں کے تودے موجود تھے۔ اس پر کچھ نہ اگ رہا تھا البتہ یہاں وہاں شگافوں اور گڑھوں میں بارشوں کا پانی بھرا ہوا تھا۔ ہم اس زبردست چوٹی پر پہنچ گئے تھے اور اب اتار شروع ہوا۔ اتار، چڑھاؤ کی طرح مشکل نہ تھا تاہم یہ بھی خطرناک تھا۔ سورج کے غروب ہونے تک ہم نیچے پہنچ چکے تھے اور اس رات ہم نے اس ڈھلان کی چوٹی پر قیام کیا



جو دلدلوں تک چلی گئی تھی۔

دوسرے دن صبح گیارہ بجے ہمارا سفر ان خوفناک، ویران اور بخار زدہ دلدلوں میں شروع ہوا جن کی تفصیلات میں بیان کر چکا ہوں۔ پورے تین دنوں تک ان بدبودار، کہر آلود اور بخار زدہ دلدلوں میں ہمارے ڈولی بردار سنبھل سنبھل کر آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ ہم آخر کار انھیں عبور کر کے اس میدان میں پہنچ گئے جو ہر طرح کے شکار سے پُر تھا۔ یہاں دوسرے دن صبح ہم نے اپنے بوڑھے دوست بلالی کو خدا حافظ کہا جس نے اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیر کر ہمیں دعا دی۔

”الوداع میرے بیٹے لنگور!“ اس نے کہا۔ ”اور الوداع اے شیر۔ اس سے زیادہ میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا لیکن ایک نصیحت ضرور کرتا ہوں۔ اگر تم صحیح سلامت اپنے وطن پہنچ جاؤ تو کبھی انجانے علاقے کا کھوج لگانے اور ان میں داخل ہونے کی کوشش نہ کرنا۔ ہو سکتا ہے کہ آئندہ تم اپنی مہم سے کبھی واپس نہ آ سکو۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری سفید ہڈیاں کسی انجانے خطے میں پڑی لوگوں کے لئے نشانِ عبرت بن جائیں۔ الوداع میرے دوستو! میں تمہیں کبھی نہ بھولوں گا اور تم بھی مجھے نہ بھولنا میرے لنگور اور یقین ہے کہ نہ بھولو گے کیونکہ ہر چند کہ تمہاری صورت بری ہے لیکن دل برا نہیں ہے۔“

پھر وہ پلٹ کر چلا گیا اور اسی کے ساتھ ڈولی بردار بھی چلے گئے اور اس کے بعد ہمیں کبھی کوئی اماجر نظر نہ آیا۔ ہم انھیں خالی ڈولیاں لے کر جاتے دیکھتے رہے یہاں تک کہ دلدلی کہر نے انھیں اپنی آغوش میں لے لیا۔

اب ہم وسیع و عریض ویرانے میں تنہا کھڑے رہ گئے تھے۔ ہم نے چاروں طرف اور پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ تین ہفتوں پہلے چار آدمی کور کی دلدلوں میں داخل ہوئے تھے اور اب ان میں سے دو مر چکے تھے اور ہم جو زندہ تھے ایسے خوفناک واقعات سے دوچار ہوئے تھے اور ایسے بھیانک تجربات ہمیں ہوئے تھے کہ موت کا خوف بلکہ خود موت بھی ان کے سامنے کوئی حقیقت نہ رکھتی تھی۔ اور یہ سب کچھ تین ہفتوں میں ہو گیا تھا۔ صرف تین ہفتوں میں — میں تو سمجھتا ہوں کہ وقت کا اندازہ گھڑی یا سورج کے طلوع و غروب سے نہیں بلکہ واقعات سے لگانا چاہئے کیونکہ ہمیں تو یہ تین ہفتے تین برس معلوم ہو رہے تھے۔

”لیو!“ میں نے کہا۔ ”ہمیں دریائے زمبازی کی طرف چلنا چاہئے۔ لیکن خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ ہم وہاں تک پہنچ بھی سکیں گے کہ نہیں۔“

لیو نے سر ہلا دیا۔ پچھلے چند دنوں سے وہ خاموش خاموش رہنے لگا تھا۔ چنانچہ ہم اس طرح اور اس حالت میں روانہ ہوئے کہ ہمارے پاس کچھ نہ تھا سوائے جسم کے کپڑوں کے، ایک قطب نما تھا، دو پستول تھے اور دو ایک ایکسپریس رائفلیں تھیں اور ان کے لئے کارتوس کے کوئی دو سو راؤنڈ تھے۔

یوں قدیم اور عظیم کور کے کھنڈرات تک کے سفر کی ہماری داستان ختم ہوتی ہے۔

---

بعد میں ہم جن خطرات سے گزرے اور جن حادثات سے دوچار ہوئے کافی غور و خوض کے بعد میں نے انھیں یہاں حذف کرنا ہی مناسب سمجھا ہے۔ ان صفحات میں میں نے وہی واقعات بیان کئے ہیں جو بے مثال ہیں اور جن سے آپ کو، سب کو دلچسپی ہو سکتی ہے اور وہ بھی اس لئے نہیں کہ میں اس داستان کو فوراً چھپوا دینا چاہتا ہوں۔ بلکہ اس خیال سے کہ ابھی چونکہ یہ واقعات میرے دماغ میں تازہ ہیں اور مجھے ان کی تفصیلات یاد ہیں تو انھیں صفحۂ قرطاس پر بکھیر کر محفوظ کر لوں۔

رہی دوسری باتیں تو ان سے عوام کو دلچسپی نہیں ہو سکتی۔ وہ وہی ہیں جو وسطی افریقہ کے کسی بھی مسافر کو پیش آ سکتی ہیں۔

چنانچہ اتنا بتا دینا کافی ہوگا کہ بڑی مشکلوں اور دقتوں کے بعد ہم دریائے زمباسی تک پہنچ گئے جو معلوم ہوا کہ اس جگہ سے جہاں ہم بلالی سے رخصت ہوئے تھے ایک سو ستر میل جنوب میں تھا۔

یہاں ایک وحشی قبیلے نے ہمیں پکڑ لیا اور ہم پورے چھ مہینے تک ان کی قید میں رہے کیونکہ ان لوگوں نے لیو کے جوان چہرے اور سفید بالوں کی وجہ سے ہمیں دیوتا یا فوق البشر سمجھ لیا تھا — آخر کار ہم ان وحشیوں کی قید سے فرار ہونے میں بڑی زحمتوں کے بعد کامیاب ہو گئے اور زمباسی کو عبور کر کے جنوب کی سمت چل پڑے اور بھٹکتے رہے یہاں تک کہ بھوک سے ہم جاں بلب ہو گئے اور تب خوش قسمتی سے ایک پرتگالی شکاری نے، جو ہاتھیوں کے ایک گروہ کا تعاقب کرتا ہوا بھٹک کر اس طرف آ نکلا تھا، ہمیں دیکھا اور ہماری مدد کو دوڑا آیا۔ اس نے ہمارے ساتھ بڑا ہی دوستانہ سلوک کیا اور پھر بڑی دقتوں کا سامنا کرتے ہوئے اسی شکاری کی مدد سے آخر کار ڈیلوگا بے پہنچ گئے اور یہاں ہم کور کی دلدلوں سے نکلنے کے اٹھارہ انیس مہینے بعد پہنچے تھے۔

دوسرے ہی دن خوش قسمتی سے ہمیں ایک چھوٹا سا جہاز مل گیا جو کیپ سے انگلستان جا رہا تھا۔ ہمارے وطن تک کا سفر بے حد آرام دہ رہا اور وطن سے روانگی کے ٹھیک دو سال بعد ہم نے ایک



بار پھر ساؤتھ ہیمپٹن کی بندرگاہ پر قدم رکھا۔

اس وقت میں یہ آخری سطور کالج کے اسی کمرے میں بیٹھا لکھ رہا ہوں جہاں ڈھائی سال پہلے میرا دوست ونسی مرنے سے پہلے وہ صندوق لے کر آیا کرتا تھا جس نے آخر کار ہمیں اس عجیب و غریب اور خطرناک مہم پر روانہ کر دیا تھا۔ میں یہ لکھ رہا ہوں اور لیو میز کی کرسی کے پیچھے کھڑا ہوا آگے کی طرف جھکا یہ تحریر پڑھ رہا تھا۔

چنانچہ جہاں تک آپ کا اور قارئین کا تعلق ہے یہ داستان یہاں ختم ہوتی ہے لیکن یہ داستان میرے اور لیو کے لئے کہاں اور کب ختم ہوگی یہ میں نہ جانتا ہوں اور نہ کہہ سکتا ہوں۔ آپ جانئے کہ جو داستان دو ہزار سال پہلے شروع ہوئی ہو وہ مستقبل بعید تک پھیل سکتی ہے اس مستقبل تک جس کے متعلق کوئی کچھ نہیں جانتا۔

---

کیا واقعی لیو اسی قالی قریط کا دوسرا جنم تھا جس کا ذکر سفال میں کیا گیا تھا؟ یا پھر لیو کی قالی قریط سے مشابہت ایشہ کو دھوکا دے گئی؟ اور ایک سوال اور — جنم جنم کے اس چکر میں کیا استین، آمن ارتاس تھی؟ کیا آمن ارتاس نے استین بن کر جنم لیا تھا؟ مناسب ہوگا کہ اس کا فیصلہ خود قارئین، جیسا مناسب سمجھیں کر لیں۔ میں تو بہرحال ایک فیصلہ کر چکا ہوں۔ یعنی یہ کہ لیو کو قالی قریط کے طور پر پہچاننے میں ایشہ نے کوئی غلطی نہ کی تھی۔

اکثر راتوں کو تنہا بیٹھا میں تصور کی نظروں سے انجانے مستقبل کے اندھیرے میں جھانکنے کی کوشش کرتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ یہ عجیب و غریب ڈرامہ کب انجام کو پہنچے گا اس کا دوسرا ایکٹ کیسا ہوگا؟ یہ المیہ ہوگا یا طربیہ؟ اور یہ کہ جب پردہ اٹھے گا تو دوسرا ایکٹ کون سے پس منظر میں اور کہاں کھیلا جائے گا اور اگر ایسا ہوا اور مجھے یقین ہے کہ ہوگا، تو پھر اس دوسرے اور آخری ایکٹ میں خوبصورت آمن ارتاس، فراعنہ کے خاندان کی وہ مصری شہزادی کون سا کردار ادا کرے گی اور کون سے روپ میں سامنے آئے گی؟

اور ایشہ —؟

وہ شاید پہلے سے زیادہ حسین ہوگی جیسا کہ اس نے کہا تھا؟

آمن ارتاس، قالی قریط اور ایشہ۔

اسٹین لیواور ایشہ۔

محبت کی اس تکون کا انجام کیا ہوگا؟

خدا ہی بہتر جانتا ہے۔

لیکن اتنا تو میں بھی جانتا ہوں کہ قسمت کے لکھے کو کوئی نہیں مٹا سکتا۔ مجھے یقین ہے کہ اس عجیب ڈرامے کے دوسرے منظر پر سے پردہ اٹھے گا۔ کب اور کہاں؟ اس کا انتظار ہے۔